وفاق المدارس سلفیہ کے حل شدہ اپ ٹوڈیٹ پیپر

گائیڈ

عالمیۃ السّلفیہ

برائے طلباء، طالبات



سال
اوّل

جدید حل شدہ
ماڈل پیپرز

زیر نگرانی: تجربہ کار ماہرین تعلیم



مکتبہ نعمانیہ

اردو بازار گوجرانوالہ 055-4235072

فہرست مضامین

(طلباء و طالبات)

التفسیر واصولہ 1444ھ/2023 (سالانہ)

حصہ انشائیہ: کل نمبر 70

نوٹ: حصہ انشائیہ التفسیر سے کوئی سے تین سوال حل کریں۔ ہر سوال کے 14 نمبر ہیں۔

التفسیر

سوال 1: درج ذیل عبارت کا ترجمہ اور مفہوم واضح کریں۔

﴿وَالَّذِيْنَ يَبْتَغُوْنَ الْكِتٰبَ مِمَّا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ﴾ الموصول في محل رفع على الابتداء، ويجوز أن يكون في محل نصب على إضمار فعل يفسره ما بعده أي: وكاتبوا الذين يبتغون الكتاب، والكتاب مصدر كاتب كالمكاتبة، يقال: كاتب يكاتب كتاباً ومكاتبة، كما يقال: قاتل يقاتل قتالاً ومقاتلة، ومعنى المكاتبة في الشرع: أن يكاتب الرجل عبده على مال يؤديه منجماً، فإذا أدّاه فهو حرّ،

جواب: ترجمہ: اور وہ لوگ جو تمہارے غلاموں میں سے مکاتبت (آزادی کا معاہدہ) چاہتے ہیں، یہاں "الَّذِينَ" (جو لوگ) مبتدا کے محل میں ہے (یعنی جملے کی ابتدا کا حصہ ہے)۔اور یہ بھی جائز ہے کہ یہ "نصب" کے محل میں مانا جائے، یعنی اس پر ایک فعل محذوف مقدر ہے جسے آگے آنے والے الفاظ واضح کرتے ہیں۔ مطلب یہ ہے: ''اور مکاتبت کرو ان لوگوں سے جو کتابت چاہتے ہیں۔''

"الكتاب" دراصل مصدر ہے "كاتب" سے، جیسے "مكاتبة"۔ عربی میں کہا جاتا ہے: كاتب يكاتب كتاباً ومكاتبة، جیسے کہا جاتا ہے: قاتل يقاتل قتالاً ومقاتلة۔

شرعی اصطلاح میں "مكاتبة" کا مطلب ہے کہ: آقا اپنے غلام سے یہ معاہدہ کرے کہ وہ ایک متعین مال قسطوں میں ادا کرے، اور جب وہ سب مال ادا کر دے تو وہ آزاد ہو جائے گا۔

مفہوم وفقہی نکات: 1۔ مکاتبت کا شرعی حکم امام شافعی، امام مالک اور امام احمد رحمہم اللہ کے نزدیک اگر غلام آزادی چاہے اور اس میں خیر موجود ہو تو آقا پر مکاتبت کرنا واجب ہے۔ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ اور ان

کے اصحاب کے نزدیک یہ واجب نہیں بلکہ مستحب ہے۔

2۔خیر کا مطلب اس سے مراد ایمان، نیک چلنی اور کمائی کی صلاحیت ہے تا کہ غلام قسطیں ادا کر سکے۔بعض مفسرین نے خیر سے مراد دیانت داری لی ہے۔

3۔مکاتبت کی صورت آقا غلام سے معاہدہ کرے کہ وہ ایک متعین مال قسطوں میں ادا کرے گا۔جب غلام پورا مال ادا کر دے تو وہ آزاد ہو جائے گا۔اگر پورا نہ کرے تو غلامی باقی رہے گی۔

4۔غلام کی مدد: آیت کے اگلے حصے میں ہے: ﴿وَآتُوهُمْ مِنْ مَالِ اللَّهِ﴾ یعنی مکاتب غلاموں کی مالی مدد کرو۔اس کا مطلب یہ ہے کہ بیت المال، آقا یا معاشرہ ان کو سہولت فراہم کرے تا کہ آزادی حاصل ہو سکے۔

5۔حکمت: غلاموں کو آزادی کا راستہ دینا۔انہیں ذمہ داری اور محنت کا موقع دینا۔غلامی کے نظام کو بتدریج ختم کرنا۔

خلاصہ مفہوم: فتح القدیر کی عبارت اس بات کو واضح کرتی ہے کہ "کتاب" سے مراد مکاتبت ہے، یعنی غلام اور آقا کے درمیان آزادی کا معاہدہ۔قرآن نے آقاؤں کو حکم دیا ہے کہ اگر غلام خود آزادی کا مطالبہ کرے اور اس میں صلاحیت ہو تو اس کے ساتھ مکاتبت کریں اور اس کی مدد بھی کریں۔یہ اسلامی معاشرت میں غلامی کے خاتمے کا ایک مضبوط ذریعہ ہے۔

نحوی وضاحت: الذین: اسم موصول ہے، اور اس کا اعراب یا تو مبتدا کے محل پر ہے یا مفعول بہ کے محل پر (فعل محذوف کی بنا پر)۔یبتغون: فعل مضارع مرفوع، فاعل اس میں واو ہے جو ضمیر جمع کی طرف راجع ہے۔الکتاب: مفعول بہ اول ہے "یبتغون" کا۔مما ملكت أيمانكم: "من" بیانیہ ہے، یعنی وہ غلام جو تمہارے ہاتھوں کی ملکیت میں ہیں۔جملہ کا تقدیری معنی: "وکاتبوا الذین یبتغون الکتاب"۔

سوال 2: درج ذیل عبارت کا ترجمہ وتشریح کریں اور خط کشیدہ الفاظ کے صیغے حل کریں۔

﴿يَاأَيُّهَا النَّبِيُّ اتَّقِ اللَّهَ﴾ أي دم على ذلك، وازدد منه ﴿وَلَا تُطِعِ الْكٰفِرِيْنَ وَالْمُنٰفِقِيْنَ﴾ من أهل مكة، ومن هو على مثل كفرهم ﴿الْمُنٰفِقُوْنَ﴾ أي الذين يظهرون الإسلام، ويبطنون الكفر. ﴿إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلِيْمًا حَكِيْمًا﴾ أي كثير العلم والحكمة بليغهما، ﴿وَّاتَّبِعْ مَا يُوْحٰى إِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ﴾ من القرآن،

جواب: عبارت کا ترجمہ: ﴿ يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ اتَّقِ اللّٰهَ ﴾ اے نبی ﷺ! اللہ سے ڈرتے رہو۔ یعنی اس پر قائم رہو اور تقویٰ میں مزید بڑھو۔ ﴿ وَ لَا تُطِعِ الْكٰفِرِيْنَ وَ الْمُنٰفِقِيْنَ ﴾ اور کافروں کی اطاعت نہ کرو، یعنی مکہ کے مشرکین کی اور نہ ان لوگوں کی جو ان جیسے کفر پر ہیں۔ ﴿ الْمُنٰفِقُوْنَ ﴾ اور نہ ہی منافقوں کی اطاعت کرو، یعنی وہ لوگ جو ظاہر میں اسلام لاتے ہیں مگر دل میں کفر چھپاتے ہیں۔ ﴿ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ﴾ بے شک اللہ خوب علم والا ہے اور بڑی حکمت والا ہے، یعنی اس کا علم بھی کامل ہے اور اس کی حکمت بھی بلیغ ہے۔ ﴿ وَّ اتَّبِعْ مَا يُوْحٰۤى اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ ﴾ اور پیروی کیجیے اس کی جو آپ کے رب کی طرف سے آپ کی طرف وحی کی جاتی ہے، یعنی قرآن کی۔

تشریح: یہ خطابِ الٰہی نبی ﷺ کی ہدایت وتقویٰ کی طرف متوجہ کرتا ہے اور ساتھ ہی انہیں عملی رہنمائی بھی دیتا ہے: ابتدا میں محبت اور احترام کے ساتھ منصبِ نبوت کی طرف متوجہ کر کے ﴿ يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ ﴾ تاکید کی گئی ہے کہ آپ تقویٰ اختیار کریں یعنی دل و زبان اور اعمال سب میں اللہ کا خوف اور محتاطی رکھیں اور اس میں مزید اضافہ کریں؛ اس سے مراد صرف فردی عبادت نہیں بلکہ ہر معاملے میں پرہیزگاری اور احتیاط ہے۔ پھر منفی حکم ﴿ وَ لَا تُطِعِ الْكٰفِرِيْنَ وَ الْمُنٰفِقِيْنَ ﴾ کے ذریعے واضح کیا جاتا ہے کہ نہ تو ظاہری کفر والوں کی نصیحت وخوف سے اور نہ ہی اندر سے بائیں مہرہ رکھنے والے منافقوں کی چالوں پر عمل کیا جائے، کیونکہ دونوں نوع کے لوگ دین کو منحرف کرنے یا مفادات کے حصول کے لیے راہِ حق میں رکاوٹ بن سکتے ہیں؛ یہاں خارجی دشمن اور داخلی بدامنی دونوں کا خطرہ سامنے رکھا گیا ہے۔ اس کے بعد ﴿ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ﴾ اس پابندی کی دلیل وتسلی ہے؛ اللہ کا علم کامل اور حکمت بلیغ ہے، لہٰذا جو حکم آپ کو وحی کے ذریعے ملتا ہے وہ علم وحکمتِ الٰہی کے مطابق ہے اور انسانی مشوروں پر مقدم رکھنے کی وجہ یہی ہے۔ آخر میں ﴿ وَّ اتَّبِعْ مَا يُوْحٰۤى اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ ﴾ عملی نقطۂ نظر بتاتا ہے: آپ اسی چیز کی پیروی کریں جو آپ پر رب کی طرف سے نازل کی جارہی ہے؛ لفظِ یوحی (بامبنی مجہول) سے تسلسلِ وحی اور اس کے مصدر ہونے کا اشارہ ملتا ہے یعنی وحی ایک مستقل ذریعہ ہدایت ہے نہ کہ وقتی مشوروں یا سازشوں کا تابع۔ مجموعی طور پر یہ آیات نبی ﷺ کو ذہنی پختگی، اخلاقی صداقت اور وحی کی مطلق پیروی کا حکم دیتی ہیں اور امت کے لیے بھی یہ اصول واضح کرتی ہیں کہ قیادت اور فتوے میں خدائی ہدایت کو انسانی مفاد یا دباؤ سے ترجیح دینا لازمی ہے۔

صیغہ 1: لا تطع: فعل نہی واحد، مذکر حاضر، اَطاعَ یُطِیْعُ اجوف یائی ثلاثی مزید فیہ۔

صیغہ 2: اُزْدُدْ: فعل امر، واحد مذکر حاضر۔

سوال 3: درج ذیل آیات کا ترجمہ وتشریح کریں اور شان نزول واضح کریں۔

﴿إِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِينًا ۝ لِّيَغْفِرَ لَكَ اللَّهُ مَا تَقَدَّمَ مِن ذَنبِكَ وَمَا تَأَخَّرَ وَيُتِمَّ نِعْمَتَهُ عَلَيْ
يَهْدِيَكَ صِرَاطًا مُّسْتَقِيمًا ۝ وَيَنصُرَكَ اللَّهُ نَصْرًا عَزِيزًا ۝﴾

آیت نمبر 1: ﴿إِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِينًا ۝﴾ ترجمہ: بے شک ہم نے آپ کے لیے کھلی فتح (کامیابی) عطا فرمائی۔

تشریح: اللہ تعالیٰ نبی کریم ﷺ کو مخاطب کرتے ہوئے فرماتا ہے کہ اس نے آپ ﷺ کو واضح، نمایاں اور روشن فتح عطا کی ہے۔ یہ فتح صرف ایک جنگی کامیابی نہیں بلکہ ایک جامع اصطلاح جس میں ہر وہ کامیابی شامل ہے جو اللہ نے اپنے رسول ﷺ کو عطا فرمائی۔

شان نزول: اس سے مراد صلح حدیبیہ ہے جو 6 ہجری میں پیش آئی۔ اس معاہدے کو ظاہری طو مسلمانوں کے لیے ایک سختی یا شکست جیسا سمجھا گیا تھا، لیکن درحقیقت یہ ایک عظیم فتح تھی۔ اس کے اسلام تیزی سے پھیلا، لوگ جوق در جوق اسلام میں داخل ہوئے، اور مسلمانوں کو سیاسی طور پر عرب ایک طاقت کے طور پر تسلیم کیا گیا۔ قرآن نے اسے "فتح مبین" (کھلی فتح) کہہ کر اس کی اہمیت واضح کیا۔

آیت نمبر 2: ﴿لِّيَغْفِرَ لَكَ اللَّهُ مَا تَقَدَّمَ مِن ذَنبِكَ وَمَا تَأَخَّرَ وَيُتِمَّ نِعْمَتَهُ عَلَيْكَ وَيَهْدِ
صِرَاطًا مُّسْتَقِيمًا ۝﴾

ترجمہ: تاکہ اللہ آپ کے اگلے اور پچھلے تمام گناہوں (یا معمولی لغزشوں) کو معاف فرما دے اور آ پر اپنی نعمت پوری کرے اور آپ کو سیدھے راستے کی ہدایت دے۔

تشریح: یہ اللہ کی طرف سے اس فتح کے عطا کرنے کے مقاصد اور نتائج ہیں:

مغفرت: ﴿مَا تَقَدَّمَ مِن ذَنبِكَ وَمَا تَأَخَّرَ﴾ سے مراد انبیاء کرام کی وہ معمولی سی لغزشیں (زلا ہیں جو ان کی بشریت کے تقاضے تھے، جن پر اللہ نے فوراً انہیں متنبہ فرما دیا اور وہ توبہ و استغفار کر تھے۔ اہل علم کے نزدیک انبیاء کرام کبیرہ گناہوں سے معصوم ہوتے ہیں۔ یہاں "ذنب" سے مرا اعمال ہیں جو کمال درجے کے اعلیٰ مقام کے لحاظ سے "تقصیر" سمجھے جاتے ہیں۔

نعمت کی تکمیل: یہ نعمت نبوت، قرآن، اسلام کی تکمیل یا پھر جنت کی نعمت ہو سکتی ہے۔ بعض مفسرین

نزدین اس سے مراد آپ ﷺ کی رسالت اور دین کی تکمیل ہے۔

ھدایت: آپ ﷺ کو ہمیشہ سیدھے راستے (صراط مستقیم) پر ثابت قدم رکھنا۔ یہ ہدایت درحقیقت امت کے لیے بھی ایک نمونہ (ماڈل) ہے۔

شان نزول: یہ صلح حدیبیہ کی فتح کے بعد اللہ کا اپنے رسول ﷺ پر خصوصی انعام واکرام ہے۔

آیت نمبر 3: ﴿وَّ یَنۡصُرَکَ اللّٰہُ نَصۡرًا عَزِیۡزًا﴾ ترجمہ: اور اللہ آپ کی عزت والی (زبردست) نصرت فرمائے۔

تشریح: اللہ تعالیٰ اپنے رسول ﷺ کو مستقبل کے لیے یہ یقین دہانی کراتا ہے کہ وہ آپ کی ہمیشہ نصرت کرے گا اور یہ نصرت "عزیر" (عزت والی، زبردست، غالب) ہوگی جسے کوئی شکست نہیں دے سکے گا۔ یہ وعدہ صرف رسول اللہ ﷺ کے لیے ہی نہیں بلکہ آپ ﷺ کی امت کے لیے بھی ہے جب تک وہ دین پر قائم رہے گی۔

شان نزول: یہ بھی صلح حدیبیہ کے بعد کے واقعات کے حوالے سے ایک پیشین گوئی ہے۔ اس کے بعد واقعی مکہ فتح ہوا اور اسلام کو غلبہ حاصل ہوا۔

سوال 4: سورۃ الحجرات کی روشنی میں ایک کامیاب اسلامی معاشرہ کے سنہری اصول بیان کریں۔

جواب: اللہ اور رسول ﷺ کی اطاعت اور ادب: سورۃ الحجرات کی ابتدا ہی اس اصول سے ہوتی ہے کہ ایمان والے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے حکم سے آگے نہ بڑھیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اسلامی معاشرے کی بنیاد اطاعت اور ادب پر ہے۔ کوئی بھی رائے یا فیصلہ قرآن وسنت کے خلاف نہیں ہونا چاہیے۔ یہ اصول امت کو یہ سکھاتا ہے کہ اجتماعی زندگی میں اصل رہنمائی صرف اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے احکام سے لی جائے۔

نبی کریم ﷺ کے احترام کا اصول: آگے حکم دیا گیا کہ نبی کریم ﷺ کے سامنے آواز بلند نہ کی جائے۔ یہ براہِ راست رسول اللہ ﷺ کے ادب سے متعلق ہے، لیکن اس سے امت کے لیے عمومی سبق یہ ملتا ہے کہ قیادت اور بزرگوں کے احترام کے بغیر معاشرے میں نظم اور اتحاد قائم نہیں ہوسکتا۔

خبر کی تحقیق کا اصول: سورۃ الحجرات میں یہ بھی واضح کیا گیا کہ اگر کوئی فاسق خبر لے کر آئے تو تحقیق کے بغیر اس پر عمل نہ کیا جائے۔ اس اصول سے یہ رہنمائی ملتی ہے کہ اسلامی معاشرے میں جھوٹی خبریں، افواہیں اور بغیر تحقیق بات پھیلانا سخت نقصان دہ ہے۔ تحقیق اور تصدیق کے بغیر کسی بات کو آگے

بڑھانا فساد کا باعث بنتا ہے۔

صلح اور اصلاح کا اصول: اگر مسلمانوں کے دو گروہ آپس میں لڑ پڑیں تو قرآن کہتا ہے کہ ان کے درمیان صلح کراؤ۔ یہ اصول اس بات کی ضمانت ہے کہ اسلامی معاشرے میں اختلافات یا تنازعات کو سلجھانے کے لیے ہمیشہ اصلاح اور مصالحت کا راستہ اختیار کیا جائے۔ یہ معاشرے کو ٹوٹ پھوٹ سے بچانے کا ذریعہ ہے۔

مذاق اڑانے اور طعنہ دینے سے اجتناب: اس سورت میں یہ بھی ہدایت دی گئی ہے کہ مومن نہ تو دوسرے مومن کا مذاق اڑائے، نہ طعنے دے، اور نہ برے القاب سے پکارے۔ اس سے معاشرے میں عزت، بھائی چارہ اور محبت قائم رہتی ہے، اور دلوں میں کینہ اور نفرت پیدا نہیں ہوتی۔

بدگمانی، تجسس اور غیبت سے بچاؤ: قرآن نے یہاں واضح طور پر بدگمانی، ایک دوسرے کے حالات کی ٹوہ میں رہنے (تجسس) اور غیبت کرنے سے منع فرمایا ہے۔ یہ وہ اخلاقی بیماریاں ہیں جو کسی بھی معاشرے کو اندر سے کھوکھلا کر دیتی ہیں۔ ایک کامیاب اسلامی معاشرہ ان عیوب سے پاک ہوتا ہے۔

اخوت اور مساوات کا اصول: اس سورت میں یہ عظیم اعلان بھی کیا گیا: ﴿اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ﴾۔ یعنی مومن آپس میں بھائی ہیں۔ اس اصول کے تحت اسلامی معاشرہ اخوت، مساوات اور باہمی خیرخواہی پر قائم ہوتا ہے، جہاں کسی کو دوسرے پر نسل، قبیلے یا زبان کی بنیاد پر برتری حاصل نہیں۔

تقویٰ پر مبنی فضیلت: آخر میں قرآن نے واضح کیا کہ اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ عزت والا وہ ہے جو سب سے زیادہ متقی ہو۔ اس طرح اسلامی معاشرہ رنگ، نسل یا نسب پر نہیں بلکہ تقویٰ اور پرہیزگاری پر فضیلت دیتا ہے۔ یہ اصول عدل و مساوات اور اخلاقی بلندی کی ضمانت ہے۔

اصول التفسیر

نوٹ: حصہ انشائیہ اصول تفسیر سے کوئی سے دو سوال حل کریں۔ ہر سوال کے 14 نمبر ہیں۔

سوال 5: قرآنی علوم خمسہ کا مختصر تعارف لکھ کر عقیدہ تثلیث اور عقیدہ مصلوبیت پر روشنی ڈالیے۔

جواب: (الف) **قرآنی علوم خمسہ کا مختصر تعارف:**

شاہ ولی اللہ دہلوی رحمہ اللہ نے اپنی مشہور کتاب الفوز الکبیر میں قرآن فہمی کے لیے پانچ بنیادی علوم کو ذکر کیا ہے جنہیں ''علومِ خمسہ'' کہا جاتا ہے۔

1. **علم الأحکام:** اس میں قرآن کے وہ مضامین شامل ہیں جن میں عقائد، عبادات، معاملات، اخلاق اور معاشرتی اصولوں کے احکام بیان کیے گئے ہیں۔

2. **علم المحاجۃ:** یہ وہ حصہ ہے جس میں قرآن کفار، مشرکین اور اہل کتاب کے باطل عقائد پر رد اور اسلام کی حقانیت پر دلائل پیش کرتا ہے۔

3. **علم التذکیر بنعم اللہ:** اس میں اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا ذکر ہے تاکہ انسان شکر گزار ہو اور ناشکری سے بچے۔

4. **علم التذکیر بأیام اللہ:** اس میں گزشتہ امتوں کے حالات، ان کی نافرمانیاں اور ان پر آنے والے عذاب کا بیان ہے تاکہ مومنین عبرت حاصل کریں۔

5. **علم المواعظ:** یہ قرآن کے وہ مقامات ہیں جن میں دلوں کو نرم کرنے کے لیے نصیحت، آخرت کی یاددہانی اور وعظ و نصیحت کی باتیں ہیں۔

سوال: (ب) عقیدہ تثلیث: (اس سوال کے جواب کے لیے 2025 کے حل شدہ پرچہ کا سوال نمبر 5 دیکھیں)

سوال: (ج) عقیدہ مصلوبیت؟

جواب: **عقیدہ مصلوبیت:** عیسائیوں کے نزدیک حضرت عیسیٰ علیہ السلام دنیا میں آئے تاکہ بنی نوع انسان کے گناہوں کا کفارہ اپنی جان قربان کر کے ادا کریں۔ ان کے عقیدے کے مطابق یہودیوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو گرفتار کیا، مقدمہ چلایا اور پھر انہیں سولی پر لٹکا کر قتل کر دیا۔ ان کا ماننا ہے کہ یہ قربانی انسانیت کے لیے نجات کا ذریعہ بنی۔ یہ عقیدہ عیسائیت کی بنیادوں میں شامل ہے، مگر قرآن مجید نے اسے صریح طور پر باطل اور حقیقت کے خلاف قرار دیا۔

قرآن مجید کا موقف: قرآن کریم نے عقیدہ مصلوبیت کی سختی سے تردید کی ہے اور واضح طور پر اعلان فرمایا:

﴿وَقَوْلِهِمْ إِنَّا قَتَلْنَا الْمَسِيحَ عِيسَى ابْنَ مَرْيَمَ رَسُولَ اللَّهِ وَمَا قَتَلُوهُ وَمَا صَلَبُوهُ وَلَٰكِن شُبِّهَ لَهُمْ ۚ وَإِنَّ الَّذِينَ اخْتَلَفُوا فِيهِ لَفِي شَكٍّ مِّنْهُ ۚ مَا لَهُم بِهِ مِنْ عِلْمٍ إِلَّا اتِّبَاعَ الظَّنِّ ۚ وَمَا قَتَلُوهُ يَقِينًا ۝ بَل رَّفَعَهُ اللَّهُ إِلَيْهِ ۚ وَكَانَ اللَّهُ عَزِيزًا حَكِيمًا ۝﴾ (النساء: 157-158)

ان آیات میں یہ نکات بالکل واضح ہیں:

1۔ یہودیوں کا یہ دعویٰ کہ ہم نے مسیح عیسیٰ کو قتل کیا غلط ہے۔

2۔ نہ انہیں قتل کیا گیا اور نہ سولی پر چڑھایا گیا۔

3۔ بلکہ ان پر مشابہت ڈال دی گئی یعنی کسی اور کو عیسیٰ علیہ السلام کی صورت میں ظاہر کر دیا گیا۔

4۔ اصل حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ کو اپنی طرف زندہ اٹھالیا۔

مفسرین کی وضاحت: اکثر مفسرین نے بیان کیا ہے کہ جب یہودیوں نے حضرت عیسیٰ کو گر کرنے کا منصوبہ بنایا تو اللہ تعالیٰ نے ان کی حفاظت فرمائی۔ بعض روایات میں ہے کہ اللہ نے ان چہرے کو بدل کر ان کے ایک دشمن کو حضرت عیسیٰ کی شکل میں کر دیا، جسے یہودیوں نے صلیب پر چ دیا۔ اس طرح وہ خود دھوکہ کھا گئے۔

عقیدہ مصلوبیت کی تردید کی حکمت: قرآن نے اس عقیدے کو صرف اس لیے رد نہ کیا کہ یہ تاریخی اعتبار سے غلط ہے، بلکہ اس کے کئی گہرے پہلو ہیں: 1۔ اللہ کی سنت کے خلاف: اللہ ا برگزیدہ رسولوں کو ذلت کے ساتھ ہلاک نہیں کرتا۔ 2۔ کفارہ کی غلط بنیاد: یہ عقیدہ انسان کو عمل سے غاف کر دیتا ہے، کیونکہ وہ سمجھتا ہے کہ نجات صرف مسیح کی قربانی سے ممکن ہے۔ اسلام اس کے برعکس اعمال ایمان اور تقویٰ پر نجات کی بنیاد رکھتا ہے۔ 3۔ رسالت کا مقام: قرآن یہ واضح کرنا چاہتا ہے کہ حضر عیسیٰ اللہ کے رسول اور نبی ہیں، خدا یا خدا کے بیٹے نہیں، لہٰذا ان کے بارے میں ایسا عقیدہ رکھنا صر کفر ہے۔

سوال 6: قرآنی الفاظ کی اصل مراد کو سمجھنے میں پیش آمدہ مشکلات کے پانچ اسباب بیان کیجئے اور ن کے متعلق ایک جامع مضمون احاطہ تحریر میں لائیں۔

جواب: (الف) قرآنی الفاظ کی اصل مراد کو سمجھنے میں پیش آمدہ مشکلات کے پانچ اسباب: (اس سوال کے جواب کے لیے 2024 اور 2025 کے سالانہ حل شدہ پرچہ کا سوال نمبر 7 دیکھیں)

(ب) نسخ کے متعلق ایک جامع مضمون: (اس سوال کے جواب کے لیے 2024 کے حل شدہ پرچہ کا سوال نمبر 6 دیکھیں)

سوال 7: درج ذیل عبارت پر اعراب لگا کر ترجمہ کریں۔

جواب: عبارت مع اعراب: التَّشْبِيهُ عِبَارَةٌ عَنْ إِثْبَاتِ الصِّفَاتِ الْبَشَرِيَّةِ لِلّٰهِ تَبَارَكَ وَتَعَالَى، فَكَانُوا يَقُولُونَ: إِنَّ الْمَلَائِكَةَ بَنَاتُ اللّٰهِ، وَإِنَّهُ تَعَالَى يَقْبَلُ شَفَاعَ

عِبَادِهِ وَإِنْ لَمْ يَرْضَ بِهَا، كَمَا يَفْعَلُ الْمُلُوكُ أَحْيَانًا مِثْلَ ذَلِكَ الْأُمَرَاءُ الْكِبَارُ، وَلَمَّا لَمْ يَسْتَطِيعُوا إِدْرَاكَ عِلْمِهِ تَعَالَى وَسَمْعِهِ وَبَصَرِهِ كَمَا يَلِيقُ بِشَأْنِ الْأُلُوهِيَّةِ، قَاسُوهَا عَلَى عِلْمِهِمْ وَسَمْعِهِمْ وَبَصَرِهِمْ، فَوَقَعُوا فِي عَقِيدَةِ التَّجْسِيمِ، وَنَسَبُوا التَّحَيُّزَ إِلَى اللهِ تَعَالَى شَأْنُهُ.

ترجمہ: تشبیہ سے مراد یہ ہے کہ اللہ تبارک وتعالی کے لیے انسانی صفات ثابت کی جائیں۔ چنانچہ وہ کہا کرتے تھے کہ فرشتے اللہ کی بیٹیاں ہیں اور یہ کہ اللہ تعالی اپنے بندوں کی شفاعت قبول کر لیتا ہے خواہ وہ اس پر راضی نہ بھی ہو، جیسے بادشاہ بعض اوقات بڑے امراء کی سفارش قبول کر لیتے ہیں۔ اور جب وہ اللہ تعالی کے علم، اس کی سماعت اور اس کی بصارت کو شانِ الوہیت کے لائق طور پر سمجھنے سے عاجز رہے تو انہوں نے ان کو اپنے ہی علم، سماعت اور بصارت پر قیاس کر لیا، پس وہ تجسیم کے عقیدے میں پڑ گئے اور اللہ تعالی کی طرف جسمانی محدودیت کو منسوب کر دیا، حالانکہ وہ ہر نقص سے پاک ہے۔

حصہ معروضی کل نمبر 30

نوٹ: حصہ معروضی کے تمام سوال لازمی ہیں۔

التفسير

سوال 8: درج ذیل کے مختصر جواب دیں۔ 10 نمبر

سوال 1: "تستانسوا" اور "دری" کے معانی لکھیں۔

جواب: تستانسوا: اجازت لینا، انس حاصل کرنا (سورۃ النور میں آیا ہے: "حتی تستانسوا وتسلّموا...")۔ دُرِّيٌّ (بضم الدال وتشديد الراء المكسورة): چمکدار، نہایت روشن، جگمگاتا ہوا (جیسے موتی یا ستارہ)۔

سوال 2: سورۃ محمد کا کوئی ایک دوسرا نام تحریر کریں۔

جواب: سورۃ محمد کو سورۃ القتال بھی کہا جاتا ہے۔

سوال 3: لعان سے کیا مراد ہے؟ وضاحت کریں۔

جواب: لعان ایک شرعی طریقہ ہے جس کے ذریعے شوہر اپنی بیوی پر زنا کا الزام لگائے اور گواہ نہ لا سکے تو دونوں قاضی کے سامنے چار مرتبہ اللہ کی قسم کھا کر گواہی دیتے ہیں اور پانچویں بار لعنت یا غضب کی بد دعا کرتے ہیں۔ اس کے بعد دونوں کے درمیان ہمیشہ کے لیے جدائی ہو جاتی ہے۔

پردے کے احکام کس کس سورت میں ہیں؟

ے کے احکام سورۃ النور اور سورۃ الاحزاب میں بیان ہوئے ہیں۔

5: شعر کا ترجمہ کریں۔ فإنك شمس والملوك كواكب ... إذا ظهرت لم

منهن كوكب

نک آپ (یعنی محبوب/مدح کیا گیا شخص) سورج کی مانند ہیں اور بادشاہ ستاروں کی ط

پ ظاہر ہوتے ہیں تو پھر ان میں سے کوئی ستارہ باقی نہیں رہتا (یعنی آپ کی روشنی سب

غالب احاطہ ہے)۔"

درج ذیل میں سے صحیح پر (✔) اور غلط پر (✖) کا نشان لگائیں۔ 10 نمبر

قول للذی انعم اللہ علیہ وانعمت علیہ" سے مراد اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما ہیں۔ (✖)

2۔ مباشرت سے قبل طلاق ہو جائے تو اس کی عدت ایک ماہ ہے۔ (✖)

ریظہ کا تذکرہ سورۃ احزاب میں ہے۔ (✔)

اب کا ذکر سورۃ نور میں ہے۔ (✖)

5۔ الا یاتل اولوا الفضل منکم" سے مراد سیدنا ابوبکر ہیں۔ (✔)

اصول التفسیر

درج ذیل سوالات کے مختصر جواب دیں۔ 5 نمبر

سوال 1: علم احکام اور علم جدل کی تفصیل کس کس کے ذمے ہے۔

جواب: علم احکام کی تفصیل فقہاء کے ذمے ہے۔ علم جدل (کلامی بحث) کی تفصیل علماء متکلمین کے ذ

ہے۔

سوال 2: شاہ صاحب کی بیان کردہ مشرکین کی ضلالت کی صورتوں میں سے دو صورتیں بیان کریں۔

جواب: 1۔ اللہ تعالیٰ کے لیے انسانی صفات ثابت کرنا (تشبیہ و تجسیم)۔ 2۔ سفارش اور وسیلہ پر

اللہ زبردستی قبول کر لیتا ہے۔

سوال 3: منافقین کی اقسام بیان کریں۔

جواب: اعتقادی منافق: دل سے کافر مگر زبان سے مسلمان۔ عملی منافق: عادات و اعمال میں نفاق ر

[illegible]

[illegible]

[redacted] [illegible]

[redacted] [illegible]

[redacted] [illegible]

[redacted] [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[redacted] [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible] (•) [illegible]

[illegible]

[illegible] [illegible] (•) [illegible]

[illegible]

(•) [illegible] [illegible]

[illegible] في ترجمة القرآن [illegible]

[illegible] (•) [illegible]

⚬⚬⚬⚬⚬

الحدیث واصولہ للطلبہ 1444ھ/2023 (سالانہ)

حصہ انشائیہ: کل نمبر 70

نوٹ: حصہ انشائیہ الحدیث سے کوئی سے تین سوال حل کریں۔ ہر سوال کے 14 نمبر ہیں۔

الحدیث

سوال 1: باب النَّهْيِ عَنِ الْمَدْحِ إِذَا كَانَ فِيهِ إِفْرَاطٌ وَخِيفَ مِنْهُ فِتْنَةٌ عَلَى الْمَمْدُوحِ. عَنْ مُجَاهِدٍ عَنْ أَبِي مَعْمَرٍ قَالَ قَامَ رَجُلٌ يُثْنِي عَلَى أَمِيرٍ مِنَ الأُمَرَاءِ فَجَعَلَ الْمِقْدَادُ يَحْثِي عَلَيْهِ التُّرَابَ وَقَالَ أَمَرَنَا رَسُولُ اللَّهِ ﷺ أَنْ نَحْثِيَ فِي وُجُوهِ الْمَدَّاحِينَ التُّرَابَ. وفي رواية فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم لَقَدْ أَهْلَكْتُمْ أَوْ قَطَعْتُمْ ظَهْرَ الرَّجُلِ

درج بالا باب اور حدیث کا ترجمہ کرتے ہوئے درج ذیل سوالات کے مختصر جوابات تحریر کریں۔

سوال 1: یہ روایت صحیح مسلم کی کس کتاب میں ہے؟

سوال 2: باب اور حدیث میں مناسبت ذکر کریں۔

سوال 3: صحیح مسلم کی روایات کی تعداد کیا ہے؟

سوال 4: مجاہد رحمہ اللہ اور مقداد رضی اللہ عنہ کون ہیں؟

سوال 5: اس کی معارض روایت مع تطبیق ذکر کریں۔

جواب: ترجمہ: باب: اس باب میں اس مدح (تعریف) سے منع کیا گیا ہے جس میں حد سے زیادہ مبالغہ ہو اور جس سے ممدوح (جس کی تعریف کی جارہی ہو) کے لیے فتنہ (تکبر، غرور وغیرہ) کا اندیشہ ہو۔

حدیث: حضرت مجاہد، حضرت ابو معمر رحمہ اللہ سے روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص امیروں میں سے کسی ایک امیر کی تعریف کرنے کے لیے کھڑا ہوا۔ حضرت مقداد رضی اللہ عنہ اس پر مٹی ڈالنے لگے اور کہا: ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا ہے کہ ہم مداحوں (حد سے زیادہ تعریف کرنے والوں) کے چہروں پر مٹی ڈالیں۔ اور ایک روایت میں ہے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم نے آدمی کی کمر توڑ دی (یا ہلاک کر دیا)۔

سوال 1: یہ روایت صحیح مسلم کی کس کتاب میں ہے؟

جواب: یہ روایت صحیح مسلم کی کتاب الزہد والرقائق میں موجود ہے۔

سوال 2: باب اور حدیث میں مناسبت ذکر کریں۔

جواب: باب کا عنوان ہے "حد سے زیادہ تعریف سے منع، جس سے ممدوح کے فتنے میں پڑنے کا خدشہ ہو"۔ مذکورہ حدیث میں ایک شخص کی مبالغہ آمیز تعریف کی جا رہی تھی، جس پر حضرت مقداد رضی اللہ عنہ کا اس پر مٹی ڈالنا اور نبی اکرم ﷺ کا یہ فرمانا کہ "تم نے آدمی کی کمر توڑ دی" اس بات کی واضح دلیل ہے کہ ایسی مبالغہ آمیز تعریف ممدوح کے لیے فتنہ (غرور وتکبر) کا باعث بن سکتی ہے۔ اس لیے باب کے عنوان اور حدیث کے درمیان کامل مناسبت ہے۔

سوال 3: صحیح مسلم کی روایات کی تعداد کیا ہے؟

جواب: امام مسلم رحمہ اللہ نے جو صحیح مرتب کی، تکرار کے بغیر اس کی احادیث کی تعداد تین ہزار تینتیس ہے اور مکرر احادیث کو شمار کیا جائے تو کل احادیث سات ہزار پانچ سو تریسٹھ ہیں

سوال 4: مجاہد اور مقداد کون ہیں؟

جواب: مقداد: یہ حضرت مقداد بن عمرو الکندی رضی اللہ عنہ ہیں۔ وہ صحابی رسول ﷺ ہیں، اسلام لانے والے ساتویں شخص ہیں، غزوہ بدر سمیت تمام غزوات میں شریک رہے اور اہل ایمان کے لیے اللہ کی رضا پر جنت خریدنے والے صحابی کے طور پر مشہور ہیں۔

مجاہد: یہ مجاہد بن جبر المکی رحمہ اللہ ہیں۔ وہ تابعی کے بڑے امام اور مفسر قرآن ہیں۔ آپ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے شاگرد خاص تھے۔ حدیث کے ثقہ اور معتبر راویوں میں شمار ہوتے ہیں۔

سوال 5: اس کی معارض روایت مع تطبیق ذکر کریں۔

جواب: اس کے برعکس یا معارض بعض ایسی احادیث ہیں جن میں نبی کریم ﷺ یا آپ کے صحابہ کی تعریف کی گئی اور آپ ﷺ نے اسے منع نہیں فرمایا، بلکہ اسے جائز قرار دیا۔

معارض روایت: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوکر کہا: "يا خير البرية" (اے مخلوق میں بہترین!) تو آپ ﷺ نے فرمایا: "ذَاكَ إِبْرَاهِيمُ عَلَيْهِ السَّلَامُ" ("وہ (بہترین) تو ابراہیم علیہ السلام ہیں")۔ صحیح مسلم

تطبیق: علماء کرام نے ان دونوں طرح کی احادیث میں تطبیق اس طرح دی ہے:

1. **سچائی اور اعتدال**: جس تعریف میں مبالغہ، جھوٹ یا چاپلوسی نہ ہو اور وہ حقیقت پر مبنی ہو، وہ

جائز ہے۔ جیسے کسی کے ثابت شدہ کمالات اور خوبیوں کا ذکر کرنا۔

2. نیت اور مقصد کا فرق: اگر تعریف کرنے کی نیت کسی کو خوش کرنا، دنیاوی فائدہ حاصل کر اسے غرور میں مبتلا کرنا ہو تو وہ ممنوع ہے۔ اور اگر نیت نیک ہو، جیسے اللہ کی نعمت کا اعتراف، نیک لوگو اقتدا کے لیے ان کے اوصاف بیان کرنا یا کسی کے حق میں سفارش کرنا تو یہ جائز بلکہ مستحب ہے۔

3. ممدوح کی حالت: اگر ممدوح ایسا متقی اور پرہیزگار شخص ہے کہ تعریف سن کر اس کے دل غرور پیدا نہیں ہوتا اور وہ اسے اللہ کی نعمت سمجھتا ہے تو تعریف میں کوئی حرج نہیں۔ لیکن اگر ممدوح کم ایمان کا مالک ہے اور تعریف سن کر پھول جانے یا گمراہ ہونے کا خطرہ ہے تو پھر ایسی تعریف سخت ممنو ہے، جیسا کہ سوال میں موجود حدیث میں ہے۔

اس طرح دونوں احادیث میں کوئی تضاد نہیں ہے، بلکہ ہر ایک اپنے خاص حالات و شرائط کے تح درست ہے۔

سوال 2: مندرجہ ذیل احادیث کا ترجمہ کریں اعراب لگائیں اور ہر ایک سے دو دو فقہی مسائل استنباط کریں۔

(الف) قَالَ "اتَّقُوا اللَّعَّانَيْنِ." قَالُوا وَمَا اللَّعَّانَانِ يَا رَسُولَ اللّٰه قَالَ "الَّذِي يَتَخَلَّى فِي طَرِيقِ النَّاسِ أَوْ فِي ظِلِّهِمْ."

جواب: ترجمہ: نبی کریم ﷺ نے فرمایا: "ان دو لعنت والے کاموں سے بچو۔" صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! وہ دو لعنت والے کام کون سے ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: "وہ شخص جو لوگوں کے راستے میں یا ان کے سائے (یعنی آرام گاہ) میں قضائے حاجت (پاخانہ) کرے۔"

فقہی مسائل کا استنباط:

1۔ **عوامی مقامات کو نجاست سے آلودہ کرنے کی حرمت:** راستوں اور عوامی مقامات جہاں لوگ گزرتے بیٹھتے ہیں، وہاں پیشاب یا پاخانہ کرنا حرام ہے، کیونکہ یہ لوگوں کے لیے تکلیف اور گندگی کا باعث بن ہے۔ اس سے عوامی صحت اور صفائی کے اصول بھی اخذ ہوتے ہیں۔

2۔ **دوسروں کو ایذاء دینے سے منع:** کسی بھی ایسے کام سے منع ہے جس سے دوسرے مسلمان کو تکلیف یا نقصان پہنچے، خواہ وہ راستہ روکنا ہو، بدبو پھیلانا ہو یا کسی اور طرح کی ایذاء ہو۔ یہ حدیث اسلامی قانون کے ایک اہم قاعدے "لَا ضَرَرَ وَلَا ضِرَارَ" (نہ نقصان پہنچاؤ اور نہ نقصان کا بدلہ لو) کی عملی تفسیر ہے۔

(ب) لاَ تَسْأَلِ الإِمَارَةَ فَإِنَّكَ إِنْ أُعْطِيتَهَا عَنْ مَسْأَلَةٍ وُكِلْتَ إِلَيْهَا وَإِنْ أُعْطِيتَهَا عَنْ غَيْرِ مَسْأَلَةٍ أُعِنْتَ عَلَيْهَا

ترجمہ: "تم امارت (حکومت/قیادت) کا مطالبہ مت کرو۔ کیونکہ اگر تمہیں مانگنے پر وہ دی گئی تو تم اس پر (اللہ کی مدد کے بغیر) چھوڑ دیے جاؤ گے۔ اور اگر تمہیں بغیر مانگے دی گئی تو تمہاری اس پر مدد کی جائے گی۔"

فقہی مسائل کا استنباط:

1۔**منصب کی طلب اور حرص کی مذمت:** کسی عہدے یا قیادت کے منصب کے پیچھے حریصانہ طور پر بھاگنا یا اسے مانگنا مکروہ ہے، بلکہ بعض حالات میں حرام بھی ہو سکتا ہے اگر اس کی نیت غلط ہو۔ یہ عمل انسان کو اللہ کی مدد سے محروم کر دیتا ہے۔

2۔**ذمہ داری کی قبولیت کا معیار:** اگر کوئی شخص اہل ہے اور اسے بغیر طلب کے منصب سونپا جاتا ہے تو اسے یہ اللہ کی طرف سے ایک امانت سمجھ کر قبول کرنا چاہیے۔ ایسی صورت میں اسے اللہ تعالیٰ کی خاص تائید و نصرت حاصل ہوتی ہے، کیونکہ وہ اخلاص کے ساتھ اس ذمہ داری کو اٹھاتا ہے نہ کہ ذاتی مفاد کے لیے۔

(ج) لاَ تُحَرِّمُ الْمَصَّةُ وَالْمَصَّتَانِ، لاَ تُحَرِّمُ الإِمْلاَجَةُ وَالإِمْلاَجَتَانِ۔۔۔ فَإِنَّمَا الرَّضَاعَةُ مِنَ الْمَجَاعَةِ

ترجمہ: "ایک یا دو چوسنا (بچے کا دودھ پینا) حرام (یعنی رضاعی محرمیت) نہیں بناتا۔ ایک یا دو دفعہ منہ میں (دودھ) انڈیلنا حرام نہیں بناتا... بیشک رضاعت (محرمیت) اس (دودھ) سے ہوتی ہے جو بھوک (پیٹ بھرنے) کے لیے ہو۔"

فقہی مسائل کا استنباط:

1۔**رضاعی محرمیت کے لیے شرط:** رضاعت (دودھ پینے) سے محرمیت ثابت ہونے کے لیے یہ ضروری ہے کہ بچہ ایک معین مقدار (یعنی پیٹ بھر کر) دودھ پیے۔ صرف ایک دو مرتبہ تھوڑا سا دودھ چوس لینا یا منہ میں ڈال لینا رضاعی محرمیت پیدا نہیں کرتا۔

2۔**دودھ پلانے کا معیار:** اس حدیث سے فقہاء نے یہ اصول اخذ کیا ہے کہ رضاعی محرمیت کے لیے دودھ پلانے کی ایک مقررہ تعداد (جیسے پانچ مرتبہ مکمل دودھ پلانا) شرط ہے، جس سے بچے کا پیٹ بھر جائے اور اس کی ہڈیاں مضبوط ہوں۔ یہ امام شافعی رحمہ اللہ اور امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کا مسلک ہے، جبکہ

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی رائے میں دودھ پلانے کی تعداد شرط نہیں بلکہ پیٹ بھر کر دودھ پینا شرط ہے۔

سوال 3: درج ذیل ابواب کا ترجمہ کریں اور صحیح مسلم کی روشنی میں ان مسائل کی وضاحت کریں

سوال 1: باب صِحَّةِ الاِحْتِجَاجِ بِالْحَدِيثِ الْمُعَنْعَنِ اذا امكن اللقاء ولم يكن فيهم مدلس"

جواب: ترجمہ: معنعن حدیث سے استدلال کی صحت (یعنی قبولیت) کا بیان، اس صورت میں (راوی اور اس کے شیخ کے درمیان) ملاقات ممکن ہو اور ان میں کوئی مدلس راوی شامل نہ ہو۔"

وضاحت: صحیح مسلم کی روشنی میں اس باب کی وضاحت یہ ہے کہ امام مسلم رحمہ اللہ کے نزدیک اگر کسی حدیث کی سند میں "عن" کے الفاظ آئیں (جیسے راوی کہے: "هشام عن عروة") تو یہ روایت قابل قبول ہے بشرطیکہ دو شرطیں پائی جائیں: اول، راوی اور اس کا شیخ ایک ہی زمانے میں زندہ رہے ہوں اور ان کے ملنے کا امکان ثابت ہو، اگرچہ بالواسطہ ملاقات ثابت نہ بھی ہو۔ دوم، راوی کا شمار ان مشہور مدلسین میں نہ ہو جو اپنے شیوخ سے براہ راست سماع کی بجائے مبہم الفاظ میں روایت کرتے ہیں۔ امام مسلم نے اپنی صحیح میں انہی اصولوں کو برتا ہے اور ایسی معنعن روایات کو قبول کیا ہے جن کے راوی ثقہ اور ... کے حامل ہیں۔

سوال 2: باب النَّهْيِ عَنِ التَّخَلِّي فِي الطُّرُقِ وَالظِّلَالِ.

جواب: ترجمہ: "راستوں اور سائے دار جگہوں (یعنی عوامی مقامات) میں قضائے حاجت (پاخانہ) کرنے کی ممانعت کا بیان۔"

وضاحت: صحیح مسلم میں اس باب کے تحت جو احادیث ہیں ان سے واضح ہوتا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ان مقامات پر پیشاب یا پاخانہ کرنے سے سختی سے منع فرمایا ہے جنہیں لوگ راستے یا آرام گاہ کے طور پر استعمال کرتے ہیں۔ اس کی وجوہات میں سے اہم یہ ہیں: اول، یہ عمل عوامی تکلیف اور ایذاء کا باعث ہے، کیونکہ یہ راہ گیروں کے لیے گندگی اور بدبو کا سبب ہوتا ہے۔ دوم، یہ عمل عوامی صحت کے اصولوں کے خلاف ہے اور بیماریوں کے پھیلاؤ کا باعث بن سکتا ہے۔ سوم، یہ اسلامی آداب اور نظافت کے ... تصور کے منافی ہے، جس مین نجاست سے بچاؤ اور صفائی ستھرائی پر زور دیا گیا ہے۔

سوال 3: باب كَرَاهَةِ الاِخْتِصَارِ فِي الصَّلَاةِ.

جواب: ترجمہ: "نماز میں اختصار" (یعنی اکڑوں کوکھوں پر ہاتھ رکھنا، انسان کے جسم کے اس حصے کو

(یعنی) سر یا کمر کے اوپر اور ہتھیلیوں کے نیچے ہونا ہے، بیٹھنے یا سجدے میں درست طریقہ اختیار نہ کرنے) کی کراہت بیان ہوئی ہے۔"

وضاحت: صحیح مسلم میں مذکورہ احادیث سے مراد یہ ہے کہ نماز میں صحیح طریقے سے رکوع و سجدہ نہ کرنا، یعنی غلط طریقے سے جھکنا یا جلد بازی سے کام لینا ناپسندیدہ اور مکروہ ہے۔ اس سے دو اہم فقہی مسائل واضح ہوتے ہیں: اول، نماز کے ارکان (جیسے رکوع اور سجود) کو ٹھیک طریقے سے ادا کرنا فرض یا واجب ہے اور ان میں کوتاہی نماز کی صحت پر اثر انداز ہو سکتی ہے۔ دوم، نماز میں سکون و طمانیت (یعنی ہر حرکت پر اطمینان سے ٹھہرنا) ضروری ہے، اور بے قراری یا جلد بازی نماز کے ثواب اور کمال کو کم کر دیتی ہے۔ یہ باب نماز کی صحت اور قبولیت کے لیے اس کے ارکان کو پورے اہتمام کے ساتھ ادا کرنے کی اہمیت کو واضح کرتا ہے۔

سوال: بَابُ اسْتِحْبَابِ كَوْنِ حَصَى الْجِمَارِ بِقَدْرِ حَصَى الْخَذْفِ۔

جواب: ترجمہ "جمرات (شیطان کو مارنے کی جگہ) پر کنکریاں پھینکنے کے لیے کنکریوں کا خَذف (یعنی انگوٹھے اور شہادت کی انگلی سے پھینکنے) کے برابر ہونا مستحب ہے۔"

وضاحت: صحیح مسلم میں موجود احادیث سے مراد یہ ہے کہ حج کے دوران شیطان کو مارنے کے لیے استعمال ہونے والی کنکریاں تقریباً چنے یا اس سے تھوڑے بڑے سائز کی ہونی چاہئیں، نہ بہت چھوٹی (جیسے ریت کے ذرے) اور نہ بہت بڑی (جیسے پتھر)۔ اس سے دو مستحب باتوں کا پتہ چلتا ہے: اول، کنکریوں کا سائز معتدل ہونا چاہیے جو "خَذف" کے طریقے سے پھینکی جا سکیں (یعنی انگوٹھے اور انگلی کے کنارے سے رکھ کر پھینکی جائیں)۔ دوم، کنکریاں پھینکنے کا یہ طریقہ سنت نبوی ﷺ سے ثابت ہے اور اس میں عبادت کے ایک رکن کو ادا کرنے کا بہتر طریقہ موجود ہے۔ یہ باب حج کے اس عمل کے لیے سنت کے مطابق ہدایات فراہم کرتا ہے۔

سوال: درج ذیل عبارت کا ترجمہ و تشریح کریں اور اختلاف بھی واضح کریں۔

باب ما يكره من النجش وتلقي السلع قال الامام مالك: اخبرنا نافع عن عبدالله بن عمر ان رسول الله نهى عن تلقي السلع حتى تَبلُغَ الاسواق ونهى عن النجش

جواب: عبارت کا ترجمہ: "باب: نجش اور (تلقی السلع) کے بارے میں جو چیزیں ناپسندیدہ

(مکروہ) ہیں۔ امام مالک (رحمہ اللہ) نے کہا: ہمیں نافع رحمہ اللہ نے حضرت عبداللہ بن عمر (رضی اللہ عنہما) سے خبر
کہ رسول اللہ ﷺ نے (تلقّی السلع) یعنی مال تجارت کے اس وقت تک خریدنے سے منع فر
جب تک وہ بازاروں میں نہ پہنچ جائیں، اور آپ نے نجش سے منع فرمایا۔"

تشریح اور مفہوم: اس باب میں دو الگ لیکن متعلقہ معاشرتی اور تجارتی ممنوعات پر بحث کی گئی
تلقّی السلع: معنی: یہ وہ عمل ہے جب کوئی شہر کا تاجر یا خریدار شہر سے باہر جا کر ان مسافرو
دیہاتیوں کا سامان روک لے جو مال تجارت لے کر شہر کے بازاروں کی طرف آ رہے ہوتے ہیں۔
انہیں شہر کی اصل مارکیٹ قیمت کا علم ہونے سے پہلے ہی کم قیمت پر بیچنے پر مجبور کر دیتا ہے۔ مفہوم
حکمت: اس سے بیچنے والے کے ساتھ دھوکہ ہوتا ہے کیونکہ وہ شہر کے بازار کے حالات اور صحیح قیمت
ناواقف ہوتا ہے۔ یہ ناانصافی پر مبنی ہے اور منافع خوری کا ناجائز طریقہ ہے۔ نبی کریم ﷺ کا اس
منع فرمانا اس بات کی نشاندہی کرتا ہے کہ اسلامی معیشت میں تجارت شفافیت، انصاف اور دونوں فریق
کی باہمی رضامندی پر مبنی ہونی چاہیے۔

النَّجْش: معنی: نجش وہ عمل ہے جب کوئی شخص کسی چیز کی حقیقی خریداری کے بغیر، محض اس کی قیمت
بڑھانے کے لیے بولی دیتا ہے۔ یہ شخص عام طور پر بیچنے والے کا ساتھی یا دوست ہوتا ہے جو دوسرے حقیقی
خریداروں کو دھوکہ دے کر اسے مہنگا بیچنے میں مدد کرتا ہے۔ مفہوم اور حکمت: یہ صریح دھوکہ دہی اور فریب
ہے۔ اس سے خریدار کے ساتھ دھوکہ ہوتا ہے، جسے وہ چیز اس کی اصل قیمت سے زیادہ میں خریدنے پر
مجبور ہو جاتا ہے۔ یہ لوگوں کے درمیان بغض و عداوت پیدا کرتا ہے اور معاشرے میں اعتماد ختم ہوتا ہے
اس لیے شریعت میں یہ عمل سخت ممنوع ہے۔

اہل علم کے درمیان اختلاف: اگرچہ ان دونوں کاموں کی حرمت اور ممانعت پر نص موجود ہے
لیکن فقہاء کے درمیان ان کے حکم (حرمت/کراہت) اور معاملے کی صحت کے بارے میں کچھ اختلاف
پایا جاتا ہے۔ تلقّی السلع کے بارے میں اختلاف: جمہور فقہاء (احناف، شوافع، حنابلہ) کے نزدیک: یہ
عمل حرام ہے۔ امام مالک رحمہ اللہ کے نزدیک: اگر یہ عمل شہر والوں کے لیے نقصان دہ ہو تو یہ حرام ہے، لیکن
اگر شہر والوں کے لیے نقصان دہ نہ ہو (جیسے کوئی شخص اپنے لیے تھوڑا سا سامان خریدنے باہر جائے) تو اس
کی گنجائش ہے۔ معاملے کی صحت: جمہور کے نزدیک اگر کوئی شخص اس طریقے سے سامان خرید بھی لے تو
معاملہ منعقد ہو جاتا ہے (یعنی خریداری ہو جاتی ہے)، لیکن خریدار نے گناہ کیا ہوگا۔ بیچنے والے کو معاملہ

کرنے کا اختیار (خیار) حاصل ہوگا اگر وہ دھوکے میں آیا ہو۔

النَّجش کے بارے میں اختلاف: جمہور فقہاء کے نزدیک: یہ عمل حرام ہے۔ کچھ فقہاء (جیسے امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ) کے نزدیک: اگر خریدار کو نجش کا علم نہ ہو تو یہ حرام ہے۔ لیکن اگر خریدار کو پہلے سے علم ہو کہ یہ نجش ہے اور پھر بھی وہ خریداری کرلے، تو پھر یہ مکروہ ہے۔ معاملے کی صحت: جمہور کے نزدیک نجش سے ہونے والا معاملہ منعقد ہو جاتا ہے۔ تاہم، اگر خریدار دھوکے میں آگیا ہو تو اسے معاملہ فسخ کرنے کا اختیار (خیار الغبن) حاصل ہوگا، کیونکہ اسے نقصان پہنچا ہے۔

مصطلح الحدیث

نوٹ: حصہ انشائیہ مصطلح الحدیث سے کوئی سے دو سوال حل کریں۔ ہر سوال کے 14 نمبر ہیں۔

سوال 5: درج ذیل عبارت کا ترجمہ وتشریح کریں۔

فإنْ خَفَّ الضبطُ أي قَلَّ -يُقال: خَفَّ القومُ خُفوفاً: قَلُّوا- والمراد مع بقية الشروط المتقدمة في حدِّ الصحيح = فهو الحسنُ لذاته، لا لشيء خارجٍ، وهو الذي يكون حُسْنُه بسببِ الاعتضاد، نحو حديثُ المستُور إذا تعددت طُرُقُه. وخَرَج باشتراطِ باقي الأوصاف الضعيفُ.

جواب: عبارت کا ترجمہ: "پس اگر ضبط (یعنی راوی کی حفظ و اتقان کی صلاحیت) کم (ہلکا) ہو، یعنی تھوڑا ہو، کہا جاتا ہے: "خَفَّ القومُ خُفُوْفً" یعنی لوگ کم ہو گئے۔ مراد (یہ ہے کہ) حدِ صحیح میں بیان کی گئی باقی شرائط (یعنی عدالت، اتصال سند اور عدم شذوذ و عِلّت) کے موجود رہنے کے ساتھ (ضبط کم ہو) تو وہ (حدیث) حسن لذاته (اپنے ذات کے اعتبار سے حسن) ہے، نہ کہ کسی خارجی چیز کی وجہ سے۔ اور وہ (حدیث) جو اس کے حسن کا سبب (کسی اور سے) تقویت پانا ہو، جیسے مستور (راوی) کی حدیث جب اس کی طُرُق (سندیں) متعدد ہو جائیں۔ اور (اس تعریف میں) باقی اوصاف (یعنی عدالت و اتصال) کی شرط لگانے سے ضعیف حدیث خارج (یعنی الگ) ہو گئی۔"

تشریح اور مفہوم: یہ عبارت حدیث کی اس قسم "الحسن لذاته". (ذاتی طور پر حسن حدیث) کی تعریف اور اسے دوسری اقسام سے ممتاز کرنے کے بارے میں ہے۔

حسن لذاتہ' کی تعریف: یہ وہ حدیث ہے جو "صحیح" حدیث کی تمام شرائط پوری کرتی ہے، سوائے ایک شرط کے۔ فرق یہ ہے کہ اس کے راوی کا "ضبط" (یادداشت، محتاط روایت، اتقان) صحیح حدیث کے راوی

کے مقابلے میں شاذ نہ ہو ہوتا ہے۔ یعنی راوی پرہیزگار اور قابلِ اعتماد (عادل) تو ہوتا ہے لیکن ا
حافظہ کی مضبوطی یا روایت میں احتیاط ہو گی حدیث کے راوی جتنی مضبوط نہیں ہوتی۔

باقی تمام شرائط جو صحیح کی ہیں: سند کا متصل ہونا، حدیث میں کوئی عجیب اور غریب بات (شذوذ) نہ ہونا، اور چھپی ہوئی flaw (علت) نہ ہونا، پوری ہونی ضروری ہیں۔ ایسی حدیث کو اس کی اپنی ذات (ذاتہ) کی وجہ سے "حسن" کہا جاتا ہے نہ کہ کسی خارجی سبب کی وجہ سے۔

دوسری قسم: "حسن لغیرہ" (کسی خارجی سبب کے اعتبار سے حسن) عبارت میں اس کا بھی ہے۔ یہ وہ حدیث ہوتی ہے جو ابتداء میں ضعیف ہوتی ہے (مثلاً اس کا راوی "مستور" ہوتا ہے، یعنی کی عدالت پر مکمل تحقیق نہ ہو)، لیکن جب اسے روایت کرنے والے کئی اور راوی (متعدد طرق) جاتے ہیں تو یا ایک دوسرے کو تقویت (support) دیتے ہیں۔

اس باہمی تقویت کی وجہ سے اس حدیث کی قوت بڑھ جاتی ہے اور وہ "حسن" کے درجے تک پہنچ جاتی ہے۔ اسے "حسن لغیرہ" (کسی دوسری چیز کی وجہ سے حسن) کہتے ہیں۔

ضعیف حدیث کا خارج ہونا: آخری جملہ واضح کرتا ہے کہ اگر عدالت (راوی کی دیانت) یا اتصال جیسی بنیادی شرائط ہی مفقود ہوں تو پھر حدیث "ضعیف" (کمزور) کے زمرے میں آئے گی، خواہ اس ضبط کتنا ہی اچھا کیوں نہ ہو۔ یعنی "حسن" ہونے کے لیے راوی کا عادل ہونا اور سند کا متصل ہونا لازمی ہے

خلاصہ: یہ عبارت حدیث کی درجہ بندی کے ایک نازک اصول کی وضاحت کرتی ہے۔ یہ بتاتی ہے راوی کے "ضبط" میں معمولی کمی حدیث کو "صحیح" سے "حسن لذاتہ" میں تبدیل کر دیتی ہے، لیکن ا عدالت یا سند کے تسلسل جیسی بنیادی شرائط میں کوئی کسر ہو تو حدیث ضعیف ہی رہتی ہے۔ نیز، کئی کم سندوں کا اکٹھا ہونا بھی حدیث کے درجے کو بہتر بنا سکتا ہے۔

سوال 6: اصطلاحات کی تعریف کریں: 1۔ العزیز 2۔ المدرج 3۔ المرسل الخفی 4۔ المضطرب

جواب: 1۔ **العزیز تعریف:** عزیز حدیث سے مراد وہ حدیث ہے جس کی سند میں کسی بھی در (طبقہ) پر کم از کم دو راوی موجود ہوں۔ یعنی کوئی بھی راوی ایسا نہ ہو جس نے تنہا یہ حدیث روایت کی بلکہ ہر طبقے میں کم از کم دو راویوں نے اسے دوسروں سے نقل کیا ہو۔ ابن حجر رحمہ اللہ نے واضح کیا ہے ک تعریف "غریب" حدیث کے مقابلے میں ہے، جہاں کسی طبقے میں صرف ایک راوی ہوتا ہے۔ ع حدیث کی شرط یہ نہیں کہ پوری سند میں صرف دو راوی ہوں، بلکہ ہر طبقے میں دو راویوں کا ہونا ضرو

ہے۔ مثال کے طور پر اگر ایک حدیث کو پانچ راویوں نے بیان کیا ہے، لیکن کسی ایک طبقے میں صرف ایک راوی ہے، تو وہ عزیز نہیں ہوگی۔ اس کی اہمیت یہ ہے کہ یہ حدیث کی قوت کو ظاہر کرتی ہے، کیونکہ متعدد راویوں نے اسے نقل کیا ہوتا ہے۔

2۔ **المدرج**: تعریف: مدرج حدیث سے مراد وہ حدیث ہے جس میں راوی نے اپنی طرف سے کوئی کلمہ یا جملہ حدیث میں شامل کر دیا ہو، لیکن سننے والے کے لیے یہ تمیز مشکل ہو کہ یہ اضافہ حدیث کا حصہ ہے یا راوی کی اپنی شرح۔ یہ اضافہ اکثر حدیث کے درمیان یا آخر میں ہوتا ہے۔ ابن حجر رحمہ اللہ نے اسے تفسیر یا توضیح کے طور پر شامل کرنے والی حرکت قرار دیا ہے، جو درحقیقت حدیث میں تداخل پیدا کرتی ہے۔ مثال کے طور پر راوی نے حدیث بیان کی اور آخر میں اپنی طرف سے ایک تشریحی جملہ شامل کر دیا، جو سننے والے کے لیے حدیث کا حصہ لگے۔ اس کی قسمیں ہیں: إدراج في الحديث (حدیث کے متن میں اضافہ) اور إدراج في الإسناد (سند میں اضافہ)۔ اس کا اثر یہ ہوتا ہے کہ حدیث کی اصلیت متاثر ہوتی ہے، لہٰذا علماء نے اس سے اجتناب ضروری قرار دیا ہے۔

3۔ **المرسل الخفی**: تعریف: مرسل خفی سے مراد وہ حدیث ہے جہاں راوی نے اپنے سے قریبی زمانے کے کسی معروف راوی کو چھوڑ کر براہ راست اس شخص سے روایت کی ہو جو اس کے زمانے سے بہت پہلے کا ہے یا جس سے ملنا ممکن نہیں تھا۔ یعنی راوی نے ''تدلیس'' کی ہے، جس میں اس نے اپنے شیخ کا نام تو لیا لیکن درحقیقت وہ براہ راست اس سے نہیں سنا، بلکہ درمیان میں ایک راوی چھوڑ دیا۔ ابن حجر رحمہ اللہ کے مطابق، یہ ایک پوشیدہ ارسال ہے، کیونکہ بظاہر سند متصل لگتی ہے، لیکن حقیقت میں منقطع ہوتی ہے۔ اس کی مثال یہ ہے کہ ایک راوی نے براہ راست ایک تابعی سے روایت کی ہو، حالانکہ اس نے اس تابعی کو نہیں دیکھا۔ یہ حدیث کو ضعیف بنا دیتی ہے، کیونکہ سند میں چھپا ہوا انقطاع ہوتا ہے، جس سے روایت کی صحت پر اثر پڑتا ہے۔

4۔ **المضطرب**: تعریف: مضطرب حدیث سے مراد وہ حدیث ہے جس کو مختلف راویوں نے متعدد طریقوں سے بیان کیا ہو، لیکن ان کے درمیان کوئی تطبیق ممکن نہ ہو، اور تمام طرق میں کوئی ایک روایت دوسری پر ترجیح نہ پا سکے۔ ابن حجر رحمہ اللہ کے مطابق، یہ اختلاف سند یا متن دونوں میں ہوسکتا ہے۔ مثال کے طور پر ایک راوی ایک حدیث کو ایک طریقے سے بیان کرے اور دوسرا راوی اسی حدیث کو دوسرے طریقے سے، اور دونوں میں تضاد ہو جسے دور نہ کیا جا سکے۔ اس کا سبب راوی کا ضعف یا عدم حفاظت ہوتا

ہے۔ مضطرب حدیث ضعیف ہوتی ہے، کیونکہ اس میں عدم استقرار ہوتا ہے، اور علماء کے نزدیک ا
قبول نہیں کیا جاتا جب تک کہ اس کے اضطراب کی وجہ واضح نہ ہو جائے یا ترجیح والی روا
معلوم نہ ہو سکے۔

سوال 7: ''صیغ الاداء'' کسے کہتے ہیں؟ کتنے ہیں؟ نوٹ کریں اور مراتب کی بھی وضاحت کریں۔

جواب: صیغ الاداء کی تعریف: اصطلاح حدیث میں صیغ الاداء ان الفاظ کو کہا جاتا ہے جن کے ذر
راوی یہ بتاتا ہے کہ اس نے اپنے شیخ سے حدیث کس طریقے سے حاصل کی۔ یعنی حدیث سننے، پڑھ
نقل کرنے کا جو طریقہ تھا وہ خاص الفاظ کے ذریعے ظاہر کیا جاتا ہے۔ ابن حجر رحمہ اللہ نے شرح نخبۃ ا
میں لکھا ہے کہ راوی کے لئے ضروری ہے کہ وہ اپنے تحمل حدیث کا طریقہ واضح الفاظ سے بیان کر
تاکہ حدیث کے صحیح یا ضعیف ہونے کا حکم لگانا آسان ہو۔

صیغ الاداء کی اقسام: محدثین نے صیغ الاداء کی کئی صورتیں ذکر کی ہیں۔ مشہور آٹھ یہ ہیں:

1۔حدثنا 2۔حدثني 3۔أخبرنا 4۔أنبأنا 5۔سمعت 6۔قال 7۔عن 8۔أن

یہ صیغے اس بات کی نشاندہی کرتے ہیں کہ روایت براہ راست سنی گئی، استاد پر پڑھی گئی یا صرف نقل
گئی۔ ابن حجر نے وضاحت کی ہے کہ ان صیغوں کا فرق روایت کی قوت اور ضعف پر بھی اثر ا
ہوتا ہے۔

مراتب صیغ الاداء: ابن حجر رحمہ اللہ کے مطابق صیغ الاداء کے بھی درجے ہیں: 1۔سب سے اعلیٰ اور قو
وہ صیغے ہیں جو براہ راست سماع کو ظاہر کرتے ہیں، جیسے ''سمعت فلانا'' اور ''حدثنا فلان''۔
سب سے زیادہ قابل اعتماد ہیں۔ 2۔دوسرے درجے پر وہ صیغے ہیں جو قراءۃ علی الشیخ کے ساتھ تعلق رک
ہیں، جیسے ''أخبرنا'' اور ''أنبأنا''۔ ان کا مطلب یہ ہے کہ شاگرد نے استاد پر حدیث پڑھی یا اس ک
سامنے قراءت کی گئی۔ 3۔تیسرے درجے پر وہ صیغے ہیں جن میں احتمال پایا جاتا ہے، جیسے ''عن فلان
اور ''قال فلان''۔ ان کو محدثین نے معنعن اور مؤنن کہا ہے۔ ان کی صحت کے لئے ضروری ہے کہ راو
اور شیخ کا زمانہ ایک ہو اور ملاقات کا امکان ہو۔ 4۔سب سے کمزور اور غیر صریح صیغے وہ ہیں جو مجہو
انداز میں آتے ہیں، جیسے ''یروی عن فلان'' اور ''یذکر عن فلان''۔ ایسے صیغوں ک
روایت کے ضعیف یا منقطع ہونے کا امکان ہوتا ہے۔

حصہ معروضی کل نمبر 30

نوٹ: حصہ معروضی کے تمام سوال لازمی ہیں۔

الحدیث

سوال 8: درج ذیل کے مختصر جواب دیں۔ 10 نمبر

سوال 1: امام مسلم اور ان کی کتاب کا مکمل نام لکھیں۔

جواب: امام مسلم رحمہ اللہ کا مکمل نام أبو الحسین مسلم بن الحجاج بن مسلم القشیری النیسابوری ہے۔ آپ کی شہرہ آفاق کتاب کا نام "الجامع الصحیح المختصر من السنن بنقل العدل عن العدل عن رسول اللہ ﷺ"، جو عام طور پر "صحیح مسلم" کہلاتی ہے۔

سوال 2: یوم شک کا روزہ کسے کہتے ہیں؟

جواب: "یوم شک" سے مراد وہ دن ہے جب شعبان کے مہینے کے آخری دن اور رمضان کے چاند کے بارے میں شک ہو کہ چاند نظر آیا ہے یا نہیں۔ صحیح مسلم میں حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: "جس نے شک کے دن روزہ رکھا، اس نے درحقیقت ابو قاسم ﷺ کی نافرمانی کی۔" اس حدیث کی روشنی میں فقہاء نے یہ حکم لگایا ہے کہ محض شک کی بنیاد پر رمضان سے ایک دن پہلے روزہ رکھنا ممنوع اور ناجائز ہے۔ روزہ صرف اس صورت میں رکھا جائے گا جب چاند کی رویت ثابت ہو جائے۔

سوال 3: "تحسین کفن المیت" سے کیا مراد ہے؟

جواب: "تحسین کفن المیت" سے مراد میت کے کفن کو اچھی طرح سنجیدگی اور احترام کے ساتھ تیار کرنا ہے۔ صحیح مسلم کی روایات میں میت کے ساتھ حسن سلوک پر زور دیا گیا ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ کو تین سفید یمنی کپڑوں میں کفنایا گیا، جن میں قمیص اور عمامہ نہیں تھے۔ اس سے یہ اصل معلوم ہوتی ہے کہ کفن سادہ، صاف ستھرا اور معیاری ہونا چاہیے، لیکن اس میں اسراف اور بے جا نمود و نمائش سے گریز کرنا چاہیے۔

سوال 4: امام سے سبقت لے جانے والے کے لیے حدیث میں کیا وعید ہے؟

جواب: صحیح مسلم میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "کیا اس شخص کو کوئی پرواہ نہیں جو اپنا سر امام کے رکوع یا سجدے سے پہلے اٹھاتا ہے؟ کیا اسے یہ خدشہ نہیں کہ اللہ تعالیٰ

اس کا سر گدھے کے سر میں بدل دے یا اس کی شکل گدھے جیسی بنادے؟" یہ وعید اس بات کی نشا
کرتی ہے کہ نماز میں امام سے پہلے رکوع یا سجدہ سے سر اٹھانا سخت گناہ ہے، کیونکہ یہ عمل نماز کے ن
نظام میں خلل ڈالتا ہے اور تکبر کی علامت سمجھا جاتا ہے۔

سوال 5: "وعلی الثلاثة الذین خلفوا" سے کون تین لوگ مراد ہیں؟

جواب: یہ آیت اور اس سے متعلق واقعہ کا تذکرہ صحیح مسلم میں موجود ہے۔ اس سے مراد وہ تین صحا
جنہوں نے غزوہ تبوک میں شرکت نہیں کی تھی۔ یہ حضرات ہیں: حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ، حض
مرارہ بن ربیع رضی اللہ عنہ، اور حضرت ہلال بن امیہ رضی اللہ عنہ۔ انہوں نے بغیر کسی شرعی عذر کے پیچھے رہ جا
اعتراف کیا، جس پر اللہ تعالیٰ نے ان کی توبہ قبول فرمائی اور ان کے ایمان کی سچائی کو آزمایا۔ یہ واقعہ تو
قبولیت اور صداقت کے اعتراف کی ایک عظیم مثال ہے۔

سوال 6: ممنوعہ نکاحوں میں سے تین کے نام لکھیں۔

جواب: صحیح مسلم میں بیان کردہ ممنوعہ نکاحوں میں سے تین درج ذیل ہیں:

1۔ ماں یا دادی/نانی: کسی شخص کے لیے اپنی ماں، دادی یا نانی سے نکاح کرنا حرام ہے، خواہ وہ رضا
یا حقیقی۔

2۔ بیٹی یا پوتی/نواسی: اپنی بیٹی، پوتی یا نواسی سے نکاح بھی حرام ہے۔

3۔ بہن: چاہے وہ حقیقی بہن ہو، رضاعی بہن ہو یا باپ یا ماں کی طرف سے سوتیلی بہن ہو، اس سے
کرنا ممنوع ہے۔ یہ ممانعتیں قرآن مجید کی سورہ نساء میں واضح طور پر بیان کی گئی ہیں اور صحیح مسلم می
سے متعلق احادیث موجود ہیں۔

سوال 9: درج ذیل میں سے صحیح پر (✓) اور غلط پر (✗) کا نشان لگائیں۔ 10 نم

1۔ حسن ترتیب میں صحیح مسلم کو صحیح بخاری پر مقدم کیا جاتا ہے۔ (✓)

2۔ موطا امام مالک کتب ستہ میں شامل تھی۔ (✗)

3۔ معلقات صحیح مسلم کی تعداد 256 ہے۔ (✗)

4۔ مؤطا امام مالک کا یحیی بن یحیی اللیثی رحمہ اللہ کا نسخہ سب سے کمزور ہے۔ (✗)

5۔ "الجساسۃ" وہ جانور ہے جس کا ذکر علامات قیامت میں ہے۔ (✓)

6۔ نیک اعمال کا وسیلہ شرک اکبر ہے۔ (✗)

7۔ میت کو غسل دینے والے پر غسل واجب ہے۔ (✗)

8۔ کلالہ سے مراد وہ شخص ہے جس کے بہن بھائی نہ ہوں۔ (✗)

9۔ امام مالک رحمہ اللہ کے ہاں بیع الحیوان بالحیوان نسیئۃ ونقدا جائز ہے۔ (✓)

10۔ امام مالک رحمہ اللہ کے ہاں زیورات میں زکوۃ ہے۔ (✓)

اصول الحدیث

سوال :10 درج ذیل سوالات کے مختصر جواب دیں۔ 5 نمبر

سوال :1 نزہۃ النظر کے مؤلف کا نام کیا ہے؟

جواب: نزہۃ النظر فی توضیح نخبۃ الفکر کے مؤلف امام ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ ہیں۔ آپ کا پورا نام أحمد بن علی بن حجر العسقلانی الشافعی رحمہ اللہ ہے، جو آٹھویں صدی ہجری کے عظیم محدث، فقیہ اور مورخ تھے۔

سوال :2 کتاب کا سبب تالیف ذکر کریں۔

جواب: امام ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ نے یہ کتاب اپنی ہی پہلی تصنیف ''نخبۃ الفکر فی مصطلح أہل الأثر'' کی شرح کے طور پر لکھی۔ ''نخبۃ الفکر'' میں انہوں نے مصطلح الحدیث کے اصولوں کو انتہائی مختصر اور جامع شکل میں پیش کیا تھا، جس کی وضاحت اور تشریح کے لیے انہوں نے ''نزہۃ النظر'' لکھی تاکہ طلباء کے لیے یہ مضامین مزید آسان اور واضح ہو سکیں۔

سوال :3 خبر آحاد کی تین اقسام کون کون سی ہیں؟

جواب: خبر آحاد (وہ حدیث جس کے راوی ہر طبقہ میں ایک سے زیادہ ہوں لیکن تواتر کی تعداد کو نہ پہنچے) کی تین اقسام درج ذیل ہیں: مشہور: وہ حدیث جس کے راوی ہر طبقہ میں کم از کم تین یا اس سے زیادہ ہوں۔ عزیز: وہ حدیث جس کے راوی کسی ایک طبقہ میں بھی دو سے کم نہ ہوں (یعنی ہر طبقہ میں کم از کم دو راوی ہوں)۔ غریب: وہ حدیث جس کے راوی کسی بھی طبقہ میں صرف ایک ہی راوی ہو۔

سوال :4 فرد نسبی اور فرد مطلق کا فرق بیان کریں۔

جواب: فرد مطلق (یا غریب مطلق): وہ حدیث جس کی سند کے کسی بھی طبقہ میں صرف ایک راوی ہو۔ یعنی پوری سند میں کہیں بھی اسے صرف ایک ہی شخص روایت کرتا ہو۔ فرد نسبی (یا غریب نسبی): وہ حدیث جسے کسی مخصوص راوی یا کسی مخصوص علاقے کے راویوں نے تفرد (تنہا) بیان کیا ہو، حالانکہ دوسرے طبقوں میں اس کے متعدد راوی ہو سکتے ہیں۔

سوال 5: امام ترمذی رحمہ اللہ کے ہاں حسن کیا ہے؟

جواب: امام ترمذی رحمہ اللہ کے ہاں ''حسن'' وہ حدیث ہے جو "ما لا یکون في إسناده من یتہم بالکذب، ولا یکون حدیثا شاذا، ویروی من غیر وجه نحو ذا" کے قاعدے پوری اترے۔ یعنی اس کی سند میں کوئی ایسا راوی نہ ہو جس پر جھوٹ بولنے کا اتہام ہو، اور نہ ہی وہ حدیث ''شاذ'' (نا قابل قبول طور پر منفرد) ہو، اور اسے ایک سے زیادہ طرق (spways) سے بھی روایت کیا گیا ہو۔ امام ترمذی رحمہ اللہ کی یہ تعریف ''حسن لغیرہ'' (کسی خارجی سبب سے حسن) کے قریب ہے۔

سوال 11: درج ذیل میں سے صحیح پر (✔) اور غلط پر (✖) کا نشان لگائیں۔ 5 نمبر

1۔ فرد کی متابعت اگر اسی راوی سے ہو تو اسے متابعہ قاصرہ کہتے ہیں۔ (✖)

2۔ ان روی عنه اثنان فصاعدا ولم یوثق فهو مجهول العین (✖)

3۔ تتبع طرق کو شاہد کہتے ہیں۔ (✖)

4۔ اذ کانت المخالفة بابدال الراوي ولا مرجح فهو المضطرب (✔)

5۔ حدیث کے مردود ہونے کے دو بنیادی اسباب ہیں۔ (✔)



(طلباء وطالبات)

الفقہ واصولہ 1444ھ/2023 (سالانہ)

حصہ انشائیہ: کل نمبر 70

نوٹ: حصہ انشائیہ الفقہ سے کوئی سے تین سوال حل کریں۔ ہر سوال کے 14 نمبر ہیں۔

الفقہ

سوال 1: کیا ہبہ، بیع یا صدقہ سے نکاح منعقد ہو سکتا ہے؟ علماء کے اقوال، ادلہ اور سبب الخلاف تحریر کریں۔

جواب: واختلفوا في انعقاده بلفظ الهبة أو بلفظ البيع أو بلفظ الصدقة فأجازه قوم وبه قال مالك وأبو حنيفة. وقال الشافعي: لا ينعقد إلا بلفظ النكاح أو التزويج. وسبب اختلافهم: هل هو عقد يعتبر فيه مع النية اللفظ الخاص به؟ أم ليس من صحته اعتبار اللفظ؟ فمن ألحقه بالعقود التي يعتبر فيها الأمران قال: لا نكاح منعقد إلا بلفظ النكاح أو التزويج ومن قال: إن اللفظ ليس من شرطه اعتبارا بما ليس من شرطه اللفظ أجاز النكاح بأي لفظ اتفق إذا فهم المعنى الشرعي من ذلك أعني أنه إذا كان بينه وبين المعنى الشرعي مشاركة.

مسئلہ کی نوعیت: یہاں اختلاف کی بنیاد الفاظِ نکاح پر ہے۔ یعنی کیا صراحتاً لفظ "نکاح" یا "تزویج" ہی استعمال کرنا ضروری ہے، یا ہبہ (تحفہ)، بیع (خرید وفروخت) یا صدقہ (خیرات) جیسے الفاظ بول کر بھی نکاح منعقد ہو جاتا ہے، اگر اس سے مقصد نکاح ہی ہو؟

2۔ علماء کے اقوال: قول اول (امام مالک اور امام ابوحنیفہ رحمہما اللہ کا مذہب): ہاں، نکاح ہبہ، بیع یا صدقہ جیسے الفاظ سے بھی منعقد ہو جاتا ہے۔ اگر فریقین کا مقصد اور نیت نکاح ہی کی ہو، اور وہ ان الفاظ کے ذریعے اس معنیٰ (نکاح) کو سمجھتے ہوں، تو نکاح منعقد ہو جائے گا۔

قول دوم (امام شافعی رحمہ اللہ کا مذہب): نہیں، نکاح صرف لفظ "نکاح" یا "تزویج" ہی سے منعقد ہوتا ہے۔ ہبہ، بیع یا صدقہ جیسے الفاظ سے نکاح منعقد نہیں ہوگا، چاہے نیت کچھ بھی ہو۔

3۔سبب الخلاف (اختلاف کی بنیادی وجہ): اختلاف کی جڑ یہ ہے کہ نکاح جیسے عقد کے لیے الفاظ کی
شرط ہے؟

امام شافعی رحمہ اللہ کا نقطہ نظر: وہ نکاح کو ایک خاص قسم کا معاہدہ سمجھتے ہیں جس کے لیے مخصوص الفاظ (
خاص) ضروری ہیں۔ ان کے نزدیک، نکاح کی اہمیت اور تقدس کے پیش نظر، اس کے لیے وہی ا
استعمال ہونے چاہئیں جو شارع (قرآن وسنت) میں اس کے لیے مقرر ہوئے ہیں، یعنی ''نکاح''
''تزویج''۔ لہٰذا، دوسرے الفاظ (مثلاً ہبہ، بیع) چاہے وہ معنی میں کچھ similarity (مشابہت)
کیوں نہ رکھتے ہوں، نکاح کے انعقاد کے لیے کافی نہیں ہوں گے۔

امام مالک اور امام ابوحنیفہ رحمہما اللہ کا نقطہ نظر: وہ اس بات پر زور دیتے ہیں کہ مقصد اور نیت (نیّت) ال
سے زیادہ اہم ہے۔ ان کے نزدیک، اگر فریقین کا مقصد باہمی رضامندی سے نکاح کرنا ہے اور وہ ا
الفاظ استعمال کرتے ہیں جو اس معنی کو سمجھنے کے لیے کافی ہوں (چونکہ ہبہ، بیع اور صدقہ بھی کسی چیز
ملکیت منتقل کرنے کے معاملات ہیں)، تو نکاح منعقد ہو جائے گا۔ وہ نکاح کے لیے مخصوص الفاظ کو ش
نہیں سمجھتے۔

4۔ادلہ اور استدلال: جمہور (مالک اور ابوحنیفہ) کے استدلال کی بنیاد:

اصول: ”العبرة في العقود للمقاصد والمعاني لا للألفاظ والمباني“ (معاہ
میں مقاصد اور معانی کو دیکھا جاتا ہے، الفاظ اور الف بندی کو نہیں)۔ یہ اصول نیت اور مقصد کی اہمیت
زور دیتا ہے۔ اگر دونوں فریق نکاح کی نیت رکھتے ہیں تو الفاظ کی شکلیں ثانوی ہیں۔ ہبہ، بیع اور نکاح
ایک مشترکہ معنی (مشارکۃ فی المعنی) پایا جاتا ہے، اور وہ ہے کسی چیز (مال یا عورت کی عصمت) کی ملکی
یا حق کا حلال طریقے سے منتقل ہونا۔

امام شافعی رحمہ اللہ کے استدلال کی بنیاد: نکاح کی خاص شرعی حیثیت: نکاح بیع یا ہبہ جیسے عام معاہدوں
مختلف ہے۔ اس کے اپنے مخصوص احکام ونتائج ہیں۔ لہٰذا، اس کے انعقاد کے لیے وہی الفاظ استعمال
ضروری ہیں جو اس کی خاص نوعیت کو واضح کرتے ہوں۔ اختلاف ونزاع سے بچاؤ: مختلف الفاظ استع
کرنے سے مقصد میں ابہام اور بعد میں اختلاف پیدا ہو سکتا ہے۔ لہٰذا، صراحت (واضح الفاظ) ضروری ہ

سوال 2: کیا آزادی کو حق مہر بنایا جا سکتا ہے؟ علماء کی آراء بمع دلیل ذکر کریں۔ نیز سبب الخلا
اور راجح قول کی وضاحت کریں۔

جواب: وأما كون العتق صداقا فإنه منعه فقهاء الأمصار ما عدا داود وأحمد. وسبب اختلافهم: معارضة الأثر الوارد في ذلك للأصول.أعني ما ثبت من "أنه عليه الصلاة والسلام أعتق صفية وجعل عتقها صداقها" مع احتمال أن يكون هذا خاصاً به عليه الصلاة والسلام لكثرة اختصاصه في هذا الباب.ووجه مفارقته للأصول أن العتق إزالة ملك والإزالة لا تتضمن استباحة الشيء بوجه آخر لأنها إذا أعتقت ملكت نفسها فكيف يلزمها النكاح؟ ولذلك قال الشافعي: إنها إن كرهت زواجه غرمت له قيمتها لأنه رأى أنها قد أتلفت عليه قيمتها إذ كان إنما أتلفها بشرط الاستمتاع بها وهذا كله لا يعارض به فعله عليه الصلاة والسلام ولو كان غير جائز لغيره لبينه عليه الصلاة والسلام والأصل أن أفعاله لازمة لنا إلا ما قام الدليل على خصوصيته.

مسئلہ: کیا غلام اپنی آزادی (عتق) کو عورت کا حقِ مہر (صداق) قرار دے سکتا ہے؟

اقوالِ علماء فقہاء امصار (جمہور: حنفیہ، مالکیہ، شافعیہ): ان کے نزدیک آزادی کو مہر بنانا جائز نہیں ہے۔

امام احمد بن حنبل اور امام داود ظاہری رحمہما اللہ: ان دونوں کے نزدیک آزادی مہر بن سکتی ہے، اور نکاح صحیح ہے۔

دلائل: جمہور کے دلائل: عقلی دلیل: عتق دراصل ملکیت کا زوال ہے، اور زوالِ ملکیت بذاتِ خود کسی دوسری چیز کے استحقاق کو پیدا نہیں کرتا۔ جب عورت آزاد ہوئی تو وہ اپنی ذات کی مالک ہوگئی، لہٰذا اسے لازمی طور پر نکاح میں داخل نہیں کیا جا سکتا۔ فقہی اصول: مہر ایک مثبت عوض ہونا چاہیے (مال یا منفعت)، جبکہ عتق ایک منفی عمل ہے (ملکیت کا ختم ہونا)، اور یہ اصول کے خلاف ہے۔

امام شافعی رحمہ اللہ کی وضاحت: اگر عورت آزاد ہو کر نکاح سے انکار کرے تو اسے غلام کی قیمت ادا کرنی ہوگی، کیونکہ اس نے خاوند کا مال اس شرط کے ساتھ تلف کر دیا کہ اس سے نکاح کرے گی۔

احمد و داود رحمہما اللہ کے دلائل: حدیثِ صفیہ رضی اللہ عنہا: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کو آزاد کیا اور ان کی آزادی ہی کو ان کا مہر بنایا۔ (بخاری و مسلم)

عملِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی حجیت: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل ہمارے لیے اصل ہے، الا یہ کہ خصوصیت پر واضح دلیل قائم ہو۔ چونکہ کوئی صریح دلیل خصوصیت کی نہیں، اس لیے یہ امت کے لیے بھی جائز ہے۔

سببِ اختلاف: ابن رشد رحمہ اللہ کے بقول اس اختلاف کی بنیاد دو پہلوؤں پر ہے: حدیث اور اصول م
تعارض: حدیث صفیہ رضی اللہ عنہا آزادی کو مہر قرار دیتی ہے، جبکہ قیاسی اصول کے مطابق عتق "ازالہ ملک" ہ
جو مہر کے لیے موزوں نہیں۔
خصوصیتِ نبوی کا احتمال: بعض نے کہا کہ یہ واقعہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ خاص ہے کیونکہ نکاح ک
ابواب میں ان کے لیے متعدد خصوصیات موجود ہیں۔ جبکہ دوسروں نے کہا کہ جب تک واضح دلیل
خصوصیت کی نہ ہو، آپ ﷺ کے افعال امت کے لیے عام ہیں۔
راجح قول: راجح قول یہی ہے کہ نبی ﷺ کا عمل عام ہے اور خصوصیت کی کوئی صریح دلیل نہیں، لہٰ
آزادی کو مہر بنایا جا سکتا ہے، جیسا کہ امام احمد اور داود رحمہما اللہ نے کہا۔
البتہ جمہور کی دلیل بھی قوی ہے کہ یہ اصول کے خلاف ہے، لیکن چونکہ صحیح حدیث موجود ہے اور اصل ی
ہے کہ افعالِ نبوی امت کے لیے واجب الاتباع ہیں، اس لیے راجح یہی ہے کہ عتق مہر ہو سکتا ہے۔

سوال 3: "أنت طالق" کہنے سے ایک سے زیادہ طلاق کی نیت کی جائے تو کتنی طلاقیں واقع ہوں
گی؟ امام ابوحنیفہ اور امام شافعی رحمہما اللہ کا موقف لکھیں، دلائل دیں اور سبب اختلاف لکھیں۔

جواب: (وأما المسألة الثانية) فهي اختلفوا فيمن قال لزوجته أنت طالق وادعى
أنه أراد بذلك أكثر من واحدة إما ثنتين وإما ثلاثا فقال مالك هو ما نوى وقد
لزمه وبه قال الشافعي إلا أن يقيد فيقول طلقة واحدة وهذا القول هو المختار
عند أصحابه وأما أبو حنيفة فقال: لا يقع ثلاثا بلفظ الطلاق لأن العدد لا
يتضمنه لفظ الإفراد لا كناية ولا تصريحا.وسبب اختلافهم: هل يقع الطلاق
بالنية دون اللفظ أو بالنية مع اللفظ المحتمل؟ فمن قال بالنية أوجب الثلاث
وكذلك من قال بالنية واللفظ المحتمل ورأى أن لفظ الطلاق يحتمل العدد
ومن رأى أنه لا يحتمل العدد وأنه لا بد من اشتراط اللفظ في الطلاق مع
النية قال: لا يجب العدد وإن نواه وهذه المسألة اختلفوا فيها وهي من مسائل
شروط ألفاظ الطلاق: أعني اشتراط النية مع اللفظ أو بانفراد أحدهما
فالمشهور عن مالك أن الطلاق لا يقع إلا باللفظ والنية وبه قال أبو حنيفة
وقد روي عنه أنه يقع باللفظ دون النية وعند الشافعي أن لفظ الطلاق

الصريح لا يحتاج إلى نية فمن اكتفى بالنية احتج بقوله صلى الله عليه وسلم "إنما الأعمال بالنيات" ومن لم يعتبر النية دون اللفظ احتج بقوله عليه الصلاة والسلام: "رفع عن أمتي الخطأ والنسيان وما حدثت به أنفسها" والنية دون قول حديث نفس.

صورت مسئلہ: اگر کوئی شخص اپنی بیوی سے کہے "أنت طالق" اور پھر دعویٰ کرے کہ اس نے اس لفظ سے ایک سے زیادہ (دو یا تین) طلاقیں مراد لی تھیں، تو کتنی طلاقیں واقع ہوں گی؟

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا مؤقف: امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک صرف "أنت طالق" کہنے سے صرف ایک طلاق واقع ہوگی، چاہے اس نے تین طلاقیں نیت کیوں نہ کی ہوں۔

دلائل: 1۔ لفظ میں عدد کا التزام نہیں: لفظ ''طالق'' ایک مفرد (Singular) لفظ ہے جس میں عدد (تعداد) کا کوئی التزام نہیں ہے۔ یہ نہ تصریحاً (صریحاً) اور نہ کنایۃً (بالواسطہ) عدد پر دلالت کرتا ہے۔ لہٰذا، یہ لفظ اپنے حقیقی معنی میں ہی استعمال ہوگا، یعنی ایک طلاق۔ 2۔طلاق کے وقوع کے لیے لفظ شرط ہے: امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک طلاق کا وقوع لفظ کے بغیر نہیں ہوتا۔ نیت صرف اس وقت اثر انداز ہوتی ہے جب لفظ محتمل (ایسا لفظ جو کئی معنی کا احتمال رکھتا ہو) ہو۔ چونکہ لفظ ''طالق'' محتمل نہیں ہے (یہ صرف ایک طلاق پر دلالت کرتا ہے)، اس لیے نیت کا کوئی اثر نہیں ہوگا۔

ان کا استدلال رسول اللہ ﷺ کے اس فرمان پر ہے: "رفع عن أمتي الخطأ والنسيان وما حدثت به أنفسها" (میری امت سے بھول، غلطی اور دل میں آنے والے خیالات (بغیر عمل کے) معاف کر دیے گئے ہیں)۔ نیت بغیر اظہار کے ایک ''حدیث نفس'' (دل کی بات) ہے، جس پر کوئی مواخذہ نہیں ہے۔

امام شافعی رحمہ اللہ کا مؤقف (ابن رشد رحمہ اللہ کے حوالے سے) امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک اگر شخص ''أنت طالق'' کہے اور اس کی نیت ایک سے زیادہ طلاق (دو یا تین) کی ہو، تو اس کی نیت کے مطابق طلاقیں واقع ہوں گی، البتہ اگر وہ تصریحاً ''ایک طلاق'' کہہ دے تو پھر صرف ایک ہی واقع ہوگی۔

دلائل: 1۔نیت کا اعتبار: ان کا اصل اصول حدیث نبوی ﷺ ہے: "إنما الأعمال بالنيات" (اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے)۔ لہٰذا، طلاق جیسے عمل میں نیت کو بنیادی اہمیت حاصل ہے۔

لفظ محتمل ہونے کی صورت میں: اگرچہ لفظ ''طالق'' اپنے ظاہر میں مفرد ہے، لیکن یہ عدد کا احتمال رکھتا ہے،

کیونکہ عرب اسے بعض اوقات تعدد (کثرت) کے معنی میں بھی استعمال کرتے ہیں۔ لہٰذا، جب لفظ م
احتمال ہو تو نیت ہی فیصلہ کن ہوگی۔

قید لگانے کی صورت میں: اگر کہنے والا خود اپنی نیت کو محدود کر دے اور کہے کہ "میں نے صرف ایک
طلاق مراد لی تھی"، تو امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک اس کی بات مان لی جائے گی اور صرف ایک طلاق واق
ہوگی۔ یہی بات امام مالک رحمہ اللہ بھی کہتے ہیں۔

سبب اختلاف (ابن رشد رحمہ اللہ کے تجزیے کے مطابق) ابن رشد رحمہ اللہ نے اختلاف کی بنیادی وجہ در
ذیل بنائی ہے: نیت اور لفظ کے باہمی تعلق کا مسئلہ: یہ اختلاف دراصل اس بنیادی سوال پر ہے کہ "
طلاق محض نیت سے واقع ہو جاتی ہے، یا پھر محتمل اللفظ (ایسا لفظ جو کئی معنی کا احتمال رکھتا ہو) کے سات
نیت کی ضرورت ہوتی ہے؟" جو لوگ صرف نیت کو کافی سمجھتے ہیں (جیسے امام مالک رحمہ اللہ کے ایک قول ک
مطابق)، وہ تین طلاقیں واقع ہونے کا قائل ہوگا۔ جو لوگ نیت کے ساتھ ساتھ محتمل اللفظ کو شرط سمجھتے ہیں
(جیسے امام شافعی رحمہ اللہ)، وہ بھی نیت کے مطابق طلاق واقع ہونے کا قائل ہوگا، کیونکہ ان کے نزدیک لف
"طالق" محتمل ہے۔ جو لوگ لفظ کو نیت پر مقدم رکھتے ہیں اور لفظ میں عدد کا احتمال نہیں سمجھتے (جیسے اما
ابوحنیفہ رحمہ اللہ)، وہ صرف ایک طلاق واقع ہونے کا قائل ہوگا۔

طلاق کے وقوع کے لیے شرائط کا مسئلہ: یہ مسئلہ ان broader مسائل میں سے ہے کہ "کیا طلاق ک
وقوع کے لیے صرف لفظ کافی ہے، یا صرف نیت، یا پھر دونوں کی ضرورت ہے؟" امام مالک رحمہ اللہ اور اما
ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا مشہور قول یہ ہے کہ طلاق لفظ اور نیت دونوں کے بغیر واقع نہیں ہوتی۔ امام شافعی رحمہ اللہ
کے نزدیک صریح لفظ (جیسے "طالق") کے لیے نیت کی ضرورت نہیں، یہ بغیر نیت کے بھی واقع ہو جاتی ہے۔

سوال :4 درج ذیل عبارات کی وضاحت کریں۔ (1)التمليك والتخيير فی باب الطلاق
(2)تبعيض الطلاق (3)ارداف الطلاق على الطلاق

جواب : (1)التمليك والتخيير فی باب الطلاق: (طلاق کے باب میں تملیک)

تملیک کا مفہوم یہ ہے کہ شوہر اپنی بیوی کو طلاق کا اختیار تفویض کر دے۔ اس صورت میں شوہر بیوی ۔
کہتا ہے کہ "تم اپنی ذات پر خود مالک ہو" یا "تمہارا نکاح تمہارے اختیار میں ہے"۔ جب عورت ا
اختیار کو استعمال کرتے ہوئے خود کو طلاق دے دیتی ہے تو ایک بائن طلاق واقع ہو جاتی ہے اور شوہر
رجوع کا حق ختم ہو جاتا ہے۔ یہ درحقیقت طلاق دینے کے حق کی منتقلی ہے جہاں عورت فیصلہ کن اختیار ک

حاصل ہو جاتی ہے۔

(طلاق کے باب میں تخییر): تخییر کا مفہوم یہ ہے کہ شوہر بیوی کو اختیار دے کہ وہ طلاق لے یا نکاح برقرار رکھے۔ شوہر کہتا ہے کہ "تمہیں اختیار ہے، چاہو تو طلاق لے لو یا میرے ساتھ رہو"۔ اگر عورت طلاق کا انتخاب کرتی ہے تو بائن طلاق واقع ہو جاتی ہے، اور اگر رہنے کا فیصلہ کرتی ہے تو نکاح اپنی اصل حالت پر برقرار رہتا ہے۔ یہاں عورت کو دو اختیارات میں سے ایک منتخب کرنے کا حق دیا جاتا ہے، نہ کہ صرف طلاق کا اختیار۔

(2) تبعیض الطلاق (طلاق کو جزوی طور پر دینا): معنی: "تبعیض" کے معنی کسی چیز کو ٹکڑوں یا حصوں میں تقسیم کرنا ہے۔ "تبعیض الطلاق" سے مراد یہ ہے کہ مرد اپنی بیوی کو پورے کے بجائے ایک حصے یا عضو کی نسبت سے طلاق دے، جیسے کہے: "تیری ہاتھ طلاق یافتہ ہے" یا "تیرا ایک چوتھائی حصہ طلاق یافتہ ہے"۔

اہم فقہی آراء: امام مالک رحمہ اللہ کے نزدیک: اگر کوئی شخص اپنی بیوی سے کہے: "تیرا ہاتھ طلاق یافتہ ہے"، "تیرا پاؤں طلاق یافتہ ہے" یا "تیرے بال طلاق یافتہ ہیں"، تو اس سے پوری بیوی طلاق یافتہ ہو جاتی ہے۔ امام مالک رحمہ اللہ کے اصول کے مطابق طلاق (ایک قانونی عمل) ٹکڑوں میں تقسیم نہیں ہوتی۔ لہذا عضو یا جزو کی طرف نسبت کرنا درحقیقت پوری ذات کی طرف نسبت ہے، جس سے مکمل طلاق واقع ہو جاتی ہے۔ اسی طرح اگر کوئی کہے: "میں نے تجھے آدھی طلاق دی" تو بھی پوری ایک طلاق واقع ہو جاتی ہے۔

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک: ہر عضو کی نسبت سے طلاق واقع نہیں ہوتی۔ ان کے ہاں طلاق صرف اسی صورت میں واقع ہوتی ہے جس عضو کا ذکر کیا جائے وہ جسم کے پورے وجود کی علامت سمجھا جاتا ہو، جیسے سر، دل یا فرج۔ ان اعضاء کے ذکر سے طلاق واقع ہو جاتی ہے۔ نیز، اگر کوئی مقدار بتا کر طلاق دے جیسے "تیرا ایک تہائی یا ایک چوتھائی حصہ طلاق یافتہ ہے"، تو امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک یہ طلاق بھی واقع ہو جاتی ہے۔

امام داؤد الظاہری رحمہ اللہ کے نزدیک: عضو یا جزو کی طرف نسبت سے طلاق واقع ہی نہیں ہوتی، کیونکہ شریعت میں طلاق کا تصور پوری عورت سے متعلق ہے، اس کے اجزاء سے نہیں۔

خلاصہ: تبعیض الطلاق کا مسئلہ یہ ہے کہ کیا کسی عضو یا جزو کی طرف نسبت کر کے طلاق دینے سے طلاق

واقع ہوتی ہے یا نہیں؟ امام مالک رحمہ اللہ کے نزدیک ہاں، امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک صرف مخ
طلاق متی اضافہ کے ذکر پر، اور امام داؤد رحمہ اللہ کے نزدیک نہیں۔

(3) ارداف الطلاق علی الطلاق (طلاق پر طلاق کا اضافہ/مسلسل طلاقیں دینا)

معنی: "ارداف" کے معنی پیچھے پیچھے آنا، ایک کے بعد ایک لگانا ہے۔ "ارداف الطلاق ع
الطلاق" سے مراد یہ ہے کہ ایک ہی مجلس میں ایک طلاق دینے کے فوراً بعد دوسری اور پھر تیسری ط
کا لفظ دہرایا جائے، جیسے کوئی اپنی بیوی سے کہے: ''تو طلاق یافتہ ہو، تو طلاق یافتہ ہو، تو طلاق یافتہ ہ

اہم فقہی آراء: امام مالک رحمہ اللہ کے نزدیک: اگر کسی شخص نے اپنی غیر مدخولہ بیوی (جس سے ہم بس
نہیں ہوئی) کو ایک ہی مجلس میں مسلسل کہا: ''تو طلاق یافتہ ہو، تو طلاق یافتہ ہو، تو طلاق یافتہ ہو''، تو
سے تین طلاقیں واقع ہو جاتی ہیں اور عورت حلالہ کے بغیر اس کے لیے حرام ہو جاتی ہے۔

امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ اور امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک: اس صورت میں صرف ایک ہی طلاق واقع ہوتی
ان کا استدلال یہ ہے کہ غیر مدخولہ بیوی پہلی طلاق سے ہی بالکل جدا ہو جاتی ہے (اس پر عدت ن
ہوتی)۔ لہٰذا دوسری اور تیسری بار طلاق کہنے کا کوئی فائدہ نہیں، کیونکہ وہ عورت پہلی طلاق کے بعد ہی
اس کی بیوی نہیں رہی جسے طلاق دی جائے۔

دوسرا اصولی پہلو: متن میں ایک دوسری بحث کا بھی ذکر ہے کہ اگر کوئی عدد استعمال کرے، جیسے
''میں نے تجھے تین طلاقیں دیں''، تو اس صورت میں جمہور علماء کے نزدیک تین طلاقیں واقع ہو جاتی ہ
لیکن اگر لفظ کو بار بار دہرایا جائے (تکرار اللفظ) تو اس کے واقع ہونے یا نہ ہونے میں اختلاف ہے۔

خلاصہ: ارداف الطلاق کا مسئلہ یہ ہے کہ ایک ہی مجلس میں لفظ طلاق کو مسلسل دہرانے سے ایک طلاق و
ہوتی ہے یا تین؟ امام مالک رحمہ اللہ کے نزدیک تین، جبکہ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ اور امام شافعی رحمہ اللہ کے نزد
صرف ایک۔

ابن رشد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ رجعی طلاق کے بعد طلاق کے ارداف (یعنی دوسری طلاق دینے)
معاملے میں تمام مسلمانوں (علماء) کے درمیان کوئی اختلاف نہیں ہے۔''

اصول الفقہ

نوٹ: حصہ انشائیہ اصول الفقہ سے کوئی سے دو سوال حل کریں۔ ہر سوال کے 14 نمبر ہیں۔

سوال 5: حکم وضعی اور تکلیفی کی تعریف لکھیں نیز دونوں میں فرق مثال دے کر واضح کریں۔

جواب: ۱۔ حکم تکلیفی: تعریف: حکم تکلیفی سے مراد شارع (اللہ یا رسول) کا وہ خطاب ہے جو مکلفین (عاقل و بالغ مسلمانوں) سے کسی کام کے کرنے یا نہ کرنے کا مطالبہ کرتا ہے۔ یہ پانچ اقسام پر مشتمل ہے:

واجب: جس کا کرنا لازم ہے اور ترک کرنے پر سزا ہے۔ (جیسے نماز پڑھنا)

مندوب: جس کا کرنا پسندیدہ ہے مگر ترک پر سزا نہیں۔ (جیسے نفلی نماز)

حرام: جس کا ترک لازم ہے اور کرنے پر سزا ہے۔ (جیسے چوری کرنا)

مکروہ: جس کا ترک پسندیدہ ہے مگر کرنے پر سزا نہیں۔ (جیسے فضول بات کرنا)۔

مباح: جس کے کرنے یا نہ کرنے پر کوئی ثواب یا سزا نہیں۔ (جیسے کھانا پینا)

۲۔ حکم وضعی: تعریف: حکم وضعی سے مراد شارع کا وہ خطاب ہے جو کسی چیز کو کسی دوسری چیز کا سبب، شرط یا مانع ٹھہراتا ہے۔ یہ تین اقسام پر مشتمل ہے:

سبب: وہ امر جس کے موجود ہونے سے کوئی حکم موجود ہو اور اس کے نہ ہونے سے حکم معدوم ہو۔ (جیسے رمضان کا چاند دیکھنا روزے کا سبب ہے)

شرط: وہ امر جس کے بغیر حکم موجود نہ ہو لیکن اس کا موجود ہونا حکم کے وجود کو لازم نہیں لاتا۔ (جیسے وضو نماز کی شرط ہے)

مانع: وہ امر جس کے موجود ہونے سے حکم معدوم ہو اور اس کے نہ ہونے سے حکم موجود ہو۔ (جیسے حیض عورت کے روزے کی مانع ہے)

فرق مثال کے ساتھ:

حکم تکلیفی مکلف سے براہ راست مطالبہ کرتا ہے کہ وہ کوئی کام کرے یا چھوڑے، جبکہ حکم وضعی کسی چیز کو دوسری چیز کا سبب، شرط یا مانع بناتا ہے۔

مثال: نماز پڑھنا واجب (حکم تکلیفی) ہے، لیکن وضو نماز کی شرط (حکم وضعی) ہے۔ یعنی وضو کے بغیر نماز نہیں ہو سکتی، لیکن وضو خود کوئی مستقل حکم تکلیفی نہیں ہے بلکہ ایک شرط ہے۔

ایک اور مثال: چوری کرنا حرام (حکم تکلیفی) ہے، لیکن چوری کی سزا (حد) چوری کرنا کا سبب (حکم وضعی) ہے۔ یعنی چوری کرنا حرام ہے اور اس کا سبب بنتا ہے سزا کے واجب ہونے کا۔

خلاصہ یہ کہ حکم تکلیفی فعل کے کرنے یا نہ کرنے یا فعل کی اباحت اور ترک کا مکلف کے لیے مطالبہ کرتا ہے جبکہ حکم وضعی ان میں سے کسی چیز کا فائدہ نہیں دیتا کیونکہ اس سے مقصود صرف اس چیز کا بیان ہوتا ہے جسے

شارع کسی چیز کے وجود کے لیے سبب یا شرط یا مانع بنائے تا کہ مکلف پہچان سکے کہ حکم شرعی کب ہوگا اور کب منتہی ہوگا تا کہ اسے اپنے معاملہ کی خبر رہے۔ حکم تکلیفی میں مکلف پہ ایسا امر ہوتا ہے کہ اس کے فعل اور ترک کی طاقت رکھتا ہے چنانچہ یہ اس کی مقدرت اور استطاعت میں داخل ہوتا ہے تکلیفی سے مقصود مکلف کا اس حکم کو بجالانا ہے جس کا اسے مکلف بنایا گیا ہے پس اگر حکم مکلف کی طاقت سے ہی باہر ہو تو تکلیف بے کار ہوگی جبکہ شارع جو کہ حکیم و دانا ہے اس سے منزہ و پاک ہے۔ اس شریعت اسلامیہ کا قاعدہ ہے کہ محض اس چیز کا مکلف بنایا جا سکتا ہے جو انسانی بساط میں ہو جبکہ حکم وضعی میں یہ شرط نہیں کہ وہ مکلف کی طاقت میں ہو اس وجہ سے اس کے کچھ احکام ایسے ہیں جو انسانی بساط میں ہیں اور کچھ ایسے ہیں جو مکلف کی قدرت سے باہر ہیں لیکن اس کے باوجود جب ان کا وجود پایا جائے گا ان پر مرتب ہوگا وہ وضعی حکم جو مکلف کے بس میں ہیں جیسے چوری، زنا اور دیگر جرائم شارع نے انہیں مسببات کے لیے اسباب قرار دیا ہے مثلاً چوری چور کے ہاتھ کٹنے کا سبب ہے اور زنا زانی کو کوڑے یا سنگسار کیے جانے کا سبب ہے اسی طرح دیگر جرائم ہیں۔

سوال:6 محکوم فیہ کسے کہتے ہیں؟ نیز اس کی شروط کون سی ہیں؟ تحریر کریں۔

جواب: محکوم فیہ کی تعریف: محکوم فیہ وہ ہے جس کے ساتھ خطاب شارع کا تعلق ہو اور جب خطاب شارع حکم تکلیفی ہوگا تو محکوم فیہ اس وقت فعل ہی ہوگا جبکہ حکم وضعی کی صورت میں کبھی تو مکلف کا فعل ہوگا یا رمضان کی موجودگی کہ جسے شارع نے روزوں کے وجوب کے لیے سبب قرار دیا ہے اور روزے مکلف کا فعل ہیں مفہوم فیہ کو مفہوم بہ بھی کہتے ہیں لیکن پہلا نام بہتر اور اولیٰ ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے "[...] الزکوۃ" اس حکم سے جس کا وجوب معلوم ہوتا ہے اس کا تعلق مکلف کے فعل یعنی زکوۃ ادا کرنے سے جس نے اسے واجب کر دیا۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ کا ارشاد "ولا تقربوا الزنی" اس حکم سے جو حرمت معلوم ہو رہی ہے اس کا تعلق مکلف کے فعل یعنی زنا کے ساتھ ہے جس نے اسے حرام قرار دیا ہے۔

محکوم فیہ کی شرائط: جن افعال کے ساتھ تکلیف کا تعلق ہے علماء اصول نے انہیں دو حیثیتوں سے موضوع سخن بنایا ہے۔ 1۔صحت تکلیف کی شرائط 2۔وہ چیز جس کی طرف ان افعال کی نسبت ہوتی ہے۔

1۔صحت تکلیف کی شرائط: کسی فعل کی صحت تکلیف کے لیے درج ذیل شرائط ہیں۔

1۔ایک مکلف کو اس کے بارے میں مکمل علم ہو تا کہ وہ اس کے قصد اور اس پر عمل پیرا ہونے کا اس طرح تصور کر سکے جس طرح اس سے مطالبہ کیا گیا ہے۔ مجہول کا مکلف بنانا درست نہیں اسی وجہ سے قرآن

[illegible]

دوران روزہ کلمہ کفر پر مجبور کیا اور ایسی صورت میں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کہ جب ہلاکت کا
اندیشہ ہو ان حالات میں شارع نے ان مشقتوں کو رخصت کے ذریعے دور کر دیا اور مکلف کو ان
افعال کے نہ کرنے کی اجازت دے دی اور مشقت کو دور کرنے کی غرض سے ممنوع افعال کے کرنے
دے دیا تا کہ حرج بھی دور ہو جائے لیکن اس کے ساتھ ساتھ شارع نے بعض غیر عادی مشقتوں کے
حالات میں برداشت کرنے کو مندوب قرار دیا جیسے کفر پر مجبور کرنے کی صورت میں بس ایسے شخص کو
ہے کہ وہ کلمہ کفر کہہ سکتا ہے لیکن مندوب یہ ہے کہ وہ تکلیف پر صبر کرے اور کفر کے کلمے سے
اگرچہ اس کی وجہ سے وہ ہلاک ہو جائے۔

2۔ غیر عادی مشقت لیکن فروض کفایہ کی بجا آوری کی مجبوری کی وجہ سے اسے برداشت کرنا ضروری
جیسے جہاد فرض کفایہ ہے اگرچہ اس میں جانوں کا ضیاع بھی ہے اور جسمانی تکلیف بھی اور مشقتیں
برداشت کرنا پڑتا ہے اور اسی طرح کی دیگر غیر عادی مشقتیں۔ اسی لیے کہ جہاد ضروری ہے کیونکہ اس
ذریعے بلاد اسلامیہ کی دشمنوں سے حفاظت ہوتی ہے تکلیف کی یہ قسم درحقیقت فرض کفایہ ہی میں ہوتی
جیسا کہ مثالوں سے ظاہر ہوتا ہے نہ کہ فرض عین میں۔ امر بالمعروف نہی عن المنکر بھی جہاد ہی کی طرح
کیونکہ یہ جہاد نہیں کی ایک قسم ہے اور امت میں اس کا موجود ضروری ہے کیونکہ یہ فرض کفایہ ہے لیکن
معمولی بہت بڑی بڑی مشقتیں ہوں تو اس وقت امر بالمعروف کہ جس کی وجہ سے اذیت میں ہو انفرادی
اعتبار سے مندوب ہوگا اور کلی اعتبار سے واجب ہی ہوگا۔

3۔ ایسی غیر معمولی مشقت جس کا تعلق فعل کی ذات سے نہ ہو بلکہ خود مکلف کے اپنے اوپر ایسے افعال
التزام کی وجہ سے ہو جو مشقت والے بھی ہوں اور شریعت نے ان کا حکم بھی نہ دیا ہو اس طرح کے افعال
جائز نہیں مروی ہے کہ آپ ﷺ نے ایک شخص کو دھوپ میں کھڑے دیکھا تو صحابہ رضی اللہ عنہم سے
بارے میں پوچھا تو صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ اس نے نذر مانی ہے کہ وہ دھوپ میں کھڑا رہے
گا نہ بیٹھے گا نہ سایہ لے گا نہ بولے گا اور روزہ رکھے گا تو حضور ﷺ نے فرمایا اسے کہو بات بھی کرے
بیٹھے بھی البتہ روزہ مکمل کرے اس میں حکمت یہ ہے کہ بعض کسی شرعی مقصد اور منفعت کے بغیر کسی شرعی
اور مصلحت کے قسم کو تکلیف دینا اور مشقتیں برداشت کرنا فضول کام ہے کیونکہ جسم کو تکلیف دینے
شارع کی کوئی مصلحت کارفرما نہیں بلکہ مصلحت تو اس کی حفاظت کرنے اور رعایت کرنے میں ہے تا کہ
مکلف نیک اعمال کی بجا آوری کر سکے لیکن جب مشقت کو کسی مصلحت یا مقصد کے حصول کے پیش

برداشت کرنے کا داعی موجود ہو تو اس کی اجازت ہے یا مستحب ہے یا ایسے مشقتوں والے اعمال کو برداشت کرنا واجب ہے۔

سوال:7 اصطلاحات کی تعریف تحریر کریں۔(1)اھلیۃ الوجوب (2)اھلیۃ الاداء(3)الاکراہ

جواب: 1۔اھلیۃ الوجوب (اہلیتِ وجوب): اھلیۃ الوجوب سے مراد انسان میں حقوق کی صلاحیت کا پایا جانا ہے، یعنی شریعت کی نظر میں اسے حقوق حاصل ہوں اور اس پر حقوق واجب ہوں۔ یہ اہلیت انسان میں پیدائش سے لے کر موت تک موجود رہتی ہے، خواہ وہ بالغ ہو یا نابالغ، عاقل ہو یا مجنون۔ مثال کے طور پر، نومولود بچہ وراثت کا حق رکھتا ہے (یعنی اس میں اھلیۃ الوجوب موجود ہے) اگرچہ وہ اس حق کو خود استعمال نہیں کرسکتا۔ اسی طرح ایک مجنون پر مال کے حقوق واجب ہوتے ہیں، جیسے زکوۃ اس کے مال میں واجب ہوتی ہے۔

2۔اھلیۃ الاداء (اہلیتِ اداء): اھلیۃ الاداء سے مراد انسان میں ان اعمال کو صحیح طریقے سے انجام دینے کی صلاحیت کا پایا جانا ہے جن کی شریعت میں اس سے مطالبہ کیا گیا ہے۔ یہ اہلیت بلوغت اور عقل کے بعد ہی مکمل ہوتی ہے۔ جب تک انسان بالغ اور عاقل نہ ہو، اس میں یہ اہلیت مکمل طور پر موجود نہیں ہوتی۔ مثال کے طور پر، نماز، روزہ، خرید وفروخت وغیرہ جیسے اعمال کا صحیح ہونا اسی اہلیت پر موقوف ہے۔ ایک نابالغ بچے یا مجنون میں یہ صلاحیت نہ ہونے کی وجہ سے اس کے اعمال شرعی احکام کے لحاظ سے صحیح نہیں ہوتے۔

3۔الاکراہ (اکراہ): الاکراہ کی تعریف کسی شخص کو کسی ایسے کام پر مجبور کرنا ہے جو اسے ناپسند ہو، ایسے طریقے سے جس کے روکنے پر وہ قادر نہ ہو۔ اکراہ کی دو اقسام ہیں: 1۔اکراہ ملجی: یہ وہ زبردستی ہے جس میں مکرہ (جبر کرنے والا) کسی ایسی چیز کی دھمکی دیتا ہے جس کے وقوع پر مکرہ علیہ (جس پر جبر کیا جا رہا ہے) کا بس نہ چلے، جیسے جان یا اعضاء کے ضیاع کی دھمکی۔ اس صورت میں مکرہ علیہ کے فعل کو معاف سمجھا جاتا ہے، جیسے جان بچانے کے لیے کفر کے الفاظ کہہ دینا۔ 2۔اکراہ غیر ملجی: یہ وہ دباؤ ہے جس میں ڈرایا تو جاتا ہے مگر خطرہ اتنا شدید نہیں ہوتا، جیسے معماری مار پیٹ یا قید کی دھمکی۔ اس قسم کے اکراہ میں مکرہ علیہ کا فعل معاف نہیں ہوتا، البتہ بعض حالات میں اس پر جرمانہ نہیں ہوتا۔

فقہی قواعد کے مطابق، اکراہ ملجی کی صورت میں مکرہ علیہ کے حقوق ساقط ہو جاتے ہیں، جبکہ دوسروں کے حقوق اس سے ساقط نہیں ہوتے۔ مثلاً اگر کسی نے کسی کے مال کو تلف کیا ہے تو اس پر ضمان باقی رہے گی۔

حصہ معروضی کل نمبر 30

نوٹ: حصہ معروضی کے تمام سوال لازمی ہیں۔

الفقہ

سوال 8: درج ذیل کے مختصر جواب دیں۔ 10 نمبر

سوال 1: کون سی طلاق میں عورت پر عدت لازم نہیں آتی؟

جواب: غیر مدخولہ عورت کی طلاق میں عدت لازم نہیں آتی۔ اگر شوہر نے اپنی بیوی سے ہم بستری بغیر ہی اسے طلاق دے دی تو اس عورت پر کوئی عدت (Waiting Period) نہیں ہے، وہ فوراً دوسری جگہ نکاح کر سکتی ہے۔

سوال 2: مہر مثل کسے کہتے ہیں؟ وضاحت کریں۔

جواب: مہر مثل اس مہر کو کہتے ہیں جو نکاح کے وقت طے نہیں کیا گیا ہو، لیکن بعد میں طلاق یا موت کی صورت میں عورت کو دینا لازم ہو۔ اس کی مقدار عورت کے خاندان کی دوسری عورتوں کے مہر کے برابر ہوتی ہے، جیسے اس کی بہنوں، پھوپھیوں یا خالاؤں کا مہر۔ اس کا تعین عورت کے خاندان، عمر، تعلیم، خوبصورتی اور اسی معاشرے کے رواج کے مطابق کیا جاتا ہے۔

سوال 3: امام مالک رحمہ اللہ کے نزدیک نکاح کے اولیاء کی ترتیب کیسے ہوگی؟

جواب: امام مالک رحمہ اللہ کے نزدیک نکاح میں ولایت کا اصول عصبت (قریبی مرد رشتہ دار) پر مبنی ہے سوائے بیٹے کے، کیونکہ بیٹا اگرچہ عصبات میں سے نہیں لیکن وہ سب سے مقدم ہے۔ سب سے پہلے بیٹے (اگرچہ نیچے کی نسل میں ہوں، یعنی پوتے، پڑپوتے) کو حق ولایت حاصل ہے۔ اس کے بعد باپ کو۔ پھر سگے بھائی جو ماں اور باپ دونوں کی طرف سے ہوں۔ پھر وہ بھائی جو صرف باپ کی طرف سے ہوں۔ اس کے بعد ان بھائیوں کے بیٹے یعنی بھتیجے۔ پھر دادا (اوپر کی نسل میں جتنے بھی ہوں)۔ اور مغیرہ رحمہ اللہ کا قول ہے کہ: دادا اور اس کا باپ، بھائی اور بھائی کے بیٹے سے زیادہ مقدم ہیں، کیونکہ وہ اصل (یعنی نسب کے اصول) میں سے ہیں۔ اس کے بعد: چچا (اسی ترتیب پر جیسے بھائیوں میں ہے، یعنی سگے، پھر صرف باپ کی طرف سے)۔ پھر مولا (آزاد کرنے والا مالک)۔ پھر سلطان/قاضی۔ امام مالک رحمہ اللہ کے نزدیک اعلیٰ درجہ کا مولا (قریبی آزاد کرنے والا) کم درجے کے مولا پر مقدم ہے۔ اسی طرح ان کے نزدیک باپ کا وصی (یعنی ولی بنا ہوا سرپرست) نسبی ولی پر مقدم ہے۔

سوال 4: خلع اور فدیہ میں کیا فرق ہے؟ وضاحت کریں۔

جواب: خلع اور فدیہ میں بنیادی فرق نوعیت اور مقصد کا ہے۔ خلع درحقیقت ایک خاص قسم کے طلاقی عمل کا نام ہے جس میں بیوی اپنے شوہر کو کوئی معاوضہ دے کر نکاح سے آزادی حاصل کرتی ہے، جبکہ فدیہ وہ عملی معاوضہ ہے جو بیوی اس عمل کے بدلے میں ادا کرتی ہے، جیسے مہر کی واپسی یا کوئی دیگر مالی مقدار۔ اس طرح خلع ایک قانونی طریقہ کار ہے جس کا مقصد ناپسندیدہ ازدواجی تعلق کو ختم کرنا ہے، جبکہ فدیہ اس عمل میں دی جانے والی قیمت ہے جو خلع کی شرط کے طور پر ادا کی جاتی ہے۔ مختصراً یہ کہ خلع ایک اصطلاحِ عمل ہے اور فدیہ ایک اصطلاحِ مال۔

سوال 5: آیسہ کسے کہا جاتا ہے؟ نیز اس کی عدت طلاق کتنی ہوگی؟

جواب: آئیسہ (یا آئسہ) اس عورت کو کہا جاتا ہے جو ایامِ حیض (ماہواری) سے قطعی طور پر فارغ ہو چکی ہو، یعنی اس کی عمر ایسی ہو گئی ہو کہ اب اسے ماہواری نہیں آتی۔ اس کی عدت طلاق: ایسی عورت کی طلاق کی عدت تین ماہ ہے۔

سوال 9: درج ذیل میں سے صحیح پر (✓) اور غلط پر (✗) کا نشان لگائیں۔ 10 نمبر

1۔ طلاق بدعی سے طلاق واقعہ نہیں ہوتی۔ (✗)

2۔ طلاق بائن اور طلاق بتہ ایک ہی طلاق کے دو نام ہیں۔ (✗)

3۔ عقد نکاح کو عقد بیع پر قیاس کرنا درست ہے۔ (✗)

4۔ اگر خاوند نفقہ نہ دے سکے تو طلاق واجب ہو جاتی ہے۔ (✗)

5۔ نکاح اور طلاق کے مسائل میں امام مالک رحمہ اللہ سد الذرائع پر عمل کرتے ہیں۔ (✓)

اصول الفقہ

سوال 10: درج ذیل سوالات کے مختصر جواب دیں۔ 5 نمبر

سوال 1: "الرکن" کی تعریف لکھیں۔

جواب: شرعی احکام میں "رکن" سے مراد وہ بنیادی اور ضروری جزو ہے جس کے بغیر کسی عبادت یا عمل کی صحت ممکن نہ ہو۔ جیسے نماز میں رکوع یا سجدہ۔

سوال 2: "عوارض الاھلیہ" کسے کہتے ہیں؟ مثال سے واضح کریں۔

جواب: عوارضِ اہلیت وہ اسباب، حالات یا خصلتیں ہیں جو کسی شخص کی شرعی اہلیت کو متاثر کرتی ہیں یعنی

اس کی وہ حیثیت جو اس پر شرعی حقوق وفرائض لاگو ہونے یا اس کے ذریعے شرعی معاملات انجام پانے میں معنی رکھتی ہے۔ یہ اثر بعض اوقات اہلیت کو بالکل ختم کر دیتے ہیں، بعض اوقات اسے ناقص بنا دیتے ہیں، اور بعض صورتوں میں کچھ مخصوص امور پر ہی اثر انداز ہوتے ہیں۔

سوال:3 قرآن کے مطلق کی تقیید میں ایک مثال تحریر کریں۔

جواب: قرآن میں مطلق طور پر "قطع" کا حکم ہے: ﴿وَ السَّارِقُ وَ السَّارِقَةُ فَاقْطَعُوْٓا اَيْدِيَهُمَا﴾ (المائدہ:38)۔اس مطلق حکم کو سنت نے مقید کیا کہ چوری میں ہاتھ کاٹنا صرف دائیں ہاتھ سے ہے اور کلائی تک

سوال:4 قرآن کے مجمل کی ایک مثال تحریر کریں۔

جواب: قرآن میں نماز کا حکم مجمل طور پر آیا ہے: ﴿وَ اَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ﴾ (البقرہ:43)۔اس کی تفصیلات (رکعات، طریقہ وغیرہ) سنت رسول ﷺ سے واضح ہوئیں۔

سوال:5 حجیت اجماع میں ایک دلیل لکھیں۔

جواب: ﴿وَ مَنْ يُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدٰى وَ يَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيْلِ الْمُؤْمِنِيْنَ نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى وَ نُصْلِهٖ جَهَنَّمَ ؕ وَ سَآءَتْ مَصِيْرًا﴾ (النساء:115)۔اس آیت میں ﴿غَيْرَ سَبِيْلِ الْمُؤْمِنِيْنَ﴾ (اہل ایمان کے راستے کے خلاف) چلنے پر وعید آئی ہے، جو اجماع کی حجیت پر دلالت کرتی ہے

سوال:11 درج ذیل میں سے صحیح پر (✓) اور غلط پر (×) کا نشان لگائیں۔ 5 نمبر

1۔ فاسد اور باطل ایک ہی چیز کے دو نام ہیں۔ (×)

2۔ خبر واحد قبول کرنے کی مالکی اور حنفی شروط ایک جیسی ہیں۔ (×)

3۔ اجماع صریح آج تک واقعہ نہیں ہوا۔ (×)

4۔ سبب اور علت ایک ہی اصطلاح کے دو نام ہیں۔ (×)

5۔ اصول فقہ میں قواعد لغویہ سے بحث ہوتی ہے۔ (✓)



الترجمۃ والانشاء للطلبۃ 1444ھ/2023 (سالانہ)

حصہ الانشائیہ: کل نمبر 72

نوٹ: حصہ انشائیہ مفتاح الانشاء سے کوئی سے دو سوال حل کریں۔ ہر سوال کے 18 نمبر ہیں۔

مفتاح الانشاء

سوال: 1 درج ذیل عنوانات میں سے کسی ایک پر کتاب کی روشنی میں عربی میں مضمون لکھیں جو (
سطروں سے کم نہ ہو۔

جواب: (1) اصلاح الرسوم اس کے جواب کے لیے 2024 کا حل شدہ پرچہ برائے طلباء دیکھیں۔

(2) الاسلام دین جمیع الخلق اس کے جواب کے لیے 2024 کا حل شدہ پرچہ برائے طلباء دیکھیں۔

(3) المسلمون امۃ واحدۃ اس کے جواب کے لیے 2025 کا حل شدہ پرچہ برائے طلباء دیکھیں۔

المسلمون أمة واحدة

الحمد لله الذي جعلنا أمة واحدة، والصلاة والسلام على سيدنا محمد، الذ
أرسله الله رحمة للعالمين، وعلى آله وصحبه أجمعين.

أما بعد، فإن من أعظم النعم التي أنعم الله بها على هذه الأمة هي نعـ
الوحدة والأخوة، مصداقاً لقوله تعالى: ﴿وَإِنَّ هَٰذِهِ أُمَّتُكُمْ أُمَّةً وَاحِدَةً وَأَنَا رَبُّكُمْ فَاتَّقُونِ﴾ [سورة المؤمنون: 52]. فالأمة الإسلامية أمة واحدة، متآخية متحـ
تجمعها عقيدة التوحيد وتربطها شريعة الإسلام، وتوحدها القبلة الواحـ
والكتاب الواحد، والرسول الواحد. وقد أكد القرآن الكريم على هذا المعـ
في آيات كثيرة، منها قوله تعالى: ﴿إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ إِخْوَةٌ﴾ [سورة الحجرات: 10
فالأخوة الإيمانية هي أقوى رباط، يذوب فيه كل اختلاف في الجنـ
اللون أو اللغة أو الوطن. فالمسلمون، مهما تباعدت ديارهم واختلـ
ألسنتهم، يشكلون جسداً واحداً، إذا اشتكى منه عضو تداعى له سائر الجـ
بالسهر والحمى. وقد جسد رسول الله ﷺ هذا المعنى أعظم تجسيد
وثيقة المدينة، التي أقام فيها أول دولة للمسلمين على أساس الو

الترجمة والانشاء للطلبة 1444ھ/2023 (سالانہ)

حصہ انشائیہ: کل نمبر 72

نوٹ: حصہ انشائیہ مفتاح الانشاء سے کوئی سے دو سوال حل کریں۔ ہر سوال کے 18 نمبر ہیں۔

مفتاح الانشاء

سوال 1: درج ذیل عنوانات میں سے کسی ایک پر کتاب کی روشنی میں عربی میں مضمون لکھیں جو[...] سطروں سے کم نہ ہو۔

جواب: (1) اصلاح الرسوم اس کے جواب کے لیے 2024 کا حل شدہ پرچہ برائے طلباء دیکھیں۔

(2) الامام ابن تیمیہ رحمہ اللہ اس کے جواب کے لیے 2025 کا حل شدہ پرچہ برائے طلباء دیکھیں۔

(3) المسلمون امة واحدة

الحمد لله الذي جعلنا أمة واحدة، والصلاة والسلام على سيدنا محمد، الذ[ي] أرسله الله رحمة للعالمين، وعلى آله وصحبه أجمعين.

أما بعد، فإن من أعظم النعم التي أنعم الله بها على هذه الأمة هي نع[مة] الوحدة والأخوة، مصداقاً لقوله تعالى: ﴿وَ إِنَّ هٰذِهٖٓ اُمَّتُكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّ اَنَا رَبُّكُ[مْ] فَاتَّقُوْنِ﴾[سورة المؤمنون: 52]. فالأمة الإسلامية أمة واحدة، متآخية متحاب[ة] تجمعها عقيدة التوحيد، وتربطها شريعة الإسلام، وتوحدها القبلة الواحد[ة] والكتاب الواحد، والرسول الواحد. وقد أكد القرآن الكريم على هذا المعن[ى] في آيات كثيرة، منها قوله تعالى: ﴿إِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ إِخْوَةٌ﴾[سورة الحجرات: 10] فالأخوة الإيمانية هي أقوى رباط، يذوب فيه كل اختلاف في الجنس أ[و] اللون أو اللغة أو الوطن. فالمسلمون، مهما تباعدت ديارهم واختلف[ت] ألسنتهم، يشكلون جسداً واحداً، إذا اشتكى منه عضو تداعى له سائر الجس[د] بالسهر والحمى. وقد جسد رسول الله ﷺ هذا المعنى أعظم تجسيد في وثيقة المدينة، التي أقام فيها أول دولة للمسلمين على أساس الوحد[ة]

والتآخي بين المهاجرين والأنصار، بل وبين المسلمين وغيرهم من الطوائف. وكان عليه الصلاة والسلام يردد: "مَثَلُ الْمُؤْمِنِينَ فِي تَوَادِّهِمْ وَتَرَاحُمِهِمْ وَتَعَاطُفِهِمْ مَثَلُ الْجَسَدِ إِذَا اشْتَكَى مِنْهُ عُضْوٌ تَدَاعَى لَهُ سَائِرُ الْجَسَدِ بِالسَّهَرِ وَالْحُمَّى." (متفق عليه) ولا تتحقق وحدة الأمة إلا بالتمسك بكتاب الله وسنة نبيه ﷺ، والاعتصام بحبل الله جميعاً، والرجوع إلى العلماء الراسخين، والابتعاد عن كل ما يفرق كلمة المسلمين من عصبية جاهلية، أو نزعات عنصرية، أو خلافات مذهبية مقيتة. قال تعالى: ﴿وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللَّهِ جَمِيعًا وَلَا تَفَرَّقُوا﴾ [سورة آل عمران: 103]. ومن مظاهر وحدة الأمة: أن مصائبهم واحدة، وأفراحهم واحدة، وقضاياهم واحدة. فهم ينصر بعضهم بعضاً، ويؤازر بعضهم بعضاً في السراء والضراء. وتاريخنا الإسلامي يحفل بالشواهد العظيمة على ذلك، من نصرة المسلمين للأندلس، إلى وقفاتهم مع قضاياهم المعاصرة في فلسطين والعراق وسوريا وميانمار وغيرها. وفي عصرنا الحاضر، حيث تكالبت على الأمة التيارات الفكرية الهدامة، والمؤامرات الاستعمارية التفتيتية، أصبحت الحاجة إلى الوحدة والتضامن أخطر وأوجب. فب الوحدة تقوى الأمة، وتستعيد مجدها، وتحفظ كرامتها، وتواجه أعداءها. وقد قال الشاعر:

أمة الإسلام إن لم تتحلي / يذهبنك في الرياح عبث

فالواجب على كل مسلم أن يعي هذه الحقيقة، ويعمل على ترسيخها في نفسه وأسرته ومجتمعه، وأن يسعى ليكون لبنة قوية في صرح هذه الأمة الشامخ، وأن يحذر كل الحذر من أن يكون سبباً في تفرقتها أو إضعافها. نسأل الله أن يوحد صفوف المسلمين، وأن يجمع كلمتهم على الحق، وأن يعيد لهم مجدهم وعزهم، إنه ولي ذلك والقادر عليه. وصلى الله على سيدنا محمد وعلى آله وصحبه وسلم.

سوال :2 (الف) درج سوالات میں سے چار کے عربی میں جواب دیں۔

سوال :1 بكم درهم باع رسول الله ﷺ متاع الانصاري؟

جواب: باع رسول الله ﷺ متاع الأنصاري باثني عشر درهماً.

سوال :2 ماذا كان يحمل الشيخ؟

جواب: كان الشيخ يحمل حزمة حطب على ظهره.

سوال :3 من هم اسلافنا؟

جواب: أسلافنا هم الصحابة والتابعون وتابعوهم بإحسان، ومن تبع

العلماء والأئمة في مختلف العصور.

سوال :4 من هو عمر بن عبد العزيز رحمه الله؟

جواب: هو عمر بن عبد العزيز بن مروان الأموي القرشي، الخليفة ا

العادل، من خلفاء بني أمية، اشتهر بالعدل والورع، ولُقب بخامس ال

الراشدين لتقواه وإصلاحاته.

سوال :5 لماذا اراد عبد الملك الخروج من المدينه

جواب: أراد عبد الملك الخروج من المدينة بسبب خوفه من والي ال

آنذاك، الذي كان يضطهد بني أمية، فخشي على نفسه من الأذى

10 (ب) درج ذیل جملوں کا عربی میں ترجمہ کریں۔

(1) مریض کو آرام کی ضرورت ہے۔

جواب: المريض يحتاج إلى الراحة.

(2) بچے ادھر ادھر کھیل رہے ہیں۔

جواب: الأطفال يلعبون هنا وهناك.

(3) ہر انسان اپنے عمل کا ذمہ دار ہے۔

جواب: كل إنسان مسؤول عن عمله.

(4) کیا نماز کا وقت ہو گیا ہے؟

جواب: هل دخل وقت الصلاة؟

(5) استاد کا ادب ہر طالب علم پر لازم ہے۔

جواب: أدب الأستاذ لازم على كل طالب علم.

سوال: 3 درج ذیل الفاظ کو کتاب کے اسلوب پر عربی جملوں میں استعمال کریں۔

(1) حَمَام حِمَام حَمَّام (2) خَدَم خَادِم خَادِمَة (3) الحَجَة الحَجَّة الحُجَّة

جواب: دخلتُ الحَمّامَ للاستحمام. میں غسل کے لیے حمام میں داخل ہوا۔

طارَ الحَمَامُ في السّماءِ صَفوفًا. کبوتر آسمان میں قطاروں کی صورت اُڑ گئے۔

جعلوا في البيتِ حَمَّامًا جميلاً. انہوں نے گھر میں ایک خوبصورت غسل خانہ بنایا۔

الخَدَمُ في القصرِ كثيرون. محل میں نوکر چاکر زیادہ ہیں۔

الخَادِمُ يفتحُ البابَ للضيوف. نوکر مہمانوں کے لیے دروازہ کھولتا ہے۔

الخَادِمَةُ تُرتّبُ الغُرفةَ كلَّ يوم. نوکرانی ہر روز کمرہ ترتیب دیتی ہے۔

الحَجَّة: حَجَّ زيدٌ البيتَ الحَرام حَجَّةً

الحُجَّة: الحُجَّةُ عَلَى مَنِ ادَّعَى

تاریخ ادب العربی

نوٹ: حصہ انشائیہ تاریخ ادب العربی سے کوئی سے دو سوال حل کریں۔ ہر سوال کے 18 نمبر ہیں۔

سوال: 4 نثر اور اس کی اقسام کی تعریف کریں نیز تین امثال العرب لکھ کر ان کی وضاحت کریں۔

جواب: **نثر کی تعریف**: لغوی طور پر ''نثر'' کا مطلب ہے بکھیر دینا یا پھیلانا۔ اصطلاحِ ادب میں نثر اس صنفِ کلام کو کہا جاتا ہے جس میں الفاظ کو شعری وزن اور قافیہ کی پابندی کے بغیر ایک خاص ترتیب، وضاحت اور فصاحت کے ساتھ پیش کیا جائے۔

شاعری میں جہاں اوزان و بحور کی قید ہوتی ہے، وہیں نثر آزاد اور سادہ اسلوب رکھتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ نثر کے ذریعے خیالات، واقعات، علمی مضامین اور نصیحتوں کو زیادہ وضاحت اور تفصیل کے ساتھ بیان کیا جاتا ہے۔

نثر کی اقسام: تاریخِ ادبِ عربی کے مطابق عربی نثر کی کئی بڑی اقسام ہیں:

نثر مرسل (نثر سادہ): وہ نثر جس میں الفاظ آسان اور جملے سادہ ہوتے ہیں، اس میں فنی تکلفات (قافیہ و سجع) کم ہوتے ہیں۔ مثال: مواعظِ صحابہ رضی اللہ عنہ یا سیرت نگاری۔

نثر مسجع (سجع دار نثر): وہ نثر جس میں جملوں کے آخر میں قافیہ یا ہم آہنگی پائی جاتی
قدیم خطبوں اور رسائل میں یہ اسلوب عام تھا۔ مثال: خطبہ قُس بن ساعدہ۔

نثر علمی: وہ نثر جو علمی مباحث، فقہ، فلسفہ، لغت اور سائنس کی وضاحت میں لکھی گئی ہو۔ مثال
خلدون رحمہ اللہ کی المقدمہ یا جاحظ کی البیان والتبیین۔

نثر ادبی: اس نثر میں جذبات، خیالات اور ادبیت نمایاں ہوتی ہے۔ اس میں محاورات، تشبیہا
بلیغ اسلوب زیادہ پایا جاتا ہے۔ مثال: خطبات علی رضی اللہ عنہ (نہج البلاغہ) یا بدیع الزمان الہمدانی کے مقاما

امثال العرب (عربی محاورات و کہاوتیں): عربی ادب میں "امثال" کو بڑی اہمیت
ہے۔ یہ مختصر جملے یا عبارتیں ہیں جو کسی واقعہ، تجربہ یا حکمت کے نتیجے میں پیدا ہوئیں اور عوام میں
ہوگئیں۔ ان کی خوبی یہ ہے کہ یہ مختصر ہونے کے باوجود معنی کی گہرائی رکھتے ہیں۔

تین مشہور امثال اور ان کی وضاحت:

1۔ "الصيفَ ضَيَّعْتِ اللبن" گرمیوں میں تم نے دودھ ضائع کیا۔

وضاحت: یہ مثل اُس عورت کے بارے میں کہی گئی جو اپنے شوہر سے علیحدہ ہوگئی، بعد میں پچھتائی
موقع ہاتھ سے جا چکا تھا۔ مطلب یہ ہے کہ وقت پر موقع ضائع کرنے والا بعد میں کچھ حاصل نہیں کر

2۔ "رجع بخُفَّيْ حُنين" وہ حنین کے جوتے لے کر لوٹا۔

وضاحت: ایک مشہور قصہ ہے کہ ایک موچی "حنین" سے کسی نے جوتے لینے چاہے لیکن بات نہ بنی
نے چالاکی سے اپنے جوتے راستے میں رکھ دیے، وہ شخص لالچ میں سب کچھ چھوڑ کر صرف جوتے
واپس آیا۔ مطلب: کسی کام میں ناکام ہو کر خالی ہاتھ واپس آنا۔

3۔ "أسمعُ جَعجَعَةً ولا أرى طِحْنا" میں چکی کی آواز تو سنتا ہوں مگر آٹا نظر نہیں آتا

وضاحت: یہ کہاوت ایسے شخص کے بارے میں ہے جو بہت باتیں کرتا ہے مگر عمل کچھ نہیں دکھاتا۔ یعنی
شور اور دعویٰ ہو لیکن حقیقت نہ ہو۔

سوال 5: درج ذیل اجزاء میں سے کسی ایک کا جواب دیں۔

(الف) اشعار پر اعراب لگائیں، ترجمہ کریں اور خط کشیدہ کی مفرد جمع لکھیں۔

(ب) فرزدق اور ان کی شاعری پر جامع نوٹ لکھتے ہوئے جاہلی شاعری کا تعارف پیش کریں۔

(الف) اشعار پر اعراب لگائیں، ترجمہ کریں اور خط کشیدہ کی مفرد جمع لکھیں۔

قال امرا القیس: ارقتُ لبرق بلیل اهل۔۔۔ یضیء سناه باعلی الجبل۔۔۔ اتانی حدیث فکذبته۔۔۔وامر تزعزع منه القلل۔۔۔ بقتل بنی اسد ربهم۔۔۔ الاکل شئی سواه جلل

جواب: قال امروُ القیس: أَرِقتُ لِبَرْق بِاللَّيْلِ أَهْلِ /يُضِيءُ سَنَاهُ بِأَعْلَى الْجَبَلِ
أَتَانِي حَدِيثٌ فَكَذَّبْتُهُ /وَأَمْرٌ تَزَعْزَعَ مِنْهُ الْقُلَلُ
بِقَتْلِ بَنِي أَسَدٍ رَبَّهُمْ /أَلا كُلُّ شَيْءٍ سِوَاهُ جَلَلُ

ترجمہ: میں ایک بجلی (کوند) کی وجہ سے رات کو جاگ اٹھا جو اہلِ دیار پر چمکی، اس کی روشنی پہاڑ کی چوٹیوں پر پھیل گئی۔

میرے پاس ایک خبر پہنچی جسے پہلے میں نے جھٹلایا، مگر ایک ایسا حادثہ تھا کہ پہاڑ اس سے لرز اٹھے۔

(یہ خبر تھی) کہ بنی اسد کے سردار کو قتل کر دیا گیا، یقیناً اس کے سوا باقی سب باتیں معمولی ہیں۔

(ب) فرزدق اور ان کی شاعری پر جامع نوٹ لکھتے ہوئے جاہلی شاعری کا تعارف پیش کریں۔

مفرد/جمع: (1) أَهْلِ أَهْلُونَ / أَهَالِي (2) الْجَبَلِ جِبَال
(3) حَدِيثٌ أَحَادِيث (4) قُلَّة الْقُلَلُ

جواب: 1۔ فرزدق اور ان کی شاعری: اسلامی دور بالخصوص اُموی خلافت میں جس شاعر نے اپنی جاندار اور پراثر شاعری سے شہرت پائی وہ فرزدق ہے، جس کا اصل نام ہمّام بن غالب التمیمی رحمہ اللہ اور کنیت ابوفراس تھی۔ اس کی ولادت 641ء میں بصرہ میں ہوئی اور وفات 728ء میں ہوئی۔ ''فرزدق'' کا مطلب ہے روٹی کا بڑا ٹکڑا، اور یہ لقب اس کے بھاری بھرکم اور مضبوط کلام کی وجہ سے مشہور ہوا۔ فرزدق اپنی قوم بنی تمیم پر فخر کرتا اور قبائلی منافرت کو اشعار کے ذریعے ابھارتا تھا۔ وہ دربارِ اُموی کا نمایاں شاعر تھا اور اکثر خلفاء و امراء کی مدح سرائی کرتا، لیکن ساتھ ہی اپنے مخالفین خصوصاً شاعر جریر پر سخت ہجو بھی کہتا۔ فرزدق کی شاعری کی سب سے نمایاں خصوصیات میں قبائلی فخر، مدح، ہجو اور لغوی قوت شامل ہیں۔ اس کے اشعار میں الفاظ کا جلال، فصاحت اور قبائلی غیرت جھلکتی ہے۔ اس کی شاعری میں ایسے نادر اور فصیح الفاظ ملتے ہیں جو بعد کے لغویین اور نحویین کے لیے سند کا درجہ رکھتے ہیں۔ فرزدق نہ صرف اُموی حکمرانوں کا مدّاح تھا بلکہ اہل بیت کی محبت سے بھی خالی نہ تھا۔ اس کا امام زین العابدین رضی اللہ عنہ کی شان میں کہا گیا مشہور قصیدہ آج تک عربی ادب میں بلند مقام رکھتا ہے۔

یوں کہا جا سکتا ہے کہ فرزدق نے اپنی شاعری کے ذریعے اپنے دور کی سیاسی، سماجی اور فکری تاریخ کو نہ صرف بیان کیا بلکہ اسے عربی ادب کی تاریخ کا ایک اہم باب بنا دیا۔ اس کی شاعری میں جہاں مدح کی شان ہے وہاں سخت ہجو اور جریر و اخطل جیسے معاصرین کے ساتھ شعری مناظرے بھی عربی ادب کا دلچسپ حصہ ہیں۔ اسی وجہ سے فرزدق کو اسلامی دور کے بڑے شعراء میں شمار کیا جاتا ہے اور اس کا کلام آج بھی لغت و ادب کے طلبہ کے لیے سرمایہ ہے۔

2۔ جاہلی شاعری کا تعارف: شعر کی تعریف: شعر اس موزوں و مقفّی کلام کو کہتے ہیں جو نادر افکار و خیالات اور پر اثر و معنی خیز مناظر و حالات کی صحیح ترجمانی و عکاسی کرے، شعر کبھی نثر میں ہوتا ہے اور نظم میں، احساس سے تعلق اور طبیعت سے لگاؤ کی بنا پر، نیز عقلی و تمدنی ترقی اور علمی گہرائی اور تحقیق کی ضرورت نہ ہونے کے باعث شاعری کو ادبی آثار میں قدیم ترین مقام حاصل ہے۔

جاہلی شعر کے امتیازات: صحرائی درشتی و سنگلاخی کھری اور روکھی زندگی، آزادی فکر، آب و ہوا کی سختی، دیہاتی سادگی، یہی وہ عوامل ہیں جن کے اثر نے جاہلیت کی شاعری کو ایک خاص رنگ میں رنگ کر اس میں امتیازی شان پیدا کر دی ہے۔

1۔ اس شاعری کی پہلی خصوصیت راستی اور سچائی ہے یعنی کسی جذبہ کی بے کم و کاست پوری اور سچی عکاسی، فطرت کی صحیح ترجمانی، آورد ظاہری ٹیپ ٹاپ اور تکلفات سے یہ شاعری آپ کو بالکل خالی نظر آئے گی، یہی وجہ ہے کہ اس میں اختصار زیادہ، مجاز کم اور مبالغہ تو بالکل ہی نادر ہے۔

2۔ دوسری خصوصیت اس شاعری کی یہ ہے کہ اس میں منطقی طریقوں اور طبعی تقاضوں کے مطابق ترتیب و تسلسل افکار پر بہت کم توجہ دی گئی ہے چنانچہ معنی و مضامین کا باہمی ربط بہت کمزور ہوتا ہے، شعروں کی ترتیب بے جوڑ اور ڈھیلی ہوتی ہے، حتی کہ اگر شعروں کی ترتیب میں تاخیر و تقدیم کر دی جائے یا بعض شعروں کو بالکل حذف کر دیا جائے تو بھی کوئی کمی یا خامی معلوم نہیں ہوتی۔ اس کی وجہ یہی ہے کہ وہ فطرتاً فلسفیانہ نظر نہیں رکھتے، ان کی نظر میں تمام اشیاء و حوادث ایک دوسرے سے الگ اور بے تعلق ہوتے ہیں جنہیں کوئی رشتہ باہم نہیں ملاتا، یہی سبب ہے کہ عرب ادیبوں کے نزدیک شاعری کو پرکھنے کا معیار ایک ایک شعر ہوتا ہے نہ کہ پورا قصیدہ۔

3۔ جاہلی شاعری کی دیگر خصوصیات: غریب و نامانوس الفاظ کا استعمال، تراکیب میں متانت اور الفاظ میں شوکت ہیں۔ یہ ان کے طبعی اور اجتماعی نظام میں قوت و درشتی کی غمازی کر رہی ہے۔

۔ان کی شاعری کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ اس کا آغاز کھنڈرات اور مکانات کے ذکر سے ہوتا ہے
س لیے کہ وہ خانہ بدوش زندگی گزارتے تھے آج یہاں خیمے نصب کر لیے کل وہاں، جہاں کچھ سرسبزی
ور پانی نظر آیا وہاں کا رخ کر لیا۔

سوال 6: درج ذیل عبارت پر اعراب لگائیں اور ترجمہ کریں۔

قال علی رضی اللہ عنہ: این القوم الذین دعوا الی الاسلام فقبلوہ وقراوا القران فاحکموہ وھیجوا القتال فولھوا ولہ اللقاح الی اولادھا وسلبوا السیوف اغمادھا واخذوا باطراف الارض زحفا زحفا وصفا صفا۔

جواب: عبارت مع اعراب: قَالَ عَلِيٌّ رضی اللہ عنہ: أَيْنَ الْقَوْمُ الَّذِينَ دَعَوْا إِلَى الْإِسْلَامِ فَقَبِلُوهُ، وَقَرَؤُوا الْقُرْآنَ فَأَحْكَمُوهُ، وَهَيَّجُوا الْقِتَالَ فَوَلَّهُوا وَلَهَ اللِّقَاحِ إِلَى أَوْلَادِهَا، وَسَلَبُوا السُّيُوفَ أَغْمَادَهَا، وَأَخَذُوا بِأَطْرَافِ الْأَرْضِ زَحْفًا زَحْفًا وَصَفًّا صَفًّا.

ترجمہ: حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: کہاں ہیں وہ لوگ جو اسلام کی طرف بلائے گئے تو انہوں نے اسے قبول کیا، قرآن کی تلاوت کی تو اسے مضبوطی سے تھاما، اور جہاد کو بھڑکایا تو وہ ایسے بے قرار ہوئے جیسے اونٹنی اپنے بچوں کے لیے بے قرار ہوتی ہے، انہوں نے تلواروں کو ان کے نیاموں سے نکال لیا، اور زمین کے کناروں کو زحمت در زحمت اور صف در صف لے لیا (یعنی جہاد میں صف بستہ ہو کر بڑھتے گئے)۔

حصہ معروضی کل نمبر 28

نوٹ: حصہ معروضی کے تمام سوال لازمی ہیں۔

مفتاح الانشاء

سوال 7: درج ذیل اجزاء میں سے پانچ کے مختصر جواب دیں۔ 10 نمبر

سوال 1: "لاول مرۃ" اور "الآن" دونوں الفاظ کی مثالوں سے وضاحت کریں۔

جواب: "لاول مرۃ" کا مطلب ہے پہلی بار۔ مثال: سافرت الی مکۃ لاول مرۃ (میں پہلی بار مکہ گیا)۔ "الآن" کا مطلب ہے ابھی یا فی الحال۔ مثال: انا ادرس الآن (میں ابھی پڑھ رہا ہوں)۔

سوال 2: "القوسان" اور "علامت المماثلہ" یہ دونوں علامتیں کہاں استعمال ہوتی ہیں؟

جواب: القوسان () ان علامتوں کو کہتے ہیں جو عبارت یا جملے کو واضح کرنے کے لئے استعمال ہوتی ہیں۔

علامۃ المماثلہ (=) برابری یا مساوات ظاہر کرنے کے لئے ریاضی اور منطق میں استعمال ہوتی ہے۔

سوال :3 فعل لازم اور فعل متعدی میں سے کسی ایک کی تعریف مع مثال ذکر کریں۔

جواب : فعل لازم وہ فعل ہے جو اپنے معنی کو پورا کرنے کے لئے مفعول کی ضرورت نہ رکھے۔ جیسے جلس الطفل (بچہ بیٹھ گیا)۔ فعل متعدی وہ فعل ہے جو اپنے معنی کو مکمل کرنے کے لئے مفعول کی ضرورت رکھتا ہے۔ اگر مفعول نہ ہوتو اس کا مفہوم ادھورا رہ جاتا ہے۔ مثال: ضَرَبَ زیدٌ عُمَرًا (زید نے عمر کو مارا)۔

سوال :4 تین سے دس تک مذکر مونث اور تمیز کا قاعدہ نوٹ کریں۔

جواب : تین سے دس تک کے عدد جب معدود کے ساتھ آتے ہیں تو قاعدہ یہ ہے کہ اگر معدود مذکر ہو تو عدد مؤنث آتا ہے اور اگر معدود مؤنث ہوتو عدد مذکر آتا ہے۔ مثال: ثلاث بنات (تین لڑکیاں) ثلاثة رجال (تین مرد)۔

سوال :5 "ما اساس عقيده المسلمين"؟ عربی میں جواب لکھیں۔

جواب : أساسُ عقيدةِ المسلمينَ هو توحيدُ اللهِ تعالى.

سوال :6 درج ذیل میں سے صحیح پر (✔) اور غلط پر (✖) کا نشان لگائیں۔ 4 نمبر

1۔ عمر بن معدیکرب عرب کا مشہور خطیب تھا۔ (✔)

2۔ عربی شعراء نے قصص پر شاعری نہیں کی۔ (✖)

3۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جاہلی شاعر زہیر بن ابی سلمہ کی تعریف کی تھی۔ (✔)

4۔ عبد الحمید الکاتب کو اموی اور عباسی ادوار میں عزت سے دیکھا گیا۔ (✖)

تاریخ ادب العربی

(اس حصہ کے سوالات نہیں مل سکے)



(طلباء وطالبات)

السیاسة الشرعیة 1444ھ/2023 (سالانہ)

حصہ انشائیہ: کل نمبر 72

نوٹ: حصہ انشائیہ سے کوئی سے چار سوال حل کریں۔ ہر سوال کے 18 نمبر ہیں۔

سوال:1 افلاطون کے نزدیک معاشرہ کے کتنے اور کون سے طبقات ہیں؟ واضح کریں، اور اس کے نظریہ کا جائزہ ذکر کریں۔

جواب: اس سوال کا جواب 2024 کے حل شدہ پرچہ جات میں دیکھا جاسکتا ہے

سوال:2 خلافت راشدہ اور اس کے امتیازات بالتفصیل بیان کریں۔

جواب: **خلافت راشدہ کا تعارف:** خلافت راشدہ نبی کریم ﷺ کے وصال کے بعد قائم ہونے والی پہلی اسلامی حکومت تھی جس کی مدت تقریباً تیس برس پر مشتمل ہے۔ اس میں سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ، سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ، سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ اور سیدنا علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ یکے بعد دیگرے خلیفہ بنے۔ یہ وہ زمانہ ہے جسے نبی کریم ﷺ نے ''خلافت علیٰ منہاج النبوۃ'' قرار دیا تھا۔ اس عہد کو اسلامی تاریخ کا سب سے روشن اور سنہری باب کہا جاتا ہے۔

خلافت کا انتخابی نظام: اس دور میں خلافت کا انتخاب مشاورت اور اہلِ رائے کی تائید سے ہوتا تھا۔ خلیفہ وقت امت کے مشورے کے بغیر مسلط نہیں ہوتا تھا۔ یہ اس بات کا ثبوت ہے کہ اسلام میں حکمرانی زبردستی یا موروثی حق کے طور پر نہیں بلکہ امت کی مشاورت اور رضا پر قائم ہوتی ہے۔

عدل و انصاف کا قیام: خلفائے راشدین نے ریاستی ڈھانچے کو عدل و انصاف پر استوار کیا۔ کوئی شخص قانون سے بالاتر نہیں تھا۔ حکمران اور عام شہری کے درمیان مساوات قائم تھی۔ اگر خلیفہ پر مقدمہ آجاتا تو وہ قاضی کے سامنے پیش ہوتا اور فیصلہ قانون کے مطابق ہوتا۔

سادگی اور تقویٰ: خلفاء کی ذاتی زندگی نہایت سادہ تھی۔ وہ بیت المال کو اللہ کی امانت سمجھتے تھے۔ بیت المال کے پیسے کو ذاتی استعمال کے لیے لینا گناہ سمجھا جاتا تھا۔ ان کی سادہ زندگی حکمرانوں اور عوام کے

لیے عملی مثال تھی۔

قرآن و سنت کی بالادستی: خلافت راشدہ میں ہر فیصلہ قرآن و سنت کی روشنی میں ہوتا۔ اگر کوئی مسئلہ براہِ راست نص میں موجود نہ ہوتا تو اجتہاد اور مشاورت سے اس کا حل نکالا جاتا۔ یہی عمل آگے چل کر اسلامی فقہ کے اصولوں کا بنیادی ذریعہ بنا۔

فتوحات اور وسعت: اس دور میں اسلامی سلطنت دنیا کے بڑے حصے تک پھیل گئی۔ عراق، ایران، شام، مصر، شمالی افریقہ، خراسان، آرمینیا اور رومی علاقے مسلمانوں کے زیرِ نگیں آ گئے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دور میں اسلامی بحری بیڑا وجود میں آیا اور پہلی مرتبہ سمندری راستوں پر بھی اسلام غالب آیا۔

بیت المال اور فلاحی نظام: بیت المال کو منظم کیا گیا اور اس کے ذریعے غریبوں، یتیموں، بیواؤں اور معذوروں کی کفالت کی جاتی تھی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور میں ہر شہری کا باقاعدہ رجسٹر بنایا گیا اور ان کے وظائف مقرر کیے گئے۔ یہ دنیا کا پہلا منظم فلاحی نظام تھا۔

امت کی وحدت: خلافت راشدہ میں تمام مسلمان ایک مرکز کے تحت جمع تھے۔ قبیلہ، زبان یا نسل کی بنیاد پر تفریق نہیں تھی۔ عربی اور غیر عربی، سب برابر سمجھے جاتے تھے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے دور میں بھی اختلافات کے باوجود یہ اصول قائم رہا کہ خلیفہ امت کی وحدت کی علامت ہے۔

علمی و فقہی خدمات: اس دور میں اجتہاد کا دروازہ کھلا رہا۔ بڑے بڑے فقہی مسائل صحابہ کی مشاورت سے حل کیے گئے۔ حدیث کی روایت، قرآن کی تعلیم اور اسلامی علوم کی بنیادیں مضبوط ہوئیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو "باب العلم" کہا گیا، جبکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اجتہادات اسلامی قانون کے بنیادی اصول بنے۔

جہاد اور دفاعی نظام: خلافت راشدہ نے دفاعی نظام کو مضبوط کیا۔ باقاعدہ فوجی تنظیم قائم کی گئی، سرحدوں پر چوکی دار مقرر کیے گئے، اور مختلف خطوں میں لشکر بھیجے گئے تاکہ امت محفوظ رہے۔

اقلیتوں کے حقوق: اس دور میں غیر مسلم رعایا (اہلِ ذمہ) کو مکمل تحفظ دیا گیا۔ ان کے جان و مال کی حفاظت کی گئی اور ان پر ظلم کرنے کو سخت گناہ سمجھا گیا۔ یہ اسلام کے عدل اور رواداری کی بہترین مثال ہے۔

انتظامی اصلاحات: خلافت راشدہ کے زمانے میں نہ صرف دینی بلکہ دنیاوی اصلاحات بھی ہوئیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے دیوان (ریکارڈ آفس) قائم کیا، ڈاک کا نظام بنایا، گورنروں کے لیے اصول طے کیے، اور نئے شہروں (کوفہ، بصرہ، فسطاط) کو آباد کیا۔

نتیجہ: خلافت راشدہ کا دور اسلامی تاریخ کا مثالی زمانہ ہے۔ اس میں عدل و انصاف، سادگی، مساوات، فتوحات، علم، شوریٰ، اقلیتوں کے حقوق اور فلاحی نظام کے وہ نمونے قائم ہوئے جو آج بھی دنیا کے لیے رہنمائی کا سرچشمہ ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ مسلمانوں کے نزدیک خلافت راشدہ ہمیشہ ایک نمونہ اور آئیڈیل نظام حکومت ہے۔

سوال: 3 انسانی اور قانون الٰہی میں فرق مدلل بیان کریں۔

جواب: قانون الٰہی کا تعارف: قانون الٰہی وہ قوانین اور اصول ہیں جو اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق کی ہدایت اور رہنمائی کے لیے نازل فرمائے ہیں۔ یہ وحی کے ذریعے انبیاء کرام کو ملے اور قرآن وسنت میں محفوظ ہیں۔ چونکہ یہ قوانین اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہیں، اس لیے یہ کامل، عادل اور ہر قسم کی کمی وکوتاہی سے پاک ہیں۔ ان قوانین میں انسان کی دینی، اخلاقی، معاشرتی اور سیاسی زندگی کے تمام پہلو شامل ہیں۔ قانون الٰہی کی اصل بنیاد اللہ کی صفاتِ علم وحکمت اور عدل پر ہے، اس لیے یہ ہمیشہ درست اور لازوال رہتا ہے۔

انسانی قانون کا تعارف: انسانی قانون وہ ضابطے ہیں جو انسان اپنی عقل، تجربے اور حالات کے مطابق مرتب کرتا ہے۔ یہ قوانین مختلف ریاستوں اور معاشروں میں الگ الگ ہوتے ہیں۔ ان کا مقصد انسانی زندگی کو منظم کرنا اور امن قائم رکھنا ہوتا ہے۔ تاہم انسانی عقل محدود ہے اور انسان کے بنائے ہوئے قوانین میں خامی اور کمی پائی جاتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ایک ملک میں رائج قانون دوسرے ملک میں درست نہیں سمجھا جاتا اور وقت گزرنے کے ساتھ انسان اپنے ہی بنائے ہوئے قوانین میں تبدیلی کرتا رہتا ہے۔

قانون الٰہی کی خصوصیات: 1۔ یہ براہِ راست اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے، اس لیے خطا اور نقص سے پاک ہے۔ 2۔ اس میں عدل اور رحمت کا پہلو ہمیشہ غالب رہتا ہے۔ کسی پر ظلم اور زیادتی کی گنجائش نہیں۔ 3۔ قانون الٰہی ہمہ گیر اور جامع ہے۔ یہ صرف عبادات تک محدود نہیں بلکہ سیاست، معیشت، معاشرت، تجارت اور معاشرتی حقوق سب کا احاطہ کرتا ہے۔ 4۔ یہ عالمگیر ہے، کسی خاص قوم یا علاقے کے لیے مخصوص نہیں۔ قرآن کا اعلان ہے: ﴿وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ﴾ (الانبیاء: 107)۔ 5۔ یہ دائمی اور ابدی ہے۔ انسان کے حالات بدل جائیں مگر قانون الٰہی اپنی اصل میں نہیں بدلتا۔ 6۔ اس کا مقصد دنیا اور آخرت دونوں کی کامیابی ہے۔ صرف دنیاوی سکون ہی نہیں بلکہ اخروی

نجات بھی اسی میں مضمر ہے۔

انسانی قانون کی حدود اور خامیاں: 1۔ یہ انسان کی محدود عقل اور تجربے پر مبنی ہوتا ہے، اس لیے کامل اور کامل العدل نہیں ہو سکتا۔ 2۔ وقت اور حالات کے ساتھ اس میں تبدیلی ناگزیر ہے، لہٰذا یہ پائیدار نہیں۔ 3۔ انسانی قانون اکثر طاقتور طبقے کے فائدے کے لیے بنایا جاتا ہے اور کمزور طبقہ اس سے محروم رہتا ہے۔ 4۔ اس میں دنیاوی مفاد کو تو سامنے رکھا جاتا ہے مگر روحانی اور اخروی پہلو بالکل نظر انداز ہوتے ہیں۔ 5۔ یہ قوانین جگہ اور زمانے کے اعتبار سے مختلف ہوتے ہیں، اس لیے ان میں عالمگیریت نہیں پائی جاتی۔ ایک قانون جو یورپ میں درست سمجھا جاتا ہے وہ مشرق میں قابلِ عمل نہیں رہتا۔ 6۔ انسانی قانون میں بعض اوقات عدل کے بجائے خواہشات اور دباؤ اثر انداز ہوتے ہیں، جس سے ناانصافی اور ظلم جنم لیتے ہیں۔

انسانی اور قانون الٰہی میں فرق: 1۔ ماخذ: قانون الٰہی کا ماخذ وحی اور اللہ کی ہدایت ہے جبکہ انسانی قانون کا ماخذ انسانی عقل، تجربہ اور مشاورت ہے۔ 2۔ کمال ونقص: قانون الٰہی کامل اور خطاء سے پاک ہے، لیکن انسانی قانون ناقص اور خامیوں سے بھرپور ہے۔ 3۔ پائیداری: قانون الٰہی ہمیشہ باقی رہنے والا اور لازوال ہے، جبکہ انسانی قانون وقتی اور بدلنے والا ہے۔ 4۔ عالمگیریت: قانون الٰہی تمام انسانوں اور قوموں کے لیے ہے، لیکن انسانی قانون صرف کسی ایک قوم یا علاقے کے لیے محدود ہے۔ 5۔ مقصد: قانون الٰہی دنیا اور آخرت دونوں کی بھلائی کے لیے ہے، جبکہ انسانی قانون صرف دنیاوی زندگی کی تنظیم تک محدود ہے۔ 6۔ عدل وانصاف: قانون الٰہی میں عدل مطلق قائم ہوتا ہے، لیکن انسانی قانون میں طاقتور کا جھکاؤ اور کمزور کی حق تلفی عام ہے۔ 7۔ تاثیر: قانون الٰہی انسان کے ظاہر اور باطن دونوں کی اصلاح کرتا ہے، جبکہ انسانی قانون صرف ظاہری اعمال اور دنیاوی تعلقات تک محدود رہتا ہے۔ 8۔ تغیر وتبدل: قانون الٰہی میں بنیادی اصول کبھی تبدیل نہیں ہوتے، جبکہ انسانی قانون میں مسلسل تبدیلیاں آتی رہتی ہیں۔

دلائل قرآن و سنت سے: قرآن کہتا ہے: ﴿وَ مَنْ لَّمْ یَحْكُمْ بِمَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓىٕكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ﴾ (المائدہ: 44) یعنی جو لوگ اللہ کے نازل کردہ قانون کے مطابق فیصلہ نہ کریں وہ کافر ہیں۔ ایک اور مقام پر فرمایا گیا: ﴿اَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَ الْاَمْرُ﴾ (الاعراف: 54) یعنی تخلیق اور حکم سب اللہ ہی کے اختیار میں ہے۔ اس سے ثابت ہوا کہ اصل قانون وہی ہے جو اللہ کی طرف سے ہے۔ نبی کریم ﷺ

فرمایا: "ترکت فیکم أمرین لن تضلوا ما تمسکتم بهما: کتاب الله وسنتي" (موطا امام مالک) یعنی میں تمہارے درمیان دو چیزیں چھوڑ رہا ہوں، جب تک ان پر قائم رہو گے گمراہ نہ ہو گے: اللہ کی کتاب اور میری سنت۔

نتیجہ: انسانی قانون اور قانون الٰہی میں بنیادی فرق یہ ہے کہ انسانی قانون محدود، وقتی، ناقص اور تبدیلی کا محتاج ہے، جبکہ قانون الٰہی کامل، دائمی، عادلانہ اور عالمگیر ہے۔ ایک مسلمان کے لیے اصل معیار قانون الٰہی ہے کیونکہ اسی پر عمل کر کے انسان نہ صرف دنیا میں عدل وسکون حاصل کرتا ہے بلکہ آخرت کی کامیابی بھی یقینی بناتا ہے۔ انسانی قانون کی افادیت تبھی ہے جب وہ قانون الٰہی کے مطابق ہو، ورنہ اس کے نقصانات معاشرتی بگاڑ، ظلم اور ناانصافی کی صورت میں ظاہر ہوتے ہیں۔

سوال :4 اسلام کی خارجہ پالیسی کے اصولوں پر مختصر مگر جامع نوٹ لکھیں۔

جواب : **اسلام کی خارجہ پالیسی کے اصول**

1۔ **دعوت اسلام کی عالمگیریت:** اسلام کی خارجہ پالیسی کا پہلا اور بنیادی مقصد یہ ہے کہ اسلام کا پیغام دنیا کے ہر خطے اور ہر قوم تک پہنچایا جائے۔ قرآن میں کہا گیا ہے کہ حکمت اور اچھے انداز کے ساتھ دعوت دی جائے تاکہ لوگ دلیل اور اخلاق سے متاثر ہو کر حق کو قبول کریں۔ اسلام کسی پر زبردستی ایمان لانے پر مجبور نہیں کرتا بلکہ آزادی اور دلیل کے ساتھ پیغام پہنچانے پر زور دیتا ہے۔

2۔ **امن و صلح کی ترجیح:** اسلام جنگ کی بجائے امن اور صلح کو ترجیح دیتا ہے۔ اگر کوئی مخالف قوم صلح کی پیش کش کرے تو مسلمانوں کو اس پر راضی ہونے کا حکم دیا گیا ہے تاکہ خون خرابہ نہ ہو اور انسانی جانیں محفوظ رہیں۔ جنگ صرف اس وقت کی جاتی ہے جب دشمن ظلم پر اتر آئے یا مسلمانوں کے خلاف جارحیت کرے۔

3۔ **جہاد برائے دفاع اور ظلم کے خاتمے کے لیے:** اسلام میں جہاد کا مقصد زمین پر فساد پھیلانا نہیں بلکہ ظلم و جبر کا خاتمہ اور دین و جان کا تحفظ ہے۔ جہاد ہمیشہ دفاعی یا مظلوموں کی مدد کے لیے ہوتا ہے، نہ کہ طاقت کے نشے یا زمین پر قبضے کے لیے۔ اس میں اعلیٰ اخلاقی ضابطے مقرر کیے گئے ہیں۔

4۔ **بین الاقوامی معاھدوں کی پاسداری:** اسلام نے وعدے اور معاہدے کو انتہائی اہمیت دی ہے۔ چاہے دشمن قوم سے معاہدہ ہو یا دوست سے، اس کی پابندی ضروری ہے۔ قرآن نے ایسے لوگوں کی مذمت کی ہے جو وعدے توڑتے ہیں۔ اس اصول سے ظاہر ہوتا ہے کہ اسلام بین الاقوامی

تعلقات میں اعتماد اور دیانت کو بنیاد بناتا ہے۔

5۔ **احترام انسانیت:** اسلام نے غیر مسلموں کے ساتھ بھی حسن سلوک کا حکم دیا ہے۔ حتیٰ کہ حالتِ جنگ میں بھی عورتوں، بچوں، بوڑھوں اور غیر مسلح لوگوں کو قتل کرنے کی اجازت نہیں۔ اسی طرح عبادت گاہوں کو مسمار کرنے سے بھی منع کیا گیا ہے۔ یہ سب انسانیت کے احترام اور انسانی جان کی حرمت کی واضح مثالیں ہیں۔

6۔ **عدم مداخلت:** اسلام میں کسی دوسری قوم کے اندرونی معاملات میں بلاوجہ مداخلت کی اجازت نہیں۔ ہر قوم کو اپنے دین اور سیاسی فیصلوں کا حق دیا گیا ہے۔ اسلام صرف اس وقت اقدام کرتا ہے جب کوئی قوم مسلمانوں پر حملہ کرے یا کسی کمزور قوم پر ظلم ڈھائے۔

7۔ **عدل وانصاف کا قیام:** اسلام چاہتا ہے کہ عالمی تعلقات عدل وانصاف پر قائم ہوں۔ دشمن کے ساتھ بھی انصاف کرنے کا حکم دیا گیا ہے تاکہ ظلم کی جڑ کٹ جائے۔ قرآن میں ارشاد ہے کہ کسی قوم کی دشمنی بھی تمہیں عدل سے نہ روک دے۔ اس اصول کے ذریعے دنیا میں توازن اور امن قائم ہوتا ہے۔

8۔ **دعوت اور جہاد میں توازن:** اسلام پہلے پرامن دعوت دیتا ہے، پھر اگر ممکن ہو تو معاہدے کرتا ہے، لیکن اگر ظلم اور زیادتی ختم نہ ہو تو جہاد کی اجازت دیتا ہے۔ یوں اسلام نے دعوت، صلح اور جہاد کے درمیان ایک متوازن پالیسی دی ہے۔

9۔ **اقوام عالم کے ساتھ تعاون:** اسلام اس بات کی اجازت دیتا ہے کہ انسانیت کی فلاح، ظلم کے خاتمے، غربت مٹانے اور امن قائم رکھنے جیسے معاملات میں غیر مسلم اقوام کے ساتھ تعاون کیا جائے۔ تعاون مشترکہ انسانی مقاصد کی بنیاد پر ہوتا ہے۔

10۔ **حریت مذہب کا تحفظ:** اسلام نے غیر مسلموں کو اپنے مذہب پر عمل کرنے کی آزادی دی ہے۔ ان کی عبادت گاہوں کو بھی محفوظ قرار دیا ہے۔ اس طرح اسلام ایک ایسا معاشرہ تشکیل دیتا ہے جس میں سب اپنے عقائد کے مطابق زندگی گزار سکیں۔

11۔ **ذمیوں اور معاہدین کے حقوق:** اسلامی ریاست میں رہنے والے غیر مسلم شہری (ذمی) اور بیرونی معاہدین محفوظ ہیں۔ ان کے جان، مال اور عزت کی حفاظت مسلمانوں پر فرض ہے۔ ان پر ظلم کرنا یا ان کے حقوق پامال کرنا شریعت میں سخت گناہ ہے۔

12۔ **ظلم کے خلاف کھڑا ہونا:** اسلام کی خارجہ پالیسی یہ ہے کہ اگر کوئی قوم کسی کمزور پر ظلم کر

تو مسلمانوں کو چاہیے کہ مظلوم کی مدد کریں۔ قرآن میں مظلوموں کی حمایت کو جہاد کا مقصد قرار دیا گیا ہے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اسلام ظلم کے خاتمے کے لیے عالمی کردار ادا کرتا ہے۔

13۔ **مالی اور معاشی تعلقات میں عدل:** اسلام نے مالی اور تجارتی تعلقات کو عدل و دیانت پر قائم کیا ہے۔ سود، ذخیرہ اندوزی، دھوکہ دہی اور استحصال کی سختی سے ممانعت کی گئی ہے۔ اس طرح اسلام معاشی تعلقات کو بھی انصاف کے اصولوں پر استوار کرتا ہے۔

14۔ **امن عامہ اور دنیاوی خیر خواہی:** اسلام کی خارجہ پالیسی انسانیت کے مجموعی بھلائی پر مبنی ہے۔ اسلامی ریاست صرف اپنے شہریوں کی فلاح تک محدود نہیں رہتی بلکہ عالمی سطح پر امن، خیر خواہی اور بھلائی کا پیغام دیتی ہے۔

سوال :5 درج ذیل میں سے دو پر نوٹ لکھیں۔ 1۔سوشلزم 2۔عدلیہ 3۔قومیت کے عناصر ترکیبی 4۔جمہوریت

جواب :1 ۔ **سوشلزم:** سوشلزم ایک معاشی اور سماجی نظریہ ہے جس کا مقصد دولت اور وسائل کو محدود طبقے کے قبضے سے نکال کر اجتماعی فائدے کے لیے استعمال کرنا ہے۔ اس نظریے کے مطابق معاشرے میں امیری اور غریبی کی شدید تقسیم استحصال کو جنم دیتی ہے، اس لیے ضروری ہے کہ دولت کی منصفانہ تقسیم ہو۔ سوشلزم میں پیداوار کے بڑے ذرائع مثلاً زمین، فیکٹریاں اور صنعتیں انفرادی ملکیت کی بجائے ریاست یا قوم کی اجتماعی ملکیت سمجھی جاتی ہیں۔ اس کا مقصد یہ ہے کہ سب افراد بنیادی سہولتوں، تعلیم، علاج اور روزگار سے یکساں طور پر فائدہ اٹھا سکیں۔

یہ نظام سرمایہ دارانہ نظام کے برعکس ہے جہاں دولت چند ہاتھوں میں مرتکز ہو جاتی ہے۔ سوشلزم طبقاتی تفریق کے خاتمے اور مساوات کے قیام پر زور دیتا ہے۔ اس کے مختلف ماڈل سامنے آئے ہیں جن میں سب سے نمایاں مارکس ازم ہے۔ تاہم بعض ممالک نے سوشلسٹ اصولوں کو جزوی طور پر اختیار کر کے مخلوط معاشی نظام بنایا۔

2۔ **عدلیہ:** عدلیہ ریاست کا نہایت اہم ادارہ ہے جسے حکومت کا تیسرا ستون کہا جاتا ہے۔ اس کا بنیادی کام انصاف فراہم کرنا، قوانین کی تشریح کرنا اور ان پر عمل درآمد کرانا ہے۔ عدلیہ شہریوں کے حقوق کا تحفظ کرتی ہے اور حکومتی اداروں کو قانون کے دائرے میں رکھنے کا فریضہ انجام دیتی ہے۔

ایک مضبوط اور آزاد عدلیہ کسی بھی ریاست میں انصاف کے قیام، امن وسکون اور قانون کی بالادستی کی ضامن

ہوتی ہے۔ یہ نہ صرف عوام کو ظلم اور زیادتی سے بچاتی ہے بلکہ اختیارات کے غلط استعمال کو بھی روکتی ہے۔
اسلامی عدلیہ کی بنیاد قرآن وسنت پر ہے، جبکہ جدید جمہوری ریاستوں میں عدلیہ آئین کے مطابق فیصلے کرتی ہے۔ عدلیہ کے مختلف درجے ہوتے ہیں جیسے ماتحت عدالتیں، ہائی کورٹ اور سپریم کورٹ۔ عدلیہ کی آزادی ایک بنیادی اصول ہے جس کے بغیر انصاف ممکن نہیں۔

3۔ قومیت کے عناصر ترکیبی: قومیت ایک ایسا جذبہ ہے جو افراد کو ایک قوم کے طور پر متحد کرتا ہے۔ یہ جذبہ کئی عناصر سے مل کر وجود میں آتا ہے جنہیں قومیت کے عناصر ترکیبی کہا جاتا ہے۔

نسل ونسب: ایک ہی نسل یا نسب سے تعلق رکھنے والے افراد میں قربت کا احساس زیادہ ہوتا ہے۔

زبان: مشترکہ زبان افراد کو ایک دوسرے کے قریب لاتی ہے اور ایک ثقافتی وحدت پیدا کرتی ہے۔

جغرافیہ: ایک خاص خطہ زمین جہاں لوگ صدیوں سے آباد ہوں، ان میں وطنیت کا جذبہ پیدا کرتا ہے۔

مذہب: دین اور عقیدے کی ہم آہنگی قوم کو ایک دوسرے سے جوڑنے میں سب سے زیادہ مضبوط کردار ادا کرتی ہے۔

تہذیب وثقافت: ایک جیسی روایات، رسم ورواج اور طرزِ زندگی افراد میں یکجہتی پیدا کرتے ہیں۔

تاریخ: مشترکہ تاریخی پس منظر اور قومی ہیروز قومیت کے جذبے کو تقویت دیتے ہیں۔

یہ تمام عناصر جب اکٹھے ہوں تو ایک مضبوط قوم وجود میں آتی ہے۔ تاہم بعض نظریات میں قومیت کی بنیاد صرف زبان یا جغرافیہ کو سمجھا گیا جبکہ اسلامی تصور قومیت دین اور عقیدے کو اصل بنیاد قرار دیتا ہے۔

4۔ جمہوریت: جمہوریت ایک ایسا سیاسی نظام ہے جس میں اقتدار عوام کی مرضی سے وجود میں آتا ہے۔ عوام اپنے نمائندے منتخب کرتے ہیں جو ان کے مسائل حل کرنے اور قانون سازی کرنے کے ذمہ دار ہوتے ہیں۔ جمہوریت کی بنیاد مساوات، آزادی، قانون کی بالادستی اور عوامی شراکت پر ہے۔
جمہوریت کی مختلف شکلیں ہیں، مثلاً صدارتی نظام اور پارلیمانی نظام۔ اس کے بنیادی اصولوں میں عوامی اقتدار، انتخابات کے ذریعے نمائندگی، بنیادی حقوق کا تحفظ، اظہار رائے کی آزادی، اور اقلیتوں کا احترام شامل ہیں۔
ابراہام لنکن نے جمہوریت کو یوں بیان کیا کہ ”یہ عوام کی حکومت ہے، عوام کے ذریعے ہے اور عوام کے لیے ہے“۔ جمہوریت میں عدلیہ آزاد ہوتی ہے، میڈیا کو آزادی حاصل ہوتی ہے، اور حکومت عوام کے سامنے جواب دہ ہوتی ہے۔

اسلامی نقطہ نظر میں حقیقی جمہوریت وہ ہے جو شریعت کے اصولوں کے مطابق ہو، جہاں عوام کے منتخب

نمائندے قرآن و سنت کی روشنی میں فیصلے کریں۔ یوں اسلام میں جمہوریت کا مطلب صرف عوام کی حکومت نہیں بلکہ "اللہ کی حاکمیت اور عوامی شراکت" ہے۔

حصہ معروضی کل نمبر 28

نوٹ: حصہ معروضی کے تمام سوال لازمی ہیں۔

سوال :6 درج ذیل کے مختصر جواب دیں۔ 10 نمبر

سوال :1 دستور کی تعریف کریں۔

جواب: دستور (آئین) وہ بنیادی قانون اور اصولوں کا مجموعہ ہے جو ریاست کے سیاسی ڈھانچے، حکمرانی کے طریقۂ کار، ریاستی اداروں کے دائرۂ کار، شہریوں کے بنیادی حقوق و فرائض اور آئینی ترمیم کے اصول وضع کرتا ہے۔ دستور دیگر قوانین کی بنیاد اور حوالہ ہوتا ہے؛ اس کی بالادستی (supremacy) کے باعث کوئی بھی عام قانون اگر آئین کے خلاف ہو تو باطل سمجھا جاتا ہے۔ دستورات تحریری (مثلاً پاکستان یا امریکا کا آئین) یا غیر تحریری (مثلاً برطانیہ کا غیر تحریری دستور) ہو سکتے ہیں اور ان کا مقصد حکومت کو منظم، جوابدہ اور حدودِ اقتدار واضح رکھنا ہوتا ہے۔

سوال :2 ضروریات خمسہ کیا ہیں؟ صرف نام لکھیں۔

جواب :1 دین: شریعت کا وہ مقصد جس میں عبادات، اعتقادات اور مذہبی آزادی کی حفاظت مقصود ہے۔ 2۔جان: انسان کی حیات کی حفاظت؛ یعنی قتل، تشدد اور خطرات سے بچاؤ۔ 3 عقل: فکری صلاحیتوں اور شعوری قوت کی حفاظت؛ جس سے تعلیم، فہم و ادراک اور ممنوعاتِ نشے شامل ہیں۔ 4۔نسل: خاندان اور تولیدی نظام کی حفاظت؛ شادی، نسب و نسل، اور بچوں کے حقوق کا تحفظ۔ 5۔مال: اموال و معاشی حقوق کا تحفظ؛ ملکیت، تجارت اور معیشت میں انصاف۔ یہ پانچوں مقاصد اس لیے اہم سمجھے گئے کہ ان کے تحفظ کے بغیر معاشرتی نظام کی بقاء خطرے میں پڑ جاتی ہے۔

سوال :3 تحریک قومیت کا آغاز کب اور کہاں سے ہوا؟

جواب: تحریکِ قومیت کی جدید شکل عام طور پر یورپ میں دیرِ جدید (late 18th century) میں ابھری مانی جاتی ہے؛ خاص طور پر انقلابِ فرانس (1789ء) کو اس کی سب سے بڑی ابتدا سمجھا جاتا ہے کیونکہ اس نے عوامی خود اختیاری، قوم و زبان اور عوامی وفاداری کے تصورات کو فروغ دیا۔ نپولین کے زمانے میں یہ خیالات یورپ کے دیگر حصوں میں پھیل گئے اور 19 ویں صدی میں قومیت ایک مرکزی

سیاسی قوت بن گئی؛ بعد ازاں اسی خیال نے 19ویں اور 20ویں صدی میں ایشیا و افریقہ میں بھی آزادی کی تحریکوں کو متحرک کیا۔

سوال:4 اقوام متحدہ کا قیام کب اور کیوں تشکیل پایا؟

جواب: اقوامِ متحدہ کی بنیاد دوسری عالمی جنگ کے بعد امن وسلامتی کو برقرار رکھنے، مستقبل میں بڑی جنگوں کی روک تھام، اور بین الاقوامی تعاون و انسانی حقوق کے فروغ کے لیے رکھی گئی۔ اس کا چارٹر سان فرانسسکو کانفرنس (United Nations Conference on International Organization) میں مسودہ تیار کر کے 26 جون 1945ء کو دستخط ہوا، اور چارٹر کی درکار توثیق پورے ہونے کے بعد یہ 24 اکتوبر 1945ء کو نافذ العمل آیا اسی تاریخ کو عموماً اقوامِ متحدہ کے قیام کا دن مانا جاتا ہے۔ اقوامِ متحدہ لیگ آف نیشنز کا متبادل سمجھا جاتا ہے اور اس کے بنیادی مقاصد میں عالمی امن، بین الاقوامی تعاون، اقتصادی وسماجی ترقی اور انسانی حقوق کا تحفظ شامل ہیں۔

سوال:5 عشر اور عشور میں فرق نوٹ کریں۔

جواب: عشر: لغوی طور پر "دسواں حصہ" ہے؛ فقہی و تاریخی اصطلاح میں یہ عموماً زرعی پیداوار پر واجب حقِ دولت (زکوٰۃ/عشر) کو کہتے ہیں۔ فقہی ضوابط کے مطابق اگر زمین قدرتی ذرائع (بارش، ندی، چشمہ وغیرہ) سے سیراب ہو تو عموماً پیداوار کا ایک دسواں حصہ (10/1) لازم قرار پایا؛ اور اگر زمین مصنوعی آبپاشی (ٹیوب ویل وغیرہ) سے سیراب ہوتی ہو تو بعض مذاہب میں نصاب کے مطابق نصف عشر یعنی ایک بیسویں حصہ (20/1) واجب قرار پایا جاتا ہے یہ شرعی فروعی احکام اور ملکی عملدرآمد کے مطابق مختلف ہو سکتے ہیں۔ عشور/ اعشار (عُشور / اَعشار): یہ لفظ دراصل عُشر کا جمع یا مجازی استعمال بھی ہے؛ لغت میں بعض اوقات "محصول، ٹیکس یا کسٹم ڈیوٹی" کے معنوں میں بھی آتا ہے۔ تاریخی طور پر بعض اوقات تجارت یا درآمدی اشیاء پر لیے جانے والے محصول کو بھی اسی اسمِ جمع کے تحت بیان کیا گیا ہے۔ لہٰذا خلاصہ یہ کہ عشر "دسواں حصہ" (واحد شرعی فریضہ) ہے جبکہ عشور/اعشار اس کا جمع یا وسیع معنی میں محصولات/ٹیکس کے طور پر استعمال ہوسکتا ہے۔

سوال:7 درج ذیل میں سے صحیح پر (✓) اور غلط پر (✗) کا نشان لگائیں۔ 10 نمبر

1۔ ارسطو کا عظیم شاگرد افلاطون ہے۔ (✗)

2۔ برطانیہ میں آئینی بادشاہت قائم ہے۔ (✓)

3۔اسلامی ملک کا سربراہ غیر مسلم ہونا اسلام تعلیمات کے منافی ہے۔ (✓)
4۔اسلامی حکومت میں اقتدار اعلیٰ خلیفہ کے پاس ہوتا ہے۔ (✗)
5۔اسلام سے پہلے روم اور ایران میں احترام باہمی کی فضا قائم کی تھی۔ (✗)
6۔"الصحيفة الصادقه" صحیح بخاری کا دوسرا نام ہے۔ (✗)
7۔حکومت کے تین اہم اجزاء ہیں۔عدلیہ،مقننہ،انتظامیہ (✓)
8۔جہاد قتال کا دوسرا نام ہے۔ (✗)
9۔قومیت اور جمہوریت ایک نظام کے دو نام ہیں۔ (✗)
10۔مقننہ کا فرض ہوتا ہے کہ وہ ملک میں قانون کی تنفیذ یقینی بنائے۔ (✗)

سوال 8: مجوزہ جوابات میں سے درست جواب کا انتخاب کریں۔

1۔اسلامی قانون کے کل ماخذ ہیں۔
03 | 04 (✓) | 02

2۔اجماع کی بڑی اقسام ہیں۔
02 (✓) | 03 | 04

3۔اقوام متحدہ کا نام تجویز کیا تھا۔
شاہ فیصل نے | روز ویلٹ نے (✓) | چرچل نے

4۔اقوام متحدہ کا سب سے بڑا ادارہ ہے۔
عالمی بینک | جنرل اسمبلی (✓) | عالمی عدالت

5۔انسانی تاریخ میں زیادہ قتل کیے ہیں۔
برطانیہ نے | امریکہ نے | سکندر نے (✓)

6۔مارکسزم کا بانی تھا۔
کارل مارکس (✓) | ہٹلر | گاندھی

7۔قرآت قریش پر امت کا متفق کرنا بڑا کارنامہ تھا۔
حضرت ابوبکر کا | حضرت علی کا | حضرت عثمان کا (✓)

8۔خلفائے راشدین میں سب سے کم مدت حکومت کی ہے۔
حضرت ابوبکر نے (✓) | حضرت عمر نے | حضرت علی نے

(طلباء وطالبات)

الاقتصاد الاسلامی 1444ھ/2023 (سالانہ)

حصہ انشائیہ: کل نمبر 72

نوٹ: حصہ انشائیہ سے کوئی سے چار سوال حل کریں۔ ہر سوال کے 18 نمبر ہیں۔

سوال 1: بیت المال کی ضرورت واہمیت اور افادیت پر سیر حاصل بحث کریں۔

جواب: بیت المال: اسلامی معیشت کا اہم ستون

تعریف ومفہوم: بیت المال عربی زبان کا لفظ ہے جس کے لفظی معنی "مال کا گھر" کے ہیں۔ اصطلا
اس سے مراد وہ ادارہ یا خزانہ ہے جہاں اسلامی ریاست کی آمدنی جمع کی جاتی ہے اور جہاں سے اسلا
اصولوں کے مطابق اسے خرچ کیا جاتا ہے۔ بیت المال اسلامی معاشی نظام کا ایک بنیادی ادارہ ہے ج
ریاست کی مالیاتی خودمختاری کو یقینی بناتا ہے۔

تاریخی پس منظر: بیت المال کا نظام رسول اللہ ﷺ کے دور میں ہی قائم ہو چکا تھا۔ مدینہ منو
میں ریاست مدینہ کے قیام کے بعد اس کی باقاعدہ بنیاد رکھی گئی۔ خلیفہ اول حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ
دور میں اسے مزید منظم کیا گیا، جبکہ خلیفہ دوم حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اسے ایک مستقل ادارے کی ش
دی اور اس کے لیے الگ عمارت تعمیر کروائی۔

بیت المال کے ذرائع آمدن: بیت المال کے اہم ذرائع آمدن میں درج ذیل شامل ہیں:

زکوٰۃ: زکوٰۃ اسلام کے پانچ ارکان میں سے ایک ہے اور بیت المال کا اہم ترین ذریعہ آمدن ہے۔
مالدار مسلمانوں پر فرض ہے اور اسے غریبوں، مسکینوں اور دیگر مستحقین پر خرچ کیا جاتا ہے۔

خراج: خراج اس زمین پر عائد کیا جانے والا محصول ہے جو اسلامی ریاست کے زیر قبضہ آتی ہے۔
غیر مسلموں سے ان کی زمینوں پر عائد ہوتا تھا۔

جزیہ: جزیہ اسلامی ریاست میں رہنے والے غیر مسلم شہریوں سے لی جانے والی وہ رقم ہے جو ا
جان ومال کی حفاظت کے بدلے میں ہوتی تھی۔

غنیمت: جنگ میں حاصل ہونے والی مال غنیمت کا پانچواں حصہ بیت المال میں جمع کیا جاتا تھا۔
فئی: فئی وہ مال ہے جو بغیر جنگ کے دشمن سے حاصل ہو، جیسے صلح کے تحت لی جانے والی رقم۔
دیگر ذرائع: ان کے علاوہ صدقات، نذور، وقف کی آمدنی، اور دیگر ٹیکس بھی بیت المال کے ذرائع آمدن میں شامل تھے۔

بیت المال کے مصارف: بیت المال کے اہم مصارف درج ذیل ہیں:

غربا و مساکین کی کفالت: بیت المال کا سب سے اہم مصرف غریبوں، مسکینوں، یتیموں اور بیواؤں کی کفالت ہے۔
ریاستی اخراجات: ملکی دفاع، انتظامیہ، تعلیم، صحت اور دیگر سرکاری خدمات کے اخراجات بیت المال سے پورے کیے جاتے تھے۔
عوامی بہبود کے منصوبے: سڑکیں، پل، نہریں، مساجد، اسپتال اور دیگر عوامی بہبود کے منصوبے بیت المال کی آمدنی سے تعمیر کیے جاتے تھے۔

بیت المال کی بنیادی ضرورت: معاشی توازن قائم کرنے کا ذریعہ: بیت المال کی سب سے بڑی ضرورت معاشرے میں معاشی توازن قائم کرنا ہے۔ یہ ادارہ امیر اور غریب کے درمیان فرق ختم کرنے میں کلیدی کردار ادا کرتا ہے۔ زکوۃ، صدقات، اور دیگر اسلامی محصولات کے ذریعے دولت کے ارتکاز کو روکا جا سکتا ہے اور معاشرے کے کمزور طبقات تک اس کی رسائی ممکن بنائی جا سکتی ہے۔
ریاستی خودمختاری کا ضامن: بیت المال اسلامی ریاست کو بیرونی قرضوں اور مدد سے آزاد رکھتا ہے، جس سے ریاست اپنے فیصلے خود کر سکتی ہے۔ یہ مالی خودمختاری قومی عزت و وقار کے تحفظ کے لیے نہایت ضروری ہے۔
بیت المال کی انتظامی اہمیت: شفاف انتظامیہ کا نمونہ: بیت المال کی انتظامی اہمیت اس کے شفاف نظام میں پنہاں ہے۔ تاریخی طور پر بیت المال کے اخراجات کا مکمل ریکارڈ رکھا جاتا تھا اور ہر شہری کو یہ حق حاصل تھا کہ وہ اخراجات کے بارے میں سوال کر سکے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا یہ فرمان کہ "میں نے تمہارے مال میں سے کوئی چیز نہیں لی سوائے اس کے جس کا میں مستحق تھا" اس شفافیت کی بہترین عکاسی کرتا ہے۔
اجتماعی فلاح و بہبود کا مرکز: بیت المال عوامی بہبود کے تمام منصوبوں کے لیے مالی وسائل

کے ذریعے تعمیر کیے جاتے تھے۔ یہ ادارہ معاشرے کے ہر فرد کی بنیادی ضروریات پوری کرنے کا ذمہ دار تھا۔ مہیا کرتا تھا۔ سڑکیں، پل، نہریں، اسپتال، تعلیمی ادارے اور دیگر بنیادی ڈھانچے اسی

بیت المال کی معاشی افادیت: دولت کی منصفانہ تقسیم: بیت المال کی سب سے بڑی افادیت دولت کی منصفانہ تقسیم ہے۔ یہ اسلامی معیشت کے اس اصول کی عملی تفسیر ہے کہ دولت صرف چند ہاتھوں میں مرتکز نہ ہو۔ زکوۃ کے ذریعے امیروں سے لی گئی رقم غریبوں تک پہنچائی جاتی ہے، جس سے معاشی سرگرمیوں میں اضافہ ہوتا ہے۔

معاشی استحکام کا ضامن: بیت المال معاشی استحکام پیدا کرنے میں اہم کردار ادا کرتا ہے۔ یہ معیشت میں سے غیر ضروری نقد رقم (excess liquidity) کو نکال کر اسے پیداواری شعبوں میں инвести کرتا ہے، جس سے معاشی ترقی کو فروغ ملتا ہے اور inflation پر قابو پانے میں مدد ملتی ہے۔

سماجی تحفظ کا نظام: بیت المال معاشرے کے کمزور طبقات کے لیے سماجی تحفظ کا ایک مضبوط نظام فراہم کرتا ہے۔ یتیموں، بیواؤں، معذوروں، بوڑھوں اور بے روزگاروں کی کفالت کا ذمہ دار یہی ادارہ ہوتا ہے۔ اس طرح اسلامی معاشرہ ایک ایسی فلاحی ریاست کی شکل اختیار کر لیتا ہے جہاں ہر فرد کی بنیادی ضروریات پوری ہوتی ہیں۔

جدید دور میں بیت المال کی متعلقہ اہمیت: غربت کے خلاف موثر ہتھیار: عصر حاضر میں بیت المال کا نظام غربت کے خلاف جنگ میں انتہائی موثر ثابت ہوسکتا ہے۔ اگر زکوۃ کو صحیح طریقے سے وصول کر کے مستحقین تک پہنچایا جائے تو اسلامی ممالک میں غربت کا خاتمہ ممکن ہے۔

اسلامی مالیاتی نظام کی بنیاد: بیت المال اسلامی مالیاتی نظام کی بنیاد ہے جس پر جدید اسلامی بینکاری اور مالیاتی ادارے استوار ہو سکتے ہیں۔ یہ سود سے پاک معیشت کے قیام میں اہم کردار ادا کر سکتا ہے۔

سوال :2 اسلام کے قانون وراثت اور دیگر ادیان میں تقسیم میراث کا موازنہ تحریر کریں۔

جواب : **اسلام میں قانون وراثت:**

ایک جامع نظام: قرآن وسنت کی واضح ہدایات: اسلام میں وراثت کے قوانین قرآن مجید میں سورۃ النساء میں مفصّل بیان کیے گئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: ''اللہ تمہیں تمہاری اولاد کے بارے میں حکم دیتا ہے کہ مرد کا حصہ دو عورتوں کے حصے کے برابر ہے'' (النساء: 11)۔ اسلام نے وراثت کے حوالے

ے ایک منظم اور تفصیلی نظام پیش کیا ہے جس میں ہر وارث کے حصے واضح طور پر بیان کیے گئے ہیں۔

اسلام کے قانون وراثت کی نمایاں خصوصیات: 1۔عورت کا حق وراثت: اسلام نے عورت کو وراثت میں حق دیا جو زمانہ جاہلیت میں عرب معاشرے میں ناپید تھا۔ 2۔منصفانہ تقسیم: مرد اور عورت دونوں کے حصے مقرر کیے گئے ہیں۔ 3۔خون کے رشتوں کو ترجیح: وراثت میں خون کے رشتوں کو دیگر رشتوں پر ترجیح حاصل ہے۔ 4۔وصیت کی حد بندی: وصیت کی اجازت ہے لیکن اسے ورثاء کے حقوق سلب کرنے کے لیے استعمال نہیں کیا جا سکتا۔

دیگر ادیان میں وراثت کے نظام: یہودیت میں وراثت کا نظام: 1۔بیٹے کو ترجیح: تورات کے مطابق بیٹیوں کو صرف اس صورت میں وراثت ملتی ہے جب بیٹا نہ ہو۔ 2۔بڑے بیٹے کا دوگنا حصہ: پہلوٹھے بیٹے کو دیگر بیٹوں کے مقابلے میں دوگنا حصہ ملتا ہے۔ 3۔عورتوں کے محدود حقوق: عورتوں کے وراثتی حقوق مردوں کے مقابلے میں محدود ہیں۔

عیسائیت میں وراثت کا تصور: 1۔بائبل میں واضح ہدایات کی کمی: بائبل میں وراثت کے بارے میں کوئی واضح اور مفصل نظام موجود نہیں۔ 2۔معاشرتی روایات پر انحصار: مختلف عیسائی فرقے اپنے معاشرتی روایات کے مطابق وراثت تقسیم کرتے ہیں۔ 3۔وصیت کی آزادی: زیادہ تر عیسائی معاشروں میں فرد کو اپنی جائیداد تقسیم کرنے کی مکمل آزادی ہے۔

ہندومت میں وراثت کے اصول: 1۔صرف مرد وارث: روایتی ہندو قانون میں صرف مرد ہی وارث ہو سکتے تھے۔ 2۔بیٹیوں کے محدود حقوق: بیٹیوں کو صرف وراثت میں سے جہیز کا حق حاصل تھا۔ 3۔متعدد قوانین: جدید دور میں ہندوستان میں مختلف قوانین نافذ ہیں جو روایتی اصولوں سے مختلف ہیں۔

تقابلی جائزہ: اسلام اور دیگر ادیان: عورت کے حقوق کا موازنہ: 1۔اسلام: عورت کو واضح حق وراثت دیا گیا ہے۔ 2۔یہودیت: عورت کا حق وراثت محدود اور مشروط ہے۔ 3۔عیسائیت: کوئی واضح ہدایات نہیں، معاشرتی روایات پر انحصار۔ 4۔ہندومت: روایتی طور پر عورت کو وراثت میں کوئی حق نہیں۔

تقسیم کے اصولوں کا موازنہ: 1۔اسلام: دقیق اور منظم نظام، ہر رشتے کے حصے مقرر۔ 2۔دیگر ادیان: عمومی اصول یا معاشرتی روایات پر انحصار۔ **انصاف اور توازن کا پہلو:**

1۔اسلام: مالی ذمہ داریوں کے مطابق حصے مقرر کیے گئے ہیں۔

2۔دیگر ادیان: زیادہ تر مردوں کے حقوق کو ترجیح دیتے ہیں۔

اسلام کے قانون وراثت کی انفرادیت: مالی ذمہ داریوں کے مطابق حصے: اسلام میں مرد کے زیادہ حصے کی وجہ اس پر عائد مالی ذمہ داریاں ہیں۔ مرد پر خاندان کی کفالت کی ذمہ داری ہے، جبکہ عورت پر ایسی کوئی ذمہ داری نہیں۔

خاندانی نظام کی حفاظت: اسلامی قانون وراثت خاندانی نظام کو مضبوط بناتا ہے اور رشتوں کے تقدس کو برقرار رکھتا ہے۔

اجتماعی انصاف: یہ نظام معاشرتی انصاف کو یقینی بناتا ہے اور دولت کے ارتکاز کو روکتا ہے۔

جدید دور میں اسلامی قانون وراثت کی اہمیت: آج کے دور میں جب خاندانی نظام disintegration کا شکار ہے، اسلامی قانون وراثت خاندانی رشتوں کو مضبوط بنانے

سوال:3 اسلام میں بیمہ اور تکافل کے حکم اور طریقت کار پر مفصل نوٹ لکھیں۔

جواب: **تمہید: جدید مالیاتی چیلنجز اور اسلامی حل:** آج کے دور میں مالی خطرات سے بچاؤ کے لیے بیمہ کا ادارہ انتہائی اہمیت رکھتا ہے۔ عام بیمہ کے بہت سے پہلو اسلامی تعلیمات کے خلاف ہیں، اس لیے اسلامی سکالرز نے ''تکافل'' کا نظام پیش کیا ہے جو مکمل طور پر شریعت کے مطابق ہے

عام بیمہ کی شرعی حیثیت: حرام عناصر کا جائزہ

غرر (نادانی): عام بیمہ میں یہ واضح نہیں ہوتا کہ ادائیگی کب اور کتنی ہوگی۔ یہ غیر یقینی صورت اسلامی اصولوں کے خلاف ہے۔

جوا: بعض علماء کے نزدیک بیمہ جوا کی طرح ہے کیونکہ تھوڑی سی رقم دے کر بڑی رقم حاصل کی جاسکتی ہے

سود: عام بیمہ کمپنیاں پریمیم کی رقم سود پر لگا کر منافع کماتی ہیں جو شرعاً ناجائز ہے۔

علماء کے مختلف نقطہ نظر: سخت موقف: زیادہ تر علماء عام بیمہ کو حرام قرار دیتے ہیں۔

موقف: بعض جدید علماء خاص حالات میں بعض قسم کے بیمہ کو جائز قرار دیتے ہیں۔

تکافل: اسلامی طریقہ کار: معنی اور مفہوم

تکافل عربی لفظ ''کفالت'' سے نکلا ہے جس کے معنی ہیں ''ایک دوسرے کی ذمہ داری اٹھانا''۔ باہمی تعاون کا نظام ہے جہاں سب مل کر ایک فنڈ بناتے ہیں اور مصیبت کے وقت ایک دوسرے کی مدد کرتے ہیں۔

شرعی بنیادیں: تکافل درج ذیل اسلامی اصولوں پر قائم ہے: 1۔ باہمی تعاون: ''

پرہیزگاری کے کاموں میں ایک دوسرے کی مدد کرو" (قرآن) 2۔رضا کارانہ عطیہ: دل سے دینے کا اصول۔3۔ذمہ داری: ایک دوسرے کی مدد کرنے کا اسلامی تصور۔

تکافل کے اہم شرعی اصول: اجتماعی تعاون کا اصول: تکافل کا بنیادی مقصد کاروبار یا منافع کمانا نہیں بلکہ باہمی مدد اور تعاون ہے۔

واضح معاهده: تکافل میں تمام شرائط واضح ہوتی ہیں، کسی قسم کی گنجائش یا غیر یقینی صورت حال نہیں ہوتی۔

سود سے پاکی: تکافل کے فنڈز کو اسلامی طریقے سے لگایا جاتا ہے، سود والے کاروبار سے بالکل پرہیز کیا جاتا ہے۔

واضح ملکیت: تکافل میں شامل تمام افراد مل کر فنڈ کے مالک ہوتے ہیں، کوئی بیرونی مالک نہیں ہوتا۔

تکافل کا عملی طریقه کار: شرکاء کا کردار: 1۔سب مل کر معاہدہ کرتے ہیں 2۔ہر شخص اپنا حصہ ڈالتا ہے 3۔سب مل کر فنڈ کے مالک ہوتے ہیں

منتظم کا کردار: 1۔منتظم انتظامی کام سنبھالتا ہے 2۔منتظم کو طے شدہ معاوضہ ملتا ہے، منافع نہیں 3۔منتظم فنڈ کو اسلامی طریقے سے لگاتا ہے

فنڈ کی تقسیم: 1۔ضرورت پوری کرنے کے بعد بچا ہوا پیسہ شرکاء میں واپس کر دیا جاتا ہے 2۔نفع سب شرکاء میں تقسیم ہوتا ہے

تکافل کی اقسام: عام تکافل: گھر، گاڑی، اور دوسری چیزیں بیمہ کرانے کے لیے

خاندانی تکافل: زندگی، صحت، اور بڑھاپے کے لیے بیمہ

کاروباری تکافل: کاروباری خطرات سے بچاؤ کے لیے

شرعی نگرانی کا نظام: شرعی نگرانی کمیٹی: ہر تکافل ادارے میں شرعی کمیٹی ہوتی ہے جو: 1۔تمام کاموں کی شرعی جانچ پڑتال کرتی ہے 2۔پیسہ لگانے کے اسلامی طریقوں پر نظر رکھتی ہے 3۔مسائل کے شرعی حل تجویز کرتی ہے

تکافل کے فوائد: شرعی فوائد: 1۔سود اور جوا سے پاک نظام 2۔باہمی بھائی چارے اور تعاون کا عملی مظاہرہ 3۔اجتماعی ذمہ داری کا احساس

معاشی فوائد: 1۔اسلامی مالیات کو فروغ ملتا ہے 2۔ملک میں پیسہ بڑھتا ہے 3۔معاشی استحکام آتا ہے۔

اجتماعی فوائد: 1۔امیر اور غریب کا فرق کم ہوتا ہے 2۔معاشرے میں انصاف بڑھتا ہے 3۔مالیاتی نظام میں سب شامل ہوتے ہیں

مشکلات اور مستقبل کے مواقع: موجودہ مشکلات 1۔شرعی معیارات میں فرق 2۔لوگوں میں جانکاری کی کمی 3۔قوانین کی ضرورت

مستقبل کے مواقع: 1۔پوری دنیا میں اسلامی مالیات بڑھ رہا ہے 2۔نئی مصنوعات تیار ہو رہی ہیں 3۔بین الاقوامی شرعی معیارات بن رہے ہیں

اختتامیہ: اسلامی معیشت میں تکافل کی اہمیت: تکافل صرف بیمہ کا متبادل نہیں بلکہ اسلامی معاشی نظام کا اہم حصہ ہے۔ یہ باہمی تعاون، اجتماعی ذمہ داری، اور انصاف پر مبنی نظام ہے جو نہ صرف مالی تحفظ دیتا ہے بلکہ معاشرے میں بھائی چارے کے جذبات کو بھی مضبوط کرتا ہے۔شرعی نگرانی اور مسلسل تحقیق کے ذریعے تکافل کا نظام پوری دنیا میں اسلامی مالیات کی ترقی میں اہم کردار ادا کرسکتا ہے۔

سوال :4 علم اقتصادی کی تعریف اور معاشی نظام کی اہمیت وضرورت پر نوٹ لکھیں۔

جواب :

علم اقتصادی کی تعریف

علمِ اقتصادی (Economics) وہ علم ہے جس میں انسان کی معاشی ضروریات، وسائل کے استعمال اور پیداوار، تقسیم، تبادلہ اور کھپت کے اصولوں کا مطالعہ کیا جاتا ہے۔ سادہ الفاظ میں یہ وہ علم ہے جو محدود وسائل اور لامحدود ضروریات کے درمیان توازن قائم کرنے کا طریقہ بتاتا ہے۔ اسلامی نقطۂ نظر سے علمِ اقتصادی کی تعریف یہ ہے کہ "یہ ایسا علم ہے جو وسائلِ رزق کے حصول، ان کے عادلانہ تقسیم اور اخلاقی حدود کے ساتھ انسانی ضروریات پوری کرنے کے اصول واضح کرے۔" اس میں صرف معاشی پہلو ہی نہیں بلکہ اخلاقی، سماجی اور دینی اقدار کو بھی شامل کیا جاتا ہے۔

معاشی نظام کی اہمیت

معاشی نظام کسی بھی معاشرے کی ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھتا ہے۔ انسان اپنی زندگی کے تمام معاملات میں خوراک، لباس، رہائش، علاج اور دیگر ضروریات کا محتاج ہے، اور ان سب کے لیے ایک منظم معاشی ڈھانچہ ناگزیر ہے۔ اگر معاشی نظام درست نہ ہو تو معاشرے میں غربت، بے روزگاری، بدعنوانی اور طبقاتی تقسیم پیدا ہو جاتی ہے۔ ایک صالح معاشی نظام نہ صرف لوگوں کی ضروریات پوری کرتا ہے بلکہ

انصاف اور مساوات بھی قائم کرتا ہے۔

معاشی نظام کی ضرورت واہمیت

معاشی نظام انسان کی انفرادی اور اجتماعی زندگی کا بنیادی ستون ہے۔ ہر دور میں انسان کو کھانے، پینے، لباس، رہائش، تعلیم اور علاج جیسی بنیادی ضروریات درپیش رہی ہیں۔ ان ضروریات کی تکمیل کے لیے وسائل کا درست استعمال اور تقسیم ناگزیر ہے۔ یہی کام معاشی نظام انجام دیتا ہے۔ اس کی ضرورت اور اہمیت درج ذیل نکات سے واضح ہوتی ہے:

1. **وسائل کا درست استعمال:** چونکہ انسانی ضروریات لامحدود اور وسائل محدود ہیں، اس لیے ایک منظم معاشی ڈھانچہ وسائل کو ضائع ہونے سے بچاتا ہے اور انہیں زیادہ سے زیادہ کارآمد بناتا ہے۔

2. **عدل و مساوات کا قیام:** معاشی نظام دولت کو چند ہاتھوں میں گردش کرنے سے روکتا ہے اور اسے پورے معاشرے میں پھیلانے کا ذریعہ بنتا ہے۔ اس طرح طبقاتی تقسیم کم ہوتی ہے اور سماجی انصاف قائم ہوتا ہے۔

3. **غربت اور استحصال کا خاتمہ:** ایک منصفانہ معاشی نظام غریب طبقے کو سہارا دیتا ہے اور سرمایہ دارانہ استحصال کو ختم کرتا ہے، تاکہ کمزور افراد بھی باعزت زندگی گزار سکیں۔

4. **سماجی وسیاسی استحکام:** جب لوگوں کی بنیادی ضروریات پوری ہوں تو امن وسکون قائم ہوتا ہے۔ اس کے برعکس اگر معاشی نظام کمزور ہو تو جرائم، بغاوت اور انتشار جنم لیتے ہیں۔

5. **اسلامی نقطۂ نظر سے اہمیت:** اسلام نے معیشت کو عبادت کا حصہ قرار دیا ہے۔ قرآن و سنت میں سود کی حرمت، زکوٰۃ وصدقات کی فرضیت اور حلال وحرام کی حدود اسی بات کی وضاحت کرتی ہیں کہ ایک مضبوط اسلامی معاشی نظام کے بغیر معاشرتی عدل اور اللہ کی خوشنودی ممکن نہیں۔

نتیجہ: یوں کہا جا سکتا ہے کہ معاشی نظام صرف دولت کمانے کا ذریعہ نہیں بلکہ ایک ایسا ڈھانچہ ہے جو انسانی زندگی کو سہارا دیتا، معاشرتی عدل قائم کرتا اور اخلاقی اقدار کو فروغ دیتا ہے۔ اس کی ضرورت اور اہمیت اسی لیے ہے کہ یہ انفرادی فلاح کے ساتھ ساتھ اجتماعی ترقی اور استحکام کی بھی ضمانت فراہم کرتا ہے۔

سوال 5: درج ذیل میں سے تین پر نوٹ لکھیں۔ 1۔ حکومت کے ذرائع آمدن 2۔ سود کی تعریف واقسام 3۔ احتکار واکتناز 4۔ ابن خلدون رحمہ اللہ

جواب:

1۔ حکومت کے ذرائع آمدن

ریاست کا سب سے بڑا چیلنج وسائلِ آمدن کا انتظام ہے۔ حکومت کی بقا، نظم و نسق کی مضبوطی، دفاعی اخراجات، عوامی بہبود، تعلیم و صحت اور بنیادی ڈھانچے کے قیام کے لیے آمدن کے مستقل ذرائع ضروری ہوتے ہیں۔ اسلامی نقطۂ نظر سے حکومت کے بنیادی ذرائع درج ذیل ہیں:

زکوٰۃ: یہ اسلامی مالی نظام کا ستون ہے، جسے مخصوص مصارف پر خرچ کرنا لازمی ہے۔ اس سے غرباء، یتامیٰ اور مساکین کی ضروریات پوری کی جاتی ہیں۔

خراج: یہ زرعی زمین پر عائد ٹیکس ہے، جو بالخصوص غیر مسلموں یا مفتوحہ زمینوں پر نافذ ہوتا تھا۔ یہ بیت المال کا بڑا ذریعہ تھا۔

جزیہ: غیر مسلم رعایا سے بطور ذمہ داری وصول کیا جاتا تھا تاکہ ان کی جان و مال اور مذہبی آزادی کا تحفظ کیا جا سکے۔

عشر: یہ تجارتی سامان پر لگایا جانے والا اسلامی ٹیکس ہے، جو زرعی پیداوار پر بھی لیا جاتا ہے۔

مالِ فے و غنیمت: جنگ کے نتیجے میں حاصل شدہ اموال یا بغیر لڑائی کے ہاتھ آنے والی زمینیں و جائیدادیں بھی ریاستی خزانے میں شامل کی جاتی تھیں۔

صدقات و نذور: عوام کی طرف سے دی جانے والی مختلف عطیات بھی بیت المال میں شامل کیے جاتے تھے۔

موجودہ دور میں حکومت کے آمدنی کے ذرائع میں ٹیکسز، ڈیوٹیز، قومی وسائل (تیل، گیس، معدنیات، نگا) اور عوامی شعبے کے ادارے بھی شامل ہیں۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ کسی بھی ریاست کے لیے آمدنی کے ذرائع کا استحکام قومی ترقی اور دفاعی طاقت کی ضمانت ہیں۔

2۔ سود کی تعریف و اقسام

تعریف: سود (ربا) لغت میں زیادتی کو کہتے ہیں، جبکہ اصطلاح میں وہ زیادتی ہے جو قرض یا بیع وشرا کے کسی معاملے میں بلا وجہ وصول کی جائے۔ قرآن مجید نے اسے اللہ اور رسول ﷺ کے خلاف اعلان جنگ قرار دیا ہے۔ سود دراصل سرمایہ دارانہ استحصال کا ذریعہ ہے جو دولت کو چند ہاتھوں تک محدود کرتا ہے۔

اقسام

1. **ربا النسیئہ:** مدت کے بدلے قرض پر اضافہ لینا۔ یہ سب سے زیادہ رائج اور سخت ترین قسم ہے۔

بینکاری نظام کا بنیادی حصہ ہے۔

2. **ربا الفضل:** ایک ہی جنس کی اشیاء کو زیادہ مقدار میں تبادلہ کرنا، مثلاً ایک کلو گندم کے بدلے ڈیڑھ کلو گندم۔ یہ ناانصافی کے باعث ممنوع ہے۔

3. **ربا القرض:** قرض دیتے وقت مشروط اضافہ وصول کرنا، چاہے کم ہی کیوں نہ ہو، یہ بھی حرام ہے۔

4. **جدید شکلیں:** بینک انٹرسٹ، سودی بانڈز، قرضوں پر شرح سود، کریڈٹ کارڈ چارجز وغیرہ آج کے دور کی صورتیں ہیں جو اسی ربا النسیہ کے زمرے میں آتی ہیں۔

اسلام نے سود کو اس لیے ممنوع قرار دیا کہ یہ دولت کی منصفانہ تقسیم کو روکتا اور سرمایہ دار کو مزید امیر جبکہ غریب کو مزید مقروض کرتا ہے۔

3۔ احتکار و اکتناز

احتکار: احتکار ذخیرہ اندوزی کو کہتے ہیں، یعنی کوئی شخص ضروری اشیاء کو اس وقت تک ذخیرہ کرے جب تک کہ ان کی قلت پیدا ہو جائے اور پھر زیادہ منافع کے لیے فروخت کرے۔ اس عمل سے معاشرے کے کمزور طبقے متاثر ہوتے ہیں، قیمتیں مصنوعی طور پر بڑھتی ہیں اور معاشی بدحالی پیدا ہوتی ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جس نے مسلمانوں پر احتکار کیا، وہ خطاکار ہے۔'' (مسلم)۔ اس سے ظاہر ہے کہ اسلام عوامی ضرورت کی اشیاء کو روکنے کو ظلم قرار دیتا ہے۔

اکتناز: اکتناز کا مطلب ہے دولت کو جمع کر کے روک رکھنا اور اسے نہ خود استعمال کرنا اور نہ ہی عوامی بہبود یا معیشت کی گردش میں لگانا۔ قرآن میں ہے: ''جو لوگ سونا اور چاندی جمع کرتے ہیں اور اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے، انہیں عذابِ الیم کی خوشخبری دے دو۔'' (التوبہ: 34)۔ اسلام چاہتا ہے کہ دولت معاشرے میں گردش کرے تاکہ سب کو فائدہ پہنچے۔ اکتناز سے معاشی ناہمواری اور طبقاتی تقسیم پیدا ہوتی ہے جو معاشرتی فساد کا باعث بنتی ہے۔

4۔ ابن خلدون

ابن خلدون (1332ء - 1406ء) اسلامی تاریخ کے سب سے بڑے مؤرخ، ماہرِ عمرانیات اور فلسفی تھے۔ ان کی مشہور تصنیف المقدمہ کو جدید سوشیالوجی اور اکنامکس کی بنیاد سمجھا جاتا ہے۔

تاریخ کا نیا نظریہ: انہوں نے تاریخ کو صرف واقعات کا بیان نہیں بلکہ اسباب و علل کی بنیاد پر سمجھنے کا طریقہ وضع کیا۔ ان کے نزدیک تاریخ انسانوں اور قوموں کے عروج و زوال کے قوانین کا مطالعہ ہے۔

ریاست کا نظریہ: ابن خلدون کے مطابق ریاست ایک جاندار وجود کی طرح ہے جو پیدا ہوتی ہے، جوان ہوتی ہے اور پھر زوال پذیر ہو جاتی ہے۔

معاشی فکر: انہوں نے کہا کہ محنت ہی دولت پیدا کرنے کا اصل ذریعہ ہے، اور جب حکمران طبقہ عیش وعشرت میں ڈوب جاتا ہے تو معیشت اور ریاست دونوں کمزور ہو جاتے ہیں۔

اثرات: مغربی مفکرین نے ابن خلدون کو "سوشیالوجی کا باپ" اور "اکنامکس کا بانی" قرار دیا ہے۔ ان کے خیالات نے بعد کی معاشی اور سماجی علوم پر گہرا اثر ڈالا۔

حصہ معروضی کل نمبر 28

نوٹ: حصہ معروضی کے تمام سوال لازمی ہیں۔

سوال :6 درج ذیل کے مختصر جواب دیں۔ 10 نمبر

سوال :1 ابن تیمیہ کا نام ونسب اور تاریخ وفات نوٹ کریں۔

جواب : ان کا پورا نام تقی الدین احمد بن عبدالحلیم بن عبدالسلام بن تیمیہ تھا۔ وہ 661ھ میں پیدا ہوئے اور 728ھ میں دمشق میں وفات پائی۔ وہ عظیم فقیہ، محدث اور مجتہد تھے۔

سوال :2 اوقاف سے کیا مراد ہے؟

جواب : وقف (اوقاف) سے مراد ہے کسی مال یا جائیداد کو اللہ کی راہ میں اس طرح مخصوص کر دینا کہ اس کی اصل باقی رہے اور اس کا نفع عامہ کے کاموں، مساجد، مدارس، یتامیٰ یا غرباء کی خدمت پر خرچ ہو۔

سوال :3 زکوۃ اور ٹیکس میں فرق نوٹ کریں۔

جواب : زکوٰۃ: یہ اسلامی عبادت اور مالی فریضہ ہے، جو نصاب اور شرائط کے ساتھ صرف آٹھ مصارف میں خرچ کی جاسکتی ہے۔

ٹیکس: یہ حکومت کی جانب سے عوامی بہبود اور ملکی ضروریات کے لیے لیا جاتا ہے، اس کے مصارف وسیع اور حکومتی نظم ونسق پر مشتمل ہوتے ہیں۔

سوال :4 احیائے اموات سے کیا مراد ہے؟

جواب : احیائے اموات کا مطلب ہے مردہ زمین (یعنی غیر آباد یا بنجر زمین) کو آباد کرنا، اس پر کھیتی باڑی یا تعمیرات کر کے اسے قابلِ استعمال بنا دینا۔ شریعت میں ایسا کرنے والا اس زمین کا مالک بن جاتا ہے۔

سوال :5 مضاربت کی وضاحت کریں۔

جواب: مضاربت ایسا تجارتی معاہدہ ہے جس میں ایک فریق سرمایہ فراہم کرتا ہے اور دوسرا فریق محنت یا کاروباری مہارت دیتا ہے۔ نفع پہلے سے طے شدہ شرح کے مطابق تقسیم کیا جاتا ہے جبکہ نقصان صرف سرمایہ دار کا ہوتا ہے، محنت کرنے والا صرف اپنی محنت ضائع کرتا ہے۔

سوال:7 درج ذیل میں سے صحیح پر (✓) اور غلط پر (✗) کا نشان لگائیں۔ 10 نمبر

1۔ اسلام انفرادی ملکیت کی نفی کرتا ہے۔ (✗)

2۔ اجیر اور مستاجر ایک ہی چیز کے دو نام ہیں۔ (✗)

3۔ زکوۃ صرف حکومت ہی وصول کر سکتی ہے۔ (✗)

4۔ اسلام نے زراعت سے متعلق تفصیلی ہدایات نہیں دیں۔ (✓)

5۔ زکوۃ کے مصارف میں مؤلفۃ القلوب بھی شامل ہیں۔ (✓)

6۔ تمام فصلوں پر عشر کی یکساں مقدار مقرر ہے۔ (✗)

7۔ قیمتوں کا کنٹرول حکومت کی ذمہ داری ہے۔ (✓)

8۔ اسلامی حکومت زکوۃ کے علاوہ اپنی رعایا سے کچھ وصول نہیں کر سکتی۔ (✗)

9۔ ضرائب سے مراد وہ ٹیکس ہیں جو عام حالات میں مسلمانوں سے وصول کیے جاتے ہیں۔ (✗)

10۔ اسلام نے گناہوں کے کفارہ کے لیے مالی کفارہ بھی رکھا ہے۔ (✓)

سوال:8 مجوزہ جوابات میں سے درست جواب کا انتخاب کریں۔

1۔ علامہ ابن حزم قرطبہ میں پیدا ہوئے۔

378 ہجری | 384 ہجری (✓) | 390 ہجری

2۔ شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ مصنف ہیں۔

بستان المحدثین | حجت اللہ البالغہ (✓) | ارمغان حجاز

3۔ بلاسود بنکاری میں عوام کو سہولت ملتی ہے۔

مضاربت | تجارت | بغیر سود قرضہ (✓)

4۔ پاکستانی زمینوں کی قسمیں ہیں۔

تین | پانچ (✓) | سات

5۔ کسی چیز کا دوسرے کو بلاعوض سپرد کر دینا۔

ہبہ (✓)　　وقف　　عاریتا

6۔ بینک میں اکاؤنٹ کی اقسام ہیں۔

تین (✓)　　چھ　　نو

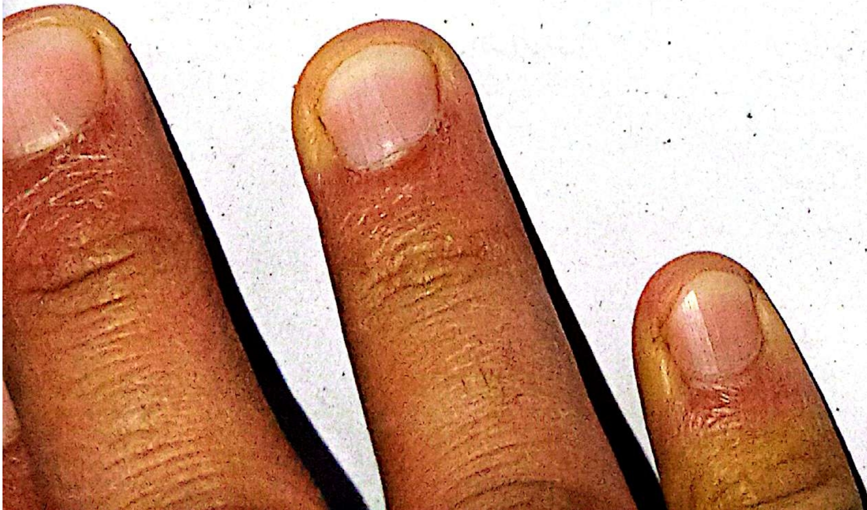
7۔ پاکستان میں ٹیکس کی اقسام ہیں۔

دو (✓)　　چار　　چھ

8۔ ایجاب وقبول کے بعد کسی فریق کو اس کے فسخ کرنے کا اختیار نہیں۔

مزارعت　　مساقات　　اجارہ (✓)





التفسیر واصولہ 1444ھ/2023 (ضمنی)

حصہ انشائیہ: کل نمبر 70

نوٹ: حصہ انشائیہ التفسیر سے کوئی سے تین سوال حل کریں۔ ہر سوال کے 14 نمبر ہیں۔

التفسیر

سوال 1: درج ذیل عبارت کا ترجمہ کریں اور مفہوم واضح کریں۔

﴿يَوْمَ تَشْهَدُ عَلَيْهِمْ أَلْسِنَتُهُمْ﴾ هذه الجملة مقرّرة لما قبلها مبينة لوقت حلول ذلك العذاب بهم، وتعيين اليوم لزيادة التهويل بما فيه من العذاب الذي لا يحيط به وصف . وقرأ الجمهور ﴿يَوْمَ تَشْهَدُ﴾ بالفوقية، واختار هذه القراءة أبو حاتم، وقرأ الأعمش، ويحيى بن وثاب، وحمزة، والكسائي، وخلف بالتحتية، واختار هذه القراءة أبو عبيد، لأن الجارّ والمجرور قد حال بين الاسم والفعل . والمعنى: تشهد ألسنة بعضهم على بعض في ذلك اليوم، وقيل: تشهد عليهم ألسنتهم في ذلك اليوم بما تكلموا به

جواب: ﴿يَوْمَ تَشْهَدُ عَلَيْهِمْ أَلْسِنَتُهُمْ﴾ یہ جملہ پچھلی آیات کی تاکید اور وضاحت کے لیے آیا ہے، یعنی اس دن ان پر عذاب نازل ہونے کا وقت بیان کر رہا ہے۔ دن کو خاص طور پر ذکر کرنا اس لیے ہے تاکہ عذاب کی شدت اور اس کے ہولناک ہونے کو مزید نمایاں کیا جائے، ایسا عذاب جس کی ہولناکی کو بیان سے پوری طرح بیان نہیں کیا جا سکتا۔

اکثر قراء نے اسے ﴿يَوْمَ تَشْهَدُ﴾ (یعنی "تشہد" کو اوپر سے پڑھا) کے ساتھ پڑھا ہے، اور ابو حاتم نے بھی اسی قراءت کو اختیار کیا ہے۔ جبکہ اعمش، یحییٰ بن وثاب، حمزہ، کسائی رحمہ اللہ اور خلف نے اسے نیچے سے پڑھا ہے (یعنی "تَشْهَدُ" کے بجائے "يَشْهَدُ") اور ابو عبید رحمہ اللہ نے بھی اسی قراءت کو پسند کیا ہے، اس لیے کہ اسم (فاعل) اور فعل کے درمیان جار و مجرور (یعنی متعلقہ لفظ) حائل ہے۔

اور اس کا مطلب یہ ہے کہ اس دن بعض کی زبانیں بعض پر گواہی دیں گی۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس دن ان کی زبانیں ان کے خلاف اس بات پر گواہی دیں گی جو وہ بولتے رہے تھے۔

مفہوم: یہ آیت قیامت کے دن کے بارے میں ہے جب انسان کے اپنے ہی اعضاء اس کے خلا
گواہی دیں گے۔ دنیا میں انسان جو بھی اعمال کرتا ہے وہ عام طور پر زبان کے ذریعے یا ہاتھ، پاؤں
جسم کے دیگر اعضاء کے ذریعے انجام پاتے ہیں۔ دنیا میں انسان انکار کرسکتا ہے یا اپنے اعمال کی تا
پیش کرسکتا ہے، لیکن آخرت میں ایسا ممکن نہ ہوگا کیونکہ اس وقت اس کے اعضاء خود اللہ تعالیٰ کے حکم
بول پڑیں گے اور اس کے اعمال کو بے نقاب کر دیں گے۔

"یوم تشهد عليهم ألسنتهم" کا مطلب یہ ہے کہ اس دن ان کی زبانیں ان کے خلاف گ
دیں گی۔ زبان وہ تمام باتیں اور کلمات یاد دلائے گی جو دنیا میں انسان نے بولے تھے، چاہے وہ جھ
تھے، غیبت تھی، کفر وشرک کے کلمات تھے یا گالی گلوچ اور بے حیائی کی باتیں تھیں۔ گویا وہ زبان
انسان اپنی مرضی سے استعمال کرتا رہا، قیامت کے دن اس کے اعمال کو اس کے خلاف پیش کرے گی
علماء نے یہاں یہ بھی فرمایا ہے کہ بعض اوقات ''زبانیں ایک دوسرے کے خلاف بھی شہادت دیں گ
یعنی لوگ اپنی صفائی کے لیے ایک دوسرے پر الزام ڈالیں گے، لیکن حقیقت یہ ہے کہ ہر زبان
مالک کے اقوال کو ظاہر کر دے گی۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس دن چھپانے کا کوئی موقع نہ ہوگا۔
عبارت میں یہ بھی بتایا گیا کہ لفظ ''تشهد'' کی قراءت میں دو طریقے ہیں۔ ایک یہ کہ ''تشهد'' (ت
پڑھا جائے، اور دوسرا یہ کہ ''یشهد'' (ی) سے۔ فرق یہ ہے کہ پہلی قراءت میں بات زیادہ صراحت
ساتھ زبانوں کی گواہی کی طرف اشارہ کرتی ہے، جبکہ دوسری قراءت اس بات پر دلالت کرتی ہے ک
مجرور (علیہم) کی وجہ سے فعل کی نسبت میں تبدیلی آئی ہے۔ لیکن دونوں صورتوں میں معنی یہی رہتا
قیامت کے دن زبانیں گواہی دیں گی۔

یہ آیت انسان کے لیے سخت تنبیہ ہے کہ وہ دنیا میں اپنی زبان اور اپنے الفاظ کے استعمال میں محتا
قرآن وحدیث میں یہ بات بار بار آئی ہے کہ انسان کو اپنی زبان کی حفاظت کرنی چاہیے، کیونکہ زبا
نکلے ہوئے کلمات ہی کبھی ایمان کا ذریعہ بنتے ہیں اور کبھی کفر اور بربادی کا باعث۔ رسول اللہ ﷺ
فرمایا: ''کیا لوگ اپنی زبانوں کی کاٹی ہوئی فصلوں کے سوا اور کسی چیز کی وجہ سے جہنم میں اوندھے
ڈالے جائیں گے؟'' (ترمذی)۔

لہٰذا اس آیت کا مقصد یہ ہے کہ انسان جان لے کہ آخرت میں نہ صرف اس کے اعمال بلکہ اس
بھی محفوظ ہیں اور ان پر اس کی اپنی زبان گواہ ہوگی۔ یہ منظر عذاب کی شدت اور آخرت ک

ہولناکی کو ظاہر کرتا ہے کہ انسان کے پاس کوئی عذر باقی نہ بچے گا اور اللہ کا عدل پوری طرح ظاہر ہوگا۔

سوال :2 درج ذیل عبارت کا ترجمہ وتشریح کریں اور خط کشیدہ الفاظ کے صیغے حل کریں۔

﴿وَ لَمَّا رَاَ الْمُؤْمِنُوْنَ الْاَحْزَابَ ۙ قَالُوْا هٰذَا مَا وَعَدَنَا اللّٰهُ وَ رَسُوْلُهٗ وَ صَدَقَ اللّٰهُ وَ رَسُوْلُهٗ ۫ وَ مَا زَادَهُمْ اِلَّاۤ اِیْمَانًا وَّ تَسْلِیْمًا ؕ﴿۲۲﴾ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ رِجَالٌ صَدَقُوْا مَا عَاهَدُوا اللّٰهَ عَلَیْهِ ۚ فَمِنْهُمْ مَّنْ قَضٰی نَحْبَهٗ وَ مِنْهُمْ مَّنْ یَّنْتَظِرُ ۫ۖ وَ مَا بَدَّلُوْا تَبْدِیْلًا ﴿۲۳﴾﴾

جواب : ترجمہ: ”اور جب مومنوں نے (کفار کے) لشکروں کو دیکھا تو کہنے لگے: یہ وہی ہے جس کا وعدہ اللہ اور اس کے رسول نے ہم سے کیا تھا، اور اللہ اور اس کے رسول نے سچ فرمایا۔ اور (اس موقع نے) ان کے ایمان اور تسلیم و رضا میں اور زیادہ اضافہ کر دیا۔ مؤمنوں میں کچھ ایسے مرد ہیں جنہوں نے وہ عہد پورا کر دکھایا جو انہوں نے اللہ سے کیا تھا۔ ان میں سے کچھ وہ ہیں جنہوں نے اپنی جان دے کر وعدہ پورا کر دیا اور کچھ وہ ہیں جو (شہادت کی باری کے) منتظر ہیں، اور انہوں نے اپنی عہد میں کوئی تبدیلی نہیں کی۔“

قَالُوْا: صیغہ جمع مذکر غائب فعل ماضی معلوم باب قالَ یقول اجوف وادی۔

قَضٰی: فعل ماضی واحد مذکر غائب قضٰی یقضِی ناقص یائی۔

تشریح: 1. پس منظر: یہ آیات غزوۂ احزاب کے موقع پر نازل ہوئیں۔ اس وقت مدینہ کو قریش، یہود اور دوسرے قبائل نے گھیر لیا تھا۔ موسم سخت سردی کا تھا اور مسلمان شدید مشکلات میں تھے۔ اس وقت مؤمنوں اور منافقوں کے رویوں میں فرق نمایاں ہوگیا۔ منافقین ڈگمگا گئے لیکن اہل ایمان اور مضبوط ہو گئے۔

2. دشمنوں کو دیکھنا: جب مؤمنوں نے کفار کے بڑے بڑے لشکر دیکھے تو وہ گھبرائے نہیں۔ انہوں نے اس کو اللہ اور رسول ﷺ کے وعدے کی تکمیل سمجھا کہ مؤمنوں کو آزمائشوں سے گزارا جائے گا۔ اس سے ان کے دل میں شک نہیں آیا بلکہ ان کا یقین مزید پختہ ہوگیا۔

3. وعدے کی سچائی: اہل ایمان نے کہا: ”یہ وہی ہے جس کا اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے وعدہ کیا تھا، اور اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے بالکل سچ فرمایا۔“ اس وقت ان کے ایمان میں ذرہ برابر کمی نہ ہوئی بلکہ اور زیادہ بڑھ گیا۔

4. ایمان میں اضافہ: آزمائش کے اس منظر نے مؤمنوں کے ایمان اور تسلیم و رضا میں اضافہ کیا۔ انہوں نے سمجھ لیا کہ اللہ کے فیصلے بہترین ہیں اور ان کے سامنے سر جھکانا ہی نجات ہے۔ مشکلات نے ان کے ایمان کو کمزور کرنے کے بجائے مضبوط کر دیا۔

5. **سچے اہل ایمان:** پھر اللہ نے فرمایا کہ مومنوں میں کچھ مرد ایسے ہیں جنہوں نے اللہ سے کیا ہوا عہد پورا کر دکھایا۔ یہ وہ لوگ تھے جنہوں نے بیعت کی تھی کہ اللہ کی راہ میں جان تک قربان کریں گے۔ ان میں سے کچھ نے میدان جنگ میں اپنی جان دے کر اس عہد کو سچ کر دکھایا۔

6. **شہداء:** کچھ صحابہ جیسے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ، حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ اور حضرت انس بن نضر رضی اللہ عنہ شہید ہو گئے۔ انہوں نے اپنے قول کو عمل سے ثابت کیا اور اللہ کے حضور سرخرو ہو گئے۔ یہ وہ لوگ تھے جنہوں نے اپنے وعدے کو پورا کر دیا۔

7. **انتظار کرنے والے:** کچھ صحابہ ایسے بھی تھے جو شہادت کے موقع کے منتظر تھے۔ وہ ابھی زندہ تھے مگر اپنی نیت اور عزم پر قائم تھے۔ وہ چاہتے تھے کہ جب موقع ملے تو وہ بھی اپنی جان اللہ کے راستے میں قربان کریں۔

8. **ثابت قدمی:** اہل ایمان کا سب سے بڑا وصف یہ تھا کہ انہوں نے اپنے وعدے میں کوئی تبدیلی نہیں کی۔ وہ نہ گھبرائے، نہ منافقوں کی طرح پیچھے ہٹے اور نہ ہی دنیاوی فائدے کی خاطر اپنے ایمان کو کمزور کیا۔

9. **نتیجہ اور سبق:** ان آیات سے سیکھنے کو ملتا ہے کہ ایمان مشکلات میں کمزور نہیں بلکہ مزید مضبوط ہونا چاہیے۔ مؤمن وہ ہے جو آزمائش کے وقت بھی اللہ کے وعدے پر بھروسہ کرے۔ جو شخص دین پر قائم رہے، چاہے جان دینی پڑے یا مشکلات برداشت کرنی پڑیں، وہی اللہ کے نزدیک سچا مومن ہے۔

سوال 3: درج ذیل آیت کا ترجمہ و تشریح کریں اور آیت میں مذکور واقعہ کی تلخیص پیش کریں۔

﴿لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ يُبَايِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ فَعَلِمَ مَا فِيْ قُلُوْبِهِمْ فَاَنْزَلَ السَّكِيْنَةَ عَلَيْهِمْ وَ اَثَابَهُمْ فَتْحًا قَرِيْبًا﴾

جواب: **ترجمہ:** ''یقیناً اللہ مومنوں سے خوش ہو گیا جب وہ درخت کے نیچے آپ (اے نبی ﷺ) سے بیعت کر رہے تھے۔ اللہ نے ان کے دلوں کا حال جان لیا، پس ان پر اطمینان نازل فرمایا اور انہیں قریب کی فتح عطا فرمائی۔''

تشریح: ﴿لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِيْنَ﴾: یہ اللہ کی طرف سے عظیم بشارت ہے کہ وہ ان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے راضی ہو گیا جو بیعتِ رضوان کے وقت موجود تھے۔ اللہ کی رضا سب سے بڑی سعادت ہے، اور یہ خوشخبری انہی صحابہ کو دی گئی۔

﴿اِذْ يُبَايِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ﴾: یہ بیعت "حدیبیہ" کے مقام پر ایک درخت کے نیچے ہوئی تھی۔ اس کا نام بیعت الرضوان ہے۔ مسلمان نبی کریم ﷺ کے ہاتھ پر موت تک ڈٹے رہنے کی بیعت کر رہے تھے۔

﴿فَعَلِمَ مَا فِيْ قُلُوْبِهِمْ﴾: اللہ تعالیٰ جانتا تھا کہ ان کے دلوں میں اخلاص، صدق اور قربانی کا جذبہ موجود ہے۔ اس لیے اس بیعت کو اللہ کی رضا کا ذریعہ بنایا گیا۔

﴿فَاَنْزَلَ السَّكِيْنَةَ عَلَيْهِمْ﴾: اللہ نے ان کے دلوں پر سکون اور اطمینان نازل فرمایا تاکہ خوف اور گھبراہٹ دور ہو جائے اور وہ مضبوطی سے کھڑے رہیں۔

﴿وَاَثَابَهُمْ فَتْحًا قَرِيْبًا﴾: اللہ نے انہیں قریب کی فتح عطا فرمائی، جس سے مراد یا تو خیبر کی فتح ہے یا پھر صلح حدیبیہ جسے مفسرین نے "فتح مبین" قرار دیا ہے، کیونکہ اس کے نتیجے میں اسلام کو بڑی وسعت ملی۔

واقعہ: سنہ 6 ہجری میں نبی اکرم ﷺ عمرہ کی نیت سے تقریباً چودہ سو صحابہ رضی اللہ عنہم کے ساتھ مدینہ سے مکہ روانہ ہوئے مگر قریش نے آپ کو مکہ میں داخل نہ ہونے دیا اور حدیبیہ کے مقام پر حالات سخت کشیدہ ہو گئے۔ آپ ﷺ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو قریش کے پاس سفارت کے لیے بھیجا، ان کی واپسی میں تاخیر ہوئی تو یہ افواہ پھیل گئی کہ عثمان رضی اللہ عنہ کو قتل کر دیا گیا ہے، اس پر رسول اللہ ﷺ نے اپنے صحابہ رضی اللہ عنہم کو ایک درخت کے نیچے جمع کیا اور ان سے بیعت لی کہ وہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے ساتھ ڈٹے رہیں گے، پیچھے نہیں ہٹیں گے اور ضرورت پڑنے پر جان قربان کر دیں گے۔ یہ بیعت تاریخ میں بیعت الرضوان کہلائی اور تقریباً 1400 صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین نے اس میں حصہ لیا۔ قرآن نے اس عظیم موقع کو یاد کرتے ہوئے فرمایا: "یقیناً اللہ مومنوں سے راضی ہو گیا جب وہ درخت کے نیچے آپ سے بیعت کر رہے تھے، اللہ نے ان کے دلوں کا حال جانا اور ان پر سکینت نازل فرمائی اور انہیں قریب کی فتح عطا کی" (الفتح:18)۔ اللہ کی رضا اور سکینت کے بعد اس بیعت کا فوری نتیجہ یہ نکلا کہ قریش کے ساتھ صلح حدیبیہ طے پائی جو بظاہر سخت شرائط پر تھی مگر حقیقت میں اسلام کے لیے عظیم فتح ثابت ہوئی اور اسی صلح کے بعد اسلام کو غیر معمولی وسعت ملی اور اگلے برس خیبر کی فتح اور پھر فتح مکہ کے دروازے کھلے۔

سوال 4: سورۃ حجرات کی روشنی میں ایک کامیاب اسلامی معاشرہ کے سنہری اصول بیان کریں۔

جواب اس سوال کے جواب کے لیے 2023 کا حل شدہ سالانہ پرچہ دیکھیں۔

اصول التفسیر

نوٹ: حصہ انشائیہ اصول تفسیر سے کوئی سے دو سوال حل کریں۔ ہر سوال کے 14 نمبر ہیں۔

سوال :5 عہد نبوی کے مشرکین کی گمراہیاں قلم بند کریں۔

جواب : 1۔ **شرک اور بت پرستی:** عہد نبوی کے مشرکین کی سب سے بڑی گمراہی یہ تھی کہ وہ اللہ کے ساتھ دوسرے معبودوں کو بھی پوجتے تھے۔ لات، منات، عزیٰ اور ہبل جیسے بتوں کو حاجت روا اور مشکل کشا سمجھتے تھے۔ یہ اصل دین ابراہیمی سے ہٹ کر گمراہی تھی۔

2۔ **شفاعت کا غلط عقیدہ:** وہ کہتے تھے کہ ہم بتوں کی عبادت اس لیے کرتے ہیں کہ یہ ہمیں اللہ کے قریب کر دیں گے۔ ان کے نزدیک بت اور بزرگ اللہ کے دربار میں سفارش کرنے والے ہیں۔ قرآن نے اس عقیدے کو واضح طور پر باطل کہا۔

3۔ **آخرت کا انکار:** مشرکین یہ مانتے ہی نہیں تھے کہ مرنے کے بعد دوبارہ زندگی ملے گی۔ وہ مذاق اڑاتے تھے کہ جب ہڈیاں گل سڑ جائیں تو کون انہیں دوبارہ زندہ کرے گا۔ قرآن نے اللہ کی قدرت کے دلائل دے کر ان کے اس انکار کو رد کیا۔

4۔ **رسول کا انکار:** مشرکین نے رسول اکرم ﷺ کو ماننے سے انکار کیا۔ کبھی کہتے آپ جادوگر ہیں، کبھی شاعر ہیں، کبھی کہتے کہ فرشتہ کیوں نہیں آیا۔ وہ وحی اور قرآن کو ماننے کے بجائے طرح طرح کے اعتراضات کرتے تھے۔

5۔ **جاہلانہ رسم و رواج:** ان کی زندگی میں بہت سی برائیاں تھیں۔ وہ بیٹیوں کو زندہ دفن کر دیتے، سود کھاتے، ظلم کرتے، اور قبائلی عصبیت پر لڑتے۔ یہ سب جاہلیت کی نشانیاں تھیں جنہیں قرآن نے ختم کرنے کی کوشش کی۔

6۔ **قرآن پر اعتراضات:** وہ قرآن پر بھی اعتراض کرتے اور کہتے کہ یہ پرانی کہانیاں ہیں یا یہ جادو ہے۔ اسی طرح ضد اور ہٹ دھرمی سے بار بار معجزات کا مطالبہ کرتے تھے تا کہ آپ ﷺ کی رسالت کو جھٹلایا جا سکے۔

7۔ **دین ابراهیم کی تحریف:** وہ اپنے آپ کو دین ابراہیم کا پیروکار کہتے تھے مگر اصل دین کو بگاڑ دیا تھا۔ حج بھی کرتے لیکن بتوں کے ساتھ طواف کرتے، قربانی بھی کرتے لیکن غیر اللہ کے نام پر۔ قرآن نے اس کو دین ابراہیم کی بگاڑ کہا اور اصل دین کو دوبارہ زندہ کیا۔

خلاصه: عہد نبوی کے مشرکین کی بڑی گمراہیاں یہ تھیں: اللہ کے ساتھ دوسروں کو شریک کرنا، بتوں کو شفیع ماننا، آخرت اور رسالت کا انکار، قرآن پر اعتراضات، جاہلانہ رسمیں اپنانا اور دین ابراہیم کو بگا

بنا۔ قرآن مجید ان سب کو دور کرنے کے لیے آیا اور اسلام نے توحید، رسالت اور آخرت کا سیدھا راستہ دکھایا۔

سوال :6 قرآن فہمی میں پیش آنے والی مشکلات کے اسباب تحریر کریں۔

جواب : (اس سوال کے جواب کے لیے 2024 اور 2025 کے سالانہ حل شدہ پرچہ کا سوال نمبر 7 دیکھیں)

سوال :7 درج ذیل عبارت پر اعراب لگا کر ترجمہ کریں اور مفہوم بھی واضح کریں۔

وَأَمَّا التَّسَاهُلُ فِي تَنْفِيذِ أَحْكَامِ التَّوْرَاةِ، وَارْتِكَابُ الْبُخْلِ وَالْحِرْصِ، فَظَاهِرٌ أَنَّهُ مِنْ مُقْتَضَيَاتِ النَّفْسِ الْأَمَّارَةِ، وَهِيَ تَغْلِبُ النَّاسَ جَمِيعًا إِلَّا مَنْ شَاءَ اللّٰهُ، قَالَ تَعَالَى: ﴿إِنَّ النَّفْسَ لَأَمَّارَةٌۢ بِالسُّوٓءِ إِلَّا مَا رَحِمَ رَبِّيٓ﴾، وَلٰكِنْ هٰذِهِ الرَّذِيلَةُ قَدْ تَلَوَّنَتْ فِي أَهْلِ الْكِتَابِ بِلَوْنٍ آخَرَ، وَهُوَ أَنَّهُمْ يَتَكَفَّفُونَ تَصْحِيحَهَا بِتَأْوِيلٍ فَاسِدٍ، وَكَانُوا يُبْرِزُونَهَا فِي صِفَةِ الدِّينِ۔

جواب : ترجمہ: اور جہاں تک تورات کے احکام پر عمل کرنے میں سستی اور بخل وحرص کے ارتکاب کا تعلق ہے، تو ظاہر ہے کہ یہ نفسِ امارہ کے تقاضوں میں سے ہے، اور نفس امارہ سب لوگوں پر غالب آجاتا ہے سوائے ان کے جن پر اللہ رحم کرے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''بیشک نفس تو برائی پر ہی اکساتا ہے، مگر وہی نفس بچتا ہے جس پر میرے رب کی رحمت ہو۔'' لیکن یہ برائی اہل کتاب میں ایک اور رنگ اختیار کرگئی، اور وہ یہ کہ وہ اس کو غلط تاویل کے ذریعے درست ثابت کرنے کی کوشش کرتے اور اس برائی کو دین کے لبادے میں ظاہر کرتے۔

مفہوم: اس عبارت میں یہ بتایا جارہا ہے کہ اللہ کے بھیجے ہوئے دین میں سب سے بڑی خرابی اُس وقت پیدا ہوتی ہے جب لوگ دین کے بنیادی احکام پر عمل کرنے میں سستی اور غفلت اختیار کرتے ہیں۔ اہل کتاب کی مثال دی گئی ہے کہ وہ تورات کے واضح احکام پر عمل کرنے میں ڈھیلے پڑ گئے۔ اسی طرح وہ بخل اور حرص جیسے اخلاقی امراض میں مبتلا ہو گئے۔

یہ ساری برائیاں دراصل نفسِ امارہ کے تقاضے ہیں، کیونکہ نفسِ امارہ ہمیشہ انسان کو برائی کی طرف مائل کرتا ہے، اسے مال و دولت کی حرص میں مبتلا کرتا ہے اور نیک عمل میں سستی پیدا کرتا ہے۔ قرآن نے بھی اس حقیقت کی وضاحت کی ہے کہ ''بیشک نفس تو برائی پر ہی اکساتا ہے، سوائے ان کے جن پر اللہ کی رحمت ہو۔'' مطلب یہ کہ اپنی طاقت سے کوئی بھی نفس کے غلبے سے نہیں بچ سکتا، صرف اللہ کی توفیق اور رحم سے انسان کو کامیابی ملتی ہے۔

اب اہلِ کتاب کی سب سے بڑی گمراہی یہ تھی کہ انہوں نے صرف نفس کی پیروی نہیں کی بلکہ اپنی
بداعمالیوں کو جواز بخشنے کی کوشش بھی کی۔ یعنی:

- بخل اور حرص کو ''حکمت'' یا ''بچت'' کے نام سے درست قرار دیتے۔
- شریعت کے حکم کو توڑنے کے لیے مختلف تاویلات گھڑ لیتے۔
- اپنے گناہوں اور کمزوریوں کو دین کا لبادہ اوڑھا کر پیش کرتے تا کہ لوگ انہیں دین ہی سمجھیں۔

یوں وہ برائیاں جو کھلے عام برائی تھیں، انہوں نے انہیں خوبصورت الفاظ اور تاویلات سے ڈھانپ کر دین کا حصہ بنا دیا۔ یہی وجہ تھی کہ ان کی گمراہی دوہری ہوگئی: پہلے تو عمل چھوڑا، پھر غلط جواز بنا کر لوگوں کو بھی گمراہ کیا۔

آج کے دور پر اطلاق: یہ رویہ صرف اہلِ کتاب تک محدود نہیں رہا، بلکہ آج بھی بہت سے لوگ اپنی خواہشات اور نفسانی میلانات کو دین کے نام پر جواز دینے لگتے ہیں۔ مثلاً: سود کو ''کاروباری ترقی'' کہہ کر جائز کرنے کی کوشش۔ بے پردگی کو ''آزادی'' کے نام پر دین کے خلاف تاویلوں سے درست قرار دینا۔ رشوت کو ''تحفہ'' یا ''چائے پانی'' کا نام دینا۔ دین پر عمل میں سستی کو ''آسانی'' یا ''اجتہاد'' کے نام پر چھپا دینا۔ یہ سب وہی طریقہ ہے جو اہلِ کتاب نے اپنایا تھا۔ اصل دین کے بجائے خواہشات کی پیروی، اور پھر گناہ کو نیکی کے لباس میں ڈھانپنا، یہی سب سے بڑی گمراہی ہے۔

حصہ معروضی کل نمبر 30

نوٹ: حصہ معروضی کے تمام سوال لازمی ہیں۔

التفسیر

سوال 8: درج ذیل کے مختصر جواب دیں۔ 10 نمبر

سوال 1: ﴿طَاعَةٌ وَّ قَوْلٌ مَّعْرُوْفٌ﴾ كلام مستأنف، أي: أمرهم طاعة، أو طاعة وقول معروف خير لكم عبارت کا مفہوم واضح کریں۔

جواب: اس آیت کا مطلب ہے کہ تمہارا کام یہ ہے کہ اطاعت کرو اور نیک بات کہو۔ یعنی مسلمانوں کے لیے بہتر یہ ہے کہ وہ رسول ﷺ کی بات کو دل سے مانیں اور اچھے کلمات کے ساتھ اطاعت بجا لائیں۔ اس میں یہ بھی اشارہ ہے کہ ان کا بھلا اسی میں ہے کہ زبان اور دل سے سچی اطاعت کریں۔

سوال 2: ﴿حَتّٰۤى اِذَاۤ اَثْخَنْتُمُوْهُمْ فَشُدُّوا الْوَثَاقَ﴾ ترجمہ کریں۔

جواب: ''یہاں تک کہ جب تم انہیں اچھی طرح کمزور کر دو (یعنی دشمن کو جنگ میں شکست دے دو) تو انہیں مضبوطی کے ساتھ باندھ لو۔''

سوال :3 کن اوقات میں بچے بھی بلا اجازت گھر میں داخل نہیں ہو سکتے ہیں۔

جواب: قرآن کے مطابق تین اوقات ایسے ہیں جن میں بچے بھی بغیر اجازت داخل نہیں ہو سکتے: فجر سے پہلے، دوپہر کے آرام کے وقت، عشاء کے بعد۔ یہ سورہ نور، آیت 58 میں بیان ہوا ہے۔

سوال :4 قرآن میں کفار کے اعمال کو کس چیز کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے؟

جواب: قرآن میں کفار کے اعمال کو مختلف چیزوں سے تشبیہ دی گئی ہے، خاص طور پر: سراب (ریتلی زمین پر پانی کا دھوکا) کے ساتھ، یا اندھیروں کے ساتھ جن میں انسان کچھ دیکھ نہیں سکتا۔ سورہ نور، آیت 40-39

سوال :5 کس صحابی کی آواز انتہائی اونچی تھی؟

جواب: حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ کی آواز بہت بلند تھی۔

سوال :9 درج ذیل میں سے صحیح پر (✔) اور غلط پر (✖) کا نشان لگائیں۔ 10 نمبر

1۔ قذف کا معنی چھوٹی کنکری پھینکنا ہے۔ (✖)

2۔ ''صیاصیھم'' صیاصی مفرد اور جمع صیاصات ہے۔ (✖)

3۔ تبرج کا معنی ہے بڑے بڑے برج بنانا ہے۔ (✖)

4۔ وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَلَا مُؤْمِنَةٍ میں مومن سے مراد اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ اور مومنہ سے مراد حمنہ بنت جحش رضی اللہ عنہا ہیں۔ (✖)

5۔ ''وسئل القرية'' اصل میں ''وسئل اهل القرية'' تھا۔ (✔)

اصول التفسیر

سوال :10 درج ذیل سوالات کے مختصر جواب دیں۔ 5 نمبر

سوال :1 علوم خمسہ میں سے تین کے نام تحریر کریں۔

جواب: شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ کے نزدیک قرآنِ مجید کے مضامین کو پانچ بڑے علوم میں تقسیم کیا گیا ہے جنہیں ''علومِ خمسہ'' کہا جاتا ہے۔ ان میں سے تین یہ ہیں: علم التوحید (اللہ کی یکتائی اور صفات کا بیان)، علم التذکیر (آخرت، جنت، دوزخ اور نصیحتوں کا ذکر)، اور علم الاحکام (عبادات، معاملات اور

حدود وقصاص کے احکام کا بیان)۔ یہ علوم قرآن فہمی کے بنیادی حصے ہیں۔

سوال :2 ملت ابراہیمی کے تین شعائر تحریر کریں۔

جواب : ملتِ ابراہیمی کے نمایاں شعائر وہ علامات ہیں جن سے دینِ ابراہیم علیہ السلام کی یاد تازہ رہتی ہے اور جنہیں اسلام نے بھی برقرار رکھا۔ ان میں کعبہ معظمہ جو قبلہ بنایا گیا، صفا و مروہ کی سعی جو حج و عمرہ کا حصہ ہے، اور مقام ابراہیم جس پر کھڑے ہو کر حضرت ابراہیم علیہ السلام نماز پڑھا کرتے تھے، یہ تین شعائر خاص طور پر اہم ہیں۔

سوال :3 تشبیہ سے کیا مراد ہے؟

جواب : مشرکین اپنے باطل عقائد میں اس قدر آگے بڑھ گئے تھے کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کو مخلوقات سے مشابہ قرار دے ڈالا۔ ایک طرف وہ اللہ کو انسانوں اور دیگر مخلوقات کی شکل وصورت پر قیاس کرتے اور بتوں کو اس کی شبیہ یا نمائندہ سمجھتے تھے۔ دوسری طرف اللہ کی صفات، جیسے سننا، دیکھنا، جاننا اور قدرت رکھنا، کو انسانی صفات کے ہم پلہ سمجھ لیتے تھے۔ یہ دراصل "تشبيه اله بالخلق" یعنی خالق کو مخلوق کے مشابہ قرار دینا تھا جو سب سے بڑی گمراہی ہے۔ اسی بنیاد پر وہ بتوں کو اللہ کا شریک اور اس کے دربار میں سفارشی سمجھنے لگے، گویا جیسے بادشاہ کے درباری وسیلہ بنتے ہیں ویسے ہی یہ معبودانِ باطل اللہ کے حضور وسیلہ ہیں۔ شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ نے اس عقیدے پر سخت تنقید کرتے ہوئے واضح فرمایا کہ یہ ساری گمراہی "تشبیہ" کی پیداوار ہے، حالانکہ حق یہ ہے کہ "التنزيه أولى من التشبيه" یعنی اللہ کو ہر قسم کی مشابہت سے پاک ماننا ہی اصل ہے۔ قرآن نے بھی اعلان کیا ہے: "لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ" (اس جیسا کوئی بھی نہیں)۔ مشرکین کا یہی تشبیہی عقیدہ شرک کی بنیاد بنا، جبکہ ایمان والوں کے لیے اصل اصول یہ ہے کہ اللہ کی ذات اور صفات کو مخلوقات کی مثالوں اور پیمانوں سے ماورا مانا جائے۔

سوال :4 یہود کے افترا کے اسباب میں سے کوئی دو لکھیں۔

جواب : یہود کے جھوٹ گھڑنے اور دین میں بگاڑ ڈالنے کے کئی اسباب تھے۔ ایک بڑا سبب تھا خواہشاتِ نفس اور دنیا کی محبت، کیونکہ وہ اپنے فائدے اور حرص کے لیے دین میں تبدیلیاں کر لیتے تھے۔ دوسرا سبب تھا احکامِ الٰہی سے سستی اور بغاوت، کیونکہ وہ مشکل احکام پر عمل کرنے کے بجائے تاویلات گھڑ لیتے اور اپنے گناہوں کو دین کا حصہ بنا کر پیش کرتے تھے۔

سوال :5 "نزلت فی كذا" کا مطلب واضح کریں۔

جواب: "نزلت فی کذا" ایک مشہور تفسیری اصطلاح ہے۔ اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ کوئی آیت یا سورت کسی خاص واقعہ، سوال یا پس منظر کے تعلق سے نازل ہوئی ہے۔ اس کو "شانِ نزول" بھی کہا جاتا ہے۔ مثال کے طور پر، سورۃ النور کی آیات واقعۂ افک کے موقع پر نازل ہوئیں، اس لیے کہا جاتا ہے: "نزلت فی عائشہ رضی اللہ عنہا" یعنی یہ آیات حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں نازل ہوئیں۔ اس سے یہ مراد نہیں ہوتا کہ آیت کا حکم صرف اسی واقعہ تک محدود ہے، بلکہ شانِ نزول آیت کے اصل مقصد کو سمجھنے میں مدد دیتا ہے اور آیت کا مفہوم عام ہوتا ہے۔

سوال: 11 درج ذیل میں سے صحیح پر (✔) اور غلط پر (✗) کا نشان لگائیں۔ 5 نمبر

1۔ یہود تحریف لفظی کرتے تھے۔ (✔)

2۔ نصاریٰ آخرت کا انکار کرتے تھے۔ (✗)

3۔ فارقلیط سے مراد حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہیں۔ (✗)

4۔ ملکہ بلقیس کا واقعہ قرآن میں ایک مرتبہ آیا ہے۔ (✔)

5۔ "انفروا خفافا وثقالا" شاہ ولی اللہ کے نزدیک منسوخ ہے۔ (✗)



الحدیث واصولہ للطلبہ 1444ھ/2023 (ضمنی)

حصہ انشائیہ: کل نمبر 70

نوٹ: حصہ انشائیہ الحدیث سے کوئی سے تین سوال حل کریں۔ ہر سوال کے 14 نمبر ہیں۔

الحدیث

سوال:1 باب ثُبُوتِ الْقِصَاصِ فِي الْقَتْلِ بِالْحَجَرِ وَغَيْرِهِ مِنَ الْمُحَدَّدَاتِ وَالْمُثَقَّلاَتِ وَقَتْلِ الرَّجُلِ بِالْمَرْأَةِ. حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى وَمُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ - وَاللَّفْظُ لاِبْنِ الْمُثَنَّى - قَالاَ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ هِشَامِ بْنِ زَيْدٍ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ أَنَّ يَهُودِيًّا قَتَلَ جَارِيَةً عَلَى أَوْضَاحٍ لَهَا فَقَتَلَهَا بِحَجَرٍ - قَالَ - فَجِيءَ بِهَا إِلَى النَّبِيِّ ﷺ وَبِهَا رَمَقٌ فَقَالَ لَهَا " أَقَتَلَكِ فُلاَنٌ ". فَأَشَارَتْ بِرَأْسِهَا أَنْ لاَ ثُمَّ قَالَ لَهَا الثَّانِيَةَ فَأَشَارَتْ بِرَأْسِهَا أَنْ لاَ ثُمَّ سَأَلَهَا الثَّالِثَةَ فَقَالَتْ نَعَمْ. وَأَشَارَتْ بِرَأْسِهَا فَقَتَلَهُ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ بَيْنَ حَجَرَيْنِ.

درج بالا باب اور حدیث کا ترجمہ کرتے ہوئے درج ذیل سوالات کے مختصر جوابات تحریر کریں۔

1۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ کا مختصر تعارف ذکر کریں۔ 2۔ باب اور حدیث میں مناسبت ذکر کریں۔ 3۔ خط کشیدہ الفاظ پر اعراب لگائیں۔ 4۔ محمد بن بشار اور شعبہ کے بارے میں آپ کیا جانتے ہیں؟

جواب: باب کا ترجمہ: ''قتل میں قصاص ثابت ہونے کا باب، خواہ قتل پتھر سے ہو یا کسی نوک دار یا وزنی چیز سے، اور مرد کو عورت کے بدلے میں قتل کرنے کا ذکر۔''

حدیث کا ترجمہ: حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ ایک یہودی نے ایک لونڈی کو چاندی کے زیورات کے لالچ میں قتل کر دیا، اس نے اس کو پتھر سے مارا۔ لونڈی کو رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں لایا گیا جبکہ اس میں زندگی کی رمق باقی تھی۔ آپ ﷺ نے اس سے پوچھا: ''کیا تمہیں فلاں نے قتل کیا ہے؟'' اس نے سر کے اشارے سے کہا: نہیں۔ آپ ﷺ نے دوسری بار پوچھا تو اس نے انکار کیا۔ آپ ﷺ نے تیسری بار پوچھا تو اس نے کہا: ہاں، اور سر کے اشارے سے اقرار کیا۔ پھر رسول اللہ ﷺ نے اس قاتل کو دو پتھروں کے درمیان رکھ کر قتل کر دیا۔

1۔حضرت انس رضی اللہ عنہ کا مختصر تعارف:

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ خادمِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم تھے۔آپ بچپن ہی میں اپنی والدہ اُم سلیم رضی اللہ عنہا کے کہنے پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئے اور دس سال تک خدمت کی۔آپ بہت بڑے محدث تھے اور صحابہ میں سب سے زیادہ احادیث بیان کرنے والوں میں شامل ہیں۔

2۔باب اور حدیث میں مناسبت:

باب میں ذکر ہے کہ قتل چاہے پتھر یا وزنی چیز سے ہو، قصاص ثابت ہے، اور حدیث میں ایک یہودی نے پتھر سے لونڈی کو قتل کیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر قصاص لیا۔اس طرح باب اور حدیث میں براہِ راست مطابقت پائی جاتی ہے۔

3۔محمد بن بشار اور شعبہ رحمہما اللہ کے بارے میں:

محمد بن بشار رحمہ اللہ (المعروف بندار) جلیل القدر محدث تھے۔ان کا تعلق بصرہ سے تھا اور ان کو "شیخ الاسلام" بھی کہا جاتا ہے۔چھ کتب حدیث کے مشائخ میں شمار ہوتے ہیں۔

شعبہ بن الحجاج رحمہ اللہ محدثین کے امام اور ثقہ راوی تھے۔ان کو "امیر المؤمنین فی الحدیث" کہا جاتا ہے۔انہوں نے بہت سے معتبر شاگرد تیار کیے اور ان کی روایات کتب ستہ میں کثرت سے موجود ہیں۔

سوال 2: مندرجہ ذیل احادیث کا ترجمہ کریں اعراب لگائیں اور ہر ایک سے دو دو فقہی مسائل کا استنباط کریں۔

(1) خَمْسٌ فَوَاسِقُ يُقْتَلْنَ فِي الْحِلِّ وَالْحَرَمِ الْحَيَّةُ وَالْغُرَابُ الأَبْقَعُ وَالْفَارَةُ وَالْكَلْبُ الْعَقُورُ

جواب ترجمہ: "پانچ قسم کے جانور فاسق ہیں جنہیں حرم اور حل (یعنی حدودِ حرم کے اندر اور باہر) دونوں جگہ قتل کیا جا سکتا ہے: سانپ، چتکبرے رنگ کا کوا، چوہا، اور کٹ کھانے والا کتا۔"

فقہی مسائل: 1۔حرم کے علاقے میں بھی بعض موذی جانوروں کو قتل کرنے کی اجازت ہے۔ 2۔شریعت میں انسانی جان و مال کو نقصان سے بچانے کے لیے ایذا رساں جانوروں کا خاتمہ جائز ہے۔

(2) لاَ يَفْرَكْ مُؤْمِنٌ مُؤْمِنَةً إِنْ كَرِهَ مِنْهَا خُلُقًا رَضِيَ مِنْهَا آخَرَ

ترجمہ: "کوئی مومن کسی مومنہ (بیوی) سے بغض نہ رکھے۔اگر اس کی کسی عادت کو ناپسند کرے تو کسی اور خوبی کو پسند کر لے۔"

فقہی مسائل: 1۔میاں بیوی کے تعلقات برداشت اور حسنِ نظر پر قائم ہونے چاہییں۔ 2۔شوہر کو چاہیے

کہ بیوی کی خامیوں کے بجائے خوبیوں پر نظر رکھے۔

(3) لَا يَجْزِي وَلَدٌ وَالِدًا إِلَّا أَنْ يَجِدَهُ مَمْلُوكًا فَيَشْتَرِيَهُ فَيُعْتِقَهُ

ترجمہ: "کوئی بیٹا اپنے والد کا حق ادا نہیں کرسکتا، سوائے اس کے کہ اسے غلامی کی حالت میں پائے، اسے خرید کر آزاد کرے۔"

فقہی مسائل: 1۔ والدین کے حقوق اتنے عظیم ہیں کہ بیٹا پوری طرح ان کا بدلہ ادا نہیں کرسکتا۔ 2۔ اگر والد غلامی میں گرفتار ہو تو بیٹے پر لازم ہے کہ استطاعت کے مطابق اسے آزاد کرے۔

سوال 3: درج ذیل ابواب میں سے تین کا ترجمہ کریں اور صحیح مسلم کی روشنی میں ان مسائل کی وضاحت کریں۔

(1) الدَّلِيلِ عَلَى أَنَّ قَاتِلَ نَفْسِهِ لَا يَكْفُرُ (2) باب مَا يُفْعَلُ بِالْهَدْيِ إِذَا عَطِبَ فِي الطَّرِيقِ (3) باب اسْتِحْبَابِ كَوْنِ حَصَى الْجِمَارِ بِقَدْرِ حَصَى الْخَذْفِ (4) حد ... تثبت حرمة الرضاعة

جواب: (1) الدَّلِيلِ عَلَى أَنَّ قَاتِلَ نَفْسِهِ لَا يَكْفُرُ

ترجمہ: اس بات پر دلیل کہ جو اپنی جان خود قتل کرے (خودکشی کرے) وہ کافر نہیں ہوتا۔

وضاحت: صحیح مسلم میں نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص پہاڑ سے گر کر اپنی جان لے گا وہ جہنم میں ہمیشہ گرتا رہے گا، اور جو زہر پی کر خودکشی کرے گا وہ جہنم میں ہمیشہ زہر پیتا رہے گا، اور جو ہتھیار سے اپنے آپ کو ہلاک کرے گا وہ جہنم میں ہمیشہ اسی ہتھیار سے زخمی ہوتا رہے گا۔ یہ وعید ظاہر کرتی ہے کہ خودکشی کبیرہ گناہ ہے۔ البتہ اس کے باوجود وہ شخص دائرہ اسلام سے خارج نہیں ہوتا کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے اسے کافر قرار نہیں دیا۔ فقہاء کے نزدیک اس کا جنازہ پڑھا جائے گا اور وہ مسلمان شمار ہوگا۔

(2) باب مَا يُفْعَلُ بِالْهَدْيِ إِذَا عَطِبَ فِي الطَّرِيقِ

ترجمہ: وہ باب کہ اگر قربانی کا جانور (ہدی) راستے میں زخمی یا ہلاک ہو جائے تو کیا کیا جائے؟

وضاحت: صحیح مسلم کی روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: اگر ہدی کا جانور راستے میں مرجائے یا ہلاک ہو جائے تو اسے ذبح کر دیا جائے اور اس کا گوشت خود کھایا جائے یا دوسروں کو کھلایا جائے، لیکن اس کے بدلے دوسرا جانور لانے کی ضرورت نہیں۔ اس سے یہ اصول سامنے آتا ہے کہ شریعت نے سہولت دی اور نقصان کی صورت میں دوبارہ خرچ کرنے کی پابندی نہیں لگائی۔ اہم بات یہ ہے کہ گوشت ضائع

بلکہ فائدہ اٹھایا جائے۔

(3) باب اسْتِحْبَابِ كَوْنِ حَصَى الْجِمَارِ بِقَدْرِ حَصَى الْخَذْفِ

ترجمہ: رمی جمار کے لئے مستحب ہے کہ کنکریاں چنے کے دانے کے برابر ہوں۔

وضاحت: صحیح مسلم میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: رمی کے لئے کنکریاں چنے کے برابر ہونی چاہئیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ نہ تو بہت بڑے پتھر مارے جائیں اور نہ ہی بہت چھوٹے ذرات۔ سنت یہ ہے کہ درمیانے درجے کی چھوٹی کنکریاں استعمال کی جائیں تاکہ عبادت میں سہولت رہے اور غیر ضروری سختی یا تکلیف پیدا نہ ہو۔

(4) حتی تثبت حرمة الرضاعة

ترجمہ: رضاعت کب ثابت ہوتی ہے۔

دو سال میں پانچ مرتبہ دودھ پینے سے حرمت رضاعت ثابت ہوتی ہے۔

سوال 4: درج ذیل حدیث کا ترجمہ اور تشریح کریں اور اختلاف بھی واضح کریں۔

عن أبي هريرة ان رسول الله ﷺ قال: لا تلقوا الركبان للبيع ولا يبع بعضكم على بيع بعض ولا تناجشوا ولا يبع حاضر لباد ولا تصروا الإبل والغنم فمن ابتاعها بعد ذلك فهو بخير النظرين بعد أن يحلبها إن رضيها أمسكها وان سخطها ردها وصاعا من تمر

جواب: ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "قافلے والوں کو (بازار میں آنے سے پہلے) مل کر ان سے خرید وفروخت نہ کرو، اور نہ کوئی شخص دوسرے کی بیع پر بیع کرے، اور نہ کوئی (جھوٹے بول یا زیادہ بولی دے کر) دھوکے سے قیمت بڑھائے، اور نہ کوئی شہری دیہاتی کی طرف سے (بیچنے کے لئے) فروخت کرے، اور نہ اونٹ اور بکریوں کے تھنوں میں دودھ روکا جائے (یعنی باندھ دیا جائے تاکہ زیادہ دکھائی دے)۔ پس اگر کسی نے ایسا جانور خریدا اور بعد میں دودھ دوہنے کے بعد پسند آیا تو رکھ لے، اور اگر ناپسند آیا تو اسے واپس کر دے اور ایک صاع کھجور (بطور معاوضہ) دے۔"

تشریح: اس حدیث میں چند بڑے تجارتی آداب اور شرعی اصول بیان ہوئے ہیں:

1. لا تلقوا الركبان: قافلے والوں کو راستے میں جا کر خرید وفروخت نہ کرو، تاکہ وہ صحیح مارکیٹ ریٹ

جانے بغیر سستا نہ بیچ بیٹھیں۔ اس میں دیہاتی اور دور دراز سے آنے والے تاجروں کے حقوق کی حفاظت ہے۔

2. ولا یبع بعضکم علی بیع بعض: اگر ایک شخص کسی چیز کا سودا کر رہا ہے تو دوسرا مداخلت کر کے نہ کہے "میں زیادہ دے دیتا ہوں" یا "تمہیں سستا بیچ دوں گا"، یہ ناجائز ہے۔

3. ولا تناجشوا: نجش کا مطلب یہ ہے کہ کوئی شخص چیز خریدنے کا ارادہ نہ رکھتا ہو لیکن صرف قیمت بڑھانے کے لئے بولی لگائے۔ یہ دھوکہ ہے اور حرام ہے۔

4. ولا یبع حاضر لباد: شہری آدمی دیہاتی کی طرف سے اس کی چیز بیچنے نہ لگے، کیونکہ شہری قیمتیں جانتے ہیں اور زیادہ منافع کے لئے دیہاتی کو دھوکہ دے سکتے ہیں۔

5. ولا تصروا الإبل والغنم: یہ عمل اس وقت کیا جاتا تھا کہ جانور کے تھن باندھ دیے جاتے تاکہ زیادہ دودھ جمع ہو اور خریدار سمجھے کہ یہ زیادہ دودھ دینے والا ہے۔ یہ دھوکہ دہی ہے، اس لئے ممنوع ہے۔

6. خریدار کے لئے اختیار (خیار الشرط) کی گنجائش: اگر کسی نے ایسا جانور خریدا اور دودھ دوہنے کے بعد پسند آیا تو رکھ لے، ورنہ واپس کر دے اور ساتھ ایک صاع کھجور دے، تاکہ بائع کو نقصان نہ ہو۔

اختلاف (فقہی آراء) اس حدیث سے فقہاء نے کئی مسائل میں بحث کی ہے:

1. قافلے والوں سے خریدنے کا حکم: جمہور علماء کے نزدیک اگر قیمت میں دھوکہ دینے کا اندیشہ ہو تو یہ بیع حرام ہے۔ بعض کے نزدیک مکروہ ہے مگر اگر قافلے والے راضی ہوں اور قیمت منصفانہ ہو تو درست ہے۔

2. نجش (جھوٹی بولی) کا حکم: ائمہ اربعہ کے نزدیک یہ بیع فاسد نہیں لیکن سخت گناہ ہے اور حرام ہے، کیونکہ اس میں دھوکہ دہی ہے۔

3. "حاضر لباد" کی ممانعت: جمہور کے نزدیک شہری کا دیہاتی کے لئے بطور ایجنٹ بیچنا ناجائز ہے اگر اس سے دھوکہ ہو، لیکن اگر دیہاتی راضی ہو اور اس میں سہولت ہو تو بعض فقہاء نے اجازت دی ہے۔

4. "تصریہ" (دودھ باندھ دینا): جمہور کے نزدیک یہ دھوکہ ہے اور حرام ہے۔ جانور واپس کرنے کی صورت میں ایک صاع کھجور دینا واجب ہے۔ احناف کے نزدیک "صاع کھجور" کی تعیین اس وقت کے عرف پر ہے، اس کا مطلب ہے مناسب معاوضہ دینا، صرف کھجور ہی دینا لازم نہیں۔

اصول الحدیث

نوٹ: حصہ انشائیہ اصول تفسیر سے کوئی سے دو سوال حل کریں۔ ہر سوال کے 14 نمبر ہیں۔

سوال 5: درج ذیل عبارت کا ترجمہ وتشریح کریں۔

ومتى تُوبعَ السيءُ الحفظ بمُعْتَبَرٍ: كأَنْ يكونَ فَوْقَهُ، أو مِثْلَهُ، لا دونه، وكذا المختلِط الذي لم يتميز، والمستور، والإسناد المرسل، وكذا المدلَّس إذا لم يُعْرف المحذوف منه صار حديثُهم حسناً، لا لذاته، بل وصْفُهُ بذلك باعتبارِ المجموع، مِن المتابِع والمتابَع

جواب: ترجمہ: ''اور جب کمزور حافظہ والے (راوی) کی متابعت ہو کسی معتبر راوی سے، جیسے وہ اس سے بہتر ہو یا اس جیسا ہو، نہ کہ اس سے کم تر، اور اسی طرح وہ راوی جو اختلاط کا شکار ہے لیکن اس کی روایات میں صحیح وغلط الگ نہ ہو سکیں، اور اسی طرح مستور راوی، یا مرسل سند، اور اسی طرح مدلس راوی جب اس کے حذف شدہ راوی کا علم نہ ہو، تو ایسے تمام کی حدیث حسن کہلاتی ہے، مگر یہ حسن لذاتہ (اپنی ذات کی وجہ سے) نہیں بلکہ یہ وصف انہیں مجموعی اعتبار سے ملتا ہے، یعنی متابع اور متابَع کے جمع ہونے کی وجہ سے۔''

سوال: 6: مراتب صحیح اور موضوع روایت کی پہچان کے طرق پر روشنی ڈالیں۔

جواب: مراتبِ صحیح روایت: صحیح حدیث کے بھی درجات اور مراتب ہیں۔ محدثین نے تفصیل کے ساتھ ان میں فرق بیان کیا ہے:

1. أصح الأسانيد (سب سے زیادہ صحیح اسناد) بعض روایات کی سند کو باقی پر فوقیت حاصل ہے۔
مثال: امام بخاری رحمہ اللہ کے نزدیک مالک عن نافع عن ابن عمر رضی اللہ عنہ ''سلسلۃ الذہب'' کہلاتی ہے۔

2. صحیح بخاری وصحیح مسلم کی متفق علیہ احادیث: وہ احادیث جنہیں امام بخاری رحمہ اللہ اور امام مسلم رحمہ اللہ دونوں نے اپنی صحیح میں روایت کیا ہے۔ ان کا مرتبہ سب سے اونچا ہے بعد القرآن۔

3. انفرادی طور پر صحیح بخاری یا صحیح مسلم کی احادیث: وہ احادیث جو صرف ایک نے روایت کی ہیں مگر دوسرے نے نہیں۔

4. صحیح بخاری ومسلم کے معیار پر دوسری کتابوں کی احادیث: یعنی ایسی روایات جو بخاری ومسلم کی شرط پر ہوں لیکن انہوں نے اپنی کتاب میں درج نہ کی ہوں۔

5. صحیح الاسناد احادیث دیگر کتب میں: ایسی روایات جو بخاری ومسلم کی شرط پر نہ ہوں لیکن سند کے اعتبار سے صحیح ہوں (مثلاً صحیح ابن حبان، صحیح ابن خزیمہ وغیرہ میں)۔

نتیجہ: صحیح حدیث کے بھی مراتب ہیں: سب سے اعلیٰ درجہ متفق علیہ کا ہے، پھر بخاری یا مسلم انفرادی، پھر باقی صحاح اور صحیح الاسناد۔

موضوع روایت کی پہچان کے طرق: موضوع (من گھڑت) روایت کو پہچاننے کے لیے محدثین نے چند اصولی علامات بیان کی ہیں:

1.سند کے اعتبار سے

- راوی کا جھوٹا ہونا یا اس پر کذب کی شہادت ہونا۔
- ایسے راوی کا پایا جانا جو جھوٹ گھڑنے میں مشہور ہو۔
- سند کا منقطع یا راویوں کا مجہول ہونا اور ساتھ متن کا غیر معقول ہونا۔

2.متن کے اعتبار سے

- متن قرآن یا صحیح سنت کے صریح خلاف ہو۔
- ایسی باتیں بیان کرے جو عقلِ سلیم یا محسوسات کے بالکل مخالف ہوں۔
- ایسی فضیلتیں یا احکام ذکر کرے جن کی تائید کسی اصل سے نہ ملے۔
- مبالغہ آمیز ثواب یا عذاب بتائے جو دین کے مزاج کے خلاف ہو (جیسے: ''جو شخص فلاں دعا ایک بار پڑھے گا اسے ایک لاکھ حج کا ثواب ملے گا'')۔

3.قرائن سے

- حدیث کے الفاظ میں عجمیت یا غیر فصیح جملے ہونا، جو اسلوبِ نبوی سے میل نہ کھاتے ہوں۔
- روایت کا ایسی شخصیت سے منسوب ہونا جس کے بارے میں معلوم ہو کہ اس نے اس وقت اسلام قبول ہی نہیں کیا تھا۔
- محدثین نے بعض کتب میں موضوعات الگ جمع کر کے نشان لگا دیے ہیں، جیسے: ابن الجوزی کی "الموضوعات" اور سیوطی کی "اللآلئ المصنوعة"۔

خلاصہ: مراتب صحیح روایت میں سب سے اعلیٰ درجہ متفق علیہ احادیث کا ہے، پھر انفرادی صحیح بخاری یا مسلم، پھر دیگر صحاح اور صحیح الاسناد روایات۔ موضوع روایت کی پہچان سند کے جھوٹے یا مجہول راوی، متن کی قرآن و سنت یا عقل کے خلاف ہونے، یا الفاظ کے غیر فصیح اور خلافِ شانِ نبوت ہونے سے ہو جاتی ہے۔

سوال:7 اصطلاحات کی تعریف کریں۔ المعروف والمنكر المدلس المتروك المدرج

جواب: 1.المعروف والمنکر:

المعروف: وہ روایت جسے ثقہ (قوی) راوی بیان کرے اور اس کے مخالف میں کوئی کمزور روایت ہو۔

قوی کی بات کو "معروف" کہا جاتا ہے۔
المنکر: وہ روایت جسے ضعیف یا ناقابلِ اعتماد راوی بیان کرے اور وہ ثقہ راوی کی روایت کے خلاف ہو۔
یعنی کمزور راوی کی مخالف روایت "منکر" کہلاتی ہے۔

2. المدلَّس:

تعریف: تدلیس یہ ہے کہ راوی کسی ایسے شیخ سے روایت کرے جس سے اس نے حدیث سنی ہی نہ ہو یا جس سے سنی ہے لیکن درمیان کے کسی راوی کو گرا دے اور الفاظ ایسے استعمال کرے جن سے بظاہر لگے کہ اس نے براہِ راست سن لی ہے، جیسے "عن فلان" کہہ دینا۔
یہ ایک عیب ہے اور ایسے راوی کو "مدلس" کہتے ہیں۔
حکم: مدلس کی روایت صرف اسی وقت قبول کی جاتی ہے جب وہ صراحت کرے کہ "سمعت" یا "حدثنا" (یعنی میں نے براہِ راست سنی)۔

3. المتروك:

تعریف: ایسا راوی جس کی روایت کو بالکل چھوڑ دیا جائے، کیونکہ اس پر جھوٹ بولنے یا شدید کمزوری کا الزام ہو، یا وہ تنہا ایسی روایت لائے جو کسی دوسرے نے بیان نہ کی ہو۔
"متروک" کا مطلب ہے "ترک کیا ہوا" یعنی اس کی روایت کو قبول نہیں کیا جاتا۔

4. المدرَج:

تعریف: "مدرج" اس حدیث کو کہتے ہیں جس میں راوی نے حدیث کے اصل متن یا سند میں اپنا کوئی اضافہ شامل کر دیا ہو، جو اصل میں رسول اللہ ﷺ کے الفاظ نہ ہوں۔
یہ اضافہ کبھی سند میں ہوتا ہے اور کبھی متن میں۔

حصہ معروضی کل نمبر 30

نوٹ: حصہ معروضی کے تمام سوال لازمی ہیں۔

الحدیث

10 نمبر

سوال 8: درج ذیل کے مختصر جواب دیں۔

سوال 1: عقیدہ رجعت سے کیا مراد ہے؟

جواب: رجعت کا عقیدہ بعض باطل فرقوں (خصوصاً رافضہ) کے ہاں پایا جاتا ہے، اس سے مراد یہ ہے کہ

قیامت سے پہلے کچھ خاص لوگ دوبارہ دنیا میں لوٹ آئیں گے۔ اہلِ سنت کے نزدیک یہ عقیدہ باطل ہے، اسلام میں رجعت کا کوئی تصور نہیں، قیامت کے دن سب ہی لوگ دوبارہ زندہ کیے جائیں گے۔

سوال 2: معروف آئمہ اربعہ میں سے کون سے امام امام مالک رحمہ اللہ کے شاگرد ہیں؟

جواب: امام شافعی رحمہ اللہ، امام مالک رحمہ اللہ کے شاگرد تھے۔ امام شافعی رحمہ اللہ نے امام مالک رحمہ اللہ کی مشہور کتاب موطأ بھی براہِ راست ان سے روایت کی ہے۔

سوال 3: جب راستے کے متعلق اختلاف پیدا ہو جائے تو اس اختلاف کو کیسے نمٹایا جائے گا؟

جواب: فقہاء کے نزدیک جب راستے پر اختلاف ہو تو اس کا فیصلہ عرفِ عام (رواج) اور اہلِ محلہ کی گواہی سے کیا جائے گا۔ اگر زمین وقف یا عام راستہ ہو تو سب کا حق ہے، اور اگر ذاتی ملکیت میں اختلاف ہو تو قاضی (جج) شریعت کی روشنی میں دلائل اور شہادتوں سے فیصلہ کرے گا۔

سوال 4: بلاغات امام مالک رحمہ اللہ سے کیا مراد ہے اور ان کا حکم بھی بیان کریں۔

جواب: بلاغات وہ روایات ہیں جو امام مالک رحمہ اللہ نے اپنی موطأ میں ذکر کی ہیں لیکن ان کی سند ذکر نہیں کی۔

حکم: یہ روایات ''مرسل'' یا ''منقطع'' کے حکم میں ہیں، اس لئے بذاتِ خود ضعیف شمار ہوتی ہیں۔ البتہ ان میں سے بعض کو دوسری صحیح اسناد سے تقویت مل جاتی ہے تو وہ صحیح یا حسن بھی ہو سکتی ہیں۔

سوال 5: راوی اور مروی عنہ میں جب معاصرت پائی جائے اور دونوں ثقہ ہوں مگر لقاء کا ثبوت نہ ہو تو کیا حدیث صحیح ہوگی یا ضعیف؟

جواب: اگر راوی اور مروی عنہ (جس سے روایت کی گئی ہے) دونوں: ایک زمانے میں رہے ہوں (معاصرت) دونوں ثقہ ہوں لیکن ملاقات (لقاء) ثابت نہ ہو تو ایسی حدیث ''مرسل خفی'' کہلائے گی، اور اصول حدیث کے مطابق یہ ضعیف ہوگی۔

وجہ: شرطِ صحت میں ''اتصال السند'' (سند کا متصل ہونا) ضروری ہے، اور ملاقات ثابت نہ ہونے کی صورت میں اتصال مشکوک ہو جاتا ہے۔ البتہ اگر کسی راوی کی عادت معلوم ہو کہ وہ صرف اپنے شیوخ سے ہی روایت کرتا ہے (جیسے امام زہری رحمہ اللہ) تو پھر بعض ائمہ اسے قبول کرتے ہیں، لیکن عام قاعدہ یہ ہے کہ لقاء ثابت ہونا ضروری ہے۔

سوال 6: "ليس فيما دون خمس ذود صدقة" حدیث کا مفہوم بتائیں۔

جواب: اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ پانچ سے کم اونٹوں میں زکوٰۃ واجب نہیں ہے۔ یعنی اگر کسی کے پاس چار یا اس سے کم اونٹ ہوں تو ان پر زکوٰۃ نہیں ہے۔ جب اونٹ پانچ ہوں تو ان پر ایک بکری زکوٰۃ کے طور پر دینا لازم ہے۔

سوال:9 درج ذیل میں سے صحیح پر (✔) اور غلط پر (✖) کا نشان لگائیں۔ 10 نمبر

1۔ اعتقادی منافق کی چار نشانیاں ہیں۔ (✖)

2۔ اہل سنت کا عقیدہ ہے کہ گناہوں سے انسان کے ایمان میں کمی نہیں ہوتی۔ (✖)

3۔ "عبد آبق من موالیہ فقد کفر" حدیث میں "کفر دون کفر" مراد ہے۔ (✔)

4۔ حالت احرام میں سر منڈانے کی ضرورت پیش آجائے تو 60 مسکینوں کو کھانا کھلایا جائے گا۔ (✖)

5۔ یوم النحر میں ادا کیے جانے والے مناسک حج کی اگر ترتیب بدل جائے تو دم دینا واجب ہو جاتا ہے۔ (✖)

6۔ امام مسلم امام احمد اور امام بخاری رحمہم اللہ کے شاگرد ہیں۔ (✔)

7۔ صحیح مسلم کو امام صاحب رحمہ اللہ نے بغیر تبویب کے مرتب کیا تھا۔ (✔)

8۔ قرآن و حدیث کی روشنی میں مجروح اور ضعیف راویوں کے عیوب و ضعف کو بیان کیا جاسکتا ہے۔ (✔)

9۔ انصار سے محبت ایمان کی نشانی جبکہ انصار سے دشمنی نفاق کی نشانی ہے۔ (✔)

10۔ انسان اپنے بیٹے کے متعلق مالی وصیت کر سکتا ہے اگر وہ ایک تہائی سے کم ہو۔ (✖)

اصول الحدیث

سوال:10 درج ذیل سوالات کے مختصر جواب دیں۔ 5 نمبر

سوال:1 بدعت مکفرہ کی تعریف کریں۔

جواب: بدعت مکفرہ وہ بدعت ہے جو دین کے بنیادی عقائد یا ایمان کے اصولوں کے خلاف ہو اور اس پر عمل کرنے والا کافر شمار کیا جائے۔

سوال:2 اخبار آحاد کی کون سی قسمیں ہیں؟

جواب: اخبار آحاد (وہ روایات جن کے راوی ہر طبقے میں ایک سے زائد ہوں مگر تواتر کی تعداد کو نہ پہنچیں) کی تین قسمیں ہیں: مشہور: ہر طبقے میں دو سے زیادہ راوی، مگر تواتر کی تعداد نہیں۔ عزیز: کسی ایک طبقے میں صرف دو راوی۔ غریب: کسی بھی طبقے میں صرف ایک راوی۔

سوال:3 متابعت سے کیا فائدہ حاصل ہوتا ہے؟

جواب: متابعت (ضعیف راوی کی کسی معتبر یا مساوی راوی سے روایت) سے حدیث کو حسن درجہ حاصل ہوتا ہے، یعنی کمزور روایت مضبوط ہو کر معتبر شمار کی جاتی ہے۔

سوال:4 مختلط راوی کی روایت کا کیا حکم ہے؟

جواب: مختلط راوی (وہ راوی جس کی حافظہ کی حالت بگڑ گئی ہو) کی روایت کے دو حال ہیں: اگر اختلاط سے پہلے کی روایت ہو: تو قابل قبول ہے۔ اگر اختلاط کے بعد کی روایت ہو: تو قابل رد ہے، سوائے اس کے کہ ثقہ راویوں نے اس کی تصدیق کی ہو۔

سوال:5 علم ضروری اور علم نظری میں فرق بیان کریں۔

جواب: علم ضروری: وہ علم جو کسی دلیل و استدلال کے بغیر فوری طور پر حاصل ہو، جیسے آگ کا جلانا۔ علم نظری: وہ علم جو دلیل، استدلال اور غور و فکر کے بعد حاصل ہو، جیسے نماز کے فرائض کی شرائط کا علم۔

سوال:11 درج ذیل میں سے صحیح پر (✓) اور غلط پر (✗) کا نشان لگائیں۔ 5 نمبر

1۔ اگر سند کے درمیان سے دو یا دو سے زیادہ راوی پے در پے گرے ہوں تو اسے معلق کہا جاتا ہے۔ (✗)

2۔ اصول حدیث پر سب سے پہلے حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ نے کتاب لکھی۔ (✗)

3۔ اجماع بذات خود ناسخ نہیں ہوتا تاہم نسخ پر دلالت کرتا ہے۔ (✓)

4۔ مرسل روایت کو مقبول حدیث کی اقسام میں ذکر کیا جاتا ہے۔ (✗)

5۔ جب مختلف راویوں کے نام لکھنے اور بولنے میں ایک جیسے مگر ان کے باپوں کے نام بولنے اور پڑھنے میں مختلف ہوں تو اسے المؤتلف والمختلف کہا جاتا ہے۔ (✓)



الفقہ واصولہ 1444ھ/2023 (ضمنی)

حصہ انشائیہ: کل نمبر 70

نوٹ: حصہ انشائیہ الفقہ سے کوئی سے تین سوال حل کریں۔ ہر سوال کے 14 نمبر ہیں۔

الفقہ

سوال 1: کیا نابالغہ کا نکاح باپ کے علاوہ کوئی اور کر سکتا ہے؟ آئمہ کے اقوال، ادلہ اور راجح مؤقف ذکر کریں۔

جواب: تمام فقہاء کا اتفاق ہے کہ باپ اپنے نابالغ لڑکے اور نابالغہ لڑکی کا نکاح کر سکتا ہے اور اس کے لیے لڑکی سے اجازت لینا ضروری نہیں۔ اس کی دلیل حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا واقعہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے چھ یا سات سال کی عمر میں نکاح کیا اور نو سال کی عمر میں رخصتی فرمائی۔

اختلافی مسائل: پہلا مسئلہ: کیا باپ کے علاوہ دوسرا ولی نابالغہ کا نکاح کر سکتا ہے؟

آئمہ کے اقوال: امام شافعی رحمہ اللہ: صرف باپ اور دادا نابالغہ کا نکاح کر سکتے ہیں۔

امام مالک رحمہ اللہ: صرف باپ ہی نابالغہ کا نکاح کر سکتا ہے، سوائے اس کے کہ باپ نے کسی کو خاص طور پر منتخب کیا ہو، یا لڑکی کے ضائع ہونے یا بگڑنے کا خدشہ ہو۔

امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ: تمام اولیاء (باپ، دادا، چچا، بھائی وغیرہ) نابالغہ کا نکاح کر سکتے ہیں، اور لڑکی کو بلوغت کے بعد اختیار ہوگا کہ نکاح برقرار رکھے یا ختم کرے۔

اختلاف کی وجوہات: حدیث کے عموم و خصوص کا مسئلہ: حدیث: "البكر تستأذن وإذنها صماتها" (کنواری لڑکی سے اجازت لی جائے گی اور اس کی خاموشی اس کی اجازت ہے)

یہ حدیث عام ہے لیکن باپ کے معاملے میں اسے خاص سمجھا گیا ہے۔

ولی کی مصلحت کا تصور: حنفیہ کا موقف: تمام اولیاء میں مصلحت کا پہلو ہوتا ہے، اس لیے وہ باپ کی طرح نکاح کر سکتے ہیں۔ مالکیہ کا موقف: صرف باپ میں وہ درجہ کی شفقت و محبت پائی جاتی ہے جو دوسرے اولیاء میں نہیں۔

یتیمہ کی تفسیر کا اختلاف: حنفیہ کی دلیل: آیت ﴿وَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تُقْسِطُوْا فِی الْیَتٰمٰی﴾ میں یتیمہ سے مراد

نابالغہ لڑکی ہے۔ دوسرے فقہاء: یتیمہ سے مراد بالغہ لڑکی بھی ہو سکتی ہے، جیسے حدیث میں "تستأ... الیتیمة" کا ذکر ہے۔

دوسرا مسئلہ: کیا باپ کے علاوہ دوسرا ولی نابالغ لڑکے کا نکاح کر سکتا ہے؟

آئمہ کے اقوال: امام مالک رحمہ اللہ: وصی نابالغ لڑکے کا نکاح کر سکتا ہے۔ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ: تمام اول... نابالغ لڑکے کا نکاح کر سکتے ہیں، اور لڑکے کو بلوغت کے بعد اختیار ہوگا۔ امام شافعی رحمہ اللہ: باپ کے علا... کوئی نابالغ لڑکے کا نکاح نہیں کر سکتا۔

راجح مؤقف: امام ابن رشد رحمہ اللہ کے تجزیے کے مطابق: نابالغ لڑکی کے معاملے میں: ا... مالک رحمہ اللہ کا موقف زیادہ محتاط اور راجح ہے کہ صرف باپ ہی نابالغہ کا نکاح کر سکتا ہے، سوائے ... اضطراری صورت کے۔ نابالغ لڑکے کے معاملے میں: لڑکے اور لڑکی میں فرق کی وجہ یہ ہے کہ لڑکا بلوغ... کے بعد طلاق کا اختیار رکھتا ہے، اس لیے اس کا معاملہ مختلف ہے۔

آخری رائے: امام ابن رشد رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "وما ذهب إليه مالك أظهر والله أعل... (امام مالک رحمہ اللہ کا موقف زیادہ واضح اور مضبوط ہے) سوائے اس صورت کے جہاں کوئی ضرورت... خدشہ ہو۔

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ نابالغہ کے نکاح کا اختیار بنیادی طور پر باپ کے ساتھ خاص ہے، اور دوسر... اولیاء کے لیے اس میں احتیاط ضروری ہے۔

سوال 2: حق مہر کی مقدار میں میاں بیوی کا اختلاف ہو جائے تو کیا حل ہے؟ علماء کے اقوال، ادلہ... راجح مؤقف سپرد قلم کریں۔

جواب: حق مہر کی مقدار میں میاں بیوی کے درمیان اختلاف کی صورت فقہاء کے نزدیک ایک نہا... اہم اور تفصیلی مسئلہ ہے۔ یہ اختلاف عام طور پر اس وقت پیدا ہوتا ہے جب عورت زیادہ مہر کا دعویٰ کر... اور شوہر کم مہر کا۔ اس مسئلہ میں ائمہ کرام کے درمیان متعدد اقوال ہیں اور ہر ایک نے اپنے اصول... دلائل کے مطابق فیصلہ دیا ہے۔

امام مالک رحمہ اللہ کے نزدیک اگر اختلاف دخول سے پہلے ہو اور دونوں ایسی مقدار بیان کریں جو عرف... مطابق ہو تو دونوں کو قسم کھانی ہوگی اور اس کے بعد نکاح فسخ ہو جائے گا۔ اگر ایک نے قسم کھائی... دوسرے نے انکار کیا تو جس نے قسم کھائی اس کا قول معتبر ہوگا۔ اگر دونوں نے قسم نہ کھائی تو اس کا حکم...

4۔ القانون المدنی (سول لاء)

القانون المدنی سے مراد وہ قانونی ضابطہ ہے جو افراد کے درمیان معاملات، حقوق اور ذمہ داریوں کو منظم کرتا ہے۔ یہ قانون ملکی، تجارتی اور شہری معاملات پر محیط ہوتا ہے۔ اسلامی قانون میں القانون المدنی کی مثال "مجلة الأحكام العدلية" ہے، جس میں بیع، اجارہ، رہن، ضمان اور دیگر معاہدات کے احکام درج ہیں۔ جدید دور میں اس میں پراپرٹی کے حقوق، معاہدات کی تعمیل، اور شہری حقوق جیسے موضوعات شامل ہیں۔ یہ قانون ریاستی سطح پر نافذ ہوتا ہے اور اس کا مقصد معاشرے میں انصاف اور حقوق کی ضمانت دینا ہے۔

حصہ معروضی کل نمبر 30

نوٹ: حصہ معروضی کے تمام سوال لازمی ہیں۔

الفقہ

سوال :8 درج ذیل کے مختصر جواب دیں۔ 10 نمبر

سوال :1 خلع اور فدیہ میں کیا فرق ہے؟

جواب: خلع وہ طلاق ہے جو شوہر اپنی بیوی کو اس کے مطالبے پر کسی مالی معاوضے کے بدلے میں دیتا ہے، جیسے بیوی اپنا مہر یا کچھ اور مال واپس کر کے جدائی حاصل کرے۔ فدیہ اس کے قریب ہے لیکن فرق یہ ہے کہ فدیہ میں عورت شوہر سے چھٹکارا پانے کے لیے خود کچھ دیتی ہے اور وہ اسے قبول کرتا ہے، خواہ مہر ہو یا کوئی اور مال۔ یوں خلع زیادہ تر عورت کے مطالبے پر ہوتا ہے جبکہ فدیہ عورت کی طرف سے دی جانے والی مالی صورت ہے۔

سوال :2 کم از کم دو موانع نکاح تحریر کریں۔

جواب :(الف) حرمتِ نسبی: جیسے ماں، بہن، بیٹی، خالہ، پھوپھی وغیرہ سے نکاح کرنا ہمیشہ کے لیے حرام ہے۔

(ب) حرمتِ رضاعت: دودھ پلانے کے رشتے بھی نکاح کے لیے مانع ہیں، جیسے دودھ کی ماں یا دودھ کی بہن۔

سوال :3 تخییر فی الطلاق اور تملیك فی الطلاق کا حکم واضح کریں۔

جواب: تخییر فی الطلاق یہ ہے کہ شوہر اپنی بیوی کو اختیار دے دے کہ چاہے تو اس کے نکاح میں رہے، چاہے تو طلاق لے لے۔ اگر بیوی اسی مجلس میں طلاق کا انتخاب کر لے تو طلاق واقع ہو جاتی ہے۔

نی الطلاق یہ ہے کہ شوہر بیوی کو یہ حق دے دے کہ وہ اپنی طرف سے طلاق دے، مثلاً کہے کہ "میں نے طلاق کا اختیار تمہیں دے دیا"۔ اگر بیوی اس اختیار کو استعمال کرے تو طلاق واقع ہو جاتی ہے۔

سوال:4 طلاق بائن اور رجعی کی وضاحت کریں۔

جواب: طلاقِ رجعی وہ ہے جس کے بعد عدت کے دوران شوہر کو رجوع کا حق حاصل رہتا ہے، جیسے پہلی یا دوسری طلاق۔ اس میں نکاح باقی ہوتا ہے اور رجوع صرف قول یا فعل سے ممکن ہے۔ طلاقِ بائن وہ ہے جس میں شوہر کو رجوع کا حق نہیں ہوتا بلکہ اگر دوبارہ ساتھ رہنا ہو تو نئے نکاح کی ضرورت پڑتی ہے۔ یہ یا تو کم بائن ہوتی ہے (ایک یا دو طلاقوں کے ساتھ عدت ختم ہو جانا) یا بائن کبریٰ (تین طلاقیں دینا، جس کے بعد نیا نکاح بھی نہیں ہوسکتا جب تک عورت کسی اور سے نکاح کر کے علیحدہ نہ ہو)۔

سوال:5 نکاح تفویض کسے کہتے ہیں۔

جواب: جب مرد عورت کو نکاح کے وقت یا بعد میں طلاق دینے کا اختیار سونپ دے۔

سوال:9 درج ذیل میں سے صحیح پر (✔) اور غلط پر (✖) کا نشان لگائیں۔ 10 نمبر

1۔ موانع مؤبدہ بالاتفاق تین ہیں۔ (✔)

2۔ امام مالک رحمہ اللہ کے نزدیک تبعیض الطلاق نافذ ہوگی۔ (✔)

3۔ جمہور کے نزدیک غلامی تعداد طلاق میں مؤثر نہیں۔ (✖)

4۔ امام مالک رحمہ اللہ کے نزدیک مفقود الخبر کی بیوی 10 سال انتظار کرے گی۔ (✖)

5۔ جمہور کے نزدیک غلام باپ بیٹی کا ولی بن سکتا ہے۔ (✔)

اصول الفقہ

سوال:10 درج ذیل سوالات کے مختصر جواب دیں۔ 5 نمبر

سوال:1 مندوب کی اقسام تحریر کریں۔

جواب: مندوب سے مراد وہ عمل ہے جس کا کرنا باعثِ ثواب ہے اور چھوڑنے پر گناہ نہیں۔ فقہاء نے اسے کئی اقسام میں تقسیم کیا ہے: سنت مؤکدہ: جس پر نبی ﷺ کا ہمیشگی عمل رہا اور ترک پر ملامت ہے، جیسے باجماعت نماز۔ سنت غیر مؤکدہ: جس پر کبھی عمل ہوا اور کبھی ترک، جیسے نفل روزے۔ نفل/مستحب: جس پر بطورِ فضیلت ترغیب دی گئی ہو، جیسے مسواک کرنا۔

سوال:2 سبب اور علت میں فرق واضح کریں۔

جواب: سبب وہ چیز ہے جس کے پائے جانے سے حکم کا پایا جانا شریعت نے مقرر کیا ہو، جیسے سورج غروب ہونا نمازِ مغرب کا سبب ہے۔ علت وہ حکمت ہے جس کی وجہ سے شریعت نے حکم لگایا، جیسے نشہ آور ہونا شراب کی حرمت کی علت ہے۔

یعنی سبب محض علامت ہے اور علت اصل باعث ہے۔

سوال:3 حق اللہ اور حق العبد کی وضاحت کریں۔

جواب: حق اللہ: وہ حقوق جن کا تعلق اللہ تعالیٰ کے حق سے ہو اور جن میں بندوں کی منفعت عمومی ہو، جیسے نماز، روزہ۔ حق العبد: وہ حقوق جو براہِ راست بندوں کی منفعت اور فائدے سے متعلق ہوں، جیسے قرض کی واپسی یا قصاص۔

سوال:4 اہلیت کی اقسام نوٹ کریں۔

جواب: اہلیت سے مراد کسی انسان کے حقوق اور ذمہ داریوں کے قابل ہونے کی صلاحیت ہے۔ اس کی دو اقسام ہیں: اہلیتِ وجوب: کسی پر حقوق ثابت ہونا اور اس کے لیے واجب ہونا، یہ پیدائش سے موت تک ہر انسان کو حاصل ہے۔ اہلیتِ ادا: خود اپنی طرف سے حقوق ادا کرنے اور تصرف کرنے کی صلاحیت، یہ عقل و بلوغ کے بعد مکمل ہوتی ہے۔

سوال:5 خبر آحاد کی قبولیت کے لیے احناف کی دو شرائط تحریر کریں۔

جواب: وہ خبر اصولِ دین اور قطعی دلائل کے خلاف نہ ہو۔ وہ ایسی بات پر مشتمل نہ ہو جس پر عمل کرنے سے عام بلویٰ (لوگوں میں مشقت) لازم آئے۔

سوال:11 درج ذیل میں سے صحیح پر (✔) اور غلط پر (✖) کا نشان لگائیں۔ 5 نمبر

1۔ اصول فقہ تدوین میں فقہ سے مقدم ہیں۔ (✖)

2۔ البرہان امام غزالی رحمہ اللہ کی تصنیف ہے۔ (✔)

3۔ عزیمت اور رخصت مصنف کے نزدیک احکام تکلیفیہ میں سے ہیں۔ (✔)

4۔ "الشخص الذی تعلق خطاب الشارع بفعلہ" یہ محکوم فیہ کی تعریف ہے۔ (✖)

5۔ دار الاسلام میں جہل عذر نہیں بن سکتا۔ (✔)



[illegible]

(2) [illegible]

إبراهيم عليه السلام هو خليل الله وأبو الأنبياء جميعًا، بعثه الله في [illegible]

يعبدون الأصنام، فقام بدعوتهم إلى عبادة الله وحده، ويجادلهم بالحجة [illegible]

[illegible]

[illegible] السماوات والأرض [illegible]

[illegible] فَاطِرَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ [illegible]

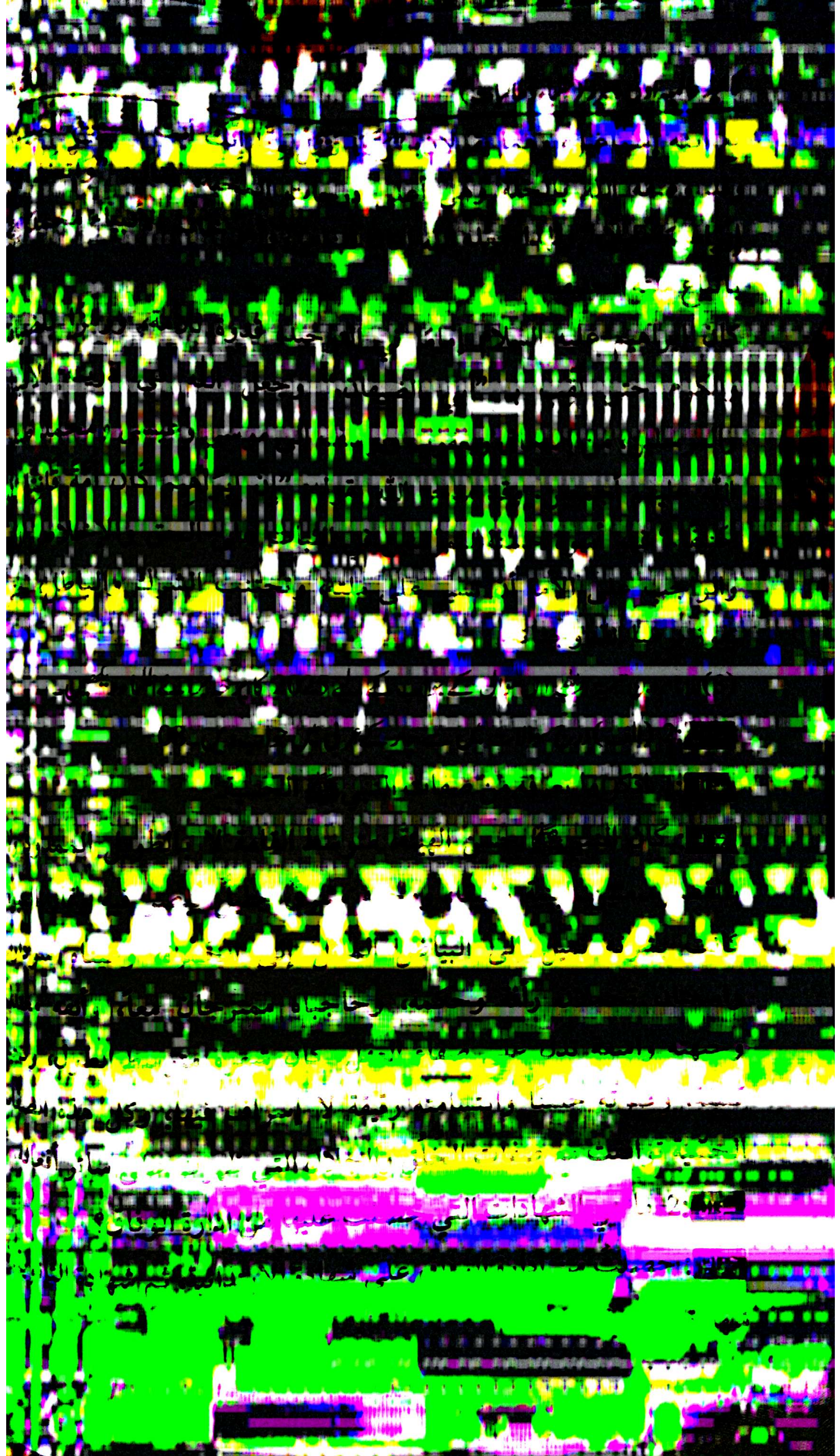
[illegible] الأصنام [illegible] في النار [illegible]

[illegible]

[illegible] ابنه إسماعيل عليه السلام حيث رأى في [illegible]

[illegible]

[illegible] قواعد البيت الحرام [illegible]



سوال 3: ماذا تدل عليه قصه الذئب والخروف؟

جواب: قصةُ الذئب والخروف تدلُّ في ظاهرها على سلوك الظالم الذي يختلقُ الحججَ ليُبرِّر ظلمه، وتبرز ضياع الحقّ أمام القوة حين لا توجد حماية أو حُجّةٌ قاطعة. من الناحية الأخلاقية تُعلِّمنا القصة أن القوة بلا ضمير تُؤدِّي إلى الجور، وأنّ الحقّ لا يغلب إلا بالعدل والدليل والحماية القانونية. كما تحمل دروسًا تربوية: ضرورة التحذير من مكائد الأعداء، أهمية التمسّك بالحقّ وعدم الاستسلام للباطل، وضرورة وجود نظام قضائي يُنصف الضعفاء ويمنع الطغيان. أدبيًا هي حكاية رمزية تُستخدم لتعليم الأطفال والكبار قيم العدل والحذر من المُستبدّين.

سوال 4: اين تقع مدينه بغداد ومن بناها؟

جواب: تقع مدينةُ بغداد على ضفاف نهر دجلة في وسط العراق، وكانت ولا تزال موقعًا مركزيًا بين مواضع بلاد الرافدين القديمة. أسّسها وشيّدها الخليفةُ العبّاسي أبو جعفر المنصور (من المعروف باسم المنصور) في سنة 145 هـ/762 م، وسمّاها "مدينةَ السلام" لتميزها بتخطيطٍ هندسيّ خاص المدينة المدورة تحوي سورًا وأقسامًا مدروسة. نشأت بغداد سريعًا لتصبح عاصمةَ الخلافة العباسية ومركزًا حضاريًا وعلميًا بارزًا في العالم الإسلامي، ازدانت بالمدارس والجامعات والمكتبات والأسواق، فغرست مكانتها كمركز للعلم والثقافة والتبادل التجاري في القرون الوسطى.

سوال 5: ما اول عمل قام به ابو بكر رضي الله عنه في خلافته؟

جواب: لما تولّى أبو بكر الصديق رضي الله عنه الخلافة بعد وفاة النبي ﷺ، كان أول عملٍ قام به أن ثبّت أركان الدولة الإسلامية، وأعلن موقفه الحازم في قتال المرتدين ومنع الزكاة عمّن منعها. فقد قال كلمته المشهورة: "والله لو منعوني عقالًا كانوا يؤدونه إلى رسول الله صلى الله عليه وسلم لقاتلتهم عليه." ثم جهّز جيش أسامة بن زيد الذي كان النبي ﷺ قد أمر بإرساله قبل

وفاته، فأمضاه أبو بكر رضي الله عنه، مع ما كان يحيط بالمدينة من أخطار، ليثبت أنّ الإسلام لا يتوقف بوفاة النبي، وأن أوامر الرسول ﷺ لا تُهمل، فبهذا الموقف العظيم حفظ هيبة الدولة، وثبّت دعائم الخلافة، وبيّن أنّ الحز... لا يُساوم فيه.

(ب) درج ذیل جملوں کا عربی میں ترجمہ کریں۔ 10

(1) مسجد نمازیوں سے بھری ہوئی ہے۔

المسجد مملوءة بالمصلين.

(2) بیمار سفر پر قادر نہیں ہے۔

المريض غير قادر على السفر.

(3) آج موسلا دار بارش ہوئی ہے۔

نزل اليوم مطر غزير.

(4) دیکھیں تاجر نے کیسے سامان ترتیب دے دیا ہے۔

انظرْ كيف رتّب التاجر البضاعة.

(5) آپ نے اپنے آرام کا سوچا ہے لیکن میرے آرام کا نہیں سوچا۔

لقد فكّرتَ في راحتك، ولم تفكّر في راحتي.

سوال 3: درج ذیل الفاظ کو کتاب کے اسلوب پر عربی جملوں میں استعمال کریں۔

(1)على الرغم من (2)أمام (3)إمام (4)اقترب (5)احدى عشر (6)يقبض

جواب: (1)على الرغم من: نجح الطالب على الرغم من صعوبة الامتحان.

(2)أمام: وقف التلميذ أمام المعلم باحترام.

(3)إمام: الإمام يقيم الصلاة بالناس في المسجد.

(4)اقترب: اقترب القطار من المحطة.

(5)احدى عشر: حفظتُ إحدى عشر حديثًا في هذا الأسبوع.

(6)يقبض: يقبض الشرطي على اللص في السوق.

تاریخ ادب العربی

نوٹ: حصہ انشائیہ تاریخ ادب العربی سے کوئی سے دو سوال حل کریں۔ ہر سوال کے 18 نمبر ہیں۔

سوال: 4 تاریخ ادب کی تعریف اور فائدہ ذکر کرتے ہوئے عرب بائدہ، عاربہ اور مستعربہ پر نوٹ لکھیں۔

جواب: **تعریف:** تاریخِ ادبِ عربی اُس علم کو کہا جاتا ہے جو ادبِ عربی کے آغاز، ارتقاء اور نشوونما کے مختلف مراحل پر بحث کرتا ہے۔ اس میں نہ صرف ادبی نصوص کو جمع کیا جاتا ہے بلکہ ان کے پس منظر، حالات و واقعات، اور اُن عوامل کو بھی واضح کیا جاتا ہے جنہوں نے ادب پر اثر ڈالا۔ گویا یہ علم ادب کے فنی و فکری خصائص، ہر دور کے ادبی ذوق، اور ادیبوں کے انفرادی و اجتماعی کارناموں کو بیان کرتا ہے۔

فوائد: تاریخِ ادبِ عربی پڑھنے کے کئی نمایاں فوائد ہیں: 1۔اس کے ذریعے عربی زبان کی ارتقائی کیفیت اور مختلف ادوار کے اسلوبی فرق معلوم ہوتے ہیں۔ 2۔ ہر دور کے سیاسی، سماجی اور مذہبی اثرات کا ادبی زندگی پر کیا اثر ہوا، یہ واضح ہوتا ہے۔ 3۔مشہور شعراء، ادباء اور خطباء کی زندگی اور کارناموں سے واقفیت حاصل ہوتی ہے۔ 4۔ ہر دور کی ادبی خصوصیات کو پہچاننے کی صلاحیت پیدا ہوتی ہے، مثلاً جاہلی دور میں فصاحت و بلاغت، عباسی دور میں وسعتِ معانی، اور جدید دور میں تجدید و تنوع۔ 5۔طالب علم میں تنقیدی شعور اور تجزیاتی بصیرت پیدا ہوتی ہے، اور اسے یہ سمجھنے میں مدد ملتی ہے کہ ادب محض الفاظ نہیں بلکہ معاشرتی و فکری زندگی کا عکاس ہے۔

عرب کے طبقات:

1- **عربِ بائدہ:** یہ وہ قدیم اقوام ہیں جو اسلام سے بہت پہلے صفحۂ ہستی سے مٹ گئیں۔ ان میں عاد، ثمود، طسم، جدیس وغیرہ شامل ہیں۔ قرآنِ مجید میں ان اقوام کا ذکر مختلف مقامات پر آیا ہے تاکہ ان کے انجام سے عبرت حاصل کی جا سکے۔ ان کی ہلاکت کی وجوہات میں ظلم، سرکشی اور گمراہی شامل ہیں۔

2- **عربِ عاربہ:** ان سے مراد خالص اور اصلی عرب ہیں جو اپنے نسب کے اعتبار سے عرب کہلائے۔ ان کا تعلق قحطانی قبائل سے تھا جو یمن اور اس کے اطراف میں آباد تھے۔ یہ لوگ فصاحت و بلاغت میں بے مثال تھے اور انہیں ہی عربی زبان کے اصل وارث کہا جاتا ہے۔ اسلام سے پہلے ان کی تہذیبی اور ادبی خدمات نے عرب معاشرے میں ایک نمایاں مقام حاصل کیا۔

3- **عربِ مستعربہ:** یہ وہ لوگ تھے جو اصل میں عرب نہ تھے مگر عربوں کے ساتھ رہنے سہنے، زبان و معاشرت میں میل جول اور شادی بیاہ کے تعلقات کی وجہ سے عربی رنگ میں ڈھل گئے۔ ان میں سب

سے نمایاں حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد ہے جو مکہ مکرمہ میں جرہم قبیلے میں آباد ہوئے۔ انہی کی نسل سے نبی اکرم ﷺ کا ظہور ہوا۔ اس طرح عرب مستعربہ نے عربی نسب اور دینی شرف دونوں کو یکجا کیا۔

سوال 5: درج ذیل اجزاء میں سے کسی ایک کا جواب دیں۔ (الف) درج ذیل اشعار پر اعراب لگائیں اور ترجمہ کریں۔

أَعَينَيَّ جودا وَلا تَجمُدا ـــ أَلا تَبكِيانِ لِصَخرِ النَدى

أَلا يا صَخرُ إِن أَبكَيتَ عَيني ـــ لَقَد أَضحَكتَني دَهراً طَويلا .

جواب: أَعَيْنَيَّ جُودا وَلا تَجْمُدا ـــ أَلا تَبْكِيَانِ لِصَخْرِ النَّدَى

ترجمہ: اے میری آنکھو! آنسو بہاؤ اور رکو مت، کیا تم صخرِ کریم پر نہیں روتیں؟

أَلا يَا صَخْرُ إِنْ أَبْكَيْتَ عَيْنِي ـــ لَقَدْ أَضْحَكْتَنِي دَهْرًا طَوِيلًا

ترجمہ: اے صخر! اگر تو نے آج میری آنکھوں کو رلایا ہے تو (یاد رکھ) تو نے مجھے ایک لمبے زمانے تک ہنسایا بھی ہے۔

(ب) سیدہ خنساء رضی اللہ عنہا کے حالات قلمبند کریں۔ نیز ان کی شاعری پر جامع نوٹ کریں۔

جواب: ابتدائی حالات

سیدہ خنساء رضی اللہ عنہا کا اصل نام تماضر بنت عمرو بن الحارث تھا۔ وہ قبیلہ بنو سُلیم سے تعلق رکھتی تھیں۔ ان کی کنیت ام عمرو تھی اور "الخنساء" کے لقب سے مشہور ہوئیں۔ یہ لقب انہیں اپنی ناک کی ساخت کی وجہ سے ملا جو ہرنی کی ناک سے مشابہ تھی۔ جاہلیت کے زمانے ہی میں وہ اپنی شاعری کی وجہ سے عرب کے بڑے بڑے شعرا میں ممتاز مقام رکھتی تھیں۔

اہل خانہ اور جاہلی زندگی

خنساء رضی اللہ عنہا کو اپنے دو بھائیوں، صخر اور معاویہ، سے خاص محبت تھی۔ دونوں ان کے خاندان کے سردار تھے۔ جب دونوں ایک کے بعد ایک فوت ہو گئے تو خنساء رضی اللہ عنہا کو شدید صدمہ پہنچا۔ اس غم نے انہیں شاعری کی طرف اور زیادہ مائل کیا اور انہوں نے بالخصوص اپنے بھائی صخر کی وفات پر بے شمار مرثیے لکھے۔ انہی مراثی نے انہیں جاہلیت کی سب سے مشہور مرثیہ گو شاعرہ بنا دیا۔

قبول اسلام اور بعد کی زندگی

اسلام کے ظہور کے بعد خنساء رضی اللہ عنہا نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر اسلام قبول کیا

آپ ﷺ ان کی شاعری کو سنتے اور ان کے کلام کی فصاحت و بلاغت کی تعریف فرماتے۔ اسلام لانے کے بعد ان کے کلام کا رخ بدل گیا۔ اب وہ دنیاوی غموں میں ڈوبنے کے بجائے صبر و استقامت اور ایمان کی علامت بن گئیں۔

جنگ قادسیہ میں کردار

خنساء رضی اللہ عنہا کے چار بیٹے جنگ قادسیہ میں شریک ہوئے۔ میدان جنگ میں بھیجتے وقت انہوں نے بیٹوں کو نصیحت کی کہ اسلام کی سربلندی کے لیے بہادری سے لڑیں اور پیچھے نہ ہٹیں۔ نتیجہ یہ نکلا کہ سب کے سب شہید ہو گئے۔ جب شہادت کی خبر ملی تو خنساء نے شکوہ یا ماتم کے بجائے اللہ کا شکر ادا کیا اور فرمایا: ''الحمد للہ! میں امید رکھتی ہوں کہ اللہ تعالیٰ مجھے ان کے ساتھ جنت میں جمع کرے گا۔''

شاعری کی خصوصیات

خنساء رضی اللہ عنہا کی شاعری میں سب سے نمایاں چیز رقت، درد اور سچے جذبات کی شدت ہے۔ ان کے مراثی حقیقت نگاری اور اثر آفرینی کی اعلیٰ مثال ہیں۔ وہ اپنے بھائی صخر کو یاد کرتے ہوئے کہتی ہیں: أعينيّ جودا ولا تجمدا۔۔۔ ألا تبكيان لصخر الندى یعنی: اے میری آنکھو! بہتے رہو اور نہ رکو، کیا تم صخر کریم پر نہیں روتیں؟

ان کے کلام کی خصوصیات میں سادہ اور براہِ راست زبان، جذبات کی شدت، مبالغہ آرائی سے گریز اور اثر انگیزی شامل ہیں۔ ان کی شاعری پڑھنے والا قاری ان کے درد اور احساسات کو محسوس کرتا ہے۔

شاعری کے اثرات اور ادبی مقام

سیدہ خنساء رضی اللہ عنہا کو عربی ادب میں مرثیہ گوئی کی بانیوں میں شمار کیا جاتا ہے۔ ان کے کلام نے بعد کے تمام شعراء پر گہرا اثر ڈالا۔ جاہلیت کے بڑے بڑے شعراء جیسے نابغہ ذبیانی اور حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ بھی ان کی شاعری کی تعریف کرتے تھے۔ اسلام کے بعد ان کے کلام میں صبر، ایمان اور آخرت کی فکر جھلکنے لگی، جس سے ان کی شاعری کو ایک نئی روح مل گئی۔ ان کے مراثی آج بھی عربی نصاب اور ادب میں زندہ ہیں اور مرثیہ نگاری میں ان کا مقام سب سے بلند ہے۔ ان کی شخصیت اور کلام اس بات کی دلیل ہیں کہ عورت بھی شعر و ادب کے میدان میں ایسی تخلیق کر سکتی ہے جو ہمیشہ کے لیے یادگار بن جائے۔

سوال 6: درج ذیل عبارت پر اعراب لگائیں، ترجمہ کریں اور مفہوم واضح کریں۔

واهم ما يميزها في هذا العصر عذوبة الفاظها، واسلوبها واقتباسها من القرآن

وانتهاجها منهجه في الارشاد والاقناع، وابتدائها بحمد الله والصلاة على رسوله

جواب: وظل العرب على ما الفوا فى الجاهلية من لوث العمامة واتخاذ المخصرة والوقوف على نشز من الارض والخطبة من قيام الا الوليد بن عبد الملك فانه خطب وهو جالس۔

وَأَهَمُّ مَا يُمَيِّزُهَا فِي هَذَا الْعَصْرِ عُذُوبَةُ أَلْفَاظِهَا، وَأُسْلُوبُهَا، وَاقْتِبَاسُهَا مِنَ الْقُرْآنِ، وَانْتِهَاجُهَا مَنْهَجَهُ فِي الْإِرْشَادِ وَالْإِقْنَاعِ، وَابْتِدَاؤُهَا بِحَمْدِ اللهِ وَالصَّلَاةِ عَلَى رَسُولِهِ.

وَظَلَّ الْعَرَبُ عَلَى مَا أَلِفُوا فِي الْجَاهِلِيَّةِ مِنْ لُبْسِ الْعِمَامَةِ وَاتِّخَاذِ الْمِخْصَرَةِ وَالْوُقُوفِ عَلَى نَشَزٍ مِنَ الْأَرْضِ وَالْخُطْبَةِ مِنْ قِيَامٍ، إِلَّا الْوَلِيدَ بْنَ عَبْدِ الْمَلِكِ فَإِنَّهُ خَطَبَ وَهُوَ جَالِسٌ.

ترجمہ: اس (خطابت) کو اس دور میں سب سے نمایاں کرنے والی بات اس کے الفاظ کی مٹھاس، اس کا انداز، قرآن سے اقتباس، اور ہدایت وقناعت کے لئے قرآن کا منہج اپنانا تھا، نیز اس کا آغاز اللہ کی حمد اور رسول ﷺ پر درود سے ہوتا تھا۔

اور عرب جاہلیت سے چلے آنے والے طریقوں پر قائم رہے، جیسے عمامہ باندھنا، عصا پکڑنا، زمین کے کسی اونچے ٹکڑے پر کھڑا ہونا اور خطبہ کھڑے ہو کر دینا۔ سوائے ولید بن عبد الملک کے، کہ انہوں نے خطبہ بیٹھ کر دیا۔

مفہوم: اسلامی خطابت کی ایک بڑی خوبی یہ تھی کہ اس نے اپنے دور میں الفاظ کے حسن اور بیان کی چاشنی سے سامعین کے دلوں پر گہرا اثر ڈالا۔ خطیب کے کلام میں مٹھاس اور نرمی ہوتی تھی جس سے لوگ متاثر ہوتے۔ اس کے علاوہ خطیب کا اندازِ بیان نہایت سلیس اور موثر ہوتا، جس کے ذریعے وہ سامع کو بات سمجھانے اور قائل کرنے میں کامیاب رہتا۔ ان خطبات کی سب سے نمایاں خصوصیت یہ تھی کہ وہ قرآن مجید سے براہِ راست اقتباسات پیش کرتے۔ اس سے خطبات کو روحانیت اور دین داری کی روشنی ملتی اور سننے والے قرآن کے جلال اور تاثیر کے زیرِ اثر خطیب کی بات ماننے پر آمادہ ہو جاتے۔

اسلامی خطابت میں قرآن کو نہ صرف بطورِ حوالہ استعمال کیا جاتا بلکہ اس کا منہج بھی اپنایا جاتا۔ یعنی نصیحت کا انداز، قائل کرنے کا طریقہ اور حکمت سے بات سمجھانے کا اسلوب قرآن سے لیا جاتا تھا۔ اس وجہ سے

خطبات محض تقریر نہیں بلکہ ایک تعلیمی، تربیتی اور اصلاحی پیغام ہوتے۔ مزید برآں خطبہ ہمیشہ اللہ کی حمد اور رسول اکرم ﷺ پر صلاۃ وسلام سے شروع کیا جاتا، تاکہ سننے والے پہلے اللہ کی یاد اور رسول ﷺ کی محبت میں دل کو منور کریں، پھر اصل نصیحت کو توجہ سے سنیں۔

دوسری طرف یہ بھی حقیقت ہے کہ عرب اپنے جاہلی دور کی کچھ رسموں پر قائم رہے۔ جیسے خطبے کے وقت عمامہ پہننا، ہاتھ میں عصا یا لاٹھی رکھنا، زمین کے کسی اونچے حصے پر کھڑے ہونا اور خطبہ کھڑے ہوکر دینا۔ یہ سب آداب اور علامات ان کے معاشرتی ورثے کا حصہ تھے۔ ان رسوم میں عمومی طور پر کوئی شرعی قباحت نہ تھی، اس لیے یہ اسلامی دور میں بھی جاری رہیں۔ البتہ تاریخ میں ایک خاص استثنا یہ ملتا ہے کہ ولید بن عبد الملک نے خطبہ کھڑے ہوکر دینے کے بجائے بیٹھ کر دیا، جو کہ عرب کے عام اور قدیم رواج کے خلاف تھا۔ اس سے پتا چلتا ہے کہ اگرچہ عادات اور طریقے مضبوطی سے قائم رہتے تھے لیکن کبھی کبھار ان میں تبدیلی بھی ممکن تھی۔

یوں یہ عبارت دو پہلو واضح کرتی ہے: ایک طرف اسلامی خطابت کی دینی، روحانی اور علمی عظمت اور دوسری طرف عرب معاشرتی عادات کی پائیداری۔ خطابت کی دینی خصوصیات نے اسلام کے پیغام کو مضبوطی سے عوام تک پہنچایا جبکہ جاہلی آداب نے خطابت کو ایک مخصوص وقار اور روایتی شان عطا کی۔

حصہ معروضی کل نمبر 28

نوٹ: حصہ معروضی کے تمام سوال لازمی ہیں۔

مفتاح الانشاء

سوال :7 درج ذیل اجزاء میں سے پانچ کے مختصر جواب دیں۔ 10 نمبر

سوال :1 ان کلمات کو عربی میں لکھیں۔

جواب: پوتا الحفید، بھتیجی بنت الاخ، داماد الصھر

سوال :2 فعل متعدی بحرف جر کی تعریف اور مثال ذکر کریں۔

جواب: وہ فعل جو اپنے مفعول کو حرفِ جر کے ذریعے لیتا ہے، فعل متعدی بحرف جر کہلاتا ہے۔ مثال: مررتُ بزیدٍ (میں زید کے پاس سے گزرا)۔

سوال :3 مثال کی وضاحت کریں۔ "المرء کثیر باخوانه"

جواب: ترجمہ: آدمی اپنے بھائیوں (دوستوں) کے ساتھ بہت ہوتا ہے۔

مفہوم: انسان کی طاقت اور عزت تنہا نہیں بلکہ دوستوں اور ساتھیوں کی کثرت سے بڑھتی ہے۔

سوال:4 فتح مکہ کے جزیرۃ العرب پر کیا اثرات مرتب ہوئے۔

جواب: فتح مکہ کے بعد پورے جزیرۃ العرب میں اسلام کا غلبہ قائم ہوا، شرک و بت پرستی کا خاتمہ ہوا، قبائل جوق در جوق اسلام میں داخل ہوئے اور اسلامی ریاست مستحکم ہوگئی۔

سوال:5 ''الفصلۃ المنقوطۃ'' سے کیا مراد ہے؟ وضاحت کریں۔

جواب: ''الفصلۃ المنقوطۃ'' سے مراد ''نکتہ دار وقفہ'' یا سیمی کولن (؛) ہے جو جملوں کے درمیان درمیانی وقفہ ظاہر کرنے کے لیے استعمال ہوتا ہے۔

سوال:6 خلافت اموی کے مؤسس کا نام اور مدت خلافت لکھیں۔

جواب: خلافتِ اموی کے مؤسس امیر معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ ہیں جنہوں نے 41 ہجری میں خلافت سنبھالی اور 60 ہجری تک تقریباً انیس برس خلافت کی، ان کے دور میں سلطنت مستحکم ہوئی اور اسلامی فتوحات کا دائرہ وسیع ہوا۔

سوال:8 درج ذیل میں سے صحیح پر (✓) اور غلط پر (✗) کا نشان لگائیں۔ 4 نمبر

1۔ ''ضاعت ساعتی الیوم'' میں ''ضاعت'' فعل لازم ہے۔ (✓)

2۔ ''نجح ثلاث عشر طالبا'' جملہ صحیح ہے۔ (✗)

3۔ علامہ محمد اقبال رحمہ اللہ پاکستان بننے سے پہلے 1938 میں فوت ہو گئے تھے۔ (✓)

4۔ سیدنا ابراہیم علیہ السلام مکہ مکرمہ میں پیدا ہوئے۔ (✗)

تاریخ ادب العربی

سوال:9 درج ذیل سوالات کے مختصر جواب دیں۔ 10 نمبر

سوال:1 لغت عرب کی تنقیح میں قریش کا کردار واضح کریں۔

جواب: لغتِ عرب کی تنقیح میں قریش کا کردار بنیادی رہا کیونکہ وہ فصاحت و بلاغت میں سب سے اعلیٰ قبیلہ تھا اور قرآن کریم انہی کی زبان میں نازل ہوا۔

سوال:2 ضرب المثل کا ترجمہ اور مفہوم تحریر کریں۔ "انك لا تجنى من الشوك العنب"

جواب: اس کا ترجمہ ہے: تم کانٹوں سے انگور نہیں توڑ سکتے۔ اس کا مفہوم یہ ہے کہ برے ذرائع اور غلط اسباب سے کبھی اچھے اور درست نتائج حاصل نہیں کیے جا سکتے۔

سوال :3 تاریخ الادب العربی کتنے زمانوں پر منقسم ہے۔

جواب : تاریخ الادب العربی بڑے طور پر تین ادوار پر مشتمل ہے: (1) عصرِ جاہلی (2) عصرِ اسلامی (3) عصرِ اموی و عباسی، بعد میں اندلسی اور عثمانی عہد بھی شامل کیے جاتے ہیں۔

سوال :4 حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے مصحف کی نقول تیار کروانے کے لیے کن صحابہ کرام کو منتخب کیا تھا؟ تین کے نام نوٹ کریں۔

جواب : حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے قرآن مجید کی نقول تیار کرنے کے لیے ایک جماعت مقرر کی جس میں نمایاں صحابہ کرام تھے: زید بن ثابت رضی اللہ عنہ، عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ، سعید بن عاص رضی اللہ عنہ اور عبدالرحمن بن حارث رضی اللہ عنہ بن ہشام۔

سوال :5 جریر اور فرزدک میں نمایاں فرق تحریر کریں۔

جواب : جریر کا کلام نرم، سادہ اور لطیف تھا جبکہ فرزدق کا اسلوب سخت، فخریہ اور بعض اوقات فحش گوئی پر مشتمل ہوتا تھا، اسی وجہ سے دونوں کا رنگِ سخن ایک دوسرے سے نمایاں طور پر مختلف تھا۔

سوال :10 درج ذیل میں سے صحیح پر (✔) اور غلط پر (✘) کا نشان لگائیں۔ 4 نمبر

1۔ عربی اشعار کے اوزان کی نشاندہی پہلے پہل خلیل بن احمد نے کی تھی۔ (✔)

2۔ سبع معلقات کے تمام شعراء کا تعلق زمانہ جاہلیت سے ہے۔ (✔)

3۔ حطیئہ کی عمدہ شاعری پر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اسے انعام سے نوازا تھا۔ (✘)

4۔ خلافت اموی تک شعراء کی شاعری لغت میں حجت شمار ہوتی تھی۔ (✔)



السیاسۃ الشرعیۃ 1444ھ/2023 (ضمنی)

حصہ انشائیہ: کل نمبر 72

نوٹ: حصہ انشائیہ سے کوئی سے چار سوال حل کریں۔ ہر سوال کے 18 نمبر ہیں۔

سوال :1 خلافت راشدہ کا نظام حکومت اور اس کے امتیازات پر مدلل نوٹ لکھیں۔

جواب : **ابتدائیہ:** خلافت راشدہ (11ھ تا 40ھ) اسلامی تاریخ کا سنہری دور ہے۔ اس دور میں حکومت کو ذاتی یا موروثی اقتدار کے بجائے امت کی امانت سمجھا گیا۔ خلفائے راشدین نے قرآن وسنت کی روشنی میں ایک ایسا سیاسی اور انتظامی نظام قائم کیا جو انصاف، مشاورت اور عوامی فلاح پر مبنی تھا۔

نظام حکومت: خلافت کا قیام انتخاب اور مشاورت سے ہوتا تھا۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا انتخاب اہلِ حل وعقد نے کیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو وصیت کے ذریعے نامزد کیا گیا لیکن ان کے فیصلے پر صحابہ کی رضامندی بھی شامل تھی۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کا انتخاب بھی شوریٰ کے مشورے سے ہوا۔ اس سے واضح ہوتا ہے کہ خلافت شخصی یا جبری نہیں بلکہ شورائی اور عوامی اعتماد پر مبنی تھی۔

شوریٰ اور مشاورت: اہم ریاستی فیصلے جیسے بیت المال کی تقسیم، فوجی حکمتِ عملی، گورنروں کا تقرر اور عوامی مسائل کا حل مشاورت سے کیا جاتا تھا۔ خلفاء بڑے بڑے صحابہ کی رائے لیتے اور فیصلے اتفاقِ رائے سے کیے جاتے۔

قانون کی بالادستی: خلافت میں قرآن وسنت کو قانون کا سرچشمہ مانا گیا۔ خلیفہ بھی ان قوانین کا پابند ہوتا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اگر دریائے فرات کے کنارے کوئی جانور بھی پیاس سے مر گیا تو اس کا سوال عمر رضی اللہ عنہ سے ہوگا۔ یہ عدل وقانون کی بالادستی کی واضح مثال ہے۔

عدل ومساوات: تمام افراد کو برابر حقوق حاصل تھے۔ کسی قبیلے یا خاندان کو فوقیت حاصل نہ تھی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے مقدمے میں قاضی نے یہودی کے حق میں فیصلہ دیا، جس سے ظاہر ہوا کہ خلیفہ بھی عدالت میں عام شہری کے برابر ہے۔

احتساب و جواب دہی: خلفاء اپنے اعمال کے جواب دہ تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے ان کے لباس پر سوال کیا گیا تو انہوں نے وضاحت کی کہ یہ کپڑا ان کے بیٹے کے حصے کو ملا کر تیار کیا گیا ہے۔ اس رائے

نے حکمران اور عوام کے درمیان اعتماد کو مضبوط کیا۔

خلافتِ راشدہ کے امتیازات: سادگی اور زہد: خلفائے راشدین نے اقتدار کو عیش و عشرت کا ذریعہ نہیں بنایا بلکہ اسے اللہ کی امانت سمجھا۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ خلیفہ بننے کے بعد بھی اپنی معاشی ضروریات کے لیے تجارت کرنا چاہتے تھے مگر صحابہ نے بیت المال سے وظیفہ مقرر کیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا لباس پیوند زدہ ہوتا تھا اور وہ راتوں کو گشت کر کے رعایا کے حالات معلوم کرتے۔ یہ سادہ طرزِ زندگی خلافتِ راشدہ کا نمایاں امتیاز ہے۔

شورائی طرزِ حکومت: خلافت کا اہم پہلو یہ تھا کہ تمام بڑے فیصلے مشورے سے کیے جاتے تھے۔ خلفاء اپنے ساتھیوں کو جمع کرتے اور قرآن و سنت کی روشنی میں بہترین رائے اختیار کرتے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اہلِ شوریٰ کو ہر بڑے معاملے میں شریک کیا۔ اس سے ظاہر ہوا کہ حکمران آمر نہیں بلکہ عوامی نمائندہ تھا۔

عدل و انصاف کا قیام: عدل و انصاف خلافتِ راشدہ کی سب سے بڑی پہچان تھی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور میں قاضی اور گورنر الگ الگ مقرر کیے گئے تاکہ عدلیہ حکومت کے زیر اثر نہ ہو۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ایک مقدمہ جب قاضی کے سامنے آیا تو فیصلہ ایک یہودی کے حق میں ہوا۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ خلیفہ بھی قانون سے بالاتر نہیں تھا۔

احتساب اور جواب دہی: خلفاء نے اپنے آپ کو عوام کے سامنے جواب دہ بنایا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے کپڑوں پر سوال ہوا تو انہوں نے وضاحت دی کہ یہ ان کے بیٹے کے حصے کو ملا کر بنایا گیا۔ اسی طرح حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے خلافت کے آغاز میں اعلان کیا: ''اگر میں درست چلوں تو میری اطاعت کرو اور اگر میں غلطی کروں تو مجھے سیدھا کر دو''۔ یہ طرزِ حکمرانی عوامی اعتماد کی بنیاد تھا۔

قانون کی بالادستی: خلافتِ راشدہ میں قرآن و سنت کو قانون کا سب سے بڑا ماخذ مانا گیا۔ کوئی بھی فیصلہ کتاب و سنت کے خلاف نہ ہوتا۔ خلیفہ سمیت سب لوگ ان قوانین کے پابند تھے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اپنے دور میں قرآن کو ایک مصحف پر جمع کر کے امت کے لیے دستور کی حیثیت دی۔

معاشی عدل اور بیت المال کا نظام: بیت المال کا قیام عوامی فلاح کے لیے تھا۔ آمدنی کے ذرائع میں زکوٰۃ، خراج، عشر اور جزیہ شامل تھے لیکن ان سب کو عوام کی خدمت پر خرچ کیا جاتا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بیت المال سے ہر شہری کے لیے وظیفہ مقرر کیا۔ مفتوحہ علاقوں کی زمینیں فوجیوں میں تقسیم کرنے کے بجائے

بیت المال میں شامل کر کے اجتماعی فلاح کا ذریعہ بنائیں۔

وسعت اور استحکام: خلافتِ راشدہ کے دور میں اسلامی سلطنت بے مثال حد تک وسعت اختیار کر گئی۔ شام، عراق، مصر، ایران اور دیگر علاقے اسلام کے زیرِ نگین آئے۔ اس وسعت کے باوجود وہاں انصاف اور امن قائم رہا، اور مفتوحہ اقوام کو مذہبی آزادی اور جان و مال کا تحفظ ملا۔

دینی و دنیاوی توازن: خلافتِ راشدہ نے دین اور دنیا کو الگ الگ نہیں رکھا بلکہ دونوں کا حسین امتزاج پیش کیا۔ دین کی روح کے مطابق معاشی، عدالتی اور فوجی نظام قائم کیا گیا۔ اس سے امت کو یہ سبق ملا کہ اسلام ایک ہمہ گیر دین ہے جو زندگی کے تمام پہلوؤں کو شامل کرتا ہے۔

سوال 2: اسلام عوام کے مال، جان، عزت، دین اور عقل کی حفاظت کا ذمہ لیتا ہے۔ مع دلائل نوٹ کریں۔

جواب: جان کی حفاظت: اسلام نے انسانی جان کو نہایت قیمتی قرار دیا ہے اور اس کی حرمت کو بنیادی حق بنایا ہے۔ قرآن نے واضح فرمایا: ﴿مَنْ قَتَلَ نَفْسًا بِغَيْرِ نَفْسٍ اَوْ فَسَادٍ فِي الْاَرْضِ فَكَاَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِيْعًا﴾ (المائدہ: 32) یعنی جس نے کسی ایک انسان کو ناحق قتل کیا گویا اس نے پوری انسانیت کو قتل کیا۔ اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ ناحق خون بہانا ایسا جرم ہے جو پورے معاشرے کو تباہ کرتا ہے۔ اسی مقصد کے لیے اسلام نے قصاص کا قانون مقرر کیا تاکہ ہر شخص کی جان محفوظ رہے۔ رسول اللہ ﷺ نے حجۃ الوداع کے خطبہ میں اعلان فرمایا: ''تمہارا خون، تمہارا مال اور تمہاری عزت ایک دوسرے پر اسی طرح حرام ہے جس طرح آج کا دن اور یہ مہینہ اور یہ شہر حرام ہے'' (صحیح بخاری)۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اسلام نے جان کے تحفظ کو بنیادی مقاصدِ شریعت میں شامل کیا ہے۔

مال کی حفاظت: مال انسان کی محنت اور ضرورت کا نتیجہ ہے، اسی لیے اسلام نے اس کی حفاظت کو لازمی قرار دیا ہے۔ قرآن نے حکم دیا: ﴿وَلَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ﴾ (البقرہ: 188) یعنی آپس میں ایک دوسرے کا مال ناحق نہ کھاؤ۔ اس کے ساتھ چوری کرنے والوں کے لیے حد مقرر کی گئی تاکہ کوئی دوسرے کے مال پر ناحق قبضہ نہ کرے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''تمہارے مال تم پر اسی طرح حرام ہیں جس طرح تمہاری جانیں اور عزتیں'' (صحیح مسلم)۔ یہاں واضح ہے کہ اسلام نے مال کی حفاظت کو دینی فریضہ قرار دیا ہے اور حلال روزی کمانے کو عبادت کا درجہ دیا ہے، جبکہ سود، رشوت اور دھوکہ دہی کو حرام قرار دے کر مال کے ضیاع اور ناجائز طریقوں کو روکا۔

عزت کی حفاظت: اسلام نے عزت و آبرو کی حفاظت کو ہر فرد کا حق قرار دیا۔ قرآن کہتا ہے: ﴿

﴿الَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَ الْمُؤْمِنٰتِ بِغَيْرِ مَا اكْتَسَبُوْا فَقَدِ احْتَمَلُوْا بُهْتَانًا وَّ اِثْمًا مُّبِيْنًا﴾ (الأحزاب: 58) یعنی جو لوگ مومن مردوں اور عورتوں کو بلا وجہ اذیت دیتے ہیں وہ بہتان اور کھلے گناہ کے مرتکب ہوتے ہیں۔ اسلام نے زنا، قذف اور غیبت جیسے گناہوں پر سخت سزائیں مقرر کیں تاکہ معاشرے میں کسی کی عزت پامال نہ ہو۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے دوسرے مسلمان محفوظ رہیں'' (صحیح بخاری)۔ اس سے معلوم ہوا کہ اسلام نہ صرف عزت پر حملہ کو حرام کرتا ہے بلکہ زبان سے کسی کی عزت گھٹانے کو بھی ناقابلِ معافی جرم قرار دیتا ہے۔

دین کی حفاظت: اسلام نے دین کے تحفظ کو اولین ترجیح دی ہے کیونکہ یہی انسان کی نجات کا ذریعہ ہے۔ قرآن نے فرمایا: ﴿وَ مَنْ يَّبْتَغِ غَيْرَ الْاِسْلَامِ دِيْنًا فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْهُ ۚ وَ هُوَ فِي الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ﴾ (آل عمران: 85) یعنی جو اسلام کے علاوہ کوئی اور دین تلاش کرے وہ اس سے قبول نہ کیا جائے گا اور آخرت میں نقصان اٹھائے گا۔ اسی لیے اسلام نے ارتداد اور دین سے بغاوت کو جرم قرار دیا تاکہ معاشرے میں دین کی بقا ممکن ہو۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''میں تمہارے درمیان دو چیزیں چھوڑ کر جا رہا ہوں، جب تک انہیں مضبوطی سے تھامے رہو گے ہرگز گمراہ نہ ہو گے: اللہ کی کتاب اور میری سنت'' (موطا امام مالک)۔ اس سے ظاہر ہوا کہ دین کی حفاظت کے بغیر معاشرے کی روح باقی نہیں رہتی۔

عقل کی حفاظت: عقل اللہ تعالیٰ کی عظیم نعمت ہے جس سے انسان حق اور باطل میں فرق کرتا ہے۔ اسی لیے اسلام نے عقل کو مٹانے والی تمام چیزوں کو حرام قرار دیا۔ قرآن نے فرمایا: ﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِنَّمَا الْخَمْرُ وَ الْمَيْسِرُ وَ الْاَنْصَابُ وَ الْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ فَاجْتَنِبُوْهُ﴾ (المائدہ: 90) یعنی اے ایمان والو! شراب، جوا، بت اور پانسے سب شیطانی گندے کام ہیں، پس ان سے بچو۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''ہر نشہ آور چیز حرام ہے'' (صحیح مسلم)۔ عقل کی حفاظت کے لیے اسلام نے نشہ آور اشیاء کو ناجائز قرار دے کر نہ صرف فرد کی صلاحیت محفوظ کی بلکہ پورے معاشرے کو اخلاقی بگاڑ سے بچایا۔

نتیجہ: اسلام نے انسان کی جان، مال، عزت، دین اور عقل کی حفاظت کو اپنی شریعت کے بنیادی مقاصد قرار دیا ہے۔ ان پانچ اصولوں کی روشنی میں معلوم ہوتا ہے کہ اسلام ایک مکمل اور ہمہ گیر دین ہے جو انسان کی دنیاوی اور دینی فلاح دونوں کا ضامن ہے۔

سوال 3: عدالت کی آزادی اور عدل کی اہمیت پر جامع نوٹ لکھیں۔

جواب ابتدائیہ: انسانی معاشرہ امن، انصاف اور مساوات پر قائم رہتا ہے۔ اگر عدل ختم ہو جائے تو

ان کے اعمال کی سزا ملتی ہے۔

کیا یہ آیت منسوخ ہے یا محکم؟ یہ آیت محکم ہے، منسوخ نہیں ہے۔

وجوہات: 1۔ عمومی اور دائمی احکام: یہ آیت جنگ کے عمومی اور دائمی قواعد وضوابط بیان کرتی ہے قیدیوں کے ساتھ سلوک کا طریقہ کار۔ یہ احکام وقت اور حالات کے ساتھ بدلتے رہتے ہیں اور انحصار مسلمان حکمران کی مصلحت اور فیصلے پر ہوتا ہے۔ قیدیوں کو رہا کرنا یا فدیہ لینا دونوں اختیارات بھی موجود ہیں۔ 2۔ ناسخ آیت کی عدم موجودگی: کسی ایسی واضح اور قطعی آیت یا صحیح حدیث کا ثبوت ہے جو اس آیت کے حکم کو منسوخ کرتی ہو۔

سوال 4: واقعہ افک تفصیل سے تحریر کریں نیز دوران واقعہ پیش آمدہ احکام ومسائل پر بھی مختصر نوٹ لکھیں۔

جواب: واقعہ افک: ایک تفصیلی جائزہ

واقعہ افک رسول اللہ ﷺ کے دور میں پیش آنے والا ایک انتہائی افسوسناک اور آزمائش سے پُر واقعہ تھا، جس میں ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پر تہمت لگائی گئی۔ یہ واقعہ بنی مصطلق سے (5 ہجری) سے واپسی کے دوران پیش آیا۔

واقعے کا خلاصہ: سفر سے واپسی کے دوران ایک پڑاؤ کے موقع پر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ہار گم ہونے کی وجہ سے اُسے تلاش کرنے کے لیے لشکر گاہ سے کچھ دور چلی گئیں۔ جب وہ واپس آئیں تو لشکر کوچ کر چکا تھا، کیونکہ انہیں اونٹ کی پالان میں سمجھا گیا تھا (جو اس وقت عورتوں کے لیے بنا محمل یا ہودج ہوا کرتا تھا)۔ ان کی غیر موجودگی کا احساس نہ ہوسکا۔ انہوں نے واپسی تک وہیں انتظار کیا ادھر لشکر کے پہنچنے پر ان کی غیر موجودگی کا پتہ چلا۔ اتنے میں ایک صحابی حضرت صفوان بن معطل رضی اللہ عنہ جو لشکر کے پیچھے رہ گئے تھے، وہاں پہنچے۔ انہوں نے حضرت عائشہ کو پہچان لیا اور اپنے اونٹ پر بٹھا کر لشکر میں پہنچا دیا۔

تہمت اور ردعمل: اس منظر کو دیکھ کر منافقین کے سردار عبداللہ بن ابی بن سلول نے تہمت لگا کر بنیاد ڈالی۔ اس کے بعد یہ بات پورے شہر میں آگ کی طرح پھیل گئی۔ اس واقعے نے پورے مدینہ کو ہلا کر رکھ دیا۔

☐ رسول اللہ ﷺ پر یہ انتہائی صدمہ اور پریشانی طاری ہوگئی۔ آپ ﷺ نے لوگوں سے دریافت فرمایا

اور مسجد نبوی میں منبر پر کھڑے ہو کر حضرت عائشہ کے بارے میں برأت کا اعلان فرمایا۔

▮ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اس تہمت سے بالکل بے خبر تھیں۔ جب انہیں پتہ چلا تو وہ سخت بیمار پڑ گئیں اور انتہائی رنج و غم میں ڈوب گئیں۔

▮ حضرت علی اور حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما جیسے جلیل القدر صحابہ نے بھی اس معاملے میں احتیاط کا اظہار کیا۔

▮ حضرت صفوان بن معطل رضی اللہ عنہ پر بھی تہمت لگی، حالانکہ وہ ایک نیک اور متقی شخص تھے۔

▮ حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ اور ان کی اہلیہ نے حضرت عائشہ کے دفاع میں بہترین کردار ادا کیا۔

اللہ کی طرف سے برأت:

ایک مہینے تک یہ معاملہ جاری رہا۔ آخر کار اللہ تعالیٰ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی پاک دامنی اور برأت میں قرآن مجید کی آیات نازل فرمائیں۔

﴿إِنَّ الَّذِينَ جَاءُوا بِالْإِفْكِ عُصْبَةٌ مِّنكُمْ ۚ لَا تَحْسَبُوهُ شَرًّا لَّكُم ۖ بَلْ هُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۚ لِكُلِّ امْرِئٍ مِّنْهُم مَّا اكْتَسَبَ مِنَ الْإِثْمِ ۚ وَالَّذِي تَوَلَّىٰ كِبْرَهُ مِنْهُمْ لَهُ عَذَابٌ عَظِيمٌ ﴿١١﴾﴾ (سورہ النور، 11:24)

ترجمہ: ''بے شک وہ لوگ جو اس جھوٹی بہتان تراشی کے ساتھ آئے ہیں تمہاری ہی (جماعت) کا ایک گروہ ہے، تم اسے اپنے لیے برا نہ سمجھو بلکہ وہ تمہارے لیے بھلائی ہے۔ ان میں سے ہر ایک شخص کے لیے وہ (گناہ) ہے جو اس نے کمایا، اور ان میں سے جس شخص نے اس (جرم) کا بڑا حصہ اٹھایا ہے اس کے لیے بہت بڑا عذاب ہے۔''

اس کے بعد کی آیات میں اللہ تعالیٰ نے تہمت لگانے والوں کے لیے سخت وعید بیان فرمائی اور ایمان والوں کو ایسے کاموں سے روکا۔

واقعہ افک سے متعلقہ احکام و مسائل (مختصر اور جامع نوٹ)

1. **قذف کی سزا:** اس واقعے کے بعد ہی قذف (کسی پاک دامن عورت یا مرد پر زنا کی تہمت لگانے) کی سزا مقرر ہوئی۔ قرآن مجید میں ارشاد ہے:

﴿وَالَّذِينَ يَرْمُونَ الْمُحْصَنَاتِ ثُمَّ لَمْ يَأْتُوا بِأَرْبَعَةِ شُهَدَاءَ فَاجْلِدُوهُمْ ثَمَانِينَ جَلْدَةً وَلَا تَقْبَلُوا لَهُمْ شَهَادَةً أَبَدًا ۚ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْفَاسِقُونَ ﴿٤﴾﴾ (سورہ النور، 4:24)

ترجمہ: ''اور جو لوگ پاک دامن عورتوں پر (زنا کی) تہمت لگائیں پھر چار گواہ پیش نہ کر سکیں تو انہیں اسی (80) کوڑے مارو اور کبھی ان کی گواہی قبول نہ کرو، اور یہی لوگ فاسق ہیں۔''

2. **چغل خوری اور گمان سے پرہیز:** واقعہ افک میں منافقین اور بعض مسلمانوں نے محض گمان اور قیاس آرائیوں کے ذریعے بات کو پھیلایا۔ قرآن مجید نے اس پر سخت مذمت فرمائی:

﴿ يَآيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اجْتَنِبُوْا كَثِيْرًا مِّنَ الظَّنِّ ۫ اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ وَّلَا تَجَسَّسُوْا وَلَا يَغْتَبْ بَّعْضُكُمْ بَعْضًا... ﴾ (سورہ الحجرات، 12:49)

ترجمہ: ''اے ایمان والو! بہت سے گمانوں سے بچو، بے شک بعض گمان گناہ ہوتے ہیں اور (دوسروں کے عیبوں کی) ٹوہ میں نہ لگے رہو اور نہ ہی تم میں سے کوئی کسی کی غیبت کرے...''

3. **گواہی کا معیار:** کسی پر بھی ایسا سنگین الزام لگانے کے لیے چار عینی گواہوں کی موجودگی ضروری ہے، ورنہ الزام لگانے والا خود سزا کا مستحق ہوگا۔ یہ قانون معاشرے میں بے بنیاد accusations / روکنے کے لیے ایک مضبوط رکاوٹ ہے۔

4. **عورت کی عزت و آبرو:** اسلام میں عورت کی عزت و آبرو کو انتہائی اہمیت دی گئی ہے۔ کسی بھی پاک دامن خاتون پر بے بنیاد الزام لگانا اسلام میں نہایت سنگین جرم ہے۔

5. **صداقت کی آزمائش:** یہ واقعہ اہل ایمان کے لیے ایک امتحان تھا، جس میں سے سچے مومن اور منافق دونوں ہی الگ الگ نظر آئے۔ اللہ تعالیٰ نے اسے مومنین کے لیے خیر قرار دیا، کیونکہ اس کے نتیجے میں اہم شرعی قوانین نافذ ہوئے اور حق و باطل کی واضح تقسیم ہوگئی۔

خلاصہ: واقعہ افک ایک تکلیف دہ واقعہ تھا، جس سے اسلامی قانون کے چند انتہائی اہم اور بنیادی احکام (جیسے قذف کی سزا، گواہی کے تقاضے، غیبت اور گمان کی حرمت) مستنبط ہوئے اور یہ ہمیشہ کے لیے مسلم معاشروں کے لیے ایک رہنما اصول اور تنبیہ بن گیا۔

اصول التفسیر

نوٹ: حصہ انشائیہ اصول تفسیر سے کوئی سے دو سوال حل کریں۔ ہر سوال کے 14 نمبر ہیں۔

سوال :5 قرآن کریم میں مذکور علوم خمسہ کے نام لکھ کر علم الجدل کی وضاحت کریں۔

جواب: شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ کی عظیم کتاب ''الفوز الکبیر فی اصول التفسیر'' میں قرآن کریم کے علوم کو پانچ اقسام (علوم خمسہ) میں تقسیم کیا گیا ہے۔ یہ تقسیم درحقیقت قرآن مجید کے مضامین اور اسلوب بیان کو سمجھنے کی ایک عظیم کڑی ہے۔

قرآن کریم میں مذکور علوم خمسہ حسب ذیل ہیں: 1. علم الاحکام: اس میں حلال و حرام، فرائض و واجبات،

معاملات اور دیگر شرعی احکام شامل ہیں۔ 2.علم الجدل: اس میں انبیاء اور امم سابقہ کے واقعات، ان کی قوموں کے ساتھ ہونے والے مکالمات اور عقلی و نقلی دلائل کے ذریعے حق کو ثابت کرنا شامل ہے۔ 3.علم التذکیر بآیات اللہ: اس میں توحید، آخرت، جنت و دوزخ، اللہ کی قدرت اور نشانیوں کے ذکر کے ذریعے لوگوں کے دلوں میں خشیت وللٰہیت پیدا کرنا شامل ہے۔ 4.علم التذکیر بایام اللہ: اس میں گذشتہ اقوام پر اللہ کے عذاب اور ان کی ہلاکت کے واقعات بیان کیے گئے ہیں تاکہ لوگ عبرت حاصل کریں۔ 5.علم التذکیر بالموت و ما بعدہ: اس میں موت، قبر، حشر نشر، حساب کتاب اور آخرت کے حالات کا تذکرہ شامل ہے تاکہ دنیا کی فانی زندگی سے بے اعتنائی اور آخرت کی تیاری کی طرف رغبت دلائی جائے۔

علم الجدل کی وضاحت: شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ کے نزدیک ''علم الجدل'' قرآن مجید کا ایک اہم علم ہے جس کا مقصد حق کو باطل پر غالب کرنا اور شکوک وشبہات کا ازالہ کرنا ہے۔ اس علم کی چند نمایاں خصوصیات حسبِ ذیل ہیں: 1.تعریف: علم الجدل سے مراد وہ علم ہے جس میں مناظرہ اور بحث و مباحثہ کے طریقے سے حقائق کو واضح کیا جاتا ہے۔ اس میں مخالفین کے اعتراضات کے جوابات دیے جاتے ہیں اور ان کے شکوک وشبہات کا مدلل اور عقلی انداز میں رد کیا جاتا ہے۔ 2۔مقصد: اس کا بنیادی مقصد توحید و رسالت جیسے بنیادی عقائد کو ثابت کرنا، شرک و کفر کے باطل ہونے پر دلائل پیش کرنا اور اہلِ باطل کے اعتراضات کا دندان شکن جواب دینا ہے۔ 3.طریقہ کار: قرآن مجید میں علم الجدل درج ذیل انداز میں پیش کیا گیا ہے: 4۔مخالفین کے اعتراضات کو نقل کرنا۔ پھر ان کا منطقی اور عقلی جواب دینا۔ٹھوس دلائل اور براہِ قاطع کے ذریعے حق کو واضح کرنا۔ بعض اوقات سوال و جواب کے اسلوب کو اپنایا جاتا ہے۔ 5۔ مثالیں: قرآن مجید میں علم الجدل کی بہترین مثالیں موجود ہیں، جیسے: سورۃ البقرہ میں یہودیوں کے اعتراضات کے جوابات۔ سورۃ الانعام میں مشرکینِ مکہ کے شرکیہ عقائد کی تردید۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا نمرود کے ساتھ اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کا فرعون کے ساتھ مناظرہ۔ ''أَصْطَنَعْتُكَ مِنْ طِينٍ'' (کیا میں نے تمہیں مٹی سے پیدا نہیں کیا؟) جیسے فقرات میں مخالفین کو انہی کے دلائل سے جواب دینا۔ 6۔ افادیت: شاہ صاحب رحمہ اللہ کے نزدیک یہ علم اس لیے نہایت اہم ہے کہ یہ مومن کے ایمان کو مضبوط کرتا ہے اور اسے ہر دور کے جدید اور پرانے شکوک وشبہات کا مقابلہ کرنے کی صلاحیت فراہم کرتا ہے۔

علم الجدل کے مخاطبین کے گروہ: 1۔ مشرکینِ عرب: یہ وہ لوگ تھے جو بت پرستی میں غرق تھے اور توحید کے سب سے بڑے منکر تھے۔ ان کے ساتھ جدل کا انداز مختلف تھا۔ قرآن نے انہیں

ان کی عقل سے مخاطب کیا، ان کے باطل عقائد (بتوں کو فائدہ پہنچانے والا سمجھنا، فرشتوں کو اللہ کی بیٹیاں کہنا وغیرہ) کی تضحیک کی اور انہیں توحید کی طرف دعوت دی۔ مثال: سورۃ الانعام میں شرک کی تردید، سورۃ الحج میں بتوں کی بے بسی پر دلائل۔

2۔ **منافقین:** یہ وہ گروہ تھا جو ظاہر میں اسلام کا دعویٰ کرتا تھا لیکن باطن میں کفر رکھتا تھا۔ ان کے ساتھ جدل کا طریقہ کار نرم نہیں بلکہ سخت اور بے نقاب کرنے والا تھا۔ قرآن مجید نے ان کی نفاق کی علامات، ان کے شریرانہ ارادوں اور منافقت پر مبنی اعتراضات کا پردہ چاک کیا۔ مثال: سورۃ البقرہ (آیت 8 سے 20) اور سورۃ التوبہ میں منافقین کے کردار اور اعمال کی واضح نشاندہی

3۔ **یہود (بنی اسرائیل) کے ساتھ جدل کا اسلوب:** شاہ صاحب کے مطابق، قرآن مجید نے یہود کے ساتھ جدل میں ان کی اپنی مقدس کتاب (تورات) اور ان کے اپنے پیغمبروں کے حوالوں کو بنیاد بنایا ہے، کیونکہ وہ تورات اور انبیاء بنی اسرائیل کو مانتے تھے۔

اہم نکات: ان کی اپنی کتاب سے حجت: قرآن نے انہیں تورات کی ان prophecies اور تعلیمات کی طرف متوجہ کیا جو حضرت محمد ﷺ کے ظہور یا ان کے اپنے اعمال کی مذمت پر دلالت کرتی تھیں۔ مثال: سورۃ البقرہ (آیت 40-42) میں ارشاد ہے: ﴿وَاٰمِنُوْا بِمَآ اَنْزَلْتُ مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَكُمْ وَلَا تَكُوْنُوْٓا اَوَّلَ كَافِرٍۢ بِهٖ...﴾ (اور اس (قرآن) پر ایمان لاؤ جو میں نے نازل کیا ہے، جو اس (تورات) کی تصدیق کرنے والا ہے جو تمہارے پاس ہے... اور تم اس کے سب سے پہلے منکر نہ بن جاؤ)۔ یہ انہیں ان کے الفاظ سے مخاطب کرنا ہے۔ ان کے تاریخی جرائم کی یاددہانی: قرآن نے ان پر ان کے تاریخی جرائم (جمعہ کے دن مچھلی پکڑنے کے لیے احکام کی خلاف ورزی، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو قتل کرنے کی کوشش، انبیاء کا قتل) کو یاد دلایا تاکہ ان کی moral authority کو challenge کیا جائے۔ ان کے خبث باطن کو بے نقاب کرنا: ان کے بارے میں قرآن کا جدلیاتی انداز کافی سخت ہے، کیونکہ انہوں نے جان بوجھ کر حق کو چھپایا اور اسے ماننے سے انکار کیا۔

4۔ **نصاریٰ (عیسائیوں) کے ساتھ جدل کا اسلوب:** نصاریٰ کے ساتھ جدل کا محور عقیدہ ''تثلیث'' (Trinity) اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بشریت والوہیت کا مسئلہ تھا۔ ان کے ساتھ استدلال کا انداز زیادہ تر عقلی اور فطری ہے۔

اہم نکات: عقلی استدلال: قرآن نے انہیں عقل وفطرت کے دلائل دے کر سمجھانے کی کوشش

کی کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ کے بندے اور رسول ہیں، نہ کہ خدا یا اس کا بیٹا۔ مثال: سورۃ آل عمران (آیت 59) میں ارشاد ہے: ﴿إِنَّ مَثَلَ عِيسَىٰ عِندَ اللَّهِ كَمَثَلِ آدَمَ ۖ خَلَقَهُ مِن تُرَابٍ ثُمَّ قَالَ لَهُ كُن فَيَكُونُ﴾ (بے شک عیسیٰ کی مثال اللہ کے نزدیک آدم کی سی ہے، اسے مٹی سے بنایا پھر اسے کہا: ہو جا، سو وہ ہو گیا)۔ یہ ایک قاطع عقلی دلیل ہے کہ جس طرح آدم علیہ السلام بلا باپ پیدا ہوئے مگر خدا نہیں ہیں، اسی طرح عیسیٰ علیہ السلام بلا باپ پیدا ہوئے مگر خدا نہیں ہیں۔ انجیل کی تصدیق: یہود کی طرح، نصاریٰ کو بھی ان کی اپنی کتاب (انجیل) میں موجود حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے اقوال (مثلاً وہ اپنے آپ کو خدا نہیں بلکہ رسول کہتے تھے) کی طرف توجہ دلائی گئی۔ نرم اور دوستانہ خطاب: نوٹ کریں کہ قرآن مجید میں عیسائیوں کے ساتھ خطاب کا انداز یہود کے مقابلے میں طور پر نرم اور دوستانہ ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿لَتَجِدَنَّ أَشَدَّ النَّاسِ عَدَاوَةً لِّلَّذِينَ آمَنُوا الْيَهُودَ وَالَّذِينَ أَشْرَكُوا ۖ وَلَتَجِدَنَّ أَقْرَبَهُم مَّوَدَّةً لِّلَّذِينَ آمَنُوا الَّذِينَ قَالُوا إِنَّا نَصَارَىٰ ...﴾ (سورۃ المائدہ: 82) (آپ ایمان والوں کے لیے سب سے بڑے دشمن یہود اور مشرکین کو پائیں گے، اور ان سے قریب تر محبت رکھنے والے آپ انہیں پائیں گے، اس لیے ان کے ساتھ استدلال میں اکثر ''یا اہل الکتاب'' جیسے الفاظ استعمال ہوئے ہیں۔

سوال 6: نسخ کی لغوی و اصطلاحی تعریف اور متقدمین و متاخرین کے ہاں نسخ کے مفہوم میں فرق لکھ کر دونوں کے ہاں منسوخ آیات کی تعداد بتائیں۔

جواب: **نسخ کی تعریف:** لغوی طور پر ''نسخ'' کے معنی مٹانے، زائل کرنے اور ایک چیز کو دوسری سے بدلنے کے آتے ہیں۔ اصطلاح میں نسخ سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی سابقہ حکم کو منسوخ کر کے اس کی جگہ دوسرا حکم نازل فرمائے یا اس کے عمل کو ختم کر دے۔ قرآن مجید کی تفسیر میں نسخ کا تصور شروع سے موجود ہے، تاہم مفسرین کے ہاں اس کے مفہوم میں اختلاف پایا جاتا ہے۔

متقدمین و متاخرین کے درمیان فرق: متقدمین کے نزدیک نسخ کا دائرہ بہت وسیع تھا۔ وہ ہر اس آیت کو جس میں تخصیص، تقیید، استثناء یا تدریجی تبدیلی پائی جاتی تھی، ''منسوخ'' کے دائرے میں لے آتے تھے۔ اس وجہ سے ان کے نزدیک منسوخ آیات کی تعداد دو سو سے زائد بیان کی گئی ہے۔ دوسری طرف متاخرین نے اس اصطلاح کو زیادہ محدود کیا اور وضاحت کی کہ صرف وہی آیات حقیقتاً منسوخ ہیں جن کے حکم کو اللہ تعالیٰ نے مکمل طور پر ختم کر کے دوسرا حکم نازل کیا ہو۔

شاہ ولی اللہ دہلوی رحمہ اللہ نے اپنی مشہور کتاب الفوز الکبیر فی اصول التفسیر میں اس اختلاف کو بڑی وضاحت

سے بیان کیا ہے۔ ان کے مطابق متقدمین نے وسعتِ معنی کی وجہ سے متعدد آیات کو منسوخ قرار د
حالانکہ حقیقت میں وہ صرف مخصص یا مؤوّل تھیں۔ اس کے برعکس متاخرین نے حقیقت نسخ کو محدود
منسوخ آیات کی تعداد صرف چند تک کر دی۔ شاہ صاحب کے نزدیک قرآن مجید میں حقیقی نسخ کی مثا
بہت قلیل ہیں اور وہ زیادہ سے زیادہ پانچ آیات ہیں۔ جبکہ امام سیوطی کے نزدیک منسوخ آیات کی تع
20 ہے۔

یوں کہا جا سکتا ہے کہ متقدمین نے نسخ کو عام مفہوم میں استعمال کیا اور اس کی تعداد دو سو سے زائد شمار ک
جبکہ متاخرین نے اس کو خاص مفہوم میں لیا اور ان کے نزدیک حقیقی منسوخ آیات کی تعداد پانچ تک محد
ہوگئی۔ یہی وہ راجح موقف ہے جسے شاہ ولی اللہ دہلوی رحمہ اللہ نے اختیار کیا۔

سوال :7 کلام کا مقصود سمجھنے میں پیش آمدہ مشکلات کے پانچ اسباب تحریر کریں۔

جواب : 1۔ **زبان اور اسلوب سے ناواقفیت**: قرآن عربی فصیح کے اعلیٰ محاورے میں نازل ہو
ہے۔ اگر قاری لغت اور بلاغت سے ناواقف ہو تو معنی میں غلطی کرے گا۔

مثال: ﴿وَسْئَلِ الْقَرْيَةَ﴾ (یوسف: 82) کا مطلب ''بستی سے سوال کرو'' نہیں بلکہ ''بستی والوں س
سوال کرو'' ہے۔

2۔ **شان نزول سے غفلت**: آیات مخصوص حالات اور واقعات میں نازل ہوئیں۔ اگر پس منظر
دیکھا جائے تو مطلب غلط سمجھا جائے گا۔

مثال: سورہ بقرہ کی آیت ﴿لَيْسَ الْبِرَّ أَنْ تُوَلُّوا وُجُوهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ﴾ (بقرہ: 177)
صحیح مفہوم اسی وقت واضح ہوتا ہے جب قبلہ کی تبدیلی کے واقعہ کو مدنظر رکھا جائے۔

3۔ **متشابہ آیات میں الجھ جانا**: بعض آیات میں احتمالات پائے جاتے ہیں، ان پر ظاہری مع
لینا مقصود کے خلاف ہوتا ہے۔ مثال: ﴿الرَّحْمٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰى﴾ (طٰہٰ: 5) کو اگر مجازی اور تاویلی
معنی کے بجائے جسمانی استواء پر محمول کیا جائے تو عقیدے میں غلطی پیدا ہوگی۔

4۔ **نسخ و تخصیص سے ناواقفیت**: قرآن میں بعض ابتدائی احکام بعد میں منسوخ یا مخصوص
ہو گئے۔ اگر ان اصولوں کا علم نہ ہو تو تضاد محسوس ہوگا۔

مثال: ﴿وَالَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُوْنَ أَزْوَاجًا يَّتَرَبَّصْنَ بِأَنْفُسِهِنَّ أَرْبَعَةَ أَشْهُرٍ وَّعَشْرًا﴾
(بقرہ: 234) کی عدتِ وفات بعد میں چار ماہ دس دن پر منسوخ ہوگئی۔

5. **فرقِ مراتب اور تدریج کو نظر انداز کرنا:** قرآن کے احکام تدریج کے ساتھ نازل ہوئے۔ اگر ان کی ترتیب اور مراتب کو نہ سمجھا جائے تو مقصد فوت ہو جاتا ہے۔

مثال: شراب کی حرمت پہلے ﴿لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ وَ اَنْتُمْ سُكٰرٰى﴾ (النساء: 43) کی شکل میں جزوی طور پر آئی، پھر مکمل طور پر ﴿فَاجْتَنِبُوْهُ﴾ (المائدہ: 90) کے ذریعے حرام قرار دی گئی۔

حصہ معروضی کل نمبر 30

نوٹ: حصہ معروضی کے تمام سوال لازمی ہیں۔

التفسیر

سوال 8: درج ذیل کے مختصر جواب دیں۔ 10 نمبر

سوال 1: مکی و مدنی سورتوں کی تعریف لکھیں۔

جواب: مکی سورتیں: وہ سورتیں جو ہجرتِ مدینہ سے پہلے نازل ہوئیں۔ ان کا بنیادی موضوع توحید، رسالت، آخرت، اور بنیادی اخلاقی تعلیمات ہیں۔ مدنی سورتیں: وہ سورتیں جو ہجرت کے بعد مدینہ منورہ میں نازل ہوئیں۔ ان میں زیادہ تر احکامات، معاشرتی قوانین، جہاد اور فرائض وعبادات کے مسائل بیان ہوئے ہیں۔

سوال 2: ﴿اِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِيْنًا﴾ کا ترجمہ لکھ کر بتائیں اس آیت سے کیا مراد ہے؟

جواب: ترجمہ: بے شک ہم نے آپ کے لیے کھلی فتح کر دی۔

مراد: اس آیت (سورہ الفتح: 1) سے مراد صلح حدیبیہ ہے جو ظاہری طور پر مسلمانوں کے لیے کچھ سخت شرائط پر مشتمل تھی، لیکن درحقیقت یہ اسلام کی آئندہ عظیم تر فتوحات کی بنیاد اور کھلی کامیابی ثابت ہوئی۔

سوال 3: لعان کا طریقہ تحریر کریں۔

جواب: لعان کا طریقہ کار حسب ذیل ہے: شوہر حاکمِ شرع کے سامنے چار بار گواہی دے کر یہ کہے کہ "وہ اپنی بیوی کے بارے میں الزامِ زنا میں سچا ہے۔" پانچویں بار یہ کہے کہ "اگر وہ جھوٹا ہے تو اس پر اللہ کی لعنت ہو۔" پھر بیوی چار بار گواہی دے کر کہے کہ "وہ اس الزام سے پاک ہے۔" پانچویں بار یہ کہے کہ "اگر اس کا شوہر سچا ہے تو اس پر اللہ کا غضب ہو۔" اس کے بعد دونوں میں علیحدگی ہو جاتی ہے۔

سوال 4: ترجمہ ومفہوم لکھیں۔ ﴿وَمَنْ لَّمْ يَجْعَلِ اللّٰهُ لَهٗ نُوْرًا فَمَا لَهٗ مِنْ نُّوْرٍ﴾

جواب: ترجمہ: "اور جس کے لیے اللہ نور نہ بنائے اس کے لیے کوئی نور نہیں ہے۔"

مفہوم: اس آیت (سورہ النور: 40) سے مراد یہ ہے کہ ہدایت اور ایمان کا نور صرف اللہ تعالیٰ کی جانب سے ملتا ہے۔ جس شخص کو اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے ایمان، معرفت اور عمل صالح کی روشنی عطا نہ فرمائے، اس کے پاس کبھی بھی حقیقی روشنی اور نجات پانے کا کوئی ذریعہ نہیں ہوسکتا۔

سوال :5 ﴿وَ اِذْ تَقُوْلُ لِلَّذِیْۤ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَیْهِ وَ اَنْعَمْتَ عَلَیْهِ﴾ کون سے صحابی مراد ہیں؟

جواب: اس آیت (سورہ الاحزاب: 37) میں جن دو افراد پر اللہ اور اس کے رسول کے انعام کی بات کی گئی ہے، وہ یہ ہیں: ''جس پر اللہ نے انعام کیا'' سے مراد حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ ہیں جنہیں اللہ نے اسلام کی نعمت سے نوازا۔'' اور جس پر آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے انعام کیا'' سے بھی مراد حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ ہی ہیں، کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں غلامی سے آزاد کرایا اور اپنا منہ بولا بیٹا بنالیا تھا

سوال :9 درج ذیل میں سے صحیح پر (✓) اور غلط پر (✗) کا نشان لگائیں۔ 10 نمبر

1۔ نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر اپنی ازواج مطہرات کے مابین باری تقسیم کرنا فرض تھا۔ (✓)

2۔ "او کظلمات" میں کفار کے اعمال کی مثال بیان کی گئی ہے۔ (✓)

3۔ "یومئذ یوفیھم اللہ دینھم الحق" میں دین سے مراد مذہب ہے۔ (✗)

4۔ جنت میں دودھ، شہد، شراب اور شربت کی چار نہریں ہیں۔ (✗)

5۔ اصلاح معاشرہ اور امن وسلامتی کے اصولوں پر مشتمل سورت کا نام سورۃ الفتح ہے۔ (✗)

اصول التفسیر

سوال :10 درج ذیل سوالات کے مختصر جواب دیں۔ 5 نمبر

سوال :1 الفوز الکبیر کے مصنف کا نام تحریر کریں۔

جواب: امام شاہ ولی اللہ دہلوی رحمہ اللہ (م 1176ھ)

سوال :2 عیسائی اپنے عقیدہ تثلیث کے تحت اللہ تعالیٰ کے تین اجزاء (ارکان) کا کیا نام رکھتے تھے؟

جواب: شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ کے مطابق نصاریٰ نے الوہیت کو تین اقانیم میں تقسیم کیا:

1۔ الأب (باپ) 2۔ الابن (بیٹا) یعنی عیسیٰ علیہ السلام 3۔ روح القدس (Holy Spirit)

سوال :3 ﴿وَ اُشْرِبُوْا فِیْ قُلُوْبِهِمُ الْعِجْلَ﴾ میں کون سا لفظ محذوف ہے؟

جواب: اس مقام پر دراصل مراد ہے: "حُبُّ العِجل" یعنی ''بچھڑے کی محبت''۔ شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ یہاں "حُبّ" محذوف ہے اور قرآن میں حذف کثرتِ ایجاز اور بلاغت کے لیے آتا ہے۔

سوال 4: نفاق کی دو قسموں کے نام لکھیں۔

جواب: 1۔نفاق اعتقادی: ظاہر میں اسلام، باطن میں کفر۔2۔نفاق عملی: اسلام میں داخل ہونے کے باوجود جھوٹ، خیانت، بدعہدی وغیرہ۔

سوال 5: ابدال کی اقسام نوٹ کریں۔

جواب: شاہ صاحب نے ابدال سات اقسام بیان کی ہیں۔1۔فعل کی فعل سے تبدیلی۔2۔اسم کی اسم سے تبدیلی۔3۔حرف کی حرف سے تبدیلی۔4۔ جملہ کی جملہ سے تبدیلی۔5۔معرفہ کی نکرہ اور نکرہ کی معرفہ سے تبدیلی۔6۔ مذکر کی مؤنث اور کبھی مؤنث کی مذکر سے تبدیلی۔7۔ واحد کی جمع اور کبھی جمع کی واحد سے تبدیلی۔

سوال 11: درج ذیل میں سے صحیح پر (✓) اور غلط پر (✗) کا نشان لگائیں۔ 5 نمبر

جواب: 1۔حج بیت اللہ ملت ابراہیمی کے شعائر میں سے ہے۔ (✓)

2۔الفوز الکبیر فارسی زبان میں لکھی تھی۔ (✓)

3۔قرآن مجید میں مشرکین، منافقین، یہود ونصاری اور کیمونسٹ پانچ فرقوں کا ذکر کیا گیا ہے۔ (✗)

4۔علم معانی اور علم بیان عصر صحابہ میں پروان چڑھا۔ (✗)

5۔سورۃ نساء میں لمبی لمبی اور سورۃ شعراء میں چھوٹی چھوٹی آیات ہیں۔ (✓)



جواب: صحیح مسلم میں نبی کریم ﷺ نے اشتمالِ صماء اور احتباء ثوب سے منع فرمایا ہے۔ اشتمال صماء سے مراد یہ ہے کہ انسان ایک ہی کپڑے میں اپنے آپ کو اس طرح لپیٹ لے کہ ہاتھ باہر نہ نکل سکیں، گویا کفن کی طرح لپیٹنا ہو۔ اس انداز کو مکروہ قرار دیا گیا کیونکہ اس میں گرنے کا اندیشہ اور نماز میں ہاتھ نہ اٹھانے کی قباحت پائی جاتی ہے۔ احتباء ثوب اس طریقے کو کہتے ہیں کہ انسان گھٹنے کھڑے کر کے کپڑے سے انہیں لپیٹ لے یا ٹیک لگا کر بیٹھے، اور اگر اس میں ستر کھلنے کا خطرہ ہو تو یہ ناجائز ہے۔ اس سے واضح ہوا کہ اسلام نے لباس اور نشست و برخاست میں وقار اور ستر کے تحفظ کو لازم قرار دیا ہے۔

سوال 2: خطیب رسول ﷺ کس صحابی کا لقب ہے اور ان کا ذکر خاص کس ضمن میں ہے؟

جواب: صحیح مسلم کی روایت کے مطابق حضرت ثابت بن قیس بن شماس انصاری رضی اللہ عنہ کو خطیبِ رسول کہا جاتا ہے۔ وہ رسول اکرم ﷺ کے مقرر اور نمائندہ خطیب تھے، جب بھی کسی قبیلے یا دشمن کے سامنے تقریر کرنا ہوتی تو رسول اللہ ﷺ کی طرف سے گفتگو کرتے۔ آپ کی فصاحت و بلاغت ایسی تھی کہ نبی کریم ﷺ نے خود ان کی تعریف فرمائی۔ ان کا ذکر بالخصوص انصار کے فضائل کے بیان میں اور صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین کے خصائص کے ضمن میں آتا ہے۔ اس سے یہ حقیقت ظاہر ہوتی ہے کہ اسلام نے خطابت اور تقریر کو دین کی دعوت اور حق کے اظہار کا مؤثر ذریعہ بنایا۔

سوال 3: ''رفع العلم وقبضہ'' سے کیا مراد ہے؟

جواب: صحیح مسلم میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ عنقریب علم کو اٹھا لیا جائے گا اور جہالت پھیل جائے گی۔ اس سے مراد یہ نہیں کہ کتابیں یا قرآن مٹ جائیں گے بلکہ اصل معنی یہ ہے کہ جب علماء دنیا سے رخصت ہو جائیں گے تو ان کے ساتھ علم بھی اٹھا لیا جائے گا۔ اس کے بعد لوگ جاہلوں کو رہنما بنائیں گے جو بغیر علم کے فتوے دیں گے اور نتیجہ یہ ہوگا کہ خود بھی گمراہ ہوں گے اور دوسروں کو بھی گمراہ کریں گے۔ اس حدیث میں امت کو اس بات کی طرف توجہ دلائی گئی ہے کہ علماء کا وجود رحمت ہے اور ان کے نہ ہونے سے معاشرہ علمی و دینی انحطاط کا شکار ہو جاتا ہے۔

سوال 4: احادیث مبارکہ میں جنتی اور جہنمی کی جسامت کا کیسے ذکر ہوا ہے؟

جواب: صحیح مسلم کی روایات میں جنتی اور جہنمی کی جسامت کا تفصیلی ذکر ملتا ہے۔ جنتیوں کے بارے میں نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ ان کا قد حضرت آدم علیہ السلام کی طرح ساٹھ ہاتھ لمبا ہوگا۔ یہ جنت کی نعمتوں اور جمالی خصوصیات میں سے ایک ہے کہ وہاں انسان کامل اور حسین صورت میں ہوگا۔ دوسری طرف جہنمی کی

جسامت کو بڑا کر دیا جائے گا تا کہ عذاب کی شدت زیادہ ہو۔ روایت میں آیا ہے کہ جہنمی کا داڑھ اُحد پہاڑ کے برابر ہوگی اور اس کی کھال کی موٹائی ستر ہاتھ کی ہوگی۔ اس سے واضح ہوتا ہے کہ آخرت میں جزا وسزا کا نظام جسمانی اور حقیقی ہوگا اور اللہ تعالیٰ کی عدالت کامل انصاف کے ساتھ قائم ہوگی۔

سوال :4 درج ذیل حدیث کا ترجمہ اور تشریح کریں نیز بتائیں کہ زیورات کی زکوۃ میں امام مالک کا کیا مؤقف ہے؟

ولا تبيعوا الورق بالذهب أحدهما غائب والآخر ناجز وان استنظرك إلى أن يلج بيته فلا تنظره اني أخاف عليكم الرماء والرماء هو الربا

جواب: ترجمہ: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "چاندی کو سونے کے بدلے میں اس طرح نہ بیچو کہ ان میں سے ایک موجود (نقد) ہو اور دوسرا غائب (ادھار) ہو، اور اگر کوئی تم سے یہ کہے کہ مجھے اتنی مہلت دے دو کہ میں اپنے گھر پہنچ جاؤں (پھر سونا یا چاندی لاؤں) تو بھی اسے مہلت نہ دو۔ مجھے تمہارے بارے میں رماء (یعنی ربا) کا خوف ہے، اور رماء ہی ربا ہے۔"

تشریح: یہ حدیث بیوعِ صرف کے بنیادی ضابطے بیان کرتی ہے۔ بیوعِ صرف سے مراد سونے اور چاندی کا باہمی تبادلہ ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے اس میں ادھار اور تاخیر کو ناجائز قرار دیا، کیونکہ اس طرح کی چھوٹی سی تاخیر بھی سود کے دروازے کو کھول سکتی ہے۔ اس لیے شریعت نے حتیٰ کہ اس بات کی بھی اجازت نہیں دی کہ کوئی شخص محض گھر پہنچنے تک انتظار کرے۔ نبی اکرم ﷺ نے واضح طور پر فرمایا کہ الرماء ہی الربا ہے، یعنی معمولی تاخیر یا ادھار دراصل سود کی ہی ایک شکل ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلامی نظامِ معیشت میں مالی لین دین کو کس قدر پاکیزگی اور شفافیت کے ساتھ رکھا گیا ہے۔

زیورات کی زکوۃ میں امام مالک کا مؤقف: امام مالک رحمہ اللہ کے نزدیک وہ زیورات جو عورتیں زیب وزینت اور جائز استعمال کے لیے پہنتی ہیں، ان پر زکوۃ واجب نہیں ہے۔ اس کی دلیل وہ آثار ہیں جو انہوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور حضرت اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہ سے نقل کیے کہ ان کے پاس سونے کے زیورات تھے لیکن وہ ان پر زکوۃ ادا نہیں کرتی تھیں۔ امام مالک کے نزدیک زیور استعمال کی چیز ہے، یہ مالِ نامی (یعنی بڑھنے والا مال) نہیں، اس لیے اس پر زکوۃ عائد نہیں ہوتی۔ البتہ اگر زیور صرف ذخیرہ کرنے، سرمایہ کاری یا تجارت کے لیے رکھا گیا ہو تو پھر اس پر زکوۃ واجب ہوگی، کیونکہ ایسی صورت میں وہ نامی مال کی تعریف میں داخل ہو جاتا ہے۔

اصول الحدیث

نوٹ: حصہ انشائیہ اصول الحدیث سے کوئی سے دو سوال حل کریں۔ ہر سوال کے 14 نمبر ہیں۔

سوال 5: درج ذیل عبارت کا ترجمہ و تشریح کریں۔

ثم المقبول: إن سلم من المعارضة فهو المحكم، وإن عورض بمثله فإن أمكن الجمع فمختلف الحديث. أو لا وثبت المتأخر فهو الناسخ، والآخر المنسوخ، وإلا فالترجيح، ثم التوقف۔

جواب: ترجمہ: "پھر مقبول حدیث کی یہ صورت ہے کہ اگر وہ کسی معارض (ٹکرانے والی) دلیل سے خالی ہو تو وہ محکم ہے۔ اور اگر اُس کے برابر کسی اور دلیل سے معارضہ ہو تو اگر ان دونوں میں جمع ممکن ہو تو وہ مختلف الحدیث ہے۔ اور اگر جمع ممکن نہ ہو اور بعد والی روایت ثابت ہو جائے تو وہ ناسخ ہے اور پہلی منسوخ۔ اور اگر ناسخ و منسوخ کا تعین نہ ہو سکے تو پھر ترجیح کا درجہ آتا ہے، اور اگر ترجیح بھی ممکن نہ ہو تو توقف اختیار کیا جائے گا۔"

تشریح: یہ عبارت اصولِ حدیث کی ایک نہایت اہم بحث "مقبول روایت کے مراتب" سے متعلق ہے۔ اصولیین کے نزدیک جب کوئی حدیث سند کے اعتبار سے قابلِ قبول (صحیح یا حسن) ثابت ہو جائے تو پھر اس کی دلالت اور استدلال کے حوالے سے درج ذیل مراتب پیش آتے ہیں: سب سے پہلے اگر وہ حدیث کسی اور نص سے ٹکرا نہ رہی ہو تو اسے محکم کہا جاتا ہے، یعنی وہ اپنے ظاہری اور اصل معنی پر قائم رہتی ہے اور اس سے بلا تاویل یا تخصیص استدلال کیا جا سکتا ہے۔ لیکن اگر ایک حدیث کے مقابلے میں اسی درجے کی دوسری حدیث آ جائے اور بظاہر دونوں میں تعارض دکھائی دے تو پھر سب سے پہلی کوشش یہ کی جاتی ہے کہ دونوں کو جمع کر دیا جائے۔ ایسی صورت کو مختلف الحدیث کہا جاتا ہے۔ اگر دونوں کو جمع کرنا ممکن نہ ہو تو پھر دیکھا جاتا ہے کہ کون سی حدیث متاخر (بعد میں وارد) ہے۔ اگر تاخیر و تقدیم ثابت ہو جائے تو اصولِ شریعت کے مطابق متاخر روایت کو ناسخ اور پہلی کو منسوخ قرار دیا جاتا ہے۔ لیکن اگر ناسخ و منسوخ کا تعین ممکن نہ ہو تو پھر اصولِ ترجیح کو اختیار کیا جاتا ہے۔ اس میں اس روایت کو راجح مانا جاتا ہے جس کے دلائل، سند، یا موافقتِ قواعدِ شریعت زیادہ قوی ہو۔ آخر میں اگر ترجیح بھی ممکن نہ رہے اور تعارض باقی رہے تو محدثین اور فقہا کے نزدیک مناسب رویہ توقف ہے، یعنی فیصلہ صادر کرنے سے رک جانا اور مسئلے کو اجمالی حالت میں چھوڑ دینا۔ یہ علمی دیانت کا تقاضا ہے کہ بغیر مضبوط بنیاد کے کسی ایک کو ترجیح یا فیصلہ کن

درجہ نہ دیا جائے۔

سوال:6 غرابت کی اقسام مع تعریف ذکر کریں اور بتائیں کہ اس موضوع پر کون سی کتاب لکھی گئی ہے؟

جواب: غرابت کی تعریف: ''الغریب'' اس روایت کو کہتے ہیں جس کی سند میں کسی خاص مقام پر صرف ایک ہی راوی حدیث کو بیان کرے۔ دوسرے الفاظ میں جب روایت کی ایک کڑی پر راوی منفرد ہو اور اس میں تعدد نہ پایا جائے تو وہ غریب کہلاتی ہے۔ اس کے لغوی معنی ہیں ''اجنبی ہونا یا اکیلا ہونا'' اور اصطلاحی طور پر اس سے مراد وہ روایت ہے جو اپنے کسی حصے میں راوی کی انفرادیت رکھتی ہو۔ اس کی بنیاد سند کی کثرت وقلت پر ہے۔

غرابت کی اقسام: 1۔ **غریب مطلق:** یہ وہ روایت ہے جس میں ابتداء یا اعلیٰ سند میں صرف ایک ہی راوی ہو اور اس کی متابعت نہ پائی جائے۔ مثال کے طور پر حدیث "إنما الأعمال بالنيات" جو امام بخاری نے عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے، پھر علقمہ، یحییٰ بن سعید اور اس کے بعد متعدد طرق سے نقل کی، مگر ابتداء اس کی اصل میں تنہا یحییٰ ہی ہیں۔ اس طرح یہ حدیث اپنی اعلیٰ سند کے اعتبار سے غریب مطلق ہے۔

2۔ **غریب نسبی:** یہ وہ روایت ہے جس میں غرابت سند کے درمیانی یا آخری حصے میں پائی جائے، یعنی ابتداء میں تعدد ہو لیکن آگے جا کر کسی ایک مقام پر ایک ہی راوی باقی رہ جائے۔ اس کو ''نسبی'' اس لیے کہا جاتا ہے کہ غرابت پوری سند میں نہیں بلکہ جزوی طور پر کسی خاص طبقے میں پائی جاتی ہے۔

کتاب کا نام: "الافراد" امام دارقطنی کی۔

سوال:7 اصطلاحات کی تعریف کریں۔ 1۔المحفوظ 2۔الشاذ 3۔مختلف الحدیث 4۔حسن صحیح

جواب: ۔ 1۔ **المحفوظ:** اصطلاحِ حدیث میں المحفوظ اس روایت کو کہا جاتا ہے جس میں ثقہ (قابل اعتماد) راوی اپنے سے زیادہ ثقہ یا ثقہ کی جمع کے ساتھ مخالف نہ ہو۔ دوسرے لفظوں میں اگر ثقہ راوی نے کوئی روایت بیان کی اور اس کے مخالف ایک ایسا راوی آیا جو کم مرتبہ یا اکیلا ہے، تو ثقہ کی روایت کو ''محفوظ'' کہا جائے گا۔ ابن حجر رحمہ اللہ نے وضاحت کی کہ محفوظ دراصل ''شاذ'' کی ضد ہے، کیونکہ اس میں راوی کی ثقاہت اور جماعت کی موافقت پائی جاتی ہے۔ مثال کے طور پر امام مالک اور جمہور ثقہ راویوں کی متفقہ روایت کو محفوظ کہا جائے گا۔

2۔ **الشاذ:** ''شاذ'' لغوی طور پر الگ تھلگ اور کم پائے جانے والے کو کہتے ہیں۔ اصطلاحاً یہ وہ روایت

ہے جس میں ایک ثقہ راوی اپنی روایت میں ان روایات کے خلاف بیان کرے جو زیادہ ثقہ یا اکابر رواۃ سے منقول ہوں۔ ابن حجر رحمہ اللہ نے نخبۃ الفکر میں اسے یوں بیان کیا ہے: "ما رواه المقبول مخالفاً لمن هو أولى منه" یعنی مقبول راوی ایسی بات بیان کرے جو اس سے زیادہ قوی راویوں کے خلاف ہو۔ اس طرح شاذ روایت اصولِ محدثین کے ہاں قبول نہیں کی جاتی، کیونکہ اس میں قوی اور ضعیف کے درمیان مخالفت پائی جاتی ہے۔

3. **مختلف الحدیث:** مختلف الحدیث سے مراد وہ احادیث ہیں جو بظاہر ایک دوسرے کے خلاف معلوم ہوتی ہیں لیکن حقیقت میں ان میں تطبیق یا جمع ممکن ہوتا ہے۔ اصولِ حدیث میں یہ ایک مستقل فن ہے جس میں ایسے تعارضات کو رفع کیا جاتا ہے۔ اگر تطبیق ممکن نہ ہو تو ناسخ و منسوخ کا اصول استعمال کیا جاتا ہے، اور اگر وہ بھی نہ ہو تو ترجیح یا توقف کیا جاتا ہے۔ امام شافعی رحمہ اللہ نے اس موضوع پر سب سے پہلی مستقل کتاب اختلاف الحدیث لکھی، جس میں انہوں نے اس نوع کے مسائل کی وضاحت کی۔

4. **حسن صحیح:** "حسن صحیح" ایک مرکب اصطلاح ہے جو امام ترمذی رحمہ اللہ نے استعمال کی۔ اس سے مراد وہ روایت ہے جس کی سند بعض طرق کے اعتبار سے حسن کے درجے میں ہو اور بعض دیگر طرق سے صحیح کے درجے کو پہنچے۔ یوں ایک ہی حدیث مختلف اسناد کی بنا پر حسن بھی ہے اور صحیح بھی۔ بعض محققین کے نزدیک "حسن صحیح" سے مراد یہ بھی ہوتا ہے کہ حدیث اپنی مجموعی حیثیت میں صحیح کے قریب تر ہے، اگرچہ ہر ایک سند انفرادی طور پر حسن کے درجے کی ہو۔ چنانچہ یہ اصطلاح اس بات کی طرف اشارہ کرتی ہے کہ روایت قبول کے درجے میں ہے اور عمل کے لائق ہے۔

حصہ معروضی کل نمبر 30

نوٹ: حصہ معروضی کے تمام سوال لازمی ہیں۔

الحدیث

سوال 8: درج ذیل میں سے پانچ کے مختصر جواب دیں۔ 10 نمبر

سوال 1: امام مسلم کا نام اور ان کی تاریخ وفات ذکر کریں۔

جواب: امام مسلم کا پورا نام ابوالحسین مسلم بن الحجاج النیسابوری ہے۔ ان کی وفات 261ھ میں نیشاپور میں ہوئی۔

سوال 2: سند کی اہمیت میں سلف صالحین کے کوئی سے دو قول ذکر کریں۔

جواب: (الف) امام عبداللہ بن مبارک رحمہ اللہ نے فرمایا: "الإسناد من الدين، ولولا الإسناد لقال من شاء ما شاء" یعنی سند دین کا حصہ ہے، اگر سند نہ ہوتی تو ہر شخص اپنی مرضی کی بات میں شامل کر دیتا۔ (ب) امام سفیان ثوری رحمہ اللہ نے فرمایا: "الإسناد سلاح المؤمن" یعنی سند مؤمن کا ہتھیار ہے۔

سوال 3: کسی مسلمان کو بلا وجہ کافر کہہ دینے کی وعید کیا ہے؟

جواب: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "من قال لأخيه يا كافر فقد باء بها أحدهما" (صحیح مسلم) یعنی جس نے اپنے بھائی کو کافر کہا اور وہ اس کا اہل نہ تھا تو یہ کلمہ اسی کی طرف لوٹ آئے گا۔

سوال 4: صحیح مسلم کا سبب تالیف اور مؤطا کی وجہ تسمیہ تحریر کریں۔

جواب: صحیح مسلم کی تالیف کا مقصد صحیح اور غیر صحیح روایات کو الگ کرنا اور امت کو ایک جامع صحیح کتاب پیش کرنا تھا۔

''موطّا'' کو یہ نام اس لیے دیا گیا کہ امام مالک رحمہ اللہ نے اسے بار بار علماء کے سامنے پیش کیا، انہوں نے اس پر موافقت ظاہر کی، یوں یہ کتاب ''موطّا'' یعنی ''وہ جس پر اتفاق کیا گیا'' کہلائی۔

سوال 5: تقدیر پر ایمان لانے سے کیا مراد ہے؟

جواب: تقدیر پر ایمان لانے سے مراد یہ ہے کہ بندہ اس بات پر یقین رکھے کہ ہر چیز اللہ کے علم، مشیئت، قدرت اور تخلیق کے تحت ہے؛ خیر و شر سب اللہ کے علم و ارادے کے مطابق ہوتا ہے اور انسان اسی دائرۂ اختیار میں مکلف ہے جو اللہ نے اسے عطا فرمایا۔

سوال 6: حدیث کا مفہوم بتائیں۔ "ليس فيما دون خمس ذود صدقة"

جواب: اس حدیث کا مطلب ہے کہ اونٹوں کی تعداد پانچ سے کم ہو تو ان پر زکوٰۃ واجب نہیں۔ یعنی اگر کسی شخص کے پاس چار یا اس سے کم اونٹ ہوں تو اس پر زکوٰۃ نہیں، زکوٰۃ کی فرضیت کا نصاب پانچ اونٹ سے شروع ہوتا ہے۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

سوال 9: درج ذیل میں سے صحیح پر (✓) اور غلط پر (✗) کا نشان لگائیں۔ 10 نمبر

1۔ اسلام لانے کے بعد زمانہ کفر کی نیکیاں ضائع ہی رہتی ہیں۔ (✗)

2۔ لیٹے ہوئے شخص کو نماز کے لیے سترا بنانا منع ہے۔ (✗)

3۔ اقعاء کی کوئی بھی صورت جائز نہیں ہے۔ (✗)

4۔بارش کی صورت میں گھر میں نماز پڑھنا نماز جمع کرنے سے افضل ہے۔ (✓)

5۔قبل از وقت زکوۃ کی ادائیگی جائز ہے۔ (✓)

6۔ماہ شوال میں شادی اور رخصتی دونوں مستحب عمل ہیں۔ (✓)

7۔"الغرر فی البیع" سے مراد سودی بیع ہے۔ (✗)

8۔مدعی ایک گواہ کے ساتھ دوسرے کی جگہ قسم دے سکتا ہے۔ (✓)

9۔قبیلہ عصیہ اور جہینہ کے خلاف غزوہ ذات الرقاع تھا۔ (✗)

10۔دو نفخوں کے درمیانی فاصلہ 60 سال کا ہے۔ (✗)

اصول الحدیث

سوال:10 درج ذیل سوالات کے مختصر جواب دیں۔ 5 نمبر

سوال:1 منکر کسے کہتے ہیں؟

جواب: منکر وہ روایت ہے جسے ضعیف راوی اسناد میں ثقہ یا زیادہ قوی رواۃ کے خلاف بیان کرے۔ (یہ "معروف" کی ضد ہے)۔

سوال:2 سقط کی دونوں قسموں کی وضاحت کریں۔

جواب: سند میں راوی کے گرنے کو سقط کہتے ہیں: 1۔سقط جلی: جب سند میں راوی کا سقوط ظاہر اور واضح ہو، جیسے سند میں متصل طور پر ایک یا زیادہ راوی چھوٹ جائیں۔ 2۔سقط خفی: جب سقوط چھپا ہوا ہو، جیسے مدلس کا "عن" کہہ کر واسطہ چھپانا یا مرسل روایت۔

سوال:3 مراسیل صحابہ کیا ہیں؟

جواب: جب صحابی رضی اللہ عنہ براہِ راست نبی ﷺ کی طرف نسبت کیے بغیر کوئی بات روایت کریں، مثلاً "قال رسول اللہ ﷺ" کہیں بغیر یہ ذکر کیے کہ انہوں نے کس سے سنا، تو اسے مرسل صحابی کہا جاتا ہے۔ محدثین کے نزدیک یہ روایت حجت ہے کیونکہ صحابہ رضی اللہ عنہ سب عادل ہیں۔

سوال:4 طبقہ کی تعریف کریں اور اس موضوع کی ایک کتاب کا نام لکھیں۔

جواب: طبقہ سے مراد ایک ہی دور یا صفت والے رواۃ کا گروہ ہے، جیسے تابعین یا تبع تابعین کا طبقہ۔ اس موضوع پر نمایاں کتاب "طبقات ابن سعد" ہے۔

سوال:5 ولاء کی اقسام درج کریں۔

جواب: ولاء (یعنی تعلق اورنسبت) کی تین بنیادی اقسام ہیں: 1۔ (ولاء عتق (آزاد کرنے والے اور آزاد ہونے والے کے درمیان تعلق 2۔) ولاء اسلام (اسلام کی بنیاد پر بھائی چارہ اور وفاداری 3۔) ولاء موالات یا حلف (معاہدے یا دوستی کی بنیاد پر تعلق

سوال: 11 درج ذیل میں سے صحیح پر (✓) اور غلط پر (✗) کا نشان لگائیں۔ 5 نمبر

1۔ مصحف سے مراد نقطوں کی تبدیلی ہے۔ (✓)

2۔ متہم بالکذب کی دو صورتیں ہیں۔ (✓)

3۔ فسق کا تعلق راوی کے ضبط سے ہوتا ہے۔ (✗)

4۔ نسخ کی پہچان قول صحابی سے ہوتی ہے۔ (✓)

5۔ شاذ کے مقابلے میں معروف آتا ہے۔ (✓)



الفقہ واصولہ 1445ھ/2024 (سالانہ)

حصہ انشائیہ: کل نمبر 70

نوٹ: حصہ انشائیہ الفقہ سے کوئی سے تین سوال حل کریں۔ ہر سوال کے 14 نمبر ہیں۔

الفقہ

سوال :1 حق مہر کا حکم اور اس کی مقدار کے متعلق علماء کے اقوال، دلائل اور راجح قول تحریر کریں۔

جواب : **(الف) حق مہر کا حکم**

ابن رشد فرماتے ہیں: المسألة الأولى: أما حكمه فإنهم اتفقوا على أنه شرط من شروط الصحة، وأنه لا يجوز التواطؤ على تركه لقوله تعالى: ﴿وَ اٰتُوا النِّسَآءَ صَدُقٰتِهِنَّ نِحْلَةً﴾، وقوله تعالى: ﴿فَانْكِحُوْهُنَّ بِاِذْنِ اَهْلِهِنَّ وَ اٰتُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ﴾

1۔ترجمہ: ''پہلا مسئلہ یہ ہے کہ اس (حق مہر) کے حکم کے بارے میں فقہاء کا اس پر اتفاق ہے کہ یہ نکاح کی صحت کے شرائط میں سے ایک شرط ہے اور اس پر باہمی اتفاق کر کے اسے چھوڑنا جائز نہیں۔ دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: ''اور عورتوں کو ان کے مہر خوش دلی سے دو'' (النساء: 4)، اور یہ فرمان: ''پس ان سے ان کے اہل کی اجازت سے نکاح کرو اور انہیں ان کے مہر بطور فرض دو۔'' (النساء: 25)۔''

2۔ **تشریح و وضاحت:** ابن رشد نے یہاں واضح کیا ہے کہ حق مہر کا اصل حکم یہ ہے کہ یہ نکاح کا بنیادی تقاضا ہے اور نکاح کے صحیح ہونے کی ایک شرط ہے۔ اگرچہ مہر کے بغیر بھی عقدِ نکاح منعقد ہو جاتا ہے، لیکن عورت کا مہر دینا شوہر پر واجب ہے اور باہمی رضا مندی سے اس کو کلیتاً ترک کرنا جائز نہیں۔ گویا مہر کو نکاح کے حقوق اور لوازم میں سے شمار کیا گیا ہے، ارکان میں سے نہیں۔

3۔ **دلائل:** حق مہر کے واجب ہونے کے بارے میں دلائل قرآن وسنت اور اجماع فقہاء پر مبنی ہیں۔ سب سے پہلے قرآن مجید کی آیات واضح دلیل ہیں، جیسے: ﴿وَ اٰتُوا النِّسَآءَ صَدُقٰتِهِنَّ نِحْلَةً﴾ جس میں عورت کو اس کے مہر خوش دلی سے دینے کا حکم دیا گیا ہے، اور ﴿فَانْكِحُوْهُنَّ بِاِذْنِ اَهْلِهِنَّ وَ اٰتُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ﴾ (النساء: 25) جس میں نکاح کے ساتھ ہی مہر کی ادائیگی بطور فریضہ بیان کی گئی ہے۔ اس کے علاوہ حدیث نبوی ﷺ بھی مہر کی واجبیت کی تصدیق کرتی ہے، جیسے فرمان رسول ﷺ: ''التمس

ولو خاتماً من حدید"، جو یہ ظاہر کرتا ہے کہ اگر کچھ نہ ملے تو حتیٰ کہ لوہے کی انگوٹھی بھی مہر کے طور پر دی جاسکتی ہے، یعنی مہر واجب اور کسی بھی مالی شکل میں قابل ادائیگی ہے۔ فقہاء کا اجماع بھی اس پر ہے کہ مہر نکاح کے حقوق میں سے ایک لازمی حق ہے اور اس پر باہمی رضامندی سے اتفاق کر کے اسے ترک کرنا جائز نہیں۔ اس اجماع اور نصوص کی روشنی میں یہ واضح ہوتا ہے کہ حق مہر صرف مالی عبادت نہیں بلکہ عورت کے حقوق کی ضمانت اور نکاح کے قانونی وشرعی استحکام کا بنیادی عنصر ہے۔

(ب) حق مہر کی مقدار

مہر کی مقدار کے بارے میں فقہاء کے درمیان اختلاف پایا جاتا ہے۔ بعض نے اسے قیاس نصاب سرقت سے ماخوذ کیا، یعنی جس طرح چوری کی مقدار (نصاب) میں مالی حد مقرر کی گئی، اسی سے مہر کی کم از کم مقدار کا اندازہ لگایا گیا۔ اس حوالے سے:

امام مالک کے نزدیک کم از کم مہر چار تہائی دینار یا تین درہم ہے، کیونکہ یہ نصاب سرقت کے مطابق ہے۔

امام ابوحنیفہ کے نزدیک کم از کم دس درہم، جو نصاب سرقت کے مطابق ہے۔

ابن شبرمہ کے نزدیک پانچ درہم۔

اس کے برعکس، زیادہ سے زیادہ مقدار کے لیے فقہاء نے کوئی سخت حد مقرر نہیں کی۔ حدیث اور عملی مثالیں، جیسے کہ ایک عورت نے صرف دو جوتوں کے بدلے نکاح کیا اور رسول اللہ ﷺ نے اسے جائز قرار دیا، یہ واضح کرتی ہیں کہ مہر کی زیادہ سے زیادہ حد محدود نہیں۔ فقہاء نے مہر کی مقدار میں افراط و تفریط سے بچنے کی نصیحت کی ہے، لیکن شرعی طور پر زیادہ سے زیادہ کی کوئی قطعی حد نہیں رکھی گئی۔

ابن رشد کے مطابق یہ اختلاف بنیادی طور پر نصوص اور قیاس کے اختلافات کی وجہ سے پیدا ہوا۔ قیاس کی بنیاد پر کم از کم مقدار کے بارے میں رہنمائی حاصل کی گئی، لیکن یہ قیاس مضبوط نہیں کیونکہ اصل اور شاخ میں معنوی فرق ہے۔ اس لیے مہر کی کم از کم مقدار کے بارے میں فقہاء کے اقوال اجتہادی ہیں، جبکہ زیادہ سے زیادہ کی حد نصوص کی روشنی میں آزاد ہے۔ راجح قول یہی ہے کہ مہر واجب ہے اور کم از کم مقدار فقہاء کے اجتہاد پر منحصر ہے، لیکن زیادہ سے زیادہ حد مقرر نہیں، اور اسے شوہر کی استطاعت اور رضامندی کے مطابق دیا جاسکتا ہے۔

سوال 2: تخیر اور تملیک میں صاحب کتاب کے ذکر کردہ اقوال تحریر کریں نیز راجح قول واضح کریں۔

جواب: طلاق کی اقسام میں سے وہ قسمیں جن کے خاص احکام ہیں، ان میں "تملیک" اور "اختیار"

(تخییر)'' شامل ہیں۔

امام مالک کے مشہور قول کے مطابق تملیک اور تخییر دو الگ چیزیں ہیں۔ تملیک یہ ہے کہ مرد عورت کو طلاق واقع کرنے کا مالک بنا دے۔ اس صورت میں عورت ایک یا اس سے زائد طلاقیں واقع کر سکتی ہے۔ اسی لیے امام مالک کے ہاں مرد یہ انکار کر سکتا ہے کہ عورت نے ایک سے زیادہ طلاقیں واقع کی ہیں۔ جہاں تک تخییر (اختیار دینے) کا تعلق ہے، تو یہ اس سے مختلف ہے، یعنی اس سے ایسی طلاق واقع ہوتی ہے جس سے رشتۂ نکاح فوراً ٹوٹ جاتا ہے، سوائے اس کے کہ اختیار مقید ہو، جیسے کہ مرد عورت سے کہے:
''اپنے بارے میں فیصلہ کرو'' یا ''ایک طلاق یا دو طلاق کا انتخاب کرو''۔

امام مالک کے نزدیک مطلق اختیار (غیر مقید تخییر) کی صورت میں عورت کے پاس صرف دو ہی آپشن ہوتے ہیں: یا تو وہ اپنے شوہر کو (برقرار رکھنے کا) انتخاب کرے یا پھر وہ اس سے تین طلاقوں کے ذریعے جدا ہو جاتی ہے۔ اگر اس نے (اس کے علاوہ مثلاً) ایک طلاق کا انتخاب کیا تو اس کی یہ انتخاب اس کے لیے قابل قبول نہیں ہوگا۔

امام مالک کے نزدیک، اگر عورت نے تملیک کی صورت میں فوری طور پر طلاق واقع نہیں کی، تو ایک روایت کے مطابق اس کا یہ حق اس وقت تک ختم نہیں ہوتا جب تک کہ معاملہ طول نہ پکڑ جائے یا دونوں مجلس سے جدا نہ ہو جائیں۔ دوسری روایت یہ ہے کہ عورت کے پاس تملیک کا حق اس وقت تک باقی رہتا ہے جب تک کہ وہ اسے واپس نہ کر دے یا طلاق واقع نہ کر دے۔ امام مالک کے ہاں تملیک اور عورت کو اپنی طلاق واقع کرنے کے لیے وکیل بنانے میں فرق یہ ہے کہ وکالت کی صورت میں مرد کے لیے یہ جائز ہے کہ وہ عورت کو اس کے طلاق واقع کرنے سے پہلے معزول (یعنی وکیل کے عہدے سے ہٹا) دے، جبکہ تملیک میں اسے یہ حق حاصل نہیں ہے۔

امام شافعی کا قول ہے: ''تم (عورت) خود انتخاب کرو اور تمہارا اختیار تمہارے ہاتھ میں ہے''۔ یہ طلاق نہیں ہوگی جب تک کہ مرد اس کی نیت نہ کرے۔ اگر مرد نے نیت کی تو پھر وہی ہوگا جو اس نے چاہا، اگر ایک طلاق کی نیت کی تو ایک ہوگی، اور اگر تین طلاقوں کی نیت کی تو تین ہوں گی۔ شافعی کے نزدیک مرد کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ طلاق کے واقع ہونے سے انکار کرے، نیز عدد (تعدادِ طلاق) سے بھی انکار کر سکتا ہے، خواہ یہ اختیار (خیار) ہو یا تملیک۔ اور شافعی کے نزدیک اگر عورت نے خود کو طلاق دی تو وہ رجعی طلاق ہوگی۔ اور تملیک کے معاملے میں مالک کا بھی یہی مسلک ہے۔

امام ابو حنیفہ اور ان کے اصحاب کا قول ہے: (مطلق) اختیار (تخییر) طلاق نہیں ہے۔ اگر عورت نے تملیک میں اپنے آپ کو ایک طلاق دی تو وہ بائنہ (irrevocable) طلاق ہوگی۔ امام ثوری کا قول ہے: اختیار (تخییر) اور تملیک ایک ہی چیز ہیں، ان کے درمیان کوئی فرق نہیں ہے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ تملیک میں طلاق کی تعداد کے بارے میں عورت کی بات مانی جائے گی اور شوہر کو اس سے انکار کرنے کا حق نہیں ہوگا۔ یہ قول حضرت علی اور سعید بن المسیب سے منقول ہے اور اسی پر امام زہری اور عطاء نے بھی فتویٰ دیا ہے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ تملیک میں عورت کے لیے اپنے آپ کو صرف ایک طلاق دینے کا ہی حق ہے اور یہ (قول) حضرت ابن عباس اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما سے منقول ہے۔ روایت ہے کہ ایک شخص حضرت ابن مسعود کے پاس آیا اور کہا: میرے اور میری بیوی کے درمیان وہی کچھ ہوا جو عام طور پر لوگوں میں ہوتا ہے۔ اس (بیوی) نے کہا: کاش! تمہارے ہاتھ میں جو میرا اختیار ہے وہ میرے ہاتھ میں ہوتا، تو تمہیں پتہ چلتا کہ میں کیا کرتی۔ میں نے (غصے میں) کہا: تو جو تمہارا اختیار میرے ہاتھ میں ہے وہ تمہارے ہاتھ میں ہے۔ اس نے کہا: تو تم تین طلاقیں ہو۔ میں نے (فیصلہ دیا) کہ میری نظر میں یہ ایک طلاق ہے اور جب تک وہ عدت میں ہے تمہارا اس پر حق ہے (یعنی رجوع کر سکتے ہو)، اور میں امیر المومنین عمر سے مل کر (اس معاملے میں) پوچھوں گا۔ پھر وہ ان سے ملے اور انہیں واقعہ سنایا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اللہ مردوں کو انجام دے! یہ کیسے کام کرتے ہیں، وہ چیز جو اللہ نے ان کے ہاتھ میں دی ہے، وہ اسے عورتوں کے ہاتھ میں دے دیتے ہیں۔ (پھر فرمایا) تم نے اس بارے میں کیا کہا؟ اس شخص نے کہا: میں نے کہا کہ میری نظر میں یہ ایک طلاق ہے اور وہ (شوہر) اس وقت تک اس کا زیادہ حق دار ہے جب تک وہ عدت میں ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں بھی یہی سمجھتا ہوں، اور اگر میں اس کے علاوہ کوئی رائے رکھتا تو تمہیں پتہ چل جاتا کہ تم نے صحیح فیصلہ نہیں کیا۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ تملیک کوئی چیز (یعنی شرعی طور پر معتبر) نہیں ہے، کیونکہ شریعت نے جس چیز کو مرد کے ہاتھ میں دیا ہے، کسی شخص کے اسے عورت کے ہاتھ میں دے دینے سے وہ عورت کے ہاتھ میں نہیں آ سکتی۔ اسی طرح تخییر (کا بھی یہی حال ہے)۔ یہ ابو محمد ابن حزم کا قول ہے۔

اور امام مالک کا تملیک کے بارے میں قول یہ ہے کہ عورت کے پاس مجلس (میں) ہی طلاق لینے یا نکاح برقرار رکھنے کا اختیار ہے۔ یہی قول امام شافعی، امام ابو حنیفہ، امام اوزاعی اور تمام شہروں کے فقہاء کی جماعت کا ہے۔ اور امام شافعی کے نزدیک اگر تملیک سے مرد طلاق ہی کا ارادہ رکھتا ہو تو یہ وکالت کی مانند

ہے، اور وہ چاہے تو طلاق واقع ہونے سے پہلے جب چاہے اس سے رجوع کر سکتا ہے۔

جمہور فقہاء کا تملیک یا تخییر کے نفاذ کا قول اختیار کرنے اور عورتوں کو یہ حق دینے کی وجہ یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا اپنی بیویوں کو اختیار دینا ثابت ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: رسول اللہ ﷺ نے ہمیں اختیار دیا، تو ہم نے آپ کو (برقرار رکھنے کا) انتخاب کیا، پس یہ طلاق نہیں تھی۔ لیکن اہل الظاہر (ظاہریہ) کی رائے یہ ہے کہ اس کا مطلب یہ تھا کہ اگر وہ (بیویاں) اپنے آپ کو (چھوڑنے کا) انتخاب کرتیں تو رسول اللہ ﷺ انہیں طلاق دے دیتے، یہ نہیں کہ محض طلاق کے انتخاب ہی سے وہ طلاق یافتہ ہو جاتیں۔

جمہور فقہاء اس بات پر اس لیے پہنچے کہ تخییر اور تملیک حکم میں ایک جیسے ہیں، کیونکہ جو شخص زبان کے دلالتیں جانتا ہے وہ جانتا ہے کہ جب کسی انسان کو کسی معاملے کا مالک بنا دیا جاتا ہے کہ وہ چاہے تو اسے کرے یا نہ کرے، تو درحقیقت اسے اختیار دے دیا گیا ہے۔ رہا امام مالک رحمہ اللہ، تو ان کی رائے یہ ہے کہ مرد کا عورت سے یہ کہنا کہ "میرا انتخاب کرو" یا "اپنے بارے میں فیصلہ کرو"، شرعی عرف کے اعتبار سے separation (جدائی) کے معنی میں ظاہر ہے، رسول اللہ ﷺ کے اپنی بیویوں کو اختیار دینے کی وجہ سے، کیونکہ اس سے جو معنی سمجھا گیا وہ جدائی ہی کا تھا۔

امام مالک رحمہ اللہ کی رائے یہ ہے کہ اگر مرد یہ دعویٰ کرے کہ اس نے تملیک سے طلاق کا ارادہ نہیں کیا تھا تو اس کی بات قبول نہیں کی جائے گی، کیونکہ یہ لفظ اس معنی میں صریح ہے کہ طلاق کا اختیار عورت کے ہاتھ میں دے دیا گیا ہے۔ رہے امام شافعی رحمہ اللہ، تو چونکہ ان کے نزدیک یہ لفظ نص (بالکل واضح) نہیں ہے، اس لیے انہوں نے اس میں نیت کو معتبر ٹھہرایا ہے۔ پس اختلاف کی وجہ یہ ہے کہ لفظ کے ظاہر پر عمل کیا جائے یا نیت کے دعوے پر؟ اور انہوں نے تخییر کے معاملے میں بھی یہی کیا۔ (جمہور اور مالک و شافعی وغیرہ کے درمیان اختلاف کے باوجود) ان سب کا اس بات پر اتفاق ہے کہ اگر عورت طلاق کا انتخاب کر لے یا اپنے آپ کو طلاق دے دے تو وہ طلاق واقع ہو جاتی ہے، کیونکہ یہ ایک ایسا معاملہ ہے جس میں عورت مرد کی نائب (نمائندہ) بن گئی ہے

(امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک مرد کے لیے) تعداد (یعنی طلاق کی عدد) میں اس (عورت) سے انکار کرنے کا حق ہے، میرا مطلب لفظِ تملیک کے سلسلے میں ہے، کیونکہ یہ لفظ (کثیر عدد کی دلالت میں) احتمالی دلالت بھی نہیں رکھتا، ظاہری دلالت تو بالکل نہیں رکھتا۔ امام مالک اور امام شافعی کی رائے یہ ہے کہ

جب عورت اپنے آپ کو اس کے تملیک دینے پر ایک طلاق دے تو وہ رجعی طلاق ہوگی، کیونکہ طلاق کو شرعی عرف (رواج) پر محمول کیا جاتا ہے اور وہ سُنی طلاق (یعنی ایک رجعی طلاق) ہے۔ امام ابوحنیفہ کی رائے یہ ہے کہ یہ بائنہ (irrevocable) طلاق ہوگی، کیونکہ اگر اس پر اس (مرد) کا رجوع کا حق باقی رہے تو عورت کے تملیک مانگنے کا کوئی فائدہ نہیں رہتا اور نہ ہی مرد کے اس (تملیک دینے کے) مقصد کی تکمیل ہوتی ہے۔ رہا وہ گروہ جو یہ سمجھتا ہے کہ عورت تملیک میں اپنے آپ کو تین طلاقیں دے سکتی ہے اور شوہر کو اس میں انکار کرنے کا حق نہیں ہے، تو اس کی وجہ یہ ہے کہ اس کے نزدیک تملیک کا مطلب یہ ہے کہ جو کچھ طلاق کا اختیار مرد کے ہاتھ میں تھا، وہ سارا کا سارا عورت کے ہاتھ میں دے دیا گیا ہے، لہٰذا وہ طلاق کی تعداد کے معاملے میں مکمل اختیار رکھتی ہے۔

اور رہا وہ گروہ جو تملیک یا تخییر کو صرف ایک طلاق قرار دیتا ہے، تو وہ اس بات کی طرف گیا ہے کہ یہی وہ کم از کم مقدار ہے جس پر اس نام (یعنی طلاق) کا اطلاق ہوتا ہے، نیز یہ مردوں کے حق میں احتیاط (کا تقاضا) ہے۔ اس لیے کہ طلاق کا اختیار عورتوں کے بجائے مردوں کے ہاتھ میں دینے کی وجہ ان (عورتوں) کی عقل کی کمی، شہوت کی غلبہ پزیری اور برے سلوک کا امکان ہے۔

جمہور علماء کی رائے یہ ہے کہ اگر عورت نے اپنے شوہر (کو برقرار رکھنے) کا انتخاب کیا تو یہ طلاق نہیں ہے، حضرت عائشہ کی گزشتہ حدیث کے باعث۔

اور امام حسن بصری سے منقول ہے کہ اگر عورت نے اپنے شوہر (کو برقرار رکھنے) کا انتخاب کیا تو (یہ گویا) ایک طلاق ہے، اور اگر اس نے اپنے آپ (کو چھوڑنے) کا انتخاب کیا تو (یہ) تین طلاقیں (ہیں)۔

تو اس مسئلے میں اختلاف تین مقامات پر خلاصہ ہوتا ہے: 1۔ ان دونوں (تخییر و تملیک) میں سے کسی ایک سے بھی طلاق واقع نہیں ہوتی۔ 2۔ ان دونوں کے درمیان (فیصلہ ہوتے ہی) جدائی واقع ہو جاتی ہے۔ 3۔ تخییر اور تملیک کے درمیان فرق، اُس حق کے اعتبار سے جو عورت کو حاصل ہوتا ہے، یعنی یہ کہ تخییر کے ذریعے وہ بائنہ (یعنی قطعی جدائی) کی مالک بنتی ہے، جبکہ تملیک کے ذریعے وہ بائنہ سے کم (یعنی رجعی طلاق) کی مالک بنتی ہے۔ اور جب ہم (تملیک میں) بائنہ (یعنی قطعی جدائی) کے قائل ہوں تو پھر (یہ اختلاف ہے کہ) کہا جاتا ہے کہ وہ ایک طلاق کی مالک ہے، اور کہا جاتا ہے کہ وہ تین طلاقوں کی مالک ہے۔ اور جب ہم یہ کہیں کہ وہ ایک طلاق کی مالک ہے تو پھر (یہ اختلاف ہے کہ) کہا جاتا ہے کہ یہ رجعی ہے، اور کہا جاتا ہے کہ یہ بائنہ ہے۔

سوال 3: درج ذیل عبارت کا ترجمہ و بامفہوم تشریح کرتے ہوئے ''الامام الاعظم'' سے کیا مراد ہے؟ وضاحت کریں۔

هل يجوز للولي أن ينكح وليه من نفسه أم لا يجوز ذلك؟ فمنع ذلك الشافعي قياسا على الحاكم والشاهد أعني أنه لا يحكم لنفسه ولا يشهد لنفسه وأجاز ذلك مالك ولا أعلم له حجة في ذلك إلا ما روي من "أنه عليه الصلاة والسلام تزوج أم سلمة بغير ولي" لأن ابنها كان صغيرا وما ثبت "أنه عليه الصلاة والسلام أعتق صفية فجعل صداقها عتقها." والأصل عند الشافعي في أنكحة النبيﷺ أنها على الخصوص حتى يدل الدليل على العموم لكثرة خصوصيته في هذا المعنىﷺ ولكن تردد قوله في الإمام الأعظم.

جواب: عبارت کا ترجمہ: ''کیا ولی اپنی زیر ولایت لڑکی سے خود نکاح کر سکتا ہے یا نہیں؟ امام شافعی نے اسے ممنوع قرار دیا ہے، قیاس کرتے ہوئے حاکم اور گواہ پر، یعنی (جیسے) وہ اپنے خود کے حق میں فیصلہ نہیں کر سکتا اور نہ ہی اپنے حق میں گواہی دے سکتا ہے۔ اور امام مالک نے اسے جائز قرار دیا ہے، اور میں (ابن رشد) ان کے لیے سوائے اس روایت کے کوئی دلیل نہیں جانتا جو یہ نقل کی گئی ہے کہ آپ ﷺ نے ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے ان کے ولی (کی موجودگی) کے بغیر نکاح کیا کیونکہ ان کا بیٹا (جو ولی تھا) چھوٹا تھا۔ اور یہ بات ثابت ہے کہ آپ ﷺ نے صفیہ رضی اللہ عنہا کو آزاد کیا اور ان کا مہر ان کی آزادی کو قرار دیا۔ اور امام شافعی کے ہاں اصل یہ ہے کہ نبی ﷺ کے نکاح (کے احکام) خصوصیت (یعنی آپ کی خاص شان) پر ہیں، یہاں تک کہ کوئی دلیل عموم (یعنی عام لوگوں کے لیے بھی ایسا ہی ہے) پر دلالت کرے، کیونکہ اس معنی میں آپ ﷺ کی خصوصیات بہت زیادہ ہیں۔ لیکن امام اعظم (ابوحنیفہ) کے قول میں (شافعی کے نزدیک) تردد (یا اختلاف) پایا جاتا ہے۔''

مفہوم وتشریح: مسئلہ زیر بحث: یہاں ایک اہم فقہی مسئلہ زیر بحث ہے کہ کیا کوئی مرد (جیسے باپ، دادا، بھائی) اپنی ''ولیہ'' لڑکی (جس کی ولیت اس کے پاس ہے) سے خود نکاح کر سکتا ہے؟ یعنی کیا ولی اور دولہا ایک ہی شخص ہو سکتا ہے؟ امام شافعی کا موقف: امام شافعی رحمہ اللہ اسے جائز نہیں سمجھتے۔ ان کی دلیل قیاس ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ جس طرح ایک قاضی اپنے خود کے مقدمے کا فیصلہ نہیں کر سکتا اور نہ ہی کوئی شخص

اپنے حق میں گواہی دے سکتا ہے، اسی طرح ایک ولی بھی اپنے حق میں "عقد نکاح" جیسا اہم معاملہ نہیں کر سکتا، کیونکہ اس میں مفاد کا ٹکراؤ (Conflict of Interest) پیدا ہونے کا شدید خطرہ ہوتا ہے۔ وہ لڑکی کے حق میں بہترین فیصلہ نہیں کر پائے گا۔ امام مالک کا موقف: امام مالک رحمہ اللہ اسے جائز قرار دیتے ہیں۔ ابن رشد رحمہ اللہ کے بیان کے مطابق، ان کی بنیادی دلیل وہ احادیث ہیں جن میں نبی اکرم ﷺ کے دو نکاحوں کا ذکر ہے: نکاح ام سلمہ رضی اللہ عنہا: آپ ﷺ نے ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے اس وقت نکاح کیا جب ان کا ولی (ان کا چھوٹا بیٹا) موجود تھا، لیکن وہ نکاح میں فریق نہیں تھا۔ نکاح صفیہ رضی اللہ عنہا: آپ ﷺ نے حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کو آزاد کیا اور ان کا مہر ان کی آزادی کو قرار دیا۔ اس معاملے میں بھی آپ ﷺ نے ایک طرح سے ولی کا کردار ادا کیا۔ امام مالک رحمہ اللہ ان واقعات سے استدلال کرتے ہیں کہ ولی کا نکاح میں فریق نہ ہونا یا ولی کا خود دولہا بننا جائز ہے۔

شافعی کے اصول کی وضاحت: امام شافعی رحمہ اللہ امام مالک رحمہ اللہ کے استدلال کو یہ کہہ کر رد کرتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ کے افعال و احکام عام قوانین نہیں ہیں۔ آپ ﷺ کے اعمال آپ کی خاص شان (خصوصیات) کے تحت تھے، جب تک کہ کوئی واضح دلیل یہ نہ بتائے کہ یہ عمل امت کے لیے بھی عام ہے۔ چنانچہ آپ ﷺ کا اپنے لیے ولی بننا آپ کی ایک خصوصیت ہے، جس پر عام لوگوں کو قیاس نہیں کرنا چاہیے۔

"الامام الاعظم" سے مراد: یہاں عبارت کے آخر میں "الإمام الأعظم" کی اصطلاح استعمال ہوئی ہے۔ فقہ و حدیث کی کتب میں یہ لقب امام ابو حنیفہ نعمان بن ثابت رحمہ اللہ (80 - 150ھ) کے لیے مخصوص اور معروف ہے۔ آپ فقہ حنفی کے بانی اور ائمہ اربعہ میں سب سے پہلے امام ہیں۔ ان کے پیروکار اور علماء انہیں احتراماً "امام اعظم" (سب سے بڑے امام) کہتے ہیں۔

امام شافعی کا تردد: عبارت کے آخر "ولكن تردد قوله في الإمام الأعظم" کے الفاظ سے مراد یہ ہے کہ امام شافعی رحمہ اللہ نے امام ابو حنیفہ (امام اعظم) کے اس مسئلے کے بارے میں قول (موقف) میں تردد یا اختلاف کا ذکر کیا ہے۔ یعنی امام شافعی رحمہ اللہ یہ بیان کرتے ہیں کہ امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کا بھی اس مسئلے میں موقف واضح ہے یا ان کا موقف بھی امام مالک رحمہ اللہ کی طرح ہے (کہ ولی اپنی زیر کفالت لڑکی سے خود نکاح کر سکتا ہے)، لیکن امام شافعی رحمہ اللہ اس قول (یعنی امام ابو حنیفہ کے موقف) کے بارے میں بھی اسی اصول (کہ نبی کے افعال خاص ہیں) کی بنیاد پر تردد کا شکار ہیں یا

اسے قبول نہیں کرتے۔

سوال 4: متعہ طلاق کسے کہتے ہیں؟ اور کون سی عورتوں کو ملتا ہے نیز متعہ طلاق کی مقدار کتنی ہوتی ہے؟ فقہاء کے اقوال وادلہ تحریر کریں۔

جواب: 1۔تعریف: متعہ طلاق سے مراد وہ مالی حق ہے جس کا مرد پر واجب ہونا طلاق کے وقت ثابت ہوتا ہے۔ یہ عورت کو دیا جاتا ہے تاکہ طلاق کی وجہ سے اسے جو نفسیاتی اور معاشرتی صدمہ پہنچا ہے، اس کی تلافی ہو سکے۔ یہ نفقہ سے مختلف ہے اور اس کا تعلق طلاق کے موقع سے ہے۔

2۔کون سی عورتوں کو ملتا ہے؟ جمہور (اکثر) علما کا قول یہ ہے کہ متعہ ہر مطلقہ عورت کے لیے واجب نہیں ہے، اور اہلِ ظاہر کے ایک گروہ نے کہا کہ یہ ہر مطلقہ پر واجب ہے۔ کچھ نے کہا کہ یہ مستحب ہے، واجب نہیں، اور یہی امام مالک رحمہ اللہ کا قول ہے۔ جن لوگوں نے کہا کہ بعض مطلقات پر یہ واجب ہے، ان کے درمیان اختلاف ہے۔ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے کہا: متعہ اس عورت پر واجب ہے جسے دخول سے پہلے طلاق دی گئی ہو اور اس کے لیے کوئی مہر مقرر نہ کیا گیا ہو۔ امام شافعی رحمہ اللہ نے کہا: متعہ ہر اس مطلقہ پر واجب ہے جب جدائی شوہر کی طرف سے ہو، سوائے اس عورت کے جس کے لیے مہر مقرر کیا گیا ہو اور دخول سے پہلے طلاق دی گئی ہو۔ اور یہی جمہور علما کا قول ہے۔

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے دلیل لی اللہ تعالیٰ کے فرمان سے: اے ایمان والو! جب تم مومن عورتوں سے نکاح کرو، پھر ان کو ہاتھ لگانے سے پہلے طلاق دے دو تو ان پر تمہارے لیے کوئی عدت نہیں ہے جسے وہ شمار کریں، پس انہیں کچھ متعہ دو اور اچھے طریقے سے رخصت کرو۔ یعنی دخول نہ ہونے کی صورت میں متعہ شرط ٹھہرایا۔ اور اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: اور اگر تم نے انہیں ہاتھ لگانے سے پہلے طلاق دے دی اور ان کے لیے مہر مقرر کیا تھا تو ان کے لیے اس مہر کا آدھا ہے جو تم نے مقرر کیا تھا۔

پس معلوم ہوا کہ جب مہر مقرر ہو اور دخول سے پہلے طلاق ہو تو اس عورت کے لیے متعہ نہیں ہے، کیونکہ جب پورا مہر واجب نہ ہوا تو متعہ بدرجہ اولیٰ واجب نہیں ہوگا۔ ہاں! یہ بات ظاہر ہے کہ جہاں مہر واجب نہ ہوا وہاں متعہ کو اس کے قائم مقام رکھا گیا، اور جہاں عورت کے ہاتھ سے نصف مہر واپس گیا وہاں کوئی چیز اس کے لیے لازم نہ رہی۔

امام شافعی رحمہ اللہ کا موقف یہ ہے کہ متعہ کے بارے میں جو اوامر قرآن میں آئے ہیں، جیسے اللہ تعالیٰ کا فرمان: اور انہیں فائدہ پہنچاؤ، خوشحال اپنی حیثیت کے مطابق اور تنگ دست اپنی حیثیت کے مطابق،

یہ حکم ہر مطلقہ کے بارے میں عام ہے، سوائے اس کے جس کے لیے مہر مقرر کیا گیا ہو اور دخول سے پہلے طلاق دی گئی ہو۔

اہلِ ظاہر نے اس حکم کو مطلق عام مانا ہے۔ جبکہ جمہور کا قول یہ ہے کہ مختلعہ (خلع لینے والی عورت) کے لیے متعہ نہیں ہے، کیونکہ وہ خود اپنے ہاتھ سے (مال دے کر) چھٹکارا لے رہی ہے، جیسے کہ وہ عورت جس کے لیے مہر مقرر ہوا ہو اور دخول سے پہلے طلاق دی گئی ہو۔ لیکن اہلِ ظاہر کہتے ہیں کہ یہ شریعت کا حکم ہے، لہٰذا وہ بھی لے گی اور دے گی۔

امام مالک رحمہ اللہ نے اس حکم کو وجوب پر نہیں بلکہ استحباب پر محمول کیا ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: یہ حق ہے نیکوکاروں پر یعنی یہ متعہ احسان اور تفضّل کے طور پر ہے، اور جو چیز احسان کے دائرے میں ہو وہ واجب نہیں ہوتی۔

3۔ مقدار متعہ (کم از کم اور زیادہ سے زیادہ): متعہ کی مقدار کے بارے میں فقہاء کے درمیان مختلف آراء ہیں۔ قرآن کی صریح نص: سورہ البقرہ (آیت 241) میں ارشاد ہے:

﴿وَ لِلْمُطَلَّقٰتِ مَتَاعٌۢ بِالْمَعْرُوْفِؕ حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِيْنَ﴾ ''اور طلاق یافتہ عورتوں کے لیے دستور کے مطابق متعہ (تحفہ) ہے، پرہیزگاروں پر حق ہے۔''

اقوال فقہاء: امام مالک رحمہ اللہ کے نزدیک: متعہ کی کوئی مقررہ مقدار نہیں ہے، بلکہ یہ شوہر کی مالی استطاعت، عورت کے حالات اور معاشرتی دستور (المعروف) پر منحصر ہے۔

امام شافعی رحمہ اللہ اور امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کے نزدیک: متعہ کی مقدار کم از کم ایک جوڑا لباس (کسوہ) ہے، جبکہ زیادہ سے زیادہ کی کوئی حد نہیں ہے۔ یہ شوہر کی مالی حالت پر منحصر ہے۔

امام ابو حنیفہ کے نزدیک: متعہ کی مقدار کم از کم نصف مہر ہے، خواہ مہر معین ہو یا نہ ہو۔ اگر مہر معین نہیں ہے تو پھر مہر مثل کے اعتبار سے نصف مہر مثل ادا کیا جائے گا۔

اصول الفقہ

نوٹ: حصہ انشائیہ اصول تفسیر سے کوئی سے دو سوال حل کریں۔ ہر سوال کے 14 نمبر ہیں۔

سوال :5 واجب کی تعریف کریں اور اس کی اقسام تحریر کریں۔

جواب: **واجب کی تعریف:** واجب شریعت میں اسے کہتے ہیں کہ شارع کی طرف سے جس کے کرنے کا مطالبہ ہو، بایں طور کے اس کا چھوڑنے والا قابل مذمت اور قابل سزا ہوگا اور کرنے والا قابل

تعریف اور مستحق اجر و ثواب ہوگا۔ واجب ہی جمہور کے نزدیک فرض ہے، یہ دونوں برابر ہیں نہ تو حکم کے اعتبار سے ان میں اختلاف ہے اور نہ ہی معنی کے اعتبار سے، ان دونوں کا اطلاق اس فعل پر ہوتا ہے کہ جس کا کرنا ضروری ہو اور نہ کرنے پر سزا ہو۔ جبکہ احناف ان دونوں کے درمیان اس دلیل کے اعتبار سے فرق کرتے ہیں کہ جس سے فعل کا لزوم ثابت ہو رہا ہے۔ اگر وہ دلیل ظنی ہو قطعی نہ ہو جیسے خبر واحد کہ جس سے قربانی کا وجوب ثابت ہے تو وہ فعل واجب ہے۔ اور اگر دلیل قطعی ہو ظنی نہ ہو جیسے مکلف پر نماز کے لازم ہونے کے بارے میں قرآنی نصوص ہیں تو یہ فعل فرض ہے۔ چنانچہ احناف فعل کے لزوم کی دلیل کو دیکھتے ہوئے فرض یا واجب کا حکم لگاتے ہیں جبکہ جمہور اس بات کو دیکھتے ہیں کہ فعل مکلف پر لازم ہے یا نہیں۔ دلیل کے قطعی یا ظنی ہونے سے قطع نظر کرتے ہوئے۔ چنانچہ وہ واجب اور فرض کے درمیان فرق نہیں کرتے اور ایک ہی مسمی کے دو نام قرار دیتے ہیں۔

واجب کی اقسام: واجب کی مختلف اعتبار سے مختلف اقسام ہیں۔

1۔ واجب کی تقسیم ادائیگی کے وقت کے اعتبار سے: اس اعتبار سے واجب کی دو قسمیں ہیں۔ 1۔ واجب مطلق 2۔ واجب مقید

(1) **واجب مطلق:** جس کے کرنے کا شارع مطالبہ کرے لیکن اس کی ادائیگی کو خاص وقت کے ساتھ متعین نہ کیا جائے اور مکلف کو اختیار ہو کہ اسے جس وقت میں چاہے کرے اور اس ادائیگی کے ساتھ ہی وہ بری الذمہ ہو جائے اور تاخیر کی وجہ سے اسے کوئی گناہ نہ ہوگا، لیکن ادائیگی میں جلدی کرنا بہتر ہے کیونکہ موت کا وقت متعین نہیں نامعلوم کہ کب آ جائے جیسے رمضان کے روزوں کی قضا کا معاملہ ہے۔ اسی طرح وہ شخص جس پر قسم توڑنے کی وجہ سے کفارہ واجب ہوا اسے اختیار ہے کہ چاہے فورا کفارہ ادا کر دے یا بعد میں ادا کرے لیکن ادا کرنا اس پر فرض ہے۔

(2) **واجب مقید:** شارع اس کے کرنے کا مطالبہ بھی کرے اور اس کی ادائیگی کے لیے کوئی خاص وقت بھی مقرر کرے جیسے نماز پنجگانہ، رمضان کے روزے مقررہ وقت سے پہلے اس کی ادائیگی جائز نہیں ہے اور بغیر کسی شرعی عذر کے اگر انہیں وقت سے موخر کیا تو گنہگار ہوگا۔

2۔ **تعیین مقدار کے اعتبار سے واجب کی اقسام:** مطلوبہ مقدار کے اعتبار سے واجب کی دو قسمیں ہیں۔ 1۔ واجب محدد 2۔ واجب غیر محدد

(1) **واجب محدد:** جس کی شارع کوئی مقدار متعین کر دے جیسے زکوۃ، خرید و فروخت میں اشیاء کی

قیمت اور دیات وغیرہ۔ اس قسم کا تعلق ذمہ کے ساتھ ہے اور قضاء، قاضی یا رضا مندی پر موقوف کیے بغیر اس کا مطالبہ درست ہے۔ کیونکہ یہ بذات خود مقرر شدہ ہے اور جب تک مکلف اسے شارع کی تعیین کے مطابق ادا نہیں کر دیتا وہ بری ذمہ نہ ہوگا۔

(2) **واجب غیر محدد:** کہ جس کی مقدار شارع نے مقرر نہ کی ہو جیسے زکوۃ کے علاوہ اللہ کی راہ میں خرچ کرنا اس کی کوئی مقدار مقرر نہیں بلکہ محتاج کی ضرورت اور خرچ کرنے والے کی استطاعت کے بعد اس کی تعیین ہوگی۔ نیکی میں تعاون کرنا بھی واجب غیر محدد ہے البتہ اس کی تحدید اس نیکی کی نوعیت کرے گی۔

3۔ **تعین مطلوب کے اعتبار سے واجب کی اقسام:** اس اعتبار سے واجب کی دو قسمیں ہیں۔ 1۔ واجب معین 2۔ واجب غیر معین

(1) **واجب معین:** جسے شارع بعینہ طلب کرے مکلف کو مختلف امور میں اختیار دیے بغیر۔ جیسے نماز روزہ اور مال مغصوبہ میں اگر موجود ہو تو اس کا لوٹانا۔ اس قسم کا حکم یہ ہے کہ جب تک بعینہ اسی فعل کو ادا نہ کیا جائے انسان بری الذمہ نہ ہوگا۔

(2) **واجب غیر معین:** جس کا شارع بعینہ مطالبہ نہ کرے لیکن مختلف امور کے ضمن میں مطالبہ ہو اور مکلف کو اختیار ہو کہ واجب کی ادائیگی کے لیے ان میں سے کسی ایک کا انتخاب کرے۔ کبھی یہ واجب دو میں سے ایک میں ہوتا ہے اور مکلف کو ان میں سے ایک کا انتخاب کرنے کا اختیار ہوتا ہے جیسے جنگی قیدیوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ اور کبھی واجب غیر معین تین امور میں سے ایک ہوتا ہے جیسے کفارہ یمین کا معاملہ ہے۔

4۔ **مکلف کے اعتبار سے واجب کی اقسام:** اس اعتبار سے بھی واجب کی دو قسمیں ہیں۔ 1۔ واجب عینی 2۔ واجب الکفایہ

(1) **واجب عینی:** جس میں ہر مکلف سے لازمی مطالبہ ہو یعنی واجب عینی وہ ہے جس کے حصول کا شارع نے ہر مکلف سے مطالبہ کیا ہو اس میں بعض کا بجا لانا اور بعض کا انجام نہ دینا کافی نہیں۔ جب تک مکلف اسے ادا نہیں کرے گا بری نہ ہوگا چونکہ اس میں شارع کا مقصود اس وقت پورا ہوگا جب ہر مکلف اسے بجا لائے گا یہی وجہ ہے کہ اس کے چھوڑنے والوں کو گناہ بھی ہوگا اور عذاب بھی اور مکلف کی طرف سے کسی اور کا بجا لانا بھی اس کے لیے کافی نہیں جیسے نماز روزہ اور ہر حقدار کو اس کا حق دینا ہے۔

(2) **واجب الکفایہ:** جس کا شارع مکلفین کی ایک جماعت سے مطالبہ کرے ہر فرد سے نہیں کیونکہ اس واجب میں شارع کا مقصود جماعت سے اس کا حصول ہے نہ کہ مکلف کو آزمانا ہے۔ کچھ کے ادا کر دینے سے باقی سب سے ساقط ہو جائے گا جیسے جہاد، قضاء، افتاء وغیرہ۔ اگر واجب کفائی ادا نہ ہوا تو سب گنہگار ہوں گے کیونکہ تمام امت سے اس کا مطالبہ کیا گیا ہے پس جو شخص اس فعل پر قادر ہے اس پر لازم ہے کہ وہ اسے ادا کرے اور جو عاجز ہے اس پر لازم ہے کہ وہ قادر کو اس پر ابھارے کیونکہ ادا نہ ہوا تو سب قصوروار ہوں گے۔

سوال 6: سنت آحاد سے کیا مراد ہے نیز اس کی قبولیت کے لیے مالکیہ اور حنفیہ کی شرائط تحریر کریں۔

جواب: سنت آحاد سے مراد: یہ وہ سنت ہے جس کو نبی پاک ﷺ سے اتنے لوگوں نے نقل کیا ہو جن کی تعداد تواتر کی حد کو نہ پہنچتی ہو اور پھر تابعین اور تبع تابعین کے زمانہ میں بھی اس کے راویوں کی یہی تعداد رہے۔ پس یہ نہ سنت متواترہ ہے نہ سنت مشہورہ۔ احناف کے قول کے مطابق اور دوسرے فقہاء کے نزدیک یہ سنت متواترہ نہیں ہے اور یہ جمہور کے نزدیک اس کی نسبت حضور ﷺ کی طرف کرنے کے بارے میں ظن راجح کا فائدہ دیتی ہے اہل ظواہر اور بعض اہل حدیث کے نزدیک یہ علم یقینی کا فائدہ دیتی ہے۔

خبر واحد کو قبول کرنے کے لیے مالکیہ کی شرائط: 1۔خبر واحد کو قبول کرنے کے لیے مالکیہ کی شرائط میں سے ہے کہ وہ اہل مدینہ کے تعامل کے خلاف نہ ہو اور اپنے قول کی دلیل میں فرماتے ہیں کہ اہل مدینہ کا فعل خبر متواتر کے برابر ہے اس لیے کہ ان کو یہ عمل اپنے اسلاف سے اور ان کو حضور ﷺ سے ملا تو ان کا عمل روایت اور خبر متواتر کے مرتبہ میں ہوا اور خبر متواتر خبر واحد سے مقدم ہوتی ہے۔ اور اسی بنا پر امام مالک رحمہ اللہ اس حدیث کو نہیں لیتے "المتبایعان بالخیار مالم یتفرقا" بائع اور مشتری دونوں کو ایک دوسرے سے جدا ہونے سے پہلے بیع کے فسخ و نفوذ کے بارے میں اختیار ہوتا ہے۔ امام مالک رحمہ اللہ اس حدیث کے بارے میں فرماتے ہیں کہ ہمارے نزدیک اس کی کوئی معروف تعریف نہیں اور نہ ہی اس امر پر عمل ہے۔ 2۔ اسی طرح فقہاء مالکیہ کے نزدیک یہ بھی شرط ہے کہ وہ خبر واحد شریعت کے ثابت شدہ اصولوں اور جن قواعد کا شریعت میں لحاظ رکھا گیا ان کے مخالف نہ ہو اس اصول کی بنا پر وہ حدیث مصراۃ پر عمل نہیں کرتے جو کہ نبی پاک ﷺ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا اونٹ اور بکریوں کے تھنوں میں دودھ روک کر مت رکھو اور جو شخص ایسے جانور کو خریدے جس کا

دودھ روکا گیا تھا تو اس کو دودھ دھونے کے بعد اختیار حاصل ہوگا اگر چاہے تو اپنے پاس رکھ لے یا چاہے تو واپس لوٹا دے اور ساتھ میں ایک صاع کھجور بھی دے۔ ان کے نزدیک یہ حدیث ایک شرعی اصول کے خلاف ہے اور وہ ہے "الخراج بالضمان" اور اس اصول کے بھی خلاف ہے کہ اگر شے مثلی ہلاک ہو جائے تو اس کی مثل چیز ادا کرنی ہوگی اور اگر غیر مثلی چیز ہلاک ہو جائے تو اس کی قیمت ادا کرنا ہوگی۔ لٰہذا کسی مثلی چیز کے ہلاک ہونے کی صورت میں کوئی جنس یعنی غلہ یا سامان وغیرہ نہیں دیا جائے گا3۔ اور مالکیہ اس حدیث پر بھی عمل نہیں کرتے جس میں ہانڈیوں کو الٹ دینے کا حکم ہے جو کہ صحابہ نے غنائم کی تقسیم سے پہلے اونٹ اور بکریوں کا گوشت پکا لیا تھا۔ دلیل پیش کرتے ہیں کہ یہ بھی ایک اصول کے خلاف ہے اصول ہے "رفع الحرج"، پس ان سے اتنا کہنا کافی تھا کہ تم نے جو فعل انجام دیا جائز نہیں، پھر ان کو کھانے کی اجازت دے دی جاتی، پکے ہوئے کھانے کو ضائع کرنا مصلحت کے منافی ہے جو کہ اس حدیث کے صحیح نہ ہونے پر دلالت ہے۔

خبر واحد کی قبولیت کے لیے احناف کی شرائط: 1۔ خبر واحد کو قبول کرنے کے لیے پہلی شرط یہ ہے کہ وہ ایسے فعل سے متعلق نہ ہو جس کا وقوع بہت زیادہ ہو، کیونکہ ایسا فعل جس کا وقوع زیادہ ہو اس کے لیے ضروری ہے کہ وہ حدیث متواتر یا مشہور کے ذریعے منقول ہو اس کے نقل کرنے کے لیے اسباب کثیر ہونے کی وجہ سے پس جب کوئی فعل اس طرح منقول نہ ہو اور خبر واحد کے ذریعے نقل کیا گیا ہو تو وہ خبر واحد کے صحیح نہ ہونے پر دلالت کرتا ہے۔ اس کی مثال نماز میں رفع الیدین کرنا یہ خبر واحد کے ذریعے منقول ہے، حالانکہ ایک دن میں کئی بار نماز پڑھی جانے کی وجہ سے اس کی عام ضرورت پیش آتی ہے لٰہذا یہ خبر واحد قبول نہیں کی جائے گی۔ 2۔ وہ خبر واحد قیاس صحیح اور ان اصول وضوابط کے خلاف نہ ہو جو شریعت میں ثابت ہیں اور یہ تب ہے کہ اگر راوی غیر فقیہ ہو چونکہ اگر وہ غیر فقیہ ہوگا تو وہ حدیث کو بالمعنی روایت کرے گا نہ کہ باللفظ اور یہی صورت کثرت سے پیش آتی ہے۔ پس اس سے حدیث کے بعض ایسے معنی جن کو وہ سمجھ نہ سکا چھوٹ جائیں گے تو احتیاطاً ضروری ہے کہ اس حالت میں وہ حدیث قبول نہ کی جائے اگر وہ عام اصول اور قیاس صحیح کے مقتضی کے خلاف ہو، اسی بنا پر احناف بھی مالکیہ کی طرح حدیث مصراۃ کو قبول نہیں کرتے اس لیے کہ حدیث کے راوی حضرت ابو ہریرہ ان کے نزدیک غیر فقیہ ہیں کیونکہ یہ حدیث مقررہ اصول وقواعد کے خلاف ہے۔ جیسا کہ قاعدہ ہے "الخراج بالضمان" جو کہ سنت سے ثابت ہے اور یہ قاعدہ تقاضا کرتا ہے کہ کسی چیز سے حاصل ہونے والا فائدہ ونفع بھی اسی

شخص کا ہو جس پر اس چیز کے ہلاک ہونے کی صورت میں ضمان آئے گا۔ اس بنا پر ضروری ہے کہ وہ دودھ مشتری کا ہو، اس لیے کہ چیز اس کی ضمان میں ہے۔ اسی طرح یہ حدیث ضمان والے قاعدے کے بھی خلاف ہے کہ اگر ہلاک ہونے والی چیز مثلی ہو تو اس کا مثل دینا ہوگا اور اگر قیمتی ہو تو اس کی قیمت ادا کرنا ہوگی۔ 3۔ راوی کا عمل اپنی روایت کردہ حدیث کے خلاف نہ ہو، اس لیے کہ اس کے خلاف عمل اس کے نسخ پر دلالت کرتا ہے یا کسی اور دلیل کی وجہ سے اس کے چھوڑ دینے پر دلالت کرتا ہے یا اس بات پر کہ اس حدیث کی وہ صورت مراد نہیں جو اس میں روایت کی گئی ہے اور اس کی مثال یہ بیان کرتے ہیں۔ وہ حدیث جس میں برتن سات مرتبہ دھونے کا حکم ہے احناف اس پر عمل نہیں کرتے اس لیے کہ راوی خود کتے کے برتن میں منہ ڈالنے کی وجہ سے تین مرتبہ دھویا کرتے تھے۔

راجح قول: یہ بات تسلیم ہے کہ احناف اور مالکیہ نے جو یہ شرائط مقرر کی ہیں یہ صرف اس کے لیے ہیں کہ سنت کے صحیح ہونے اور ان کی نسبت حضور کی طرف صحیح ہونے کے بارے میں اطمینان حاصل ہو جائے۔ مگر ان کا قول مرجوح ہے اور ان کے علاوہ دیگر فقہاء کا قول راجح ہے۔ اس لیے کہ جب ایک حدیث کی روایت صحیح ہو کہ اس کو جب عادل ثقہ اور قوی الحافظہ راویوں نے روایت کیا ہو تو اس کی اتباع اور اس پر عمل کرنا ہے اور اس سے احکام مستنبط کرنا ضروری ہے چاہے وہ اہل مدینہ کے عمل کے موافق ہو یا مخالف ہو چاہے وہ مقررہ اصول اور قیاس کے مقتضی کے مطابق ہو یا نہ ہو اور چاہے اس کا راوی اس پر عمل کرے یا نہ کرے اور چاہے وہ اس فعل سے متعلق ہو جس کا وقوع زیادہ ہے یا کم ہے۔ اس لیے کہ اہل مدینہ امت کا ایک جزء ہیں پوری امت نہیں اور جس روایت کو راوی روایت کر دے اس کا اعتبار ہوگا ہے نہ کہ اس کا جس پر وہ عمل کرے۔

سوال 7: درج ذیل اصطلاحات کی تعریفات مع امثلہ بیان کریں۔ 1۔ حق اللہ 2۔ الصحۃ 3۔ المباح 4۔ المندوب۔

جواب: (1) **اللہ کا حق:** اللہ کا حق معاشرے کا حق ہے اسی وجہ سے علمائے اصول اس کی تعریف یوں کرتے ہیں کہ جس کے ساتھ عمومی نفع متعلق ہو نہ کہ کسی ایک کا، اسی وجہ سے اسے سب لوگوں کے پروردگار کی طرف منسوب کیا جاتا ہے۔ اس کی اہمیت بھی بہت زیادہ ہے اور اس کا نفع بھی اور اس حق کو ساقط کرنا جائز نہیں اور نہ ہی اسے چھوڑا جا سکتا ہے اور نہ اس کے خلاف حکم چل سکتا ہے۔ ماہرین قانون کے ہاں اسے عمومی نظام کی حیثیت حاصل ہے۔ استقراء سے معلوم ہوتا ہے کہ خالص حقوق الٰہی یہ ہیں

1۔خالص عبادات جیسے ایمان نماز زکوۃ 2۔وہ عبادات جن میں دوسروں کی کفالت کی ذمہ داری ہے جیسے صدقہ فطر وغیرہ 3۔عشری زمین اور اسے علمائے اصول یوں تعبیر کرتے ہیں کہ ایسی ذمہ داری جس میں عبادت کا معنی ہیں۔4۔خراج یعنی خراجی زمین پر عائد ہونے والا ٹیکس 5۔کامل عقوبات جن میں عقوبات کے علاوہ کا معنی موجود نہ ہو جیسے حدود 6۔قاصر سزائیں جیسے قاتل کو میراث سے محروم کرنا 7۔ایسی سزائیں جن میں عبادت کا مفہوم ہے جیسے کفارات وغیرہ 8۔ایسا حق جو بذات خود قائم ہو یعنی مکلف کے ذمہ نہ ہو کہ وہ اسے اطاعت خداوندی میں ادا کرے۔

(2)**الصحه:** مکلفین کے افعال کے ارکان اور شرائط جب مکمل ہوں تو شارع انہیں صحیح قرار دیتا ہے اور جب اس صورت میں واقع نہ ہو تو شارع انہیں باطل قرار دیتا ہے۔صحت کا مطلب یہ ہے کہ شرعی احکام ان پر مرتب ہوتے ہیں۔پس اگر ان افعال کا تعلق عبادات سے ہو تو مکلف بری الذمہ ہو جائے گا جیسے نماز جبکہ اس کے ارکان اور شرائط مکمل ہوں۔اور جب مکلف کے افعال صحیحہ کا تعلق معاملات سے ہو جیسے عقود، بیع، اجارہ اور نکاح تو ہر عقد پر اس کے شرعی احکام مرتب ہو جائیں گے۔

(3)**المندوب:** ندب کا لغوی معنی ہے کسی اہم کام کی طرف بلانا، مندوب کا معنی ہوگا جس کی طرف بلایا جائے۔شریعت کی اصطلاح میں مندوب کہتے ہیں کہ شریعت جس کے کرنے کا بغیر الزام کے مطالبہ کرے۔بایں طور کے اس کا فاعل قابل مدح بھی ہوگا اور قابل اجر بھی، اور اس کے تارک کی نہ مذمت کی جائے گی اور نہ ہی اسے سزا دی جائے گی۔جبکہ مندوب کی بعض اقسام کے ترک پر ملامت اور عتاب دونوں ہوں گے۔صیغہ طلب فعل کے مندوب ہونے پر دلالت کرتا ہے جبکہ اس کے ساتھ کوئی ایسا قرینہ ہو جو ندب پر دلالت کرے نہ کہ الزام پر، چاہے یہ قرینہ نص ہو یا غیر نص۔پس اللہ تعالی کا ارشاد ﴿يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا تَدَايَنْتُمْ بِدَيْنٍ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى﴾ میں مطالبہ الزامی نہیں اس پر قرینہ آیت کا سیاق ہے جو کہ ارشاد پاک ہے ﴿فَاِنْ اَمِنَ بَعْضُكُمْ بَعْضًا﴾ یہ نص دلالت کر رہا ہے کہ کتابت دین کا مطالبہ بطور ندب ہے نہ کہ بطور الزام۔یعنی یہ اس قبیل سے ہے کہ بندوں کی رہنمائی ایسی چیز کی طرف کی جا رہی ہے کہ جس سے وہ اپنے حقوق کو ضائع ہونے سے بچا سکتے ہیں اگر وہ اس نصیحت پر عمل نہیں کریں گے تو اس کا نتیجہ وہ خود بھگتیں گے اسی طرح اللہ تعالی کا ارشاد ﴿فَكَاتِبُوْهُمْ اِنْ عَلِمْتُمْ فِيْهِمْ خَيْرًا﴾ غلام کو مکاتب بنانے کے وجوب پر دلالت نہیں کرتا اس پر قرینہ شرعی قاعدہ ہے کہ مالک اپنی ملکیت کے اندر تصرفات میں آزاد ہوتا ہے۔

...) **المباح:** مباح وہ ہے جس کے سلسلے میں شارع مکلف کو کرنے اور نہ کرنے کا اختیار دے، کرنے اور ...رنے پر نہ تو مدح ہوگی اور نہ ہی مذمت اسے حلال کہا جاتا ہے۔ مباح کی پہچان چند امور سے ہوتی ...ہے۔ 1۔ کسی چیز کے حلال ہونے کے بارے میں شارع کی طرف سے تصریح موجود ہو جیسے اللہ تعالیٰ کا یہ ...شاد ﴿اَلْیَوْمَ اُحِلَّ لَکُمُ الطَّیِّبٰتُ ؕ وَ طَعَامُ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْکِتٰبَ﴾ 2۔ شارع کی طرف سے گناہ یا جناح ...رج کی نفی ثابت ہو۔ گناہ کی مثال ﴿فَمَنِ اضْطُرَّ غَیْرَ بَاغٍ وَّ لَا عَادٍ فَلَاۤ اِثْمَ عَلَیْهِ ؕ﴾ جناح کی مثال ...لا جُنَاحَ عَلَیْکُمْ فِیْمَا عَرَّضْتُمْ بِهٖ مِنْ خِطْبَةِ النِّسَآءِ﴾ حرج کی مثال ﴿لَیْسَ عَلَى الْاَعْمٰى حَرَجٌ وَّ ...عَلَى الْاَعْرَجِ حَرَجٌ﴾ 3۔ کسی امر کی تعبیر صیغہ امر سے ہو جبکہ وجوب سے اباحت کی طرف پھیرنے والا ...ینہ بھی موجود ہو جیسے ﴿وَ اِذَا حَلَلْتُمْ فَاصْطَادُوْا﴾ 4۔ اشیاء کی اباحت اصلیہ کا اعتبار کرتے ہوئے کہ ...یاء میں اصل اباحت ہے۔

حصہ معروضی کل نمبر 30

...ٹ: حصہ معروضی کے تمام سوال لازمی ہیں۔

الفقہ

سوال 8: درج ذیل کے مختصر جواب دیں۔ 10 نمبر

سوال 1: نکاح شبہ سے کیا مراد ہے؟

جواب: وہ نکاح جو کسی شبہ (غلط فہمی) یا جہالت کی وجہ سے واقع ہو، حالانکہ وہ شرعاً درست نہیں ہوتا۔ اس ...دخول ہو جائے تو مہر اور عدت لازم آتی ہے، مگر نکاح صحیح نہیں کہلاتا۔

سوال 2: "سوالب الولایہ" سے کیا مراد ہے؟

جواب: وہ امور یا عوارض جو ولی کو نکاح کے اختیارات سے محروم کر دیتے ہیں، جیسے: کفر، جنون، فسقِ ...ش، نابالغ ہونا وغیرہ۔

سوال 3: کوئی سے چار موانع نکاح تحریر کریں۔

جواب: 1۔ حرمتِ نسبی (ماں، بہن، بیٹی وغیرہ سے نکاح حرام ہے)۔ 2۔ حرمتِ رضاعت (رضاعی ...، ماں وغیرہ)۔ 3۔ حرمتِ مصاہرت (ساس، بہو وغیرہ)۔ 4۔ عورت کا عدت میں ہونا۔

سوال 4: فسخ نکاح اور طلاق میں کیا فرق ہے؟

جواب: فسخ نکاح: کسی شرعی سبب سے قاضی یا فریقین کے مطالبے پر نکاح ختم کیا جائے (مثلاً عیب نکاح

یا ارتداد)۔طلاق: شوہر کے اختیار سے رشتہ ازدواج ختم کرنا۔فسخ کو طلاق شمار نہیں کیا جاتا اور طلاق کی تعداد میں داخل نہیں ہوتا۔

سوال :5 آئمہ کے نزدیک صریح الفاظ طلاق کون سے ہیں؟

جواب : طلاق، سراح، فِراق'' جیسے الفاظ صریح ہیں۔ان میں نیت کی حاجت نہیں، الفاظ کہنے سے طلاق واقع ہو جاتی ہے۔

سوال :9 درج ذیل میں سے صحیح پر (✓) اور غلط پر (✗) کا نشان لگائیں۔ 10نمبر

1۔مانع الجمع سے مراد احرام کی حالت میں میاں بیوی کے اکٹھے ہونے کی ممانعت ہے۔ (✗)

2۔ابن رشد رحمہ اللہ کے نزدیک نکاح میں ولایت شرط ہے۔ (✓)

3۔جمہور کے نزدیک نکاح کرنا واجب ہے۔ (✗)

4۔''یائسۃ'' کی عدت تین حیض ہے۔ (✗)

5۔احناف کے نزدیک خلع طلاق ہے۔ (✓)

اصول الفقہ

سوال :10 درج ذیل سوالات کے مختصر جواب دیں۔ 5 نمبر

سوال :1 ادلۃ تفصیلیہ سے کیا مراد ہے؟

جواب : ادلۃ تفصیلیہ وہ شرعی دلائل ہیں جن سے ہر جزوی مسئلہ پر براہِ راست حکم اخذ کیا جاتا ہے، جیسے: قرآن، سنت، اجماع، قیاس۔

سوال :2 احناف کے نزدیک واجب اور فرض میں کیا فرق ہے؟

جواب : فرض وہ حکم ہے جو قطعی دلیل (قطعی الثبوت و الدلالہ) سے ثابت ہو، اور واجب وہ ہے جو ظنی دلیل (ظنی الثبوت یا ظنی الدلالہ) سے ثابت ہو۔

سوال :3 مباح کی علامات تحریر کریں۔

جواب : مباح کی پہچان چند امور سے ہوتی ہے۔1۔کسی چیز کے حلال ہونے کے بارے میں شارع کی طرف سے تصریح موجود ہو جیسے اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ﴿اَلْیَوْمَ اُحِلَّ لَكُمُ الطَّیِّبٰتُ ؕ وَ طَعَامُ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ﴾ 2۔شارع کی طرف سے گناہ یا جناح یا حرج کی نفی ثابت ہو۔گناہ کی مثال ﴿فَمَنِ اضْطُرَّ غَیْرَ بَاغٍ وَّ لَا عَادٍ فَلَاۤ اِثْمَ عَلَیْهِ﴾ جناح کی مثال ﴿لَا جُنَاحَ عَلَیْكُمْ فِیْمَا عَرَّضْتُمْ بِهٖ مِنْ خِطْبَةِ

النِّسَآءِ﴾ حرج کی مثال ﴿لَيْسَ عَلَى الْأَعْمٰى حَرَجٌ وَّلَا عَلَى الْأَعْرَجِ حَرَجٌ﴾ 3۔ کسی امر کی تعبیر صیغہ امر سے ہو جبکہ وجوب سے اباحت کی طرف پھیرنے والا قرینہ بھی موجود ہو جیسے ﴿وَ إِذَا حَلَلْتُمْ فَاصْطَادُوْا﴾
4۔ اشیاء کی اباحت اصلیہ کا اعتبار کرتے ہوئے کہ اشیاء میں اصل اباحت ہے۔

سوال :4 اہلیت سے کیا مراد ہے اور اس کی اقسام تحریر کریں۔

جواب : اہلیت سے مراد بندے کی شرعی احکام کا مخاطب بننے کی صلاحیت ہے۔ اس کی دو اقسام ہیں: اہلیتِ وجوب (حقوق و ذمہ داریوں کے لائق ہونا)۔ اہلیتِ اداء (افعالِ شرعیہ کو ادا کرنے کی صلاحیت ہونا)۔

5۔ عوارض سماویہ تحریر کریں۔ جواب: عوارض سماویہ وہ حوادث ہیں جو انسان کے اختیار میں نہیں، اور اس کی اہلیتِ اداء پر اثر انداز ہوتے ہیں، جیسے: موت، جنون، مرض، نسیان، نوم (نیند)، مجبوری اکراہ وغیرہ۔

سوال :11 درج ذیل میں سے صحیح پر (✓) اور غلط پر (✗) کا نشان لگائیں۔ 5 نمبر

1۔ جو چیز اصلا مشروع ہو مگر وصفا مشروع نہ ہو احناف اسے فاسد کہتے ہیں۔ (✓)
2۔ معتزلہ کے نزدیک افعال میں حسن وقبح ذاتی نہیں ہوتا۔ (✓)
3۔ قصاص میں حق اللہ پر حق العبد غالب ہے۔ (✓)
4۔ المستصفی امام الحرمین عبدالملک بن عبداللہ الجوینی رحمہ اللہ کی کتاب ہے۔ (✗)
5۔ عزیمت اور رخصت راجح قول کے مطابق حکم تکلیفی کی اقسام ہیں۔ (✗)



منڈی سطحی اور طویل مدتی سرمایہ کاری کے آلات محدود ہیں؛ اسلامی بینکنگ و تکافل میں پیش رفت کے باوجود حقیقی معیشت سے ربط اور شریعت، کمپلائنس کے نفاذ میں مزید گہرائی درکار ہے؛ عدالتی وریگولیٹری پیش بینی، ڈیجیٹل ادائیگی انفراسٹرکچر اور وقف/زکوۃ جیسے سماجی مالیات کے انضمام سے کارکردگی بہتر کی جاسکتی ہے۔

سوال :4 سود کی جملہ اقسام نوٹ کریں۔

جواب : سود (ربا) کی بنیادی اقسام فقہی طور پر دو ہیں: ربا النسیئہ جس میں ادائیگی کی تاخیر یا قرض پر کسی بھی مشروط نفع کا مطالبہ ہو، اور ربا الفضل جس میں سونے، چاندی اور غذا کے چھ بنیادی اصناف وغیرہ کی باہمی بیع میں مقدار/معیار کی زیادتی یا ادھار کی شرط شامل ہو؛ معاصر تعبیر میں ربا القرض (ہر وہ قرض جو نفع کھینچے) ربا النسیئہ ہی کی صورت ہے، جبکہ ربا الید/النسیئۃ والفضل کے اصول اجناسِ ربویہ کے تبادلے پر منطبق ہوتے ہیں پس کسی بھی ضمانت شدہ نفع یا تاخیر مشروط زیادتی کو ربا کہا جاتا ہے۔

سوال :5 سود اور بیمہ میں فرق واضح کریں۔

جواب : سود اور بیمہ میں اصولی فرق یہ ہے کہ سود میں عقدِ قرض پر مقرر ولازمی نفع لیا/دیا جاتا ہے جو شرعاً ممنوع ہے، جبکہ بیمہ کی حقیقت خطرے کی منتقلی/اجتماعی تلافی ہے؛ تاہم روایتی کمرشل بیمہ میں غررِ فاحش، میسر اور سرمایہ کاری میں ربوی معاملات شامل ہونے کے باعث جمہورِ معاصر فقہاء اسے ناجائز قرار دیتے ہیں، جب کہ اسی مقصد کو تکافل میں تعاونِ باہمی (تبرع)، مشارکتِ خطرہ اور شرعی سرمایہ کاری کے ذریعے جائز قالب دیا جاتا ہے؛ لہٰذا سود کی حرمت اپنی ذات میں قطعی ہے، اور بیمہ کے باب میں حکم عقد کی ہیئت اور سرمایہ کاری کے طریق پر موقوف ہے تکافل قابلِ قبول، جب کہ کمرشل بیمہ ان علل کے سبب محلِ نقد ہے۔

سوال :7 درج ذیل میں سے صحیح پر (✔) اور غلط پر (✖) کا نشان لگائیں۔ 10 نمبر

1۔ مشارکت ومضاربت دونوں ہم معنی اصطلاحات ہیں۔ (✖)

2۔ کتاب الخراج قاضی ابو یوسف رحمہ اللہ کی تصنیف ہے۔ (✔)

3۔ آپ ﷺ نے آلات دیکھ کر فرمایا: جس گھر میں یہ ہوں اللہ تعالی اس میں ذلت داخل کر دیتا ہے۔ (✔)

4۔ کراء الارض کا مطلب مکان کرایہ پر دینا ہے۔ (✖)

5۔زکوۃ بیت المال میں جمع نہ بھی ہو بلا واسطہ غرباء کو دی جا سکتی ہے۔ (✔)

6۔تسعیر کا حق حاکم وقت کو ہے۔ (✔)

7۔بیمہ کی ابتدا اٹلی کے تاجروں نے 1400 میں کی تھی۔ (✔)

8۔سود کی حلت 9 ہجری حجۃ الوداع کے موقع پر منسوخ ہو گئی تھی۔ (✔)

9۔"کل قرض جر نفعاً فھو ربا" مرفوع حدیث ہے۔ (✖)

10۔مخنث کو حق وراثت عورت والا دیا جائے گا۔ (✖)

سوال 8: مجوزہ جوابات میں سے درست جواب کا انتخاب کریں۔

1۔اونٹوں کی تعداد کتنی ہو تو زکوۃ واجب ہو جاتی ہے۔

05 (✔) | 10 | 30

2۔افکار ابن خلدون کس کی تالیف ہے؟

محمد حنیف ندوی رحمہ اللہ (✔) | شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ | ابن حزم رحمہ اللہ

3۔قیمتیں کنٹرول کرنا کس کا حق ہے۔

عوام | حکمران (✔) | فوج

4۔ایک وارث کے لیے زیادہ سے زیادہ وصیت کر سکتے ہیں۔

1/3 (✔) | 1/2 | کچھ بھی نہیں

5۔خمس لیا جائے گا۔

مال غنیمت سے | رکاز سے | دونوں سے (✔)

6۔زمین کے معاوضہ کا نام ہے۔

خراج (✔) | اجرت | نفع

7۔حجۃ اللہ البالغہ کے مصنف کا نام ہے۔

امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ | امام ابن حزم رحمہ اللہ | شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ (✔)

8۔سود سے احساس پیدا ہوتا ہے۔

سستی کا (✔) | باہمی تعاون کا | اخلاق حسنہ کا



التفسیر واصولہ 1445ھ/2024 (ضمنی)

حصہ انشائیہ: کل نمبر 70

نوٹ: حصہ انشائیہ التفسیر سے کوئی سے تین سوال حل کریں۔ ہر سوال کے 14 نمبر ہیں۔

التفسیر

سوال :1 درج ذیل عبارت پر اعراب لگائیں، ترجمہ کریں اور بیان کردہ مسئلہ مختصراً تحریر کریں۔

﴿وَ يَدْرَؤُا عَنْهَا الْعَذَابَ﴾ أي: عن المرأة، والمراد بالعذاب: الدنيوي، وهو الحدّ، وفاعل يدرأ قوله: { أَن تَشْهَدَ أَرْبَعَ شَهَادَاتٍ باللّٰه } والمعنى: أنه يدفع عن المرأة الحدّ شهادتها أربع شهادات بالله: أن الزوج لَمِنَ الكاذبين

جواب: ﴿وَ يَدْرَؤُا عَنْهَا الْعَذَابَ﴾ أَي: عَنِ الْمَرْأَةِ، وَالْمُرَادُ بِالْعَذَابِ: الدُّنْيَوِيُّ، وَهُوَ الْحَدُّ، وَفَاعِلُ (يَدْرَأُ) قَوْلُهُ: {أَنْ تَشْهَدَ أَرْبَعَ شَهَادَاتٍ بِاللّٰهِ} وَالْمَعْنَى: أَنَّهُ يَدْفَعُ عَنِ الْمَرْأَةِ الْحَدَّ شَهَادَتُهَا أَرْبَعَ شَهَادَاتٍ بِاللّٰهِ: أَنَّ الزَّوْجَ لَمِنَ الْكَاذِبِينَ.

ترجمہ: ''اور وہ (شہادت) عورت سے عذاب کو ٹال دیتی ہے، یعنی عورت سے۔ اور عذاب سے مراد دنیوی سزا ہے، جو کہ حد ہے۔ اور "یدرأ" کا فاعل ہے: {کہ وہ عورت چار بار اللہ کی قسم کھا کر شہادت دے}۔ مطلب یہ ہے کہ عورت اپنی چار بار اللہ کی قسم کھا کر شہادت دینے کے ذریعے اپنے اوپر سے حد کو دفع کر دیتی ہے کہ شوہر جھوٹوں میں سے ہے۔''

مسئلہ کی وضاحت: یہ مسئلہ دراصل لعان کے مخصوص شرعی طریقہ سے متعلق ہے۔ جب شوہر اپنی بیوی پر زنا کا الزام لگائے مگر چار گواہوں کے ذریعے اثبات نہ کر سکے تو شریعت نے مخصوص بیانیہ اختیار کیا: شوہر چار مرتبہ اللہ کی قسم کھا کر اپنی گواہی دہرائے اور پانچویں مرتبہ یہ دعا یا قسم گزارے کہ اگر میں جھوٹا ہوں تو اللہ مجھ پر لعنت کرے۔ اس کے بعد بیوی کے پاس بھی یہی جوابی ذریعہ ہے کہ وہ چار مرتبہ اللہ کی قسم کھا کر کہے کہ شوہر جھوٹا ہے اور پانچویں مرتبہ کہے کہ اگر شوہر سچا ہے تو اللہ مجھے لعنت کرے۔ یہی متعین ترتیب اور متقابل قسمیں قرآنِ کریم (سورۃ النور کی آیاتِ لعان) میں بیان کی گئی ہیں اور اسی عمل کو لعان کہتے ہیں۔

فقہی نتیجہ یہ ہے کہ چونکہ الزام چار گواہوں سے ثابت نہ ہوا، اس لیے عورت پر شرعی حدِ زنا نافذ نہیں ہوتی یعنی وہ دنیوی عذاب سے بری ہو جاتی ہے (اسی کی طرف اشارہ ہے: ﴿وَ یَدْرَؤُا عَنْهَا الْعَذَابَ﴾۔ ساتھ ہی لعان کے اثرات میں نکاح کا ٹوٹ جانا شامل ہے: اکثر فقہاء کے نزدیک لعان کے بعد نکاح بائن بن جاتا ہے یعنی ازدواجی بندھن ختم ہو جاتا ہے (اطلاق اور تفصیل میں مذاہب فقہیہ میں کچھ اختلاف پایا جاتا ہے)۔ اس طریقۂ کار کا مقصود یہ ہے کہ سنگین دنیاوی سزاؤں کے نفاذ کے لیے سخت شرائطِ شہادت برقرار رکھی جائیں اور بے بنیاد الزامات سے عورت کی آبرو اور انصاف محفوظ رہے۔ قذف کا معاملہ الگ ہے قذف وہ ہے جب کسی نے بے بنیاد فحش الزام لگایا ہو اور اس کے لیے مخصوص ثبوت نہ ہوں؛ لعان ایک مخصوص شرعی راستہ ہے جو شوہر اور بیوی کے درمیان اسی صورتِ خاص میں اختیار ہوتا ہے۔

سوال :2 درج ذیل عبارت کا ترجمہ وتشریح کریں اور خط کشیدہ الفاظ کے صیغے حل کریں۔

﴿وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَیَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِی الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۪ وَ لَیُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِیْنَهُمُ الَّذِی ارْتَضٰى لَهُمْ وَ لَیُبَدِّلَنَّهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْنًا ؕ یَعْبُدُوْنَنِیْ لَا یُشْرِكُوْنَ بِیْ شَیْــٴًـا﴾

جواب : ترجمہ: اللہ نے تم میں سے ان لوگوں سے جو ایمان لائے اور نیک اعمال کرتے رہے، وعدہ فرمایا ہے کہ وہ انہیں ضرور زمین میں خلافت عطا فرمائے گا، جیسا کہ اس نے ان سے پہلے لوگوں کو خلافت عطا کی تھی، اور ان کے لیے ان کے اس دین کو مضبوطی سے قائم کر دے گا جسے اس نے ان کے لیے پسند فرمایا ہے، اور ان کی موجودہ حالت خوف وخطر کے بعد انہیں امن وسکون کی حالت سے ضرور بدل دے گا، (ایسی حالت کہ) وہ صرف میری ہی عبادت کریں گے، میرے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہرائیں گے۔"

تشریح: یہ آیت مبارکہ مومنین کو ایک عظیم اور تین جزئی پر مشتمل وعدہ سناتی ہے۔ اس میں اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے صالح مومنین کے لیے دنیا وآخرت میں کامیابی کی جو شرائط اور نتائج بیان فرمائے ہیں، ان کی تفصیل درج ذیل ہے:

1. **وعدہ خلافت**: اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ وہ زمین میں مومنین کو حکمرانی اور اقتدار عطا فرمائے گا۔ یہ خلافت دو طرح کی ہو سکتی ہے: اول، انہیں دوسری قوموں پر سیاسی غلبہ اور حکومت عطا کی جائے گی، جیسا کہ اس سے پہلے حضرت داؤد اور سلیمان علیہما السلام یا دیگر صالح اقوام کو عطا ہوا۔ دوم، یہ کہ انہیں زمین کو آباد کرنے اور اس میں اللہ کے احکامات نافذ کرنے کی ذمہ داری سونپی جائے گی، یعنی وہ زمین پر اللہ کے

نائب بنیں گے۔

2. **تمکین دین:** دوسرا وعدہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ مومنین کے لیے ان کے دین (اسلام) کو مضبوطی اور استحکام عطا فرمائے گا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ دین دنیا میں غالب ہوگا، اسے قوت اور عروج حاصل ہوگا، اور اسے نافذ کرنے اور اس پر عمل پیرا ہونے کی مکمل آزادی میسر آئے گی۔ یہ دین وہی ہے جسے اللہ نے اپنے بندوں کے لیے پسند کیا ہے، جو کہ دینِ فطرت اور مکمل نظامِ زندگی ہے۔

3. **تبدیلی خوف سے امن:** تیسرا وعدہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ مومنین کی موجودہ حالتِ خوف وخطر (جیسے ظلم وستم، جبر، عدم تحفظ، دشمن کا خوف) کو پوری طرح امن وسکون اور کامل تحفظ میں بدل دے گا۔ یہ تبدیلی محض بیرونی تحفظ ہی نہیں ہوگی بلکہ ان کے دلوں میں بھی اطمینان اور سکینت نازل فرمائے گا۔

4. **شرطِ وعدہ:** یہ تمام عظیم وعود ایک بنیادی شرط کے ساتھ وابستہ ہیں: ایمان اور عمل صالح۔ یعنی صرف وہی لوگ اس وعدۂ الٰہی کے مستحق ہوں گے جو حقیقی معنوں میں ایمان لائیں اور اپنے اعمال درست کرتے ہوئے نیک عمل کرتے رہیں۔

5. **نتیجہ و مقصد:** ان تمام نعمتوں کا حتمی نتیجہ اور مقصد یہ بیان کیا گیا ہے کہ مومنین ان نعمتوں کے ذریعے اللہ کی عبادت کو پوری یکسوئی کے ساتھ اختیار کریں گے اور ہر قسم کے شرک سے مکمل پرہیز کریں گے۔ یہ بتانا مقصود ہے کہ خلافت، تمکینِ دین اور امن کا حتمی مقصد اللہ کی توحید کی نصرت اور اس کی عبادت کو روئے زمین پر قائم کرنا ہے، نہ کہ دنیوی جاہ وحشمت یا قومی غلبہ حاصل کرنا۔

خلاصہ: یہ آیت مومنین کے لیے نہایت حوصلہ افزا اور بشارت سے بھرپور ہے۔ یہ بتاتی ہے کہ اگر مومن صحیح معنوں میں ایمان وعمل کے تقاضے پورے کریں تو اللہ کی سنت یہ ہے کہ وہ انہیں زمین میں اقتدار، دین میں استحکام اور خوف کے بعد امن عطا فرمائے گا، تاکہ وہ پوری آزادی اور اطمینان کے ساتھ صرف اللہ کی عبادت کر سکیں۔ یہ وعدہ تاریخ میں متعدد بار پورا ہو چکا ہے اور قیامت تک پورا ہوتا رہے گا۔

سوال :3 درج ذیل آیات کا ترجمہ وتشریح کریں اور ان میں بیان کردہ واقعہ تفصیل سے بیان کریں۔

﴿يَاَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ اِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا وَ زِيْنَتَهَا فَتَعَالَيْنَ اُمَتِّعْكُنَّ وَ اُسَرِّحْكُنَّ سَرَاحًا جَمِيْلًا ﴿۲۸﴾ وَ اِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ وَ الدَّارَ الْاٰخِرَةَ فَاِنَّ اللّٰهَ اَعَدَّ لِلْمُحْسِنٰتِ مِنْكُنَّ اَجْرًا عَظِيْمًا ﴿۲۹﴾﴾

جواب: ترجمہ: (28) ''اے نبی! اپنی بیویوں سے فرما دیں کہ اگر تم دنیوی زندگی اور اس کی زیب و

زینت چاہتی ہو تو آؤ، میں تمہیں (معاوضہ) دے کر اچھے طریقے سے رخصت کر دوں۔"

(29) "اور اگر تم اللہ اور اس کے رسول اور آخرت کے گھر کو چاہتی ہو تو (سوچ لو)، بیشک اللہ نے تم میں سے نیک کار خواتین کے لئے عظیم اجر مہیا کر رکھا ہے۔"

واقعہ کی تفصیل اور پس منظر:

یہ آیات نبی اکرم ﷺ کی ازواج مطہرات (امہات المومنین رضی اللہ عنہن) کے ساتھ پیش آنے والے ایک خاص واقعے کے تناظر میں نازل ہوئیں۔ اس وقت کی عمومی صورت حال یہ تھی کہ مسلم معاشرہ انتہائی غربت اور معاشی تنگی کا شکار تھا۔ نبی ﷺ کا گھرانہ بھی اسی معاشی دباؤ کا شکار تھا۔ آپ ﷺ کی ازواج مطہرات، باوجود اپنے بلند مرتبہ کے، بہت سادہ زندگی گزار رہی تھیں۔ ان کی روزمرہ کی خوراک اکثر صرف کھجور اور پانی پر مشتمل ہوتی، اور لباس بھی سادہ ہوتا۔

ایسے میں ایک دن نبی ﷺ کی بیویاں، جن میں سے اکثر قریش کے معزز اور مالدار گھرانوں سے تعلق رکھتی تھیں، آپ ﷺ کے پاس جمع ہوئیں اور دنیاوی زندگی کے کچھ وسائل اور سہولیات کی درخواست کی، جیسے بہتر کھانا، پہننے کے لیے بہتر کپڑے، اور عام گھرانوں کی طرح کچھ آرام و آسائش۔ ان کی یہ درخواست شکوہ یا ناشکری کی بجائے، انسانی فطرت کے مطابق تھی۔

نبی ﷺ کو ان کی یہ بات ناگوار گزری، کیونکہ آپ ﷺ کی ساری توجہ آخرت اور دین کی تبلیغ پر مرکوز تھی۔ آپ ﷺ نے انہیں سمجھایا کہ تم میں سے جو بھی دنیا اور اس کی زیب و زینت چاہتی ہے، میں اسے معاوضہ دے کر علیحدہ کرنے کے لیے تیار ہوں، اور جو اللہ، اس کے رسول اور آخرت کی کامیابی چاہتی ہے، وہ اس پر قائم رہے۔ یہ ایک امتحان اور انتخاب کا موقع تھا۔

اس موقع پر یہ دو آیات نازل ہوئیں، جو درحقیقت ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کے سامنے ایک الٹی میٹم (حتمی انتخاب) کی شکل تھیں۔

تشریح اور اہم نکات:

1. **امتحان اور انتخاب:** اللہ تعالیٰ نے ازواج مطہرات کو دو واضح راستے دکھا دیے:

پہلا راستہ: دنیا اور اس کی عارضی زیب و زینت اور آرام۔ اگر وہ یہ چاہیں تو نبی ﷺ انہیں معاشرے کے عام دستور کے مطابق (مہر وغیرہ) دے کر احسن طریقے سے رخصت کرنے کو تیار ہیں۔ یہ رخصت "سَرَاحًا جَمِيلًا" (خوش اسلوبی سے جدائی) ہوگی، یعنی بغیر کسی جھگڑے یا ناراضی کے۔

دوسرا راستہ: اللہ کی رضا، رسول ﷺ کی قربت اور آخرت کی دائمی نعمتیں۔ اس راستے کا وعدہ یہ ہے کہ ان میں سے جو "مُحْسِنَات" (نیکیاں کرنے والیاں) بنی رہیں گی، ان کے لیے اللہ کے ہاں "أَجْرًا عَظِيمًا" (عظیم اجر) ہے۔

2. ازواج مطہرات کا ردعمل: جب یہ آیات نازل ہوئیں تو ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن نے بلا تردد اور یک زبان ہو کر فیصلہ سنایا۔ وہ سب کے سب اللہ، اس کے رسول اور آخرت کے گھر کو ہی چنتی ہیں۔ انہوں نے دنیا کی عارضی لذتوں پر آخرت کی everlasting نعمتوں کو ترجیح دی۔ ان کا یہ جواب ان کے عظیم ایمان، صبر اور تقویٰ کی دلیل ہے۔ تاریخ میں ہے کہ ان میں سے کسی ایک نے بھی دنیا کا راستہ نہیں چنا۔

3. پیغام برائے عام مسلمان: یہ واقعہ صرف ازواج مطہرات کے لیے ہی نہیں، بلکہ ہر مسلمان مرد و عورت کے لیے ایک سبق ہے۔ یہ ہمیں زندگی کے مقصد اور ترجیحات کا صحیح تعین کرنا سکھاتا ہے۔ ہر انسان کو اپنی زندگی میں اللہ و رسول کی رضا اور آخرت کو دنیا اور اس کی آرائش پر فوقیت دینی چاہیے۔

4. نبی ﷺ کا اخلاق: آیت میں نبی ﷺ کو حکم دیا گیا کہ اگر وہ دنیا چاہیں تو انہیں "سَرَاحًا جَمِيلًا" (خوبصورتی کے ساتھ رخصت کرو)۔ اس سے نبی ﷺ کے رحمت للعالمین ہونے کا ثبوت ملتا ہے۔ یہاں تک کہ اگر کوئی آپ ﷺ کی زوجیت چھوڑنا بھی چاہے تو اس کے ساتھ بھی احسان اور عمدہ سلوک کا حکم ہے۔

خلاصہ: یہ آیات ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کے ایک امتحان کے واقعہ پر مشتمل ہیں، جہاں انہیں دنیا اور آخرت میں سے ایک کا انتخاب کرنا تھا۔ ان کے عظیم الشان انتخاب نے ان کے مقام و مرتبے کو اور بھی بلند کر دیا اور ہر مسلمان کے لیے یہ درس دیا کہ آخرت کی دائمی کامیابی ہی درحقیقت حقیقی کامیابی ہے۔

سوال 4: سورۃ محمد ﷺ کے دو امتیازات اور سورۃ الحجرات میں بیان کردہ پانچ احکامات سپرد قلم کریں۔

جواب: سورۃ محمد (ﷺ) کے دو امتیازات:

1. نام کا امتیاز: یہ واحد سورت ہے جس کا نام قرآن مجید میں بار بار ذکر ہونے والے نبی کریم ﷺ کے مقدس نام "محمد ﷺ" پر رکھا گیا ہے۔ دیگر سورتیں جیسے سورۃ نوح علیہ السلام، سورۃ ابراہیم علیہ السلام کا تعلق انبیاء کے ناموں سے ہے، لیکن سورۃ محمد ﷺ براہ راست حضور نبی آخر الزماں ﷺ کے اسم گرامی پر موسوم ہے، جو اس کے لیے باعث امتیاز ہے۔

2. جہاد اور قتال کے احکامات پر مبنی ہونا: اس سورت کا مرکزی موضوع جہاد فی سبیل اللہ، اس کے احکام، فضائل اور نتائج ہیں۔ یہ سورت مجاہدین کے لیے نہایت حوصلہ افزا ہے اور اس میں کفار کے ساتھ جنگ کے حالات، قیدیوں کے احکامات، نیز منافقین کے طرز عمل پر تفصیلی روشنی ڈالی گئی ہے۔ اس سورت میں جہاد کی اہمیت کو اس طرح بیان کیا گیا ہے کہ جو لوگ جہاد سے فرار اختیار کرتے ہیں اور کفر کی حالت میں مرتے ہیں، اللہ ان کے اعمال برباد کر دے گا۔

سورۃ الحجرات میں بیان کردہ پانچ احکامات:

سورۃ الحجرات درحقیقت اسلامی معاشرے کے آداب واخلاق کا منشور ہے۔ اس میں مسلمانوں کے باہمی تعلقات، اجتماعی زندگی اور اسلامی etiquette کے متعدد اہم احکامات بیان ہوئے ہیں۔ ان میں سے پانچ نمایاں احکامات درج ذیل ہیں:

1. احکام ادب نسبتاً رسول ﷺ: مسلمانوں کو حکم دیا گیا ہے کہ وہ رسول اللہ ﷺ کے سامنے اپنی آوازیں پست رکھیں اور آپ ﷺ کے ساتھ ادب و تعظیم کا برتاؤ کریں۔ نیز آپ ﷺ کے فیصلوں کو دل سے تسلیم کریں اور آپ ﷺ کو ایسے نہ پکاریں جیسے آپس میں ایک دوسرے کو پکارتے ہو۔

2. اختلاف اور تنازعے میں قرآن و سنت کی طرف رجوع: اگر مسلمانوں کے دو گروہوں کے درمیان کوئی جنگ یا اختلاف ہو جائے تو ان کے درمیان انصاف کے ساتھ مصالحت کراؤ۔ اگر کوئی گروہ دوسرے پر زیادتی کرے تو زیادتی کرنے والے گروہ سے اللہ کے حکم کی طرف لوٹنے تک جنگ کرتے رہو۔

3. مسلمانوں کے درمیان تمسخر، عیب جوئی اور برے القابات سے منع: مسلمانوں کو ایک دوسرے کا مذاق اڑانے، عیب تلاش کرنے اور برے القابات (چغلخوری) سے منع کیا گیا ہے۔ یہ سب گناہ کے کام ہیں۔

4. گمان، جاسوسی اور غیبت سے اجتناب: مسلمانوں کو بہت سے گمانوں سے بچنے کا حکم دیا گیا ہے کیونکہ بعض گمان گناہ ہوتے ہیں۔ نیز ایک دوسرے کی عیب جوئی (تجسس) نہ کرو اور نہ ہی غیبت کرو۔

5. انسانی تقویٰ اور برابری کا تصور: تمام انسانوں کو ایک دوسرے کے ساتھ برابری اور احترام کا حکم دیا گیا ہے۔ لوگوں کے درمیان فضیلت کا معیار نسل یا خاندان نہیں بلکہ تقویٰ (خدا ترسی) ہے۔ جو شخص اللہ سے زیادہ ڈرنے والا ہو گا، اللہ کے نزدیک وہی زیادہ قابل عزت ہو گا۔

خلاصہ: سورۃ الحجرات مسلم معاشرے کو باہمی محبت، اخوت، ادب اور اخلاقی اقدار کی بنیاد پر استوار کرنے کے لیے ایک جامع رہنمائی فراہم کرتی ہے۔

اصول التفسیر

نوٹ: حصہ انشائیہ اصول تفسیر سے کوئی سے دو سوال حل کریں۔ ہر سوال کے 14 نمبر ہیں۔

سوال :5 الفوز الکبیر میں قرآن کے کون سے علوم خمسہ کا ذکر ہے؟ ان میں سے تین کی وضاحت کریں۔

جواب : شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ کی عظیم کتاب ''الفوز الکبیر فی اصول التفسیر'' میں قرآن کریم کے علوم کو پانچ اقسام (علوم خمسہ) میں تقسیم کیا گیا ہے۔ یہ تقسیم درحقیقت قرآن مجید کے مضامین اور اسلوب بیان کو سمجھنے کی ایک عظیم کڑی ہے۔

قرآن کریم میں مذکور علوم خمسہ حسب ذیل ہیں: 1.علم الاحکام: اس میں حلال وحرام، فرائض و واجبات، معاملات اور دیگر شرعی احکام شامل ہیں۔ 2.علم الجدل: اس میں انبیاء اور امم سابقہ کے واقعات، ان کی قوموں کے ساتھ ہونے والے مکالمات اور عقلی ونقلی دلائل کے ذریعے حق کو ثابت کرنا شامل ہے۔ 3.علم التذکیر بآیات اللہ: اس میں توحید، آخرت، جنت و دوزخ، اللہ کی قدرت اور نشانیوں کے ذکر کے ذریعے لوگوں کے دلوں میں خشیت وللّٰہیت پیدا کرنا شامل ہے۔ 4.علم التذکیر بایام اللہ: اس میں گذشتہ اقوام پر اللہ کے عذاب اور ان کی ہلاکت کے واقعات بیان کیے گئے ہیں تاکہ لوگ عبرت حاصل کریں۔ 5.علم التذکیر بالموت ومابعدہ: اس میں موت، قبر، حشر نشر، حساب کتاب اور آخرت کے حالات کا تذکرہ شامل ہے تاکہ دنیا کی فانی زندگی سے بے اعتنائی اور آخرت کی تیاری کی طرف رغبت دلائی جائے۔

علم الجدل کی وضاحت: شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ کے نزدیک ''علم الجدل'' قرآن مجید کا ایک اہم علم ہے جس کا مقصد حق کو باطل پر غالب کرنا اور شکوک وشبہات کا ازالہ کرنا ہے۔ اس علم کی چند نمایاں خصوصیات حسب ذیل ہیں: 1.تعریف: علم الجدل سے مراد وہ علم ہے جس میں مناظرہ اور بحث ومباحثہ کے طریقے سے حقائق کو واضح کیا جاتا ہے۔ اس میں مخالفین کے اعتراضات کے جوابات دیے جاتے ہیں اور ان کے شکوک وشبہات کا مدلل اور عقلی انداز میں رد کیا جاتا ہے۔ 2۔ مقصد: اس کا بنیادی مقصد توحید رسالت جیسے بنیادی عقائد کو ثابت کرنا، شرک وکفر کے باطل ہونے پر دلائل پیش کرنا اور اہلِ باطل کے اعتراضات کا دندان شکن جواب دینا ہے۔ 3.طریقہ کار: قرآن مجید میں علم الجدل درج ذیل انداز میں پیش کیا گیا ہے: 4۔ مخالفین کے اعتراضات کو نقل کرنا۔ پھر ان کا منطقی اور عقلی جواب دینا۔ ٹھوس دلائل اور

برہان قاطع کے ذریعے حق کو واضح کرنا۔ بعض اوقات سوال و جواب کے اسلوب کو اپنایا جاتا ہے۔5۔ مثالیں: قرآن مجید میں علم الجدل کی بہترین مثالیں موجود ہیں، جیسے: سورۃ البقرہ میں یہودیوں کے اعتراضات کے جوابات۔ سورۃ الانعام میں مشرکین مکہ کے شرکیہ عقائد کی تردید۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا نمرود کے ساتھ اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کا فرعون کے ساتھ مناظرہ۔ "أَصْطَنَعْتُكَ مِنْ طِينٍ" (کیا میں نے تمہیں مٹی سے پیدا نہیں کیا؟) جیسے فقرات میں مخالفین کو انہی کے دلائل سے جواب دینا۔ 6۔ افادیت: شاہ صاحب رحمہ اللہ کے نزدیک یہ علم اس لیے نہایت اہم ہے کہ یہ مومن کے ایمان کو مضبوط کرتا ہے اور اسے ہر دور کے جدید اور پرانے شکوک و شبہات کا مقابلہ کرنے کی صلاحیت فراہم کرتا ہے۔

علم الجدل کے مخاطبین کے گروہ: 1۔ مشرکینِ عرب: یہ وہ لوگ تھے جو بت پرستی میں غرق تھے اور توحید کے سب سے بڑے منکر تھے۔ ان کے ساتھ جدل کا انداز مختلف تھا۔ قرآن نے انہیں ان کی عقل سے مخاطب کیا، ان کے باطل عقائد (بتوں کو فائدہ پہنچانے والا سمجھنا، فرشتوں کو اللہ کی بیٹیاں کہنا وغیرہ) کی تضحیک کی اور انہیں توحید کی طرف دعوت دی۔ مثال: سورۃ الانعام میں شرک کی تردید، سورۃ الحج میں بتوں کی بے بسی پر دلائل۔

2۔ **منافقین:** یہ وہ گروہ تھا جو ظاہر میں اسلام کا دعویٰ کرتا تھا لیکن باطن میں کفر رکھتا تھا۔ ان کے ساتھ جدل کا طریقہ کار نرم نہیں بلکہ سخت اور بے نقاب کرنے والا تھا۔ قرآن مجید نے ان کی نفاق کی علامات، ان کے شریرانہ ارادوں اور منافقت پر مبنی اعتراضات کا پردہ چاک کیا۔ مثال: سورۃ البقرہ (آیت 8 سے 20) اور سورۃ التوبہ میں منافقین کے کردار اور اعمال کی واضح نشاندہی

3۔ **یہود (بنی اسرائیل) کے ساتھ جدل کا اسلوب:** شاہ صاحب رحمہ اللہ کے مطابق، قرآن مجید نے یہود کے ساتھ جدل میں ان کی اپنی مقدس کتاب (تورات) اور ان کے اپنے پیغمبروں کے اقوال کو بنیاد بنایا ہے، کیونکہ وہ تورات اور انبیاء بنی اسرائیل کو مانتے تھے۔

اہم نکات: ان کی اپنی کتاب سے حجت: قرآن نے انہیں تورات کی ان prophecies اور تعلیمات کی طرف متوجہ کیا جو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ظہور یا ان کے اپنے اعمال کی مذمت پر دلالت کرتی تھیں۔ مثال: سورۃ البقرہ (آیت 40-42) میں ارشاد ہے: ﴿وَ اٰمِنُوْا بِمَاۤ اَنْزَلْتُ مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَكُمْ وَ لَا تَكُوْنُوْۤا اَوَّلَ كَافِرٍۭ بِهٖ...﴾ (اور اس (قرآن) پر ایمان لاؤ جو میں نے نازل کیا ہے، جو اس (تورات) کی تصدیق کرنے والا ہے جو تمہارے پاس ہے... اور تم اس کے سب سے پہلے منکر نہ بن جاؤ)۔ یہ انہیں

ان کے الفاظ سے مخاطب کرنا ہے۔ ان کے تاریخی جرائم کی یاددہانی: قرآن نے ان پر ان کے تاریخی جرائم (جمعہ کے دن مچھلی پکڑنے کے لیے احکام کی خلاف ورزی، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو قتل کرنے کی کوشش، انبیاء کا قتل) کو یاد دلایا تاکہ ان کی moral authority کو challenge کیا جائے۔ ان کے خبثِ باطن کو بے نقاب کرنا: ان کے بارے میں قرآن کا جدلیاتی انداز کافی سخت ہے، کیونکہ انہوں نے جان بوجھ کر حق کو چھپایا اور اسے ماننے سے انکار کیا۔

4۔ نصاریٰ (عیسائیوں) کے ساتھ جدل کا اسلوب: نصاریٰ کے ساتھ جدل کا محور عقیدہ ''تثلیث'' (Trinity) اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بشریت و الوہیت کا مسئلہ تھا۔ ان کے ساتھ استدلال کا انداز زیادہ تر عقلی اور فطری ہے۔

علمُ التَّذکیرِ بِأَیَّامِ اللّٰہ (اَیامِ القصص/عبرت)

تعریف و دائرہ: ماضی کی امتوں، ان کے حالاتِ انکار وطغیان اور ان پر آنے والی سنگین نتائج (عذاب یا عبرت) کی داستانیں تاکہ حاضرین عبرت حاصل کریں۔

قرآنی نمونہ (موضوعی توضیح): قصصِ انبیاء و اقوام قومِ نوح، عاد، ثمود، قومِ لوط، فرعون و بنی اسرائیل وغیرہ یہ سب "أیامِ اللّٰہ" یا عبرتِ سابقین کی مثالیں ہیں۔ قرآنی قصص میں اکثر اللہ کی قدرت، صبرِ رسول، اور قوموں کی عاقبتِ نااندیشی کی تصویر ملتی ہے۔

تفصیل و اھمیت: مقصد عبرت ونشان دہی ہے: قرآن ماضی کے واقعات بیان کرکے بتاتا ہے کہ ناشکری، ظلم اور سرکشی کا انجام کیا ہوا۔ تفسیر میں یہ سمجھنا ضروری ہے کہ قصصِ قرآن اخلاقی/تاریخی سبق کے لیے بیان ہوئے، نہ کہ محض داستانِ تفریح؛ اسی لیے مفسرین نے قصص کی تفسیر میں اسباقِ تربیتی اور سیاقِ تاریخی دونوں پہلوؤں کو ملحوظ رکھا۔ اس علم کا روحانی نتیجہ خوفِ خدا، خوفِ عذابِ الٰہی اور اللہ کی طرف رجوع کی ترغیب ہے۔

عملی اثر: تاریخِ معاشرت، تاریخی عبرتیں، اور امت کی اصلاحِ اخلاقی کے لیے قرآنی قصص اہم حوالہ بنتی ہیں؛ بعض فقہی استدلال میں بھی قصص سے حکمت و اسبابِ شرعیہ کا اندازہ کیا گیا ہے۔

علمُ التَّذکیرِ بِالْمَوْتِ وَمَا بَعْدَہٗ (آخرت وجزا)

- **تعریف و دائرہ:** موت، برزخ، قیامت، حسابِ الٰہی، جزا وسزا اور بہشت و دوزخ کا بیان یعنی وہ آیات جو انسان کے اعمال کے مابعدِ حیات نتائج بتاتی ہیں۔

قرآنی نمونہ (موضوعی حوالہ): قرآن میں مکرر طور پر اعلان ہوتا ہے کہ ﴿كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ﴾ اور بارہا قیامت، حساب، ثواب وعقاب کا مشاہدہ پیش کیا گیا ہے تاکہ انسان دنیاوی غرور سے بچ کر آخرت کے لیے تیار ہو۔

تفصیل و اہمیت: یہ علم انسان کے عملی و اخلاقی فیصلوں پر براہِ راست اثر انداز ہوتا ہے: خوفِ قیامت، امیدِ رحمت، اور حساب وحسابداری کا شعور۔ مفسرین اس زمرے میں آیاتِ اور نصرت (یعنی تشویق وتنبیہ) کو فلسفیانہ، اخلاقی اور اعتقادی زاویوں سے کھولتے ہیں۔ اس علم کا مقصد نہ صرف اندیشہ (خوف) ہے بلکہ ہدایت وترغیب بھی: نیکی کی حوصلہ افزائی اور بدی سے روکنا۔

عملی اثر: عقائدِ بنیاد، آخرت پر ایمان کے متعلق علمی مکاتب اور اخلاقی تربیت اسی علم سے بنتے ہیں؛ فقہ میں ایسی صورتیں جہاں نیت، ثواب وعقاب متعلق ہوتے ہیں، وہ اسی علم سے مزین ہوتی ہیں۔

سوال 6: درج ذیل عبارت کا ترجمہ کریں اور اور قرآن مجید میں ابدال کی دس صورتوں میں سے پانچ کے نام اور مثالیں ذکر کریں۔

قد يذكر الله سبحانه وتعالى فعلا مكان فعل الاغراض شتى نحو قوله تعالى (اهذا الذي يذكر آلهتكم) اى يسب آلهتكم

جواب: ترجمہ: "بسا اوقات اللہ تعالیٰ مختلف مقاصد کے اعتبار سے ایک فعل کے بجائے دوسرا فعل ذکر فرماتا ہے، جیسا کہ اس کا فرمان ہے: (کیا یہ وہ شخص ہے جو تمہارے معبودوں کو یاد کرتا ہے؟) یعنی یہاں ذکر کے لفظ کو سب (برا بھلا کہنے) کے معنی میں استعمال کیا گیا ہے۔"

2. قرآن میں ابدال کی دس صورتوں میں سے پانچ کے نام اور مثالیں: ابدال سے مراد یہ ہے کہ قرآن کریم میں ایک لفظ کو دوسرے لفظ کے معنی میں ذکر کیا جاتا ہے تاکہ فصاحت و بلاغت اور تنوع بیان سامنے آئے۔ شاہ ولی اللہ دہلوی رحمہ اللہ نے الفوز الکبیر میں اس کی دس اقسام ذکر کی ہیں۔ ان میں سے پانچ درج ذیل ہیں:

(1) فعل کو دوسرے فعل کے معنی میں لانا مثال: ﴿أَهَٰذَا الَّذِي يَذْكُرُ آلِهَتَكُمْ﴾ (الأنبیاء: 36) یہاں ذکر کے لفظ کو سب (گالی دینا) کے معنی میں لایا گیا ہے۔

(2) ماضی کے صیغہ کو مستقبل کے معنی میں لانا: مثال: ﴿أَتَىٰ أَمْرُ اللَّهِ فَلَا تَسْتَعْجِلُوهُ﴾ (النحل: 1) یہاں أتى (آ گیا) ماضی کا صیغہ ہے لیکن مراد مستقبل (قیامت کا آنا) ہے۔

(3) ماضی کے صیغہ کو مستقبل کے معنی میں لانا: مثال: ﴿وَ نَادٰۤی اَصۡحٰبُ النَّارِ اَصۡحٰبَ الۡجَنَّۃِ﴾ (الأعراف:50) یہاں ونادی (پکاریں گے) ماضی کے لفظ سے مستقبل (قیامت کے دن پکارنا) مراد ہے۔

(4) واحد کو جمع کے معنی میں لانا: مثال: ﴿فَتَحۡرِيۡرُ رَقَبَةٍ﴾ (النساء: 92) لفظ رقبۃ (گردن/غلام) واحد ہے لیکن مراد اس سے "ایک شخص" ہے جو عمومی طور پر جمع کے ضمن میں آ سکتا ہے۔

(5) جمع کو واحد کے معنی میں لانا: مثال: ﴿اِنَّا نَحۡنُ نَزَّلۡنَا الذِّكۡرَ وَ اِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوۡنَ﴾ (الحجر:9) یہاں نحن (ہم) کا لفظ جمع ہے لیکن مراد ایک ہی ذاتِ الٰہی ہے۔

سوال :7 درج ذیل عبارت کا ترجمہ کریں۔

لیعلم ان المحکم هو ما لا یدرك العارف باللغة من ذلك الكلام الا معنی واحدا، والمعتبر فهم الاولین، لا فهم مدققی زماننا الذین یشقون الشعرة، والمتشابه هو ما یحتمل معنیین لاحتمال رجوع الضمیر الی المرجعین او لاشتراك الكلمة فی معنیین۔

جواب : **ترجمہ:** "یہ بات جان لینی چاہیے کہ محکم وہ کلام ہے جس سے زبان کا ماہر سوائے ایک ہی معنی کے کچھ نہ سمجھے، اور اس میں معیار صحابہ وتابعینِ اولین کا فہم ہے، نہ کہ ہمارے دور کے باریک بین محققین کا فہم جو باریک سے باریک نکتہ کھولنے میں لگے رہتے ہیں۔ اور متشابہ وہ ہے جو دو معنوں کا احتمال رکھتا ہو، یا تو اس لیے کہ ضمیر دونوں مرجعوں کی طرف لوٹنے کا امکان رکھتی ہو، یا اس لیے کہ لفظ دو مختلف معنوں میں مشترک ہو۔"

حصہ معروضی کل نمبر 30

نوٹ: حصہ معروضی کے تمام سوال لازمی ہیں۔

التفسیر

سوال :8 درج ذیل کے مختصر جواب دیں۔ 10 نمبر

سوال :1 ﴿وَ اِذَا سَاَلۡتُمُوۡهُنَّ مَتَاعًا فَسۡـَٔلُوۡهُنَّ مِنۡ وَّرَآءِ حِجَابٍ﴾ کس سورت کی آیت ہے؟

جواب : یہ آیت سورۃ الأحزاب (53:33) کی ہے۔

سوال :2 ﴿وَلَا يُبۡدِيۡنَ زِيۡنَتَهُنَّ اِلَّا مَا ظَهَرَ مِنۡهَا﴾ کس سورت کی آیت ہے؟

جواب : یہ آیت سورۃ النور (31:24) کی ہے۔

سوال :3 "لُجّيّ" اور "سَنَا بَرْقِهٖ" کے معانی لکھیں۔

جواب: 1۔گہرے اور اندھیرے سمندر کو کہتے ہیں۔2۔بجلی کی چمک۔

سوال :4 فتح القدیر کس مفسر کی تالیف ہے پورا نام لکھیں۔

جواب: فتح القدیر کے مصنف امام محمد بن علی بن محمد الشوکانی رحمہ اللہ ہیں (مکمل نام: ال امام محمد بن علی بن محمد الشوکانی الیمانی)۔

سوال :5 ترجمہ کریں۔ الم تر ان الله اعطاك سورة۔ ترى كل ملك دونها يتذبذب

جواب: ترجمہ: "کیا تو نے نہیں دیکھا کہ اللہ نے تجھے (قرآن کی) ایک ایسی سورت عطا کی ہے کہ تو ہر بادشاہ کو اس کے سامنے کانپتا اور ہلتا ہوا دیکھتا ہے۔"

سوال :9 درج ذیل میں سے صحیح پر (✓) اور غلط پر (✗) کا نشان لگائیں۔ 10 نمبر

1۔سورۃ الحجرات کے تین رکوع ہیں۔ (✗)

2۔﴿إِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِينًا﴾ سے مراد صلح حدیبیہ ہے۔ (✓)

3۔سیدنا انس بن نضر رضی اللہ عنہ "فمنهم من قضى نحبه" میں شامل ہیں۔ (✓)

4۔سورۃ نور پارہ نمبر 18 اور 19 میں ہے۔ (✗)

5۔سورۃ فتح کا نزول غزوہ خیبر سے واپسی کے موقع پر ہوا۔ (✗)

6۔جنت کے مشہور دریا تین ہیں جن میں سے ایک دریائے کوثر ہے۔ (✗)

7۔سورۃ محمد کو سورۃ قتال بھی کہتے ہیں۔ (✓)

8۔قرآن مجید میں صرف سیدنا زید رضی اللہ عنہ کا نام مذکور ہے۔ (✓)

9۔پردہ و اجازت کے احکام سورۃ فتح میں ہیں۔ (✗)

10۔"اَشْتَاتًا" "شَتٌّ" کی جمع ہے۔ (✓)

اصول التفسیر

سوال :10 درج ذیل سوالات کے مختصر جواب دیں۔ 5 نمبر

سوال :1 قرآن کریم میں چار گمراہ فرقوں سے مخاصمہ ہوا ہے وہ فرقے کون کون سے ہیں؟ نام لکھیں۔

جواب: مشرکین (عرب)، اہل کتاب (یہود و نصاریٰ)، منافقین۔

سوال :2 کیا ہر آیت کا سبب نزول ہونا ضروری ہے؟

جواب: نہیں، ہر آیت کا سبب نزول ہونا ضروری نہیں ہے۔ بہت سی آیات بغیر کسی خاص واقعہ کے بنیاد
عقائد، احکامات، اخلاقی ہدایات یا آخرت کے حالات بیان کرنے کے لیے نازل ہوئی ہیں۔

سوال:3 ملت ابراہیمی کے شعائر میں سے دو تحریر کریں۔

جواب: قربانی (سورہ الحج میں اسے شعیرہ اللہ قرار دیا گیا ہے) حج اور صفا و مروہ کی سعی (یہ حضرت
ابراہیم رحمہ اللہ اور حضرت ہاجرہ علیہا السلام کی سنت ہے)

سوال:5 اللہ تعالیٰ نے موت کے بعد دوبارہ اٹھائے جانے کو کس مثال سے ثابت کیا ہے۔

جواب: اللہ تعالیٰ نے اسے زمین کے مردہ ہو جانے اور پھر بارش سے اس کے زندہ ہو جانے کی مثال
ثابت کیا ہے (جیسا کہ سورہ الحج کی آیت 5 وغیرہ میں واضح ہے)۔

سوال:5 تحریف معنوی کسے کہتے ہیں؟

جواب: تحریف معنوی سے مراد الفاظ میں کوئی تبدیلی کیے بغیر آیات کے معنی و مفہوم میں ایسی تبدیلی کر
تاویل کرنا جو اللہ اور اس کے رسول کے ارادے کے خلاف ہو، تا کہ اس کا اصلی مطلب مسخ ہو جائے۔
عمل اہل کتاب بالخصوص یہود کے لیے قرآن میں بیان ہوا ہے۔

سوال:11 درج ذیل میں سے صحیح پر (✔) اور غلط پر (✘) کا نشان لگائیں۔ 5 نمبر

1۔ ''الی المرافق'' میں ''الی'' کے معنی ''مع'' کے ہیں۔ (✘)

2۔ ''منفطر بہ'' اصل میں ''منفطر فیہ'' کے معنی میں ہے۔ (✔)

3۔ الفوز الکبیر دراصل اردو زبان میں لکھی گئی تھی۔ (✘)

4۔ شاہ ولی اللہ کا نام احمد بن عبد الرحیم رحمہ اللہ تھا۔ (✔)

5۔ ﴿اِنْ یَّكُنْ مِّنْكُمْ عِشْرُوْنَ صٰبِرُوْنَ﴾ شاہ صاحب رحمہ اللہ کے نزدیک منسوخ نہیں ہے۔ (✘)



بھی دو طرح کے ہیں: ایک وہ جن پر سب کا اتفاق ہے اور دوسرے وہ جن میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ متفق علیہ موانع تین ہیں: نسب، صہر (یعنی سسرالی رشتے) اور رضاعت۔ ان تینوں سے رشتہ نکاح ہمیشہ کے لیے حرام ہے۔ لیکن دو موانع میں فقہاء کے درمیان اختلاف ہوا ہے، ایک زنا ہے کہ کیا زانیہ سے نکاح مستقل طور پر حرام ہوتا ہے یا نہیں، اور دوسرا لعان ہے کہ لعان کے بعد میاں بیوی کا نکاح ہمیشہ کے لیے ٹوٹ جاتا ہے یا دوبارہ ممکن ہے۔

موانع غیر مؤبدہ: دوسری قسم موانع غیر مؤبدہ ہے، یعنی ایسی رکاوٹیں جو وقتی اور عارضی ہوتی ہیں۔ ان کی تعداد نو ہے: پہلا مانع العدد یعنی ایک وقت میں چار سے زیادہ بیویاں رکھنا؛ دوسرا مانع الجمع یعنی ایک وقت میں ایسی دو عورتوں کو جمع کرنا جو آپس میں محرم ہیں جیسے دو بہنیں؛ تیسرا مانع الرق یعنی غلامی کی وجہ سے بعض قیود؛ چوتھا مانع الکفر یعنی مسلمان عورت کا کافر مرد سے نکاح؛ پانچواں مانع الاحرام یعنی حالتِ احرام میں نکاح؛ چھٹا مانع المرض یعنی ایسا مرض جو نکاح پر اثر انداز ہو؛ ساتواں مانع العدہ یعنی عدت کے دوران نکاح کی ممانعت، اگرچہ اس کے مؤبد یا غیر مؤبد ہونے میں اختلاف ہے؛ آٹھواں مانع الطلاق ثلاثا یعنی وہ عورت جسے شوہر تین طلاقیں دے چکا ہو، اس کے ساتھ دوبارہ نکاح تب تک ممکن نہیں جب تک وہ کسی اور سے نکاح کر کے طلاق نہ لے؛ اور نواں مانع الزوجیۃ یعنی عورت کا پہلے سے نکاح میں ہونا۔ اس طرح مجموعی طور پر نکاح کے موانع کی تعداد چودہ (14) ہے۔

مانع الاحرام اور فقہاء کا اختلاف

فقہاء کا اختلاف اس بات پر ہوا ہے کہ حالتِ احرام میں نکاح کرنا جائز ہے یا نہیں۔ امام مالک رحمہ اللہ، امام شافعی رحمہ اللہ، امام احمد رحمہ اللہ، امام اوزاعی رحمہ اللہ اور امام لیث رحمہ اللہ کے نزدیک محرم نہ خود نکاح کر سکتا ہے اور نہ کسی کا نکاح پڑھا سکتا ہے۔ اگر وہ ایسا کر لے تو یہ نکاح باطل ہوگا۔ یہی رائے خلفائے راشدین اور بڑے صحابہ مثلاً حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ، حضرت علی رضی اللہ عنہ، حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے۔ ان سب کی دلیل وہ حدیث ہے جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "لا ينكح المحرم ولا يُنكح"، یعنی احرام کی حالت میں نہ خود نکاح کرے اور نہ کسی اور کا نکاح پڑھائے۔

اس کے برعکس امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کا موقف یہ ہے کہ حالتِ احرام میں نکاح درست ہے اور اس میں کوئی حرج نہیں۔ ان کے نزدیک قرآن نے احرام کی حالت میں شکار کی ممانعت کی ہے لیکن نکاح کی صراحت

نہیں کی، اس لیے وہ نکاح کو منع نہیں سمجھتے۔

اختلاف کی اصل وجہ: اس اختلاف کی اصل وجہ روایات کے درمیان تعارض ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت میں آتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کیا جبکہ آپ محرم تھے، اور یہ روایت بخاری و مسلم میں صحیح سند کے ساتھ موجود ہے۔ لیکن اس کے مقابلے میں حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کی اپنی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ان سے نکاح اس وقت کیا جب آپ حالتِ حلال میں تھے، یعنی احرام میں نہیں تھے۔ یہ روایت کئی طرق سے آئی ہے، جیسے ابو رافع رضی اللہ عنہ، سلیمان بن یسار رضی اللہ عنہ اور دیگر سے۔ چونکہ یہ روایت کئی سندوں سے ثابت ہے، اس لیے اسے زیادہ قوی سمجھا گیا۔ یوں ایک طرف ابن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت ہے اور دوسری طرف میمونہ رضی اللہ عنہا کی متعدد روایات ہیں۔ انہی کے تعارض کی وجہ سے فقہاء میں اختلاف پیدا ہوا۔

راجح قول

ابن رشد رحمہ اللہ کے مطابق زیادہ درست بات یہی ہے کہ احرام نکاح کا مانع ہے، کیونکہ حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کی روایت زیادہ مشہور اور کثیر الطرق ہے اور اس سے ابن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت کی تاویل کی جا سکتی ہے۔ مزید یہ کہ صحیح حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ محرم نہ نکاح کرے اور نہ نکاح پڑھائے، یہ ممانعت بالکل صریح ہے۔ اسی پر خلفائے راشدین اور اکابر صحابہ کا عمل بھی تھا۔ اس لیے جمہور فقہاء کا قول راجح ہے کہ احرام کی حالت میں نکاح کرنا باطل ہے اور نکاح کے چودہ موانع میں یہ مانع بھی شامل ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ نکاح کے موانع دو قسم کے ہیں: دائمی اور وقتی۔ دائمی میں نسب، رضاعت اور سسرالی رشتے شامل ہیں جبکہ وقتی میں نو رکاوٹیں ہیں جن میں سے ایک اہم مانع احرام ہے۔ جمہور فقہاء کے نزدیک حالتِ احرام میں نکاح ناجائز اور باطل ہے جبکہ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ اسے جائز سمجھتے ہیں، لیکن احادیث اور آثارِ صحابہ کی روشنی میں راجح بات جمہور کی ہے۔

سوال 3: مرض الموت میں دی گئی طلاق کا کیا حکم ہے نیز مطلقہ کی وراثت ہوگی یا نہیں بدایۃ المجتہد کی روشنی میں مکمل تحقیق پیش کریں۔

جواب: ابن رشد کی بدایۃ المجتہد میں پیش کردہ تفصیلات کی روشنی میں مرض الموت میں دی گئی طلاق اور مطلقہ کے حقِ وراثت کے حوالے سے درج ذیل نکات قابل ذکر ہیں:

1۔ **طلاق کا واقع ہونا:** فقہا کے درمیان اس بات پر اتفاق ہے کہ مریض کی دی گئی طلاق صحت یابی

کی صورت میں واقع ہو جاتی ہے۔ اختلاف کی بنیادیں طلاق کے بعد مطلقہ کے حقِ وراثت کے مسئلے پر پیدا ہوتی ہیں۔

2۔ وراثت کے اختلافی مواقف: امام مالک رحمہ اللہ اور جماعت: یہ موقف ہے کہ اگر شوہر نے مرض الموت میں طلاق بائنہ دے دی اور اسی مرض میں وفات پا گیا تو عورت کو وراثت ملے گی۔ امام شافعی رحمہ اللہ اور جماعت: ان کے نزدیک ایسی صورت میں عورت وارث نہیں بن سکتی۔

3۔ توریث (وراثت دینے) پر اقوال کی تقسیم: جو فقہا وراثت کے قائل ہیں، وہ تین گروہوں میں منقسم ہیں:

پہلا گروہ (امام ابو حنیفہ، ثوری رحمہما اللہ): عورت کو صرف عدت تک وراثت ملے گی۔

دوسرا گروہ (امام احمد، ابن ابی لیلیٰ رحمہما اللہ): عورت کو وراثت تب تک ملتی رہے گی جب تک وہ دوسری شادی نہ کر لے۔

تیسرا گروہ (امام مالک، لیث رحمہما اللہ): عورت کو وراثت ملے گی، خواہ عدت ختم ہو گئی ہو یا اس نے نئی شادی کر لی ہو۔

4۔ اختلاف کی بنیادی وجہ: اس اختلاف کی بنیاد "سد الذرائع" (ناجائز راستوں کو بند کرنے) کے اصول پر فقہا کے نقطہ ہائے نظر کا فرق ہے۔ مرض الموت میں طلاق دینے والے شوہر پر یہ شبہ ہوتا ہے کہ اس کا مقصد بیوی کو وراثت سے محروم کرنا ہے۔ چنانچہ جو فقہا سد الذرائع کو ملحوظ رکھتے ہیں، وہ عورت کو وراثت دینے کے قائل ہیں، جبکہ دوسرے فقہا طلاق کے وقوع پر زور دیتے ہوئے وراثت کے حق کو ختم کر دیتے ہیں۔

5۔ خاص صورتوں میں اختلاف: اگر عورت نے خود طلاق کا مطالبہ کیا ہو یا شوہر نے اسے اختیار دے دیا ہو (تفویض) تو: امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ: وراثت بالکل نہیں ملے گی۔ امام اوزاعی رحمہ اللہ: اختیار (تملیک) کی صورت میں وراثت نہیں، لیکن شوہر کے خود طلاق دینے کی صورت میں وراثت ملے گی۔ امام مالک رحمہ اللہ: ہر صورت میں وراثت ملے گی، یہاں تک کہ اگر بیوی فوت ہو جائے تو شوہر اس کا وارث نہیں بنے گا، لیکن اگر شوہر فوت ہو جائے تو بیوی وراثت پائے گی۔

خلاصہ: بدایۃ المجتہد کے مطابق مرض الموت میں دی گئی طلاق کے نتیجے میں مطلقہ کے حقِ وراثت کا مسئلہ فقہی اصول "سد الذرائع" کے تحت حل کیا جاتا ہے۔ جمہور فقہا کا رجحان اس طرف ہے کہ ایسی

صورت میں عورت کو وراثت سے محروم نہ کیا جائے تاکہ شوہر وراثت سے محروم کرنے کے لیے طلاق کے ناجائز ذریعے کا استعمال نہ کر سکے۔ تاہم، تفصیلی احکام میں فقہی مذاہب کے درمیان اختلاف پایا جاتا ہے، جس کا انحصار طلاق کی نوعیت اور حالات پر ہے۔

سوال :4 درج ذیل عبارت کا ترجمہ کریں اور مکمل وضاحت کریں۔

جواب : **ترجمہ**: ''اور اس قیاس (یعنی مصلحت کے نام پر اپنی رائے کو ترجیح دینے) کو بروئے کار لانا شریعت میں موجود تعبدی پابندی (توقیف) کو کمزور کرتا ہے، اور یہ بات درست نہیں کہ شریعت میں (مصلحت کے نام پر) اضافہ کیا جائے، جیسا کہ اس میں کمی بھی جائز نہیں۔ نیز (دوسری طرف) مصالح (بھلائیوں) کو یکسر نظر انداز کر دینا لوگوں کے لیے اس راہ کو کھول دیتا ہے کہ وہ اس قسم کے معاملات میں شرعی سنت (طریقوں) کو چھوڑ کر ظلم کی طرف دوڑ پڑیں۔ لہٰذا ہمیں چاہیے کہ اس قسم کی مصلحتوں کے تعین کا معاملہ ان علماء کے حوالے کر دیں جو شرعی قوانین کی حکمتوں کو سمجھنے والے ہیں۔''

مکمل وضاحت اور تشریح: یہ عبارت درج ذیل اہم نکات پر مشتمل ہے:

1. **شریعت کی تعبدیت (توقیف) کا تحفظ**: پہلا اہم نکتہ یہ ہے کہ شریعت کے احکام اپنی اصل میں ''توقیفی'' ہیں، یعنی ان کا ماخذ وحی ہے (قرآن وسنت)۔ اس میں نہ تو کسی قسم کی کمی کی اجازت ہے اور نہ ہی مصلحت کے نام پر از خود اضافے کی۔ اگر ہر کوئی اپنی سمجھ کے مطابق ''مصلحت'' کے تحت احکام میں تبدیلی کرنے لگے تو شریعت کی تعبدی حیثیت مجروح ہوگی اور اس کا دینی تشخص خطرے میں پڑ جائے گا۔

2. **مصلحت کے بے جا استعمال کا خطرہ**: عبارت میں ''اس قیاس'' سے مراد وہ انفرادی رائے ہے جو شرعی نصوص کے واضح حکم کے باوجود محض مفاد یا مصلحت کے نام پر پیش کی جاتی ہے۔ اس طرح کا رویہ درحقیقت شریعت میں ''زیادتی'' کے مترادف ہے، جو کہ اسی طرح ناجائز ہے جیسے اس میں ''کمی'' کرنا۔

3. **مصالح کو یکسر نظر انداز کرنے کا نقصان**: دوسری انتہا یہ ہے کہ شریعت کی حکمتوں اور مقاصد (مقاصد الشریعہ) کو سمجھے بغیر محض ظاہری نص پر اکتفا کر لیا جائے اور حالات و واقعات میں پیش آنے والی نئی مصلحتوں کو یکسر نظر انداز کر دیا جائے۔ اس سخت موقف کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ: لوگ شریعت کے ان انمول طریقوں (سنن) سے محروم ہو جاتے ہیں جو ہر دور کے مسائل کا حل

پیش کرتے ہیں۔

ان کے پاس شرعی راہنمائی نہ ہونے کے برابر رہ جاتی ہے، جس کی وجہ سے وہ بے راہ روی اور غلو کی طرف مائل ہو سکتے ہیں۔

4. درمیانی راستہ اور علماء کا کردار: دونوں انتہاؤں سے بچنے کا بہترین حل یہ ہے کہ نصوص کے احترام کو برقرار رکھتے ہوئے نئے مسائل میں ''مصلحت'' کے تعین کا کام ان اہل علم پر چھوڑ دیا جائے جو:

شرعی قوانین کی حکمتوں (حکم الشرائع) سے آگاہ ہوں: یعنی وہ نصوص کے مقاصد و معانی کو سمجھتے ہوں۔

اجتہاد کی صلاحیت رکھتے ہوں: یعنی وہ شرعی دلائل سے استنباط کر کے نئے مسائل کا حل پیش کر سکتے ہوں۔

خلاصہ: یہ عبارت درحقیقت ہمیں ایک متوازن اور معتدل شرعی نقطہ نظر کی طرف رہنمائی کرتی ہے۔ یہ ایک طرف تو شریعت میں من مانی کے خلاف ہے، تو دوسری طرف جامد اور بے روح تفسیر کی بھی مخالف ہے۔ اس کا خلاصہ یہ ہے کہ ''شریعت کے مقاصد (مقاصد) کو سمجھے بغیر محض نص کا حوالہ دینا درست نہیں، اور نہ ہی مصلحت کے نام پر نص کو نظر انداز کرنا جائز ہے۔ لہٰذا، نص اور مصلحت کے درمیان ہم آہنگی پیدا کرنے کا کام صرف وہی اہل علم درست طور پر کر سکتے ہیں جو شریعت کے مجموعی نظام اور اس کی حکمتوں کو سمجھتے ہوں۔''

اصول الفقہ

نوٹ: حصہ انشائیہ اصول الحدیث سے کوئی سے دو سوال حل کریں۔ ہر سوال کے 14 نمبر ہیں۔

سوال :5 عزیمت و رخصت کی تعریفات لکھیں نیز رخصت کی اقسام بمع امثلہ تحریر کریں۔

جواب : **عزیمت:** تعریف: عزیمت سے مراد شریعت کا اصلی اور بنیادی حکم ہے جو مکلفین کے لیے عام حالات میں بلا کسی عذر کے مقرر کیا گیا ہو۔ یہ حکم ابتدائی تشریع ہے جس میں تخفیف اور کمی نہیں ہوتی۔

وضاحت: یہ عام اور نارمل حالات میں لاگو ہوتا ہے۔ اس میں مکلف سے پوری پابندی کی توقع کی جاتی ہے۔ یہ شریعت کے اولین احکام میں سے ہے۔

مثالیں: نماز: پانچ وقتہ نمازوں کی فرضیت اور انہیں پابندی سے ادا کرنا۔ روزہ: رمضان المبارک کے روزے صحیح سلامت رکھنا۔ حج: زندگی میں ایک بار حج فرض ہونا۔ زکوۃ: مال میں سے مقررہ شرح کے

مطابق زکوٰۃ ادا کرنا۔

رخصت: تعریف: رخصت سے مراد شریعت کا ہلکا اور تخفیف والا حکم ہے جو خاص حالات یا اعذار کی وجہ سے دیا جاتا ہے۔ یہ عزیمت سے تخفیف ہے جو مشقت اور حرج کو دور کرنے کے لیے ہے۔

شرائط رخصت: عذر شرعی کا موجود ہونا، مشقت کا واقعی ہونا، ضرورت کا پایا جانا،

رخصت کی اقسام: رخصت وجوب (واجب ہونے میں تخفیف): وضاحت: جہاں کوئی چیز اصل میں واجب ہو لیکن عذر کی وجہ سے ساقط ہو جائے

مثالیں: مسافر کے لیے رمضان کے روزے چھوڑنا اور بعد میں قضا کرنا، مریض کے لیے نماز میں کھڑے ہونا ساقط ہونا، حائضہ عورت کے لیے نماز و روزہ ساقط ہونا،

رخصت اداء (ادائیگی کے طریقے میں تخفیف) وضاحت: جہاں عبادت کو اصل طریقے کے بجائے آسان طریقے سے ادا کرنے کی اجازت ہو۔

مثالیں: سفر میں نماز قصر کرنا (چار رکعت والی کو دو رکعت پڑھنا) بیمار شخص کا کھڑے ہونے کی بجائے بیٹھ کر نماز پڑھنا، زمین پر سجدہ کرنے کی استطاعت نہ ہو تو اشارے سے سجدہ کرنا

رخصت تقدیر (مقدار میں تخفیف): وضاحت: جہاں عبادت کی مقدار کم کردی جائے۔

مثالیں: مسافر کے لیے چار رکعت والی نماز کو دو رکعت پڑھنا، ضعیف العمر کے لیے روزہ چھوڑ کر فدیہ دینا، معذور کے لیے غسل کے بجائے وضو کرنا۔

رخصت وقت (وقت میں تخفیف) وضاحت: جہاں عبادت کو اصل وقت کے علاوہ کسی دوسرے وقت میں ادا کرنے کی اجازت ہو۔

مثالیں: سفر یا بیماری میں روزہ بعد میں رکھنا، نماز جمعہ کے بجائے ظہر پڑھنا اگر جمعہ میسر نہ ہو، قضاء نمازوں کو بعد میں ادا کرنا،

رخصت استبدال (تبدیلی کی اجازت) وضاحت: جہاں اصل چیز کے بجائے دوسری چیز کو بدل کے طور پر استعمال کیا جا سکے

مثالیں: وضو کے لیے پانی نہ ملنے پر تیمم کرنا، چمڑے کے جرابوں پر مسح کرنا، قربانی میں اونٹ کے بجائے گائے دینا۔

رخصت ترک (چھوڑنے کی اجازت) وضاحت: جہاں کوئی کام اصل میں ممنوع ہو لیکن

مجبوری میں اس کی اجازت ہو

مثالیں: بھوک سے مرنے کے قریب ہو تو حرام غذا کھانا، بیماری میں روزہ چھوڑنا، مجبوری میں سود لینا

سوال 6: اجماع سکوتی کسے کہا جاتا ہے نیز اس کا حکم کیا ہے علماء فن کی آراء بمع دلائل تحریر کریں۔

جواب : **اجماع سکوتی کی تعریف:** اصولیین کے نزدیک اجماع سکوتی اس صورت کو کہتے ہیں جب کسی مجتہد یا فقیہ نے ایک مسئلے میں رائے ظاہر کی، اور باقی علماء نے اس پر اعتراض یا انکار نہ کیا بلکہ خاموش رہے۔ یعنی ایک فقیہ کی رائے سب کے سامنے آئی اور دوسرے اہلِ علم نے اسے رد نہیں کیا، تو یہ سکوتی اجماع کہلاتا ہے۔

اجماع سکوتی کا حکم اور علماء کے اقوال:

1۔ جمہور کا قول (قبول نہیں)

امام شافعی رحمہ اللہ اور ان کے اکثر تبعین، امام مالک رحمہ اللہ کے بعض اقوال اور دیگر اصولیین کے نزدیک اجماع سکوتی حجت نہیں۔ ان کے نزدیک اجماع صرف اس وقت معتبر ہوتا ہے جب سب مجتہدین واضح طور پر کسی مسئلے میں متفق ہوں۔ سکوت کے پیچھے کئی احتمالات ہو سکتے ہیں: ممکن ہے عالم کو علم نہ ہو، یا اس نے سوچنے کے لیے وقت لیا ہو، یا وہ دل سے اختلاف رکھتا ہو لیکن کسی وجہ سے زبان نہ کھولی ہو۔ اس لیے محض سکوت کو دلیلِ قطعی نہیں مانا جا سکتا۔

دلیل: قرآن میں حکم ہے: ﴿فَإِنْ تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللَّهِ وَالرَّسُولِ﴾ (النساء: 59) یعنی اختلاف کی صورت میں اللہ اور رسول کی طرف رجوع کرو۔ اس آیت میں اختلاف اور سکوت دونوں کو برابر قرار نہیں دیا گیا، لہٰذا سکوت سے اجماع ثابت نہیں ہوتا۔ اجماع کی اصل تعریف ہی "اتفاق جمیع المجتھدین" ہے، اور سکوت میں اتفاقِ صریح موجود نہیں ہوتا۔

2۔ حنفیہ اور بعض اصولیین کا قول (قابلِ اعتبار)

احناف اور بعض دیگر علماء کے نزدیک اجماع سکوتی کسی درجے میں معتبر ہے، خاص طور پر جب وہ سکوت ایک ایسے مجمع یا مجلس میں ہو جہاں علماء کو اظہارِ رائے کی آزادی حاصل ہو اور پھر بھی وہ اعتراض نہ کریں۔ ان کے نزدیک سکوت کبھی رضا کی علامت سمجھا جاتا ہے، جیسے کہ نبی کریم ﷺ کا فرمان: "من رأى منكم منكرا فليغيره..."، اگر کوئی منکر کو نہ بدلے اور خاموش رہے تو گویا وہ اسے تسلیم کر رہا ہے۔ اسی اصول پر فقہاء نے کہا کہ کسی ایک کی رائے پر سب کا سکوت بھی دلالت کرتا ہے کہ وہ رائے کم از کم

ناقابلِ اعتراض ہے۔

دلیل: نبی ﷺ کا فرمان ہے: "السكوت علامة الرضا" (سکوت رضا کی علامت ہے)۔

فقہی قاعدہ ہے: "ترك الإنكار مع القدرة دليل الجواز" یعنی اگر اعتراض کرنے کی قدرت کے باوجود کوئی انکار نہ کرے تو یہ جواز کی دلیل ہے۔

3۔ معتدل رائے (کچھ اعتبار ہے مگر قطعی نہیں)

کئی محققین نے کہا ہے کہ اجماع سکوتی کو اجماع قطعی نہیں کہا جا سکتا، البتہ اسے ایک ظنی حجت کے طور پر قبول کیا جا سکتا ہے۔ یعنی اس سے ظن غالب حاصل ہوتا ہے کہ علماء اس رائے کو درست سمجھتے ہیں۔ لیکن چونکہ یہ قطعی نہیں، اس لیے اس پر اجماع کے وہ تمام شرعی آثار مترتب نہیں ہوتے جو اجماع صریح پر ہوتے ہیں۔

خلاصہ

اجماع سکوتی: جب ایک عالم رائے دے اور دوسرے علماء اس پر اعتراض نہ کریں بلکہ خاموش رہیں۔

جمہور علماء: یہ حجت نہیں کیونکہ سکوت کئی وجوہ کی بنا پر ہو سکتا ہے۔

احناف اور بعض اصولیین: یہ معتبر ہے، کیونکہ سکوت رضا کی علامت ہے اور اعتراض نہ کرنا جواز کی دلیل بنتا ہے۔

راجح قول: اجماع سکوتی کو اجماع قطعی نہیں کہا جا سکتا، البتہ یہ ایک ظنی دلیل ہے جسے استدلال میں پیش کیا جا سکتا ہے۔

سوال 7: درج ذیل عبارت کا ترجمہ کریں اور مکمل تشریح کریں۔ لما كان نفس وجوب الحق على الانسان ليس مقصودا لذات الوجوب، بل المقصود من الوجوب حكمه وهو الاداء، فكل حق يمكن اداءه عن الصبي يجب عليه وما لا يمكن لا يجب

جواب: ترجمہ: جبکہ خود انسان پر حق کا وجوب محض وجوب کے اعتبار سے مقصود نہیں ہوتا، بلکہ وجوب کا اصل مقصود اس کا نتیجہ ہے اور وہ ہے ادا کرنا، لہٰذا ہر وہ حق جس کی ادائیگی بچے کی طرف سے ممکن ہے، وہ اس پر واجب ہے، اور جس کی ادائیگی ممکن نہ ہو، وہ اس پر واجب نہیں۔

تشریح: اس عبارت میں فقہی قاعدہ بیان ہوا ہے کہ شریعت میں محض کسی چیز کے واجب قرار دینے کا

مقصد صرف ''وجوب'' نہیں ہوتا بلکہ اس کا اصل مقصد اس واجب کے نتیجے یعنی ''ادائیگی'' کو پورا کرنا ہے۔ مثال کے طور پر زکوٰۃ اور کفارات جیسے مالی حقوق، ان کا مقصد یہ نہیں کہ بس نام کا وجوب بچے یا بالغ پر عائد ہو بلکہ مقصود یہ ہے کہ وہ عملاً ادا ہو سکیں۔

اسی اصول کے تحت یہ قاعدہ بنا کہ اگر کوئی حق ایسا ہے جو نابالغ یا بچہ ادا کر سکتا ہے (مثلاً مالی عبادات جیسے زکوٰۃ، کیونکہ نابالغ کے مال سے ولی یا سرپرست اسے ادا کر سکتا ہے) تو وہ حق بچے پر بھی واجب ہوگا، اور اگر کوئی حق ایسا ہے جس کی ادائیگی بچے سے ممکن ہی نہیں (مثلاً نماز، روزہ وغیرہ جن کے لیے عقل و شعور اور ذمہ داری کی ضرورت ہے) تو وہ اس پر واجب نہیں ہوگا۔

یہ اصول اس بات کو واضح کرتا ہے کہ شریعت کا مقصد مکلف پر غیر معقول بوجھ ڈالنا نہیں بلکہ حقیقی نفع و مقصد حاصل کرنا ہے، یعنی واجبات کا ادا ہونا۔

حصہ معروضی کل نمبر 30

نوٹ: حصہ معروضی کے تمام سوال لازمی ہیں۔

الفقہ

سوال: 8 درج ذیل کے مختصر جواب دیں۔ 10 نمبر

سوال: 1 امام مالک رحمہ اللہ کے نزدیک نکاح میں اولیاء کی ترتیب کس طرح ہوگی؟

جواب: امام مالک رحمہ اللہ کے نزدیک نکاح میں ولایت کا اصول عصبت (قریبی مرد رشتہ دار) پر مبنی ہے، سوائے بیٹے کے، کیونکہ بیٹا اگرچہ عصبات میں سے نہیں لیکن وہ سب سے مقدم ہے۔ سب سے پہلے بیٹے (اگرچہ نیچے کی نسل میں ہوں، یعنی پوتے، پڑپوتے) کو حق ولایت حاصل ہے۔ اس کے بعد باپ کو۔ پھر سگے بھائی جو ماں اور باپ دونوں کی طرف سے ہوں۔ پھر وہ بھائی جو صرف باپ کی طرف سے ہوں۔ اس کے بعد ان بھائیوں کے بیٹے یعنی بھتیجے۔ پھر دادا اوپر کی نسل میں جتنے بھی ہوں)۔ اور مغیرہ رحمہ اللہ کا قول ہے کہ: دادا اور اس کا باپ، بھائی اور بھائی کے بیٹے سے زیادہ مقدم ہیں، کیونکہ وہ اصل (یعنی نسب کے اصول) میں سے ہیں۔ اس کے بعد: چچا (اسی ترتیب پر جیسے بھائیوں میں ہے، یعنی سگے، پھر صرف باپ کی طرف سے)۔ پھر مولا (آزاد کرنے والا مالک)۔ پھر سلطان/ قاضی۔ امام مالک رحمہ اللہ کے نزدیک اعلیٰ درجہ کا مولا (قریبی آزاد کرنے والا) کم درجے کے مولا پر مقدم ہے۔ اسی طرح ان کے نزدیک باپ کا وصی (یعنی ولی بنا ہوا سرپرست) نسبی ولی پر مقدم ہے۔

سوال :2 نکاح میں تشہیر کا کیا مطلب ہوتا ہے؟ تحریر کریں۔

جواب : تشہیر کا مطلب ہے اشتہار دینا یا مشہور کرنا۔ نکاح میں تشہیر سے مراد یہ ہے کہ نکاح کو عام طور پر لوگوں میں ظاہر کیا جائے، خفیہ طریقے سے نہ کیا جائے، تاکہ لوگ اس نکاح سے آگاہ ہوں اور اس میں کسی غلط فہمی یا بدنامی کا اندیشہ نہ رہے۔ فقہا کے ہاں نکاح کا تشہیر مستحب ہے، کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "أَعْلِنُوا هٰذَا النِّكَاحَ"

سوال :3 فاسد نکاح کون کون سے ہوتے ہیں؟ چار عدد تحریر کریں۔

جواب : ابن رشد رحمہ اللہ کے بیان کے مطابق فاسد نکاح کی چند مثالیں:

1. بغیر گواہوں کے نکاح: جس میں دو گواہ موجود نہ ہوں۔

2. ایسی عورت سے نکاح جس سے نکاح حرام ہے: جیسے محرم رشتہ داروں سے نکاح۔

3. شرط کے ساتھ فاسد نکاح: جیسے یہ شرط لگانا کہ عورت اپنے پہلے شوہر سے طلاق یافتہ نہیں ہے حالانکہ وہ طلاق یافتہ ہے۔

4. متعدد شرکاء کی حرمت ملانے والا نکاح: جیسے دو بہنوں کو ایک ساتھ نکاح میں جمع کرنا۔

سوال :4 طلاق میں تخییر اور تملیک کسے کہتے ہیں؟ تحریر کریں۔

جواب : "تخییر" کا مطلب ہے بیوی کو یہ اختیار دینا کہ وہ چاہے تو شوہر کے نکاح میں باقی رہے اور چاہے تو علیحدگی اختیار کر لے۔

مثلاً شوہر اپنی بیوی سے کہے: "میں نے تمہیں اختیار دیا، اگر تم چاہو تو میرے نکاح میں رہو اور اگر چاہو تو طلاق لے لو۔"

اس صورت میں اگر بیوی فوراً طلاق کو اختیار کر لے تو طلاق واقع ہو جائے گی۔ اور اگر سکوت اختیار کرے یا نکاح کو ترجیح دے تو نکاح باقی رہے گا۔ "تملیک" کا مطلب ہے طلاق کا حق بیوی کو منتقل کر دینا، یعنی شوہر بیوی سے کہے: "میں نے طلاق کا حق تمہیں دے دیا، تم جب چاہو اپنے آپ کو طلاق دے سکتی ہو۔" اس صورت میں بیوی کو مستقل اختیار مل جاتا ہے کہ وہ طلاق دے یا نہ دے، اور یہ اختیار اس کے پاس رہتا ہے جب تک کہ وہ استعمال نہ کر لے۔

سوال :5 مطلقہ لونڈی کی عدت کتنی ہوتی ہے بمع دلیل لکھیں۔

جواب : رسول اللہ ﷺ نے لونڈی کے بارے میں فرمایا: "لِلْأَمَةِ حَيْضَتَانِ" یعنی لونڈی کی عدت

الترجمة والانشاء للطلبة 1445ھ/2024 (ضمنی)

حصہ انشائیہ: کل نمبر 72

نوٹ: حصہ انشائیہ مفتاح الانشاء سے کوئی سے دو سوال حل کریں۔ ہر سوال کے 18 نمبر ہیں۔

مفتاح الانشاء

سوال 1: درج ذیل عنوانات میں سے کسی ایک پر کتاب کی روشنی میں عربی میں مضمون لکھیں جو 30 سطروں سے کم نہ ہو۔

(1)العمل شرف وسعادة (2)لماذا نتعلم اللغة العربية (3)عمر بن عبد العزيز والغلام

جواب: (1)العمل شرف وسعادة:

العمل في حياة الإنسان أساس مهم، فهو شرف عظيم وسعادة كبيرة. الإنسان الذي يعمل بجد وإخلاص يجد راحة في نفسه، ويحس أن له قيمة في المجتمع. العمل لا يعني فقط الحصول على المال، بل هو وسيلة لتهذيب النفس وبناء الأمة.

لقد أمرنا الله تعالى بالعمل والسعي، فقال في كتابه الكريم: "وقل اعملوا فسيرى الله عملكم ورسوله والمؤمنون". فهذه الآية تدل على أن الله يحب من عباده أن يعملوا ويجتهدوا. والنبي ﷺ قال: "ما أكل أحد طعاما قط خيرا من أن يأكل من عمل يده." وهذا دليل واضح على أن العمل عبادة وشرف.

الأمم لا تتقدم بالكسل، ولا تنهض بالتواكل، وإنما ترتفع بالعمل والإنتاج. كل فرد في المجتمع إذا قام بعمله بإخلاص، تحقق التقدم وازدهرت البلاد. العامل في المصنع، والفلاح في الحقل، والمعلم في المدرسة، كلهم يخدمون وطنهم ودينهم.

العمل يعطي الإنسان ثقة بنفسه، ويمنحه سعادة داخلية، لأنه يرى ثمرة

جهده. أما البطالة والكسل فيجلبان الهم والحزن، ويجعلان الإنسان عالة على غيره. ولذلك قيل: "العمل حياة والكسل موت."

إن العمل الشريف يرفع مقام الإنسان بين الناس، ويكسبه احترام المجتمع. وقد رأينا أن الصحابة والتابعين كانوا يعملون بأنفسهم، ولم يكونوا يتكلون على غيرهم. هذا دليل على أن العمل شرف، وهو سبب من أسباب سعادة الإنسان في الدنيا والآخرة.

فالواجب على كل مسلم أن يتمسك بالعمل النافع، وأن يبتعد عن البطالة والتواكل. ومن يعمل بإخلاص ينل محبة الله ورضاه، ويسعد في دنياه وأخراه.

(2) لماذا نتعلم اللغة العربية: اس کے جواب کے لیے 2025 کا حل شدہ پرچہ برائے طالبات دیکھیں۔

(3) عمر بن عبد العزيز والغلام: قصة عمر بن عبد العزيز رحمہ اللہ والغلام

ذُكِرَ أنّ الخليفة الراشد عمر بن عبد العزيز رحمہ اللہ كان جالساً في مجلسه، فدخل غلامٌ يفتخر بعمله وجدّه، فقال:

"يا أمير المؤمنين! لقد أرضيتُ سيّدي بعملي، واكتسبتُ رزقي بجهدي وكدّي."

فقال له عمر بن عبد العزيز رحمہ اللہ: "اعملوا فانَّ العملَ شرفٌ، ولا خيرَ فيمن يترُك العملَ ويتّكلُ على الناس.

سؤال 2: (الف) درج سوالات میں سے چار کے عربی میں جواب دیں۔ 08

(1) من هم اسلافنا؟ وباي لغة دُوِّنُوا تاريخهم؟

جواب: أسلافُنا هم الصحابةُ الكرامُ والتابعونَ وتابعوهم بإحسان، وقد دُوِّنَ تاريخُهم باللغةِ العربية.

(2) كيف نشر الصحابة رضی اللہ عنہم اجمعین دين الاسلام في انحاء العالم؟

جواب: نشر الصحابةُ دينَ الإسلام بالقدوةِ الحسنةِ والدعوةِ الصادقة، وبالجهادِ في سبيل الله، حتى بلغ الإسلام مشارقَ الأرض ومغاربَها.

(3) من قدم فكرة انشاء باكستان ومتى؟

جواب: قدَّم فكرةَ إنشاءِ باكستان الشاعرُ الفيلسوفُ محمد إقبال رحمه الله في خطبته المشهورة سنة 1930م، ثم حوَّلها القائدُ محمد علي جناح إلى حقيقةٍ سياسية عام 1947م.

(4) لماذا لقي الامام ابن تيميه رحمه الله اذى كثيرا في حياته؟

جواب: لقي الإمامُ ابنُ تيميةَ رحمه الله أذىً كثيراً في حياتِه بسبب تمسُّكه بالحقّ، وأمرِه بالمعروف، ونهيه عن المنكر، وجرأتِه في بيان العقيدة الصحيحة.

(5) من فتح فلسطين والقدس؟

جواب: فُتِحت فلسطينُ والقدسُ أوّلاً في عهدِ الخليفةِ الراشد عمر بن الخطاب رضي الله عنه سنة 15هـ، ثم أعاد فتحَها بعد الحروب الصليبية القائدُ العظيم صلاح الدين الأيوبي رحمه الله سنة 583هـ.

(ب) درج ذیل جملوں کا عربی میں ترجمہ کریں۔ 10

(1) میں دو دن سے بخار میں مبتلا ہوں۔

أنا مُصابٌ بالحُمّى منذُ يومين.

(2) تم تمباکو نوشی کیوں کرتے ہو؟

لِماذا تُدَخِّنُ التبغَ؟

(3) استاد نے آج ان پانچ طلباء کو کھڑا کر دیا جنہوں نے اپنا کام نہیں کیا تھا۔

أقامَ المُعلِّمُ اليومَ هؤلاءِ الخمسةَ الطلّابَ الذينَ لم يؤدّوا واجبَهم.

(4) یہ ایسا شریر انسان ہے کہ اس پر کوئی بات اثر نہیں کرتی۔

هذا إنسانٌ شريرٌ لا يؤثّرُ فيه كلامٌ أبداً.

(5) ہم کتابوں کی قومی نمائش میں شرکت کریں گے۔

سوف نُشارِكُ في المَعرِضِ القَوميّ للكُتُب.

سوال: 3 درج ذیل الفاظ کو کتاب کے اسلوب پر عربی جملوں میں استعمال کریں۔

(1)توقف (2)تخرج فی (3)اثنی علی (4)دافع عن (5)اصرَّ علی (6)عاد مِن

جواب: (1)توقف: توقّفَ السائقُ عندَ الإشارةِ الحمراء.

(2)تخرج في: تخرَّجَ أخي في كليّةِ الشريعةِ بامتيازٍ.

(3)أثنى على: أثنى المديرُ على الطلّابِ المجتهدين.

(4)دافع عن: دافَعَ الجنديُّ عن وطنِه بشجاعة.

(5)أصرّ على: أصرَّ الطالبُ على متابعةِ دراستِه في الخارج.

(6)عاد مِن: عاد أبي من السفرِ أمسِ متعباً.

تاریخ ادب العربی

نوٹ: حصہ انشائیہ تاریخ ادب العربی سے کوئی سے دو سوال حل کریں۔ ہر سوال کے 18 نمبر ہیں۔

سوال:4 جاہلی نثر کے امتیازات تحریر کریں نیز عکاظ کی اہمیت بتائیں۔

جواب: **نثر کی تعریف:** نثر کسی زبان میں تبادلہ خیالات کرنے کے لیے کلام کی سب سے پہلی وجود پذیر ہونے والی قسم ہے۔ اس لیے کہ وہ آسان و بے قید ہونے کے ساتھ ساتھ سب کی ضرورت کی چیز ہے۔نثر کی دو قسمیں ہیں: 1۔ایک تو مسجع جس کے ہر دو فکروں کے آخری کلمات کو موزون و مقفی لانے کا التزام کیا جائے۔ 2۔دوسری مرسل جس میں سادگی اختیار کی جائے، تاکہ قافیہ بندی کی قید ملحوظ نہ رکھی جائے۔

جاہلی نثر کے امتیازات: زمانہ جاہلیت کی نثر نہایت سادہ اور طبعی ہے، نہ اس میں تکلف کو دخل ہے نہ بناوٹ اور تصنع کا شائبہ، نہ مبالغہ آمیزی کا وجود۔ وہ دیہاتی اخلاق اور بدویانہ ماحول کی صحیح ترجمانی کرتی ہے، صاف شستہ الفاظ، عمدہ ترکیبیں، سلجھے ہوئے خیالات، چھوٹے چھوٹے جملے، استعاروں کی کمی، بیان میں اختصار و اعجاز، ان کی نثر کی خصوصیات ہیں۔ کبھی ان کی عبارتوں میں امثال اور مقولوں کا ایسا تار سلسلہ بھی ملتا ہے جو بے ربط اور اپنی جگہ کے اعتبار سے غیر مناسب معلوم ہوتا ہے۔

عکاظ کی اہمیت: عُکاظ زمانۂ جاہلیت اور ابتدائی اسلام کے مشہور ترین بازاروں میں سے ایک تھا۔ یہ طائف اور مکہ کے درمیان واقع تھا۔ اس کی اہمیت درج ذیل پہلوؤں سے ہے:

1. **تجارتی مرکز:** عرب کے مختلف علاقوں سے لوگ یہاں آتے، خرید و فروخت کرتے اور مال و تجارت کا تبادلہ ہوتا۔ اس سے معیشت کو بڑی تقویت ملتی تھی۔

2. **ادبی مرکز:** یہ بازار صرف تجارت کے لیے نہیں بلکہ شعر و ادب کے مقابلوں کے لیے بھی مشہور تھا۔ بڑے بڑے شعراء یہاں اپنی شاعری پیش کرتے، اور بہترین اشعار کو خانہ کعبہ پر لٹکایا جاتا۔

3. **سیاسی اور سماجی اجتماع:** قبائل یہاں جمع ہوتے، اپنے مسائل پر گفتگو کرتے اور باہمی

جھگڑوں کو سلجھاتے۔ اس طرح یہ مرکز اتحاد و مشاورت بھی تھا۔

4. دعوتِ اسلام کا موقع: رسول اللہ ﷺ نے بھی اسی بازار میں جا کر مختلف قبائل کو اسلام کی دعوت دی۔ اس لیے یہ اسلامی تاریخ میں بھی اہم مقام رکھتا ہے۔

سوال 5: درج ذیل اجزاء میں سے کسی ایک کا جواب دیں۔ (الف) درج ذیل اشعار پر اعراب لگائیں اور لفظی ترجمہ کریں۔

لا يَصلُحُ الناسُ فَوضى لا سَراةَ لَهُم--- وَلا سَراةَ إِذا جُهّالُهُم سادوا

تبقى الامور باهل الراى ما صلحت--- فان تولت فباالاشرار تنقاد

(ب) عنترہ االعبسی کے حالات زندگی اور اس کے اشعار کا خصوصی وصف ذکر کریں۔

جواب: عنترة بن شداد العبسي: ایک تعارف

عنترۃ بن شداد العبسی عرب جاہلیت کے مشہور شاعر، بہادر اور بلند مرتبہ شخصیت تھے۔ ان کا پورا نام عنترۃ بن عمرو بن شداد تھا۔ والدہ کا نام "زُبَيبَة" تھا جو ایک حبشی کنیز تھیں، اسی وجہ سے عنترۃ کو ابتدا میں غلام شمار کیا گیا۔ جاہلی دستور کے مطابق کنیز کے بیٹے کو غلام سمجھا جاتا تھا، لیکن ایک جنگ میں غیر معمولی شجاعت دکھانے کے بعد ان کے والد نے انہیں آزاد کیا اور اپنا بیٹا تسلیم کیا۔

عنترۃ "أغربة العرب" میں سے ایک تھے، یعنی وہ مشہور عرب شخصیات جن کی مائیں حبشی تھیں۔ وہ اپنی بہادری، قوتِ بازو، سخی طبیعت اور خودداری کے باعث اپنی قوم میں ممتاز ہوئے۔ شروع میں زیادہ شعر نہیں کہتے تھے، لیکن ایک شخص نے ان کا مذاق اڑایا تو انہوں نے جواباً اپنی پہلی مشہور قصیدہ "هل غادر الشعراء من متردَّمِ" کہا، جو ان کے اعلیٰ کلام میں شمار ہوتا ہے اور "المذهبة" کے نام سے معروف ہے۔

عنترۃ نے جنگ داحس والغبراء میں شاندار کارنامے انجام دیے اور ان کی شجاعت و کارکردگی کی سب نے تعریف کی۔ بڑھاپے میں وہ غارت گری کی بجائے ضرورت وفقر سے دوچار ہوئے اور ایک سفر کے دوران شدید گرمی اور تیز ہوا کی وجہ سے انتقال کر گئے۔

عنترة العبسي کی شاعری کا نمایاں وصف: عنترۃ العبسی کی شاعری کا سب سے نمایاں وصف شجاعت اور حماسہ ہے۔ ان کے اشعار میں ان کی ذاتی زندگی اور عملی میدانوں کی جھلک ملتی ہے۔" چونکہ غلامی اور محرومی کے حالات سے گزرے تھے، اس لیے ان کے کلام میں عزتِ نفس اور غیرت کی

ایک خاص جھلک پائی جاتی ہے۔ وہ اپنی بہادری، تلوار کے کارناموں اور جنگی فتوحات کو بڑے فخر کے ساتھ بیان کرتے ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ اپنی محبوبہ عبلۃ کے حوالے سے عشق اور محبت کے جذبات بھی نمایاں طور پر ان کی شاعری میں موجود ہیں۔ ان کا کلام تصنع اور بناوٹ سے خالی ہے اور سادگی وصدق سے معمور ہے۔ یہی خصوصیات ان کی شاعری کو عربی ادب میں حماسی شاعری کا بہترین نمونہ بناتی ہیں۔

سوال 6: درج ذیل عبارت پر اعراب لگائیں، ترجمہ کریں اور مفہوم واضح کریں۔

كان الشعر فی الجاهلية ديوان العرب ومجمع ماثرهم ومفاخرهم، فلما نزل القرآن صرفهم تاييده وتحديه عن الشعر والتنافس فيه وربا النبی بالمؤمنين عن المفاخرة والمناخرة والهجاء وراوية الشعر فی ذلك اكاماتة للجاهلية الموبسقة

جواب **عبارت مع اعراب:** كَانَ الشِّعْرُ فِي الْجَاهِلِيَّةِ دِيوَانَ الْعَرَبِ وَمَجْمَعَ مَآثِرِهِمْ وَمَفَاخِرِهِمْ، فَلَمَّا نَزَلَ الْقُرْآنُ صَرَفَهُمْ تَأْيِيدُهُ وَتَحَدِّيهِ عَنِ الشِّعْرِ وَالتَّنَافُسِ فِيهِ، وَرَبَّى النَّبِيُّ بِالْمُؤْمِنِينَ عَنِ الْمُفَاخَرَةِ وَالْمُنَاخَرَةِ وَالْهِجَاءِ، وَرِوَايَةُ الشِّعْرِ فِي ذَلِكَ إِكَامَةٌ لِلْجَاهِلِيَّةِ الْمُوبِسِقَةِ.

ترجمہ: ”زمانۂ جاہلیت میں شعر عربوں کا دیوان (یعنی دفتر وریکارڈ) اور ان کی کارناموں اور فخریہ باتوں کا مرکز تھا۔ لیکن جب قرآن نازل ہوا تو اس کی تائید اور اس کے چیلنج نے انہیں شعر اور اس میں مقابلہ بازی سے روک دیا۔ اور نبی کریم ﷺ نے مؤمنوں کی تربیت فخریہ مقابلوں، ناک پر ناک رکھنے (یعنی تکبر وانانیت)، اور ہجو سے اوپر اٹھا دی۔ پس ایسے موقع پر شعر کی روایت کرنا گویا جاہلیتِ ہلاکت خیز کو زندہ کرنا ہے۔“

مفہوم: زمانہ جاہلیت میں شعر عرب معاشرت کا سب سے بڑا سرمایہ اور ان کی تہذیب وتمدن کا ترجمان تھا۔ شعر ان کے لیے ایک دیوان کی حیثیت رکھتا تھا جس میں ان کی تاریخ، بہادری کے واقعات، کارنامے، قبائلی مآثر اور فخر ومباہات محفوظ رہتے تھے۔ عرب معاشرہ اپنی عزت وشہرت، بہادری اور حسب ونسب کے تذکروں کو شعر ہی کے ذریعہ زندہ رکھتا اور آئندہ نسلوں تک منتقل کرتا تھا۔ اسی لیے ہر قبیلہ اپنے شاعر کو اپنی زبان اور اپنے وجود کا محافظ سمجھتا تھا۔
لیکن جب قرآن کریم نازل ہوا تو اس کی اعجاز بیانی اور اسلوب کا چیلنج ایسا تھا جس نے عربوں کو شعر و

شاعری کے میدان میں مقابلہ بازی اور فخریہ طرزِ اظہار سے روک دیا۔ قرآن کی بلاغت نے ان کے سامنے یہ حقیقت واضح کر دی کہ اصل فخر اور شرف شعر کے میدان میں غلبہ پانے میں نہیں بلکہ اللہ کی کتاب کی اتباع میں ہے۔ یوں شعر کی وہ حیثیت جو جاہلی معاشرت میں مرکزی مقام رکھتی تھی، رفتہ رفتہ پیچھے ہٹ گئی۔

مزید برآں رسول اللہ ﷺ نے مسلمانوں کی تربیت کرتے ہوئے انہیں مفاخرہ (فخر جتانے)، منافرہ (تکبر اور انانیت دکھانے)، اور ہجو جیسی جاہلی عادات سے بچایا۔ اسلام نے مسلمانوں کو سکھایا کہ اصل عزت تقویٰ اور اطاعتِ الٰہی میں ہے نہ کہ حسب ونسب کے فخر اور شاعرانہ مبالغہ آرائی میں۔ اس پس منظر میں جاہلی اشعار کی روایت یا ان میں مبالغہ آمیز فخریہ انداز کو دہرانا گویا دوبارہ اس عہدِ جاہلیت کو زندہ کرنے کے مترادف ہے جسے قرآن اور تعلیماتِ نبوی نے مٹانے کی کوشش کی۔

الغرض، اس عبارت میں اسلام اور قرآن کے نزول کے بعد شعر کی سابقہ حیثیت اور اس کے اثرات میں آنے والی تبدیلی کو واضح کیا گیا ہے۔ اسلام نے شعر کو بالکل رد نہیں کیا بلکہ اس کے جاہلیانہ اور منفی پہلوؤں (فخر، ہجو، جھوٹی مباہات) سے روک دیا، اور اسی کو "إكامة للجاهلية الموبسقة" یعنی "ہلاکت خیز جاہلیت کو زندہ کرنا" قرار دیا۔

حصہ معروضی کل نمبر 28

نوٹ: حصہ معروضی کے تمام سوال لازمی ہیں۔

مفتاح الانشاء

سوال: 7 درج ذیل اجزاء میں سے پانچ کے مختصر جواب دیں۔ 10 نمبر

سوال: 1 شعر پر اعراب لگائیں۔ اذا الشعر لم يهزرك عند سماعه۔۔۔ فليس خليقا ان يقال له شعر

جواب: إِذَا الشِّعْرُ لَمْ يَهْزُزْكَ عِنْدَ سَمَاعِهِ۔۔۔ فَلَيْسَ خَلِيقًا أَنْ يُقَالَ لَهُ شِعْرٌ

ترجمہ: اگر شعر سن کر تمہارے دل کو نہ جھنجھوڑے تو وہ شعر کہلانے کے لائق ہی نہیں۔

سوال: 2 فعل متعدی الی مفعولین کی مثال تحریر کریں۔

جواب: أَعْطَيْتُ الفَقِيرَ مالاً۔

سوال: 3 اعراب لگائیں اور ترجمہ کریں۔ "يتعلم الصغار العادات والاخلاق من الكبار"

جواب: يَتَعَلَّمُ الصِّغَارُ العَادَاتِ وَالأَخْلَاقَ مِنَ الكِبَارِ۔

ترجمہ: بچے بڑوں سے عادات اور اخلاق سیکھتے ہیں۔

سوال 4: مذہبی تعصب پر کیسے قابو پایا جا سکتا ہے؟

جواب: مذہبی تعصب پر قابو برداشت، وسعتِ نظر، مکالمہ اور تعلیم کے ذریعے پایا جا سکتا ہے۔

سوال 5: ترجمہ کریں۔ هرم، سلفحاة

جواب: هرم (بڑھاپا)، سلحفاة (کچھوا)

سوال 6: مثال دے کر وضاحت کریں۔

جواب: من الحبة تنشا الشجرة یہ مثال بتاتی ہے کہ ایک چھوٹے سے بیج سے بڑا درخت پیدا ہوتا ہے۔ اس سے یہ سبق ملتا ہے کہ بڑی بڑی کامیابیاں اور کارنامے چھوٹی سی محنت یا کوشش سے شروع ہوتے ہیں۔ مثال: مِنَ الكَلِمَةِ الطَّيِّبَةِ تَنْشَأُ المَحَبَّةُ (ایک اچھے لفظ سے محبت پیدا ہوتی ہے)۔

سوال 8: درج ذیل میں سے صحیح پر (✔) اور غلط پر (✘) کا نشان لگائیں۔ 4 نمبر

1۔ یہ (!) علامت افسوس کے اظہار کے لیے ہے۔ (✘)

2۔ "لا یزال قلب الام معلقا بطفله" جملہ صحیح ہے۔ (✘)

3۔ "جد" کی جمع "جدات" آتی ہے۔ (✘)

4۔ آپ ﷺ نے تین بار فرمایا: "يد خل عليكم رجل من اهل الجنة" سے مراد ابوبکر رضی اللہ عنہ تھے۔ (✔)

(پہلی دفعہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ آئے، دوسری دفعہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ آئے اور تیسری دفعہ آپ ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خواہش کی)

تاریخ ادب العربی

سوال 9: درج ذیل سوالات کے مختصر جواب دیں۔ 10 نمبر

سوال 1: قس بن ساعدہ الایادی کا خطبہ آپ ﷺ نے کس جگہ سماعت کیا اور کیا تبصرہ فرمایا تھا؟

جواب: آپ ﷺ نے قس بن ساعدہ الایادی کا خطبہ عکاظ کے میلے میں سماعت فرمایا۔

تبصرہ: ایک روایت کے مطابق آپ ﷺ نے فرمایا: "خدا قس پر رحم فرمائے، مجھے امید ہے کہ وہ

بلکہ ہوتا ہوا نظر بھی آئے۔

مساوات: قاضی کو چاہیے کہ فریقین کو برابر بٹھائے اور دونوں کے ساتھ یکساں گفتگو کرے۔ حدیث میں ہے: "فليسوِّ بينهما في المجلس والنظر" (بیہقی)

یعنی قاضی مجلس اور نظر میں برابری کرے۔

وقار اور سنجیدگی: عدالت میں غیر ضروری ہنگامہ یا بناوٹ نہ ہو بلکہ سنجیدگی اور وقار قائم رہے تاکہ فریقین مطمئن ہوں۔

خوفِ خدا: قاضی کو ہر وقت اللہ کے خوف کو دل میں رکھنا چاہیے۔ نبی ﷺ نے فرمایا: "من قضيت له بحق مسلم فإنما أقطع له قطعة من النار" (بخاری)

یعنی جو شخص جھوٹی دلیل سے دوسرے کا حق لے، وہ آگ کا ٹکڑا ہے۔

نرمی اور خوش اخلاقی: قاضی کا رویہ ایسا ہونا چاہیے کہ فریقین کھل کر اپنی بات پیش کر سکیں۔ سختی اور بدزبانی انصاف کی راہ میں رکاوٹ بنتی ہے۔

عوامی اعتماد: عدالت کا ماحول ایسا ہونا چاہیے کہ عوام کو یقین ہو کہ انہیں انصاف ملے گا۔ یہی وجہ ہے کہ اسلامی عدالتوں پر عوام کو مکمل اعتماد تھا۔

تاریخی مثال: حضرت علی رضی اللہ عنہ کے مقدمے میں جب ایک یہودی کے ساتھ زرہ کا جھگڑا ہوا تو قاضی شریح رحمہ اللہ نے دلیل کی بنیاد پر فیصلہ یہودی کے حق میں دیا۔ یہ عدل کی عظیم مثال ہے کہ خلیفہ وقت بھی عدالت میں عام شہری کے برابر ہے۔

نتیجہ: عدل اسلامی نظام کی روح ہے۔ قاضی اس عدل کا عملی محافظ ہے۔ قاضی کے منصب کا تقاضا ہے کہ وہ قرآن وسنت کے مطابق، غیر جانب داری سے اور خدا خوفی کے ساتھ فیصلے کرے۔ عدالت میں مساوات، وقار اور عوامی اعتماد قائم رکھا جائے۔ عدل سے معاشرہ امن، ترقی اور خوشحالی کی راہ پر گامزن ہوتا ہے جبکہ ظلم معاشروں کے زوال کا سبب بنتا ہے۔ اسلامی تاریخ عدل کی روشن مثالوں سے بھری ہوئی ہے جو آج بھی انسانیت کے لیے مشعلِ راہ ہیں۔

سوال 2: اسلامی قانون میں حدیث نبوی کی اہمیت وضرورت واضح کریں۔

جواب: مقدمہ: اسلام ایک ہمہ گیر اور مکمل ضابطۂ حیات ہے جو زندگی کے تمام پہلوؤں میں انسان کی رہنمائی کرتا ہے۔ اس رہنمائی کے بنیادی ماخذ قرآن اور سنت ہیں۔ قرآن کریم اللہ کی کتاب اور اصل ماخذ

ہے، لیکن اس کی تعلیمات کو عملی زندگی میں نافذ کرنے کے لیے حدیث وسنت کی ضرورت پیش آتی ہے۔
نبی کریم ﷺ نے نہ صرف قرآن کی وضاحت فرمائی بلکہ اپنے قول، فعل اور تقریر کے ذریعے شریعت کا عملی نمونہ پیش کیا۔ اس لیے اسلامی قانون میں حدیث کی اہمیت اور ضرورت بنیادی حیثیت رکھتی ہے۔

قرآن کی وضاحت اور تشریح: قرآن کے کئی احکام اجمالی اور اصولی نوعیت کے ہیں۔ ان کی تفصیلات حدیث کے ذریعے سامنے آتی ہیں۔

نماز کا حکم قرآن میں بار بار آیا ہے لیکن اس کا طریقہ، رکعات کی تعداد اور اوقات حدیث سے معلوم ہوئے۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

"صلوا كما رأيتموني أصلي" (بخاری) یعنی نماز اسی طرح پڑھو جیسے مجھے پڑھتے دیکھتے ہو۔

زکوٰۃ کے نصاب اور تقسیم کے اصول بھی سنت سے معلوم ہوتے ہیں۔

روزہ رکھنے اور افطار کے اوقات، اعتکاف اور فدیہ وغیرہ کی تفصیلات حدیث میں ملتی ہیں۔

حج کے مناسک کا حکم قرآن میں موجود ہے، لیکن ان کا طریقہ رسول اللہ ﷺ کے قول وفعل سے واضح ہوا۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

"خذوا عني مناسككم" (مسلم) یعنی اپنے حج کے طریقے مجھ سے سیکھ لو۔

قرآن کی تکمیل: حدیث قرآن کے احکام کی تکمیل کرتی ہے۔

قرآن نے چوری کی سزا کا ذکر کیا: ﴿وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوٓا اَيْدِيَهُمَا﴾ (المائدہ: 38) لیکن یہ وضاحت کہ ہاتھ کہنی سے نہیں بلکہ کلائی سے کاٹا جائے گا، حدیث سے معلوم ہوئی۔

رجم (سنگسار) کی سزا قرآن میں صراحت کے ساتھ بیان نہیں ہوئی لیکن سنت متواترہ سے یہ ثابت ہے کہ شادی شدہ زانی کو رجم کیا جائے گا۔

قرآن میں مال غنیمت کے بارے میں عام اجازت ہے: ﴿فَكُلُوْا مِمَّا غَنِمْتُمْ حَلٰلًا طَيِّبًا﴾ (الانفال: 69) لیکن حدیث نے وضاحت کی کہ اس میں سے خمس (پانچواں حصہ) بیت المال کے لیے نکالا جائے گا۔

قرآن کی تخصیص اور تحدید: بعض قرآنی آیات عام ہیں جن کو حدیث نے خاص کیا۔

قرآن میں ارشاد ہے: ﴿حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ﴾ (المائدہ: 3) لیکن حدیث نے مردہ مچھلی اور ٹڈی کو اس سے مستثنیٰ قرار دیا۔

قرآن نے ربا (سود) کو حرام قرار دیا لیکن یہ وضاحت کہ کون سے معاملات سود میں آتے ہیں، حدیث نے بیان کی۔

سنت کی اطاعت کا قرآنی حکم: اللہ تعالیٰ نے سنت کی اطاعت کو قرآن کی طرح واجب قرار دیا ہے: ﴿وَمَآ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ ۚ وَمَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا﴾ (الحشر: 7) یعنی رسول جو کچھ دیں وہ لے لو اور جس سے روکیں رک جاؤ۔

اسی طرح فرمایا: ﴿مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ ۚ﴾ (النساء: 80) یعنی جس نے رسول کی اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کی۔

یہ آیات واضح کرتی ہیں کہ نبی ﷺ کی سنت اسلامی قانون کا مستقل ماخذ ہے۔

فقہ واجتہاد میں حدیث کی ضرورت:

اسلامی فقہ اور اجتہاد کا دروازہ سنت کے بغیر نہیں کھل سکتا۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کسی نئے مسئلے میں پہلے قرآن کی طرف رجوع کرتے، پھر سنت کی تلاش کرتے۔

خلفائے راشدین اپنے فیصلوں میں سنت کو بنیاد بناتے تھے۔

امام شافعی رحمہ اللہ نے فرمایا: ”اگر میں نے کوئی بات رسول اللہ ﷺ کی سنت کے خلاف کہی ہو تو میری بات کو دیوار پر دے مارو۔“

تاریخی مثالیں:

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ”اگر سنت نہ ہوتی تو ہم نہ جان پاتے کہ نماز کیسے پڑھیں اور زکوٰۃ کیسے دیں۔“

قاضی شریح رحمہ اللہ کے فیصلے سنت کی بنیاد پر ہوتے تھے اور خلفائے وقت بھی ان فیصلوں کے سامنے سر تسلیم خم کرتے تھے۔

فقہائے اربعہ (امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ، امام مالک رحمہ اللہ، امام شافعی رحمہ اللہ، امام احمد رحمہ اللہ) نے حدیث کو اسلامی قانون کا دوسرا بنیادی ماخذ قرار دیا۔

حدیث کے بغیر قرآن کی تفہیم ناممکن: اگر حدیث نہ ہو تو قرآن کے کئی احکام مبہم رہ جائیں۔ مثلاً:

- نماز کا حکم تو ہے مگر طریقہ نہیں۔
- زکوٰۃ کا ذکر ہے مگر نصاب نہیں۔
- حج کا ذکر ہے مگر مناسک نہیں۔

یہ سب سنت کے بغیر واضح نہیں ہو سکتے۔ اس لیے سنت کو اسلامی قانون کی ''روح'' کہا گیا ہے۔

نتیجہ: اسلامی قانون میں حدیث کی حیثیت بنیادی ہے۔ یہ قرآن کی وضاحت، تکمیل اور عملی تفسیر ہے۔ اللہ تعالیٰ نے سنت کو واجب الاتباع قرار دیا ہے اور نبی کریم ﷺ نے اپنی سنت کو قرآن کے ساتھ ہدایت کا ذریعہ بتایا ہے۔ فقہائے اسلام نے بھی ہر دور میں سنت کو قانون سازی کی اساس بنایا۔ اس لیے کہا جا سکتا ہے کہ قرآن اور حدیث دونوں مل کر اسلامی قانون کو مکمل اور جامع بناتے ہیں۔ سنت کے بغیر قرآن کا عملی نفاذ ممکن نہیں۔

سوال:3 افلاطون کے نزدیک معاشرہ کتنے طبقوں پر تقسیم ہے اور اسلامی تعلیمات کے تناظر میں اس کا ناقدانہ جائزہ پیش کریں۔

جواب: اس سوال کا جواب 2024 کے سالانہ پرچہ میں دیکھیں۔

سوال:4 اقوام متحدہ کا تعارف، تنظیمی ڈھانچہ اور ضرورت بیان کرتے ہوئے اس کی ناکامی کے اسباب واضح کریں۔

جواب: تعارف: اقوام متحدہ (United Nations) دوسری جنگِ عظیم کے بعد عالمی امن قائم کرنے اور بین الاقوامی تعلقات کو بہتر بنانے کے لیے وجود میں آئی۔ 24 اکتوبر 1945ء کو 51 ممالک نے اس کے چارٹر پر دستخط کیے اور یوں یہ ادارہ وجود میں آیا۔ اس وقت دنیا میں تقریباً 193 ممالک اس کے رکن ہیں۔ اس کا صدر دفتر نیو یارک (امریکہ) میں واقع ہے۔

اقوام متحدہ کا مقصد عالمی امن وسلامتی کو قائم رکھنا، انسانی حقوق کا تحفظ کرنا، اقتصادی اور معاشی ترقی کے لیے تعاون فراہم کرنا اور اقوام عالم کے درمیان باہمی ہم آہنگی کو فروغ دینا ہے۔

تنظیمی ڈھانچہ: اقوام متحدہ کا تنظیمی ڈھانچہ کئی اہم اداروں پر مشتمل ہے:

جنرل اسمبلی: یہ اقوام متحدہ کا مرکزی اور نمائندہ ادارہ ہے۔ اس میں تمام رکن ممالک شامل ہوتے ہیں اور ہر ملک کا ایک ووٹ ہوتا ہے۔ اہم بین الاقوامی مسائل یہاں زیر بحث لائے جاتے ہیں۔

سلامتی کونسل: (Security Council) یہ سب سے طاقتور ادارہ ہے جو امن وسلامتی کے متعلق فیصلے کرتا ہے۔ اس کے 15 ارکان ہیں جن میں 5 مستقل (امریکہ، برطانیہ، روس، فرانس، چین) اور 10 غیر مستقل رکن ممالک ہوتے ہیں۔ مستقل ارکان کو ویٹو (Veto) کا حق حاصل ہے۔

اقتصادی و سماجی کونسل: یہ ادارہ معاشی تعاون، تعلیمی ترقی، صحت اور انسانی حقوق کے

معاملات دیکھتا ہے۔

بین الاقوامی عدالت انصاف: یہ نیدر لینڈز کے شہر ہیگ میں واقع ہے اور بین الاقوامی تنازعات کو قانونی طریقے سے حل کرنے کی کوشش کرتی ہے۔

سیکرٹریٹ: یہ اقوام متحدہ کا انتظامی ادارہ ہے جس کا سربراہ سیکرٹری جنرل ہوتا ہے۔ سیکرٹری جنرل اقوام متحدہ کا ترجمان اور سربراہ عملہ سمجھا جاتا ہے۔

ٹرسٹی شپ کونسل: یہ ادارہ نوآبادیاتی علاقوں کو آزادی دلانے کے لیے قائم کیا گیا تھا۔ وقت گزرنے کے ساتھ اس کی افادیت کم ہو گئی۔

اقوام متحدہ کی ضرورت:

- عالمی جنگوں کے بعد ایک ایسا ادارہ ضروری تھا جو دنیا کو مزید جنگوں سے بچا سکے۔
- طاقتور اور کمزور ممالک کے درمیان ثالثی کا کردار ادا کرے۔
- انسانی حقوق کی حفاظت کرے۔
- دنیا کے مختلف خطوں میں معاشی و سماجی ترقی کے منصوبے بنائے۔
- چھوٹے ممالک کو بڑی طاقتوں کے دباؤ سے محفوظ رکھے۔

یوں اقوام متحدہ کو "دنیا کی امن کی امید" کہا گیا۔

اقوام متحدہ کی ناکامی کے اسباب:

اگرچہ اقوام متحدہ نے کچھ کامیابیاں حاصل کی ہیں لیکن بڑے مسائل کے حل میں یہ ناکام رہا ہے۔ اس کے اسباب درج ذیل ہیں:

ویٹو پاور: سلامتی کونسل کے مستقل ارکان کو ویٹو کا حق حاصل ہے۔ اگر کوئی مستقل رکن مخالفت کر دے تو قرارداد پاس نہیں ہو سکتی۔ اس وجہ سے بڑے مسائل ہمیشہ رکے رہتے ہیں۔

طاقتور ممالک کا دباؤ: اقوام متحدہ اکثر بڑی طاقتوں کے زیرِ اثر رہتا ہے۔ امریکہ، روس اور دیگر ممالک اپنے سیاسی مفادات کے لیے اس ادارے کو استعمال کرتے ہیں۔

مسلم ممالک کے مسائل: فلسطین، کشمیر اور افغانستان جیسے مسائل اقوام متحدہ کے ایجنڈے پر آئے مگر عملی طور پر کوئی فیصلہ نافذ نہیں کیا گیا۔ اس وجہ سے یہ ادارہ مسلم دنیا کے مسائل میں ناکام دکھائی دیتا ہے۔

دوہرے معیار: بعض ممالک کے خلاف پابندیاں سختی سے عائد کی جاتی ہیں جبکہ بعض طاقتور ممالک

...انشورنس: انشورنس کا جدید تصور اور اس کی شرعی حیثیت ایک پیچیدہ اور مباحثہ کا موضوع ہے۔
...ام طور پر تجارتی انشورنس کے بارے میں علماء کے درمیان دو اہم آراء پائی جاتی ہیں:

...ممانعت کا نقطہ نظر: زیادہ تر علماء روایتی تجارتی انشورنس (جیسے لائف انشورنس، جنرل ...نشورنس) کو حرام قرار دیتے ہیں۔ ان کے دلائل درج ذیل ہیں:

...غیر یقینی اور جہالت (غَرَر): انشورنس کے معاہدے میں فائدہ اور نقصان دونوں غیر یقینی ہوتے ہیں۔ یہ ...رر کی ایک قسم ہے، جسے نبی کریم ﷺ نے منع فرمایا ہے۔

...سود (ربا) کا شائبہ: انشورنس کمپنیاں جمع کی گئی رقم کو سود پر لگا کر منافع کماتی ہیں، جس میں ربا کا عنصر ...شامل ہوسکتا ہے۔

...قمار (جوئے) کا مشابہت: اس میں ایک فریق (انشورڈ) معمولی رقم (پریمیم) دے کر بڑی رقم (کلائم) ...حاصل کرسکتا ہے، جبکہ دوسرا فریق (انشورر) کچھ بھی نہ دے سکتا ہے۔ یہ جوئے کے اصول سے مشابہت ...رکھتا ہے۔

2۔اجازت کا نقطہ نظر: بعض معاصر علماء ایک مخصوص قسم کی انشورنس کو جائز قرار دیتے ہیں، جسے "تعاونیا کافل" کہا جاتا ہے۔ اس کے اصول یہ ہیں:

○ **باهمی تعاون:** اس کا مقصد منافع کمانا نہیں بلکہ باہمی تعاون اور مالی مدد کرنا ہوتا ہے۔ شرکاء ایک فنڈ میں حصہ ڈالتے ہیں اور ضرورت پڑنے پر اس فنڈ سے مدد لی جاتی ہے۔

○ **شرعی نظائر:** یہ تصور عربی قبائلی نظام "العاقلہ" (جہاں قتل کے دیے کا بار سب قبائل مل کر اٹھاتے تھے) سے ملتا جلتا ہے۔

○ **شرعی پابندیاں:** تاکافل فنڈ کا پیسہ سود پر مبنی لین دین میں استعمال نہیں ہوتا اور تمام کاروبار شرعی اصولوں کے مطابق ہوتے ہیں۔

خلاصہ یہ کہ عام تجارتی انشورنس شرعی اعتبار سے مشکوک ہے، جبکہ تعاون پر مبنی اسلامی انشورنس (تاکافل) کو زیادہ قابلِ قبول سمجھا جاتا ہے، بشرطیکہ وہ شرعی ضوابط کی پابندی کرے۔

3۔سود کے نقصانات: سود ایک ایسا معاشی زہر ہے جو فرد، معاشرہ اور ریاست سب کے لیے تباہ کن نتائج کا حامل ہے۔ اس کے چند اہم نقصانات درج ذیل ہیں:

1۔معاشی نقصانات:

o**امیر اور غریب کے درمیان خلیج:** سود کا نظام دولت کو چند ہاتھوں میں مرتکز کر دیتا ہے، جس سے معاشی عدم مساوات بڑھتی ہے۔

o**معاشی عدم استحکام:** سود پر مبنی معیشت قرضوں کے بوجھ تلے دب جاتی ہے، جس سے مالیاتی بحران (جیسے 2008 کا عالمی بحران) پیدا ہوتے ہیں۔

o **پیداواری سرگرمیوں میں کمی:** سود میں پیسہ لگانا آسان ہوتا ہے، اس لیے سرمایہ کار حقیقی پیداواری شعبوں (جیسے فیکٹریاں، زراعت) میں سرمایہ کاری کی بجائے سود پر رقم دے کر آسان منافع کمانا پسند کرتے ہیں۔

o **قومی قرضے:** ممالک سود پر قرضے لے کر قومی معیشت کو دیوالیہ پن کے دہانے پر پہنچا دیتے ہیں۔

2۔اخلاقی و سماجی نقصانات:

o**انسانیت کا خاتمہ:** سود انسانوں کے درمیان ہمدردی، غم خواری اور تعاون کے جذبات ختم کر کے لالچ اور خودغرضی کو فروغ دیتا ہے۔

o**استحصال:** سودخوار غریب اور ضرورت مند لوگوں کی مجبوریوں سے فائدہ اٹھاتا ہے۔

o **سماجی برائیاں:** سود کی وجہ سے معاشرے میں حسد، بغض، چوری، ڈاکہ زنی اور دیگر جرائم میں اضافہ ہوتا ہے۔

3۔مذہبی نقصان:

o**اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی ناراضگی:** سود کی حرمت قرآن وسنت سے ثابت ہے۔ سود خور اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے اعلان جنگ کا مستحق ہے۔

o **برکت کا خاتمہ:** سود سے کمائی گئی دولت میں برکت نہیں ہوتی، چاہے ظاہری طور پر وہ کتنی ہی زیادہ کیوں نہ ہو۔

4۔شاہ ولی اللہ کے اقتصادی افکار:

شاہ ولی اللہ کے اقتصادی افکار: حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی (1703–1762ء) برصغیر پاک و ہند کے عظیم مصلح، مجدد اور مفکر تھے۔ انہوں نے اپنی شہرہ آفاق کتاب ''حجۃ اللہ البالغہ'' سمیت دیگر تصانیف میں اسلامی معیشت کے گہرے اصول بیان کیے ہیں۔ ان کے اقتصادی افکار کا خلاصہ درج ذیل نکات میں

پیش کیا جا سکتا ہے:

1۔**معیشت کی بنیاد عدل پر:** شاہ صاحب رحمہ اللہ کے نزدیک معاشی نظام کا مقصد معاشرے میں عدل اور توازن قائم کرنا ہے۔ انہوں نے ظلم اور استحصال کو معیشت کے لیے زہر قرار دیا۔

2۔**دولت کی گردش:** وہ اس بات پر زور دیتے ہیں کہ دولت معاشرے میں گردش کرتی رہنی چاہیے اور چند ہاتھوں میں مرتکز نہیں ہونی چاہیے۔ یہی تصور جدید معاشیات میں ”Circulation of Wealth“ کہلاتا ہے۔

3۔**زکوٰۃ کی اہمیت:** انہوں نے زکوٰۃ کو معاشی توازن قائم کرنے کا ایک اہم ذریعہ قرار دیا ہے۔ زکوٰۃ نہ صرف غریبوں کی مدد کرتی ہے بلکہ امیروں کے دلوں سے بخل کو بھی دور کرتی ہے۔

4۔**سود کی مذمت:** شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ نے سود کو معاشی بیماریوں کی جڑ قرار دیا ہے۔ ان کے مطابق سود معاشرے میں طبقاتی کشمکش پیدا کرتا ہے اور معاشی ترقی کے راستے روکتا ہے۔

5۔**احتکار (ذخیرہ اندوزی) کی مذمت:** وہ ضروری اشیاء کی ذخیرہ اندوزی کو سخت ناپسند کرتے ہیں، کیونکہ اس سے مصنوعی قلت اور مہنگائی پیدا ہوتی ہے، جس کا سب سے زیادہ نقصان غریب عوام کو ہوتا ہے۔

6۔**اجارہ داریوں پر روک:** شاہ صاحب رحمہ اللہ نے تجارت میں غیر منصفانہ اجارہ داریوں کو روکنے پر زور دیا ہے، تاکہ منصفانہ مقابلہ قائم رہے اور عوام کو معقول قیمتوں پر سامان مل سکے۔

7۔**بیت المال کے فرائض:** انہوں نے بیت المال (خزانہ) کو معاشی انصاف کا محافظ قرار دیا ہے۔ ان کے نزدیک بیت المال کی آمدنی کو معاشرے کے ضرورت مند طبقات خصوصاً غریبوں، یتیموں اور مسافروں پر خرچ کرنا چاہیے۔

8۔**اخلاقیات اور معیشت کا باہمی تعلق:** شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ کی فکر میں معاشی سرگرمیاں اخلاقی اقدار سے جدا نہیں ہیں۔ دیانتداری، امانت اور انصاف کو کامیاب معیشت کی بنیادی شرائط قرار دیا ہے۔

شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ کے اقتصادی افکار نہ صرف ان کے دور بلکہ آج کے جدید معاشی مسائل کے حل کے لیے بھی یکساں اہمیت کے حامل ہیں۔ ان کی فکر ایک ایسے متوازن اور انصاف پر مبنی معاشی نظام کی عکاس ہے جو انسانی فلاح و بہبود کو یقینی بناتا ہے۔

حصہ معروضی کل نمبر 28

نوٹ: حصہ معروضی کے تمام سوال لازمی ہیں۔

سوال :6 درج ذیل کے مختصر جواب دیں۔ 10 نمبر

سوال :1 رسول اللہ ﷺ کی معاشی زندگی بیان کریں۔

جواب : رسول اللہ ﷺ کی معاشی زندگی سادگی، محنت اور انصاف پر مبنی تھی۔ آپ ﷺ نے تجارت کے ذریعے معاشی زندگی کا آغاز کیا، جس میں آپ ﷺ کی ایمانداری اور صداقت کی وجہ سے آپ ﷺ ''الصادق'' اور ''الامین'' کے لقب سے مشہور ہوئے۔ نبوت ملنے کے بعد بھی آپ ﷺ نے تجارت اور زراعت جیسے کاموں کو جاری رکھا، لیکن آپ ﷺ کی ذات ہمیشہ بیت المال کی امانت دار رہی۔ آپ ﷺ نے کبھی شخصی مفاد کے لیے بیت المال کے وسائل استعمال نہیں کیے۔ آپ ﷺ کی معاشی پالیسیوں میں زکوٰۃ، صدقات اور غنیمت کے عادلانہ تقسیم پر زور دیا گیا، تاکہ معاشرے میں معاشی توازن قائم رہے۔ آپ ﷺ نے غربت و امارت کے فرق کو ختم کرنے کے لیے مساوات اور اخوت کے اصولوں کو فروغ دیا۔

سوال :2 اوقاف کی افادیت واضح کریں۔

جواب : اوقاف اسلامی معاشرے کا ایک اہم معاشی اور سماجی ادارہ ہے، جس کے ذریعے املاک یا جائیداد کو اللہ کی رضا کے لیے وقف کیا جاتا ہے۔ اس کے فوائد درج ذیل ہیں: سماجی بہبود: اسپتال، مدرسے، مساجد اور دیگر عوامی خدمات کے لیے مالی وسائل مہیا کرنا۔ غربت کا خاتمہ: وقف کی آمدنی غریبوں، یتیموں اور مسافروں کی مدد پر خرچ کی جاتی ہے۔ معاشی استحکام: وقف کی جائیدادیں مستقل آمدنی کا ذریعہ بنتی ہیں، جس سے معاشرے کے مستحقین کو مستفید ہونے کا موقع ملتا ہے۔ ثقافتی ورثہ کا تحفظ: وقف کے ذریعے تعلیمی اور ثقافتی ادارے چلانے میں آسانی ہوتی ہے۔

سوال :3 احتکار کی قباحت ونقصانات واضح کریں۔

جواب : احتکار سے مراد ضروری اشیاء (جیسے اناج، تیل، دوائیں) کو ذخیرہ کر کے مصنوعی قلت پیدا کرنا اور بعد میں مہنگے داموں فروخت کرنا ہے۔ اس کے نقصانات درج ذیل ہیں: مہنگائی میں اضافہ: ضروری اشیاء کی مصنوعی قلت سے ان کی قیمتیں بڑھ جاتی ہیں۔ عوام پر ظلم: غریب طبقہ مہنگائی کی وجہ سے بنیادی ضروریات پوری کرنے سے قاصر رہ جاتا ہے۔ معاشی عدم استحکام: اجارہ داری اور ذخیرہ اندوزی سے

معیشت متاثر ہوتی ہے۔ اخلاقی زوال: احتکار کرنے والا لوگوں کی مجبوریوں سے فائدہ اٹھاتا ہے، جو اسلامی اقدار کے خلاف ہے۔

سوال 4: زکوۃ کے مقاصد لکھیں۔

جواب: زکوۃ اسلام کا ایک بنیادی رکن ہے، جس کے مقاصد درج ذیل ہیں:

معاشی توازن: امیروں کے مال میں غریبوں کا حق مقرر کر کے معاشی عدم مساوات کو کم کرنا۔

غربت کا خاتمہ: زکوۃ کی مدد سے غریبوں، مسکینوں اور ضرورت مندوں کی مالی مدد کرنا۔

مال کی پاکیزگی: زکوۃ ادا کرنے سے مال میں برکت ہوتی ہے اور بخل جیسی برائی ختم ہوتی ہے۔

سماجی ہم آہنگی: امیر اور غریب کے درمیان محبت اور تعاون کے رشتے مضبوط ہوتے ہیں۔

معاشی سرگرمیوں کو فروغ: زکوۃ کی رقم سے غریب لوگ کاروبار شروع کر سکتے ہیں، جس سے معیشت میں حرکت پیدا ہوتی ہے۔

سوال 5: علامہ ابن خلدون رحمہ اللہ کے متعلق آپ کیا جانتے ہیں؟ مختصر لکھیں۔

جواب: علامہ ابن خلدون رحمہ اللہ (1332–1406ء) ایک عرب مسلم مورخ، معیشت دان اور سماجی مفکر تھے، جنہیں جدید تاریخ نگاری، سماجیات اور معاشیات کا بانی تصور کیا جاتا ہے۔ ان کی مشہور کتاب ''مقدمہ ابن خلدون'' میں انہوں نے معاشیات، سماجیات اور تاریخ کے اصول بیان کیے ہیں۔ ان کے نظریات میں ''عصبیت'' (اجتماعی یکجہتی) کا نظریہ، ''شہری تمدن کی نشوونما اور زوال اور ''محنت کی قیمت'' شامل ہیں۔ انہوں نے ٹیکسز، زراعت، تجارت اور حکومتی پالیسیوں پر بھی گہرے اثرات ڈالے۔ ابن خلدون رحمہ اللہ کے خیالات جدید معاشیات اور سماجی علوم کی بنیاد قرار پائے ہیں۔

سوال 7: درج ذیل میں سے صحیح پر (✓) اور غلط پر (✗) کا نشان لگائیں۔ 10 نمبر

اسلام معاشی نظام سے متعلق خاموشی اختیار کرتا ہے۔ (✗)

قتل خطا کی صورت میں قاتل مقتول کا وارث ٹھہرے گا۔ (✗)

علم الفرائض میں عصبات سے مراد اصحاب الفروض ہوتے ہیں۔ (✗)

فقہی اصطلاح میں مضاربت اور مساقات الگ الگ امور ہیں۔ (✓)

نافذ کرنے والوں کو اصطلاحاً غارمون کہا گیا ہے۔ (✗)

ظہار کا کفارہ ایک ماہ کے مسلسل روزے رکھنا ہے۔ (✗)

7۔ زکوۃ کسی صورت رشتہ دار کو نہیں دی جاسکتی۔ (✗)

8۔ اشتراکیت کے بانیان میں کارل مارکس کا نام آتا ہے۔ (✓)

9۔ مخنث کو حق وراثت عورت والا دیا جائے گا۔ (✗)

10۔ "کل قرض جر نفعا فھو ربا" مرفوع حدیث ہے۔ (✗)

سوال 8: مجوزہ جوابات میں سے درست جواب کا انتخاب کریں۔

1۔ زمانہ جاہلیت میں وراثت سے محروم تھا۔

متبنیٰ | باپ | چھوٹا بچہ (✓)

2۔ بارانی زمین سے حاصل شدہ آمدن پر لازم ہے۔

عشر (✓) | ربع عشر | نصف عشر

3۔ آپ ﷺ نے لعنت فرمائی ہے۔

سود لینے والے پر | سود دینے والے پر | دونوں پر (✓)

4۔ ذوی الارحام میں شامل ہیں۔

چچا | ماموں (✓) | دادا

5۔ علامہ ابن خلدون کا وطن تھا۔

اندلس (✓) | دمشق | مکہ مکرمہ

6۔ زوجہ کو خاوند کی وراثت سے بصورت اولاد ملے گا۔

1/4 | 1/8 (✓) | 1/2

7۔ متوفی کی صرف تین بیٹیاں ہوں تو انہیں وراثت ملے گی۔

مکمل | 1/2 | 2/3 (✓)

8۔ مزارعت کے معاملہ میں دوسرا نام ہے۔

محاقلہ (✓) | مذابنہ | مساقات



التفسیر واصولہ 1446ھ/2025ء (سالانہ)

حصہ انشائیہ: کل نمبر 70

نوٹ: حصہ انشائیہ التفسیر سے کوئی سے تین سوال حل کریں۔ ہر سوال کے 14 نمبر ہیں۔

التفسیر

سوال: 1: درج ذیل عبارت پر اعراب لگا کر ترجمہ کریں اور مفہوم واضح کریں۔

﴿يَاأَيُّهَا النَّبِيُّ اتَّقِ اللهَ﴾ أي دم على ذلك، وازدد منه ﴿وَلَا تُطِعِ الْكٰفِرِيْنَ﴾ من أهل مكة، ومن هو على مثل كفرهم ﴿وَالْمُنٰفِقِيْنَ﴾ أي الذين يظهرون الإسلام، ويبطنون الكفر . قال الواحدي: إنه أراد سبحانه بالكافرين أبا سفيان وعكرمة وأبا الأعور السلمي، وذلك أنهم قالوا للنبيّ ﷺ: ارفض ذكر آلهتنا، وقل: إن لها شفاعة لمن عبدها . قال: والمنافقين عبد الله بن أبيّ وعبد الله بن سعد بن أبي سرح .

جواب: عبارت مع اعراب ﴿يَاأَيُّهَا النَّبِيُّ اتَّقِ اللهَ﴾ أَيِ: دُمْ عَلَى ذٰلِكَ، وَازْدَدْ مِنْهُ. ﴿وَلَا تُطِعِ الْكٰفِرِيْنَ﴾ مِنْ أَهْلِ مَكَّةَ، وَمَنْ هُوَ عَلَى مِثْلِ كُفْرِهِمْ. ﴿وَالْمُنٰفِقِيْنَ﴾ أَيِ: الَّذِينَ يُظْهِرُونَ الْإِسْلَامَ، وَيُبْطِنُونَ الْكُفْرَ. قَالَ الْوَاحِدِيُّ: إِنَّهُ أَرَادَ سُبْحَانَهُ بِالْكَافِرِينَ أَبَا سُفْيَانَ، وَعِكْرِمَةَ، وَأَبَا الْأَعْوَرِ السُّلَمِيَّ، وَذٰلِكَ أَنَّهُمْ قَالُوا لِلنَّبِيِّ ﷺ: ارْفُضْ ذِكْرَ آلِهَتِنَا، وَقُلْ: إِنَّ لَهَا شَفَاعَةً لِمَنْ عَبَدَهَا. قَالَ: وَالْمُنَافِقِينَ عَبْدَ اللهِ بْنَ أُبَيٍّ، وَعَبْدَ اللهِ بْنَ سَعْدِ بْنِ أَبِي سَرْحٍ.

ترجمہ: "اے نبی! اللہ سے ڈرتے رہیں" یعنی اسی پر قائم رہیں اور اس میں مزید ترقی کریں۔ "اور کافروں کی اطاعت نہ کریں" یعنی مکہ کے کافروں کی، اور ان لوگوں کی بھی جو انہی کے کفر جیسے کفر پر ہیں۔ "اور منافقوں کی (اطاعت نہ کریں)" یعنی وہ لوگ جو اسلام ظاہر کرتے ہیں اور دل میں کفر چھپاتے ہیں۔ واحدی نے کہا: اللہ تعالیٰ نے یہاں "کافروں" سے مراد ابوسفیان، عکرمہ، اور ابوالاعور سلمی کو لیا ہے، کیونکہ انہوں نے نبی ﷺ سے کہا تھا: ہماری معبودوں کا ذکر چھوڑ دیں اور یہ کہہ دیں کہ یہ (معبود) ان

کی شفاعت کرتے ہیں جو ان کی عبادت کریں۔اور ''منافقوں'' سے مراد عبداللہ بن ابی اور عبداللہ بن سعد بن ابی سرح ہیں۔

مفہوم: اللہ تعالیٰ نبی ﷺ کو حکم دیتے ہیں کہ آپ ہمیشہ اللہ کا تقویٰ اختیار کریں اور اس پر ثابت قدم رہیں، بلکہ اس میں مزید ترقی کریں۔ ساتھ ہی حکم ہے کہ مکہ کے کافروں کی بات نہ مانیں، نہ ان لوگوں کی جو انہی کے جیسے کفر پر ہیں، اور نہ ان منافقوں کی جو زبان سے اسلام کا دعویٰ کرتے ہیں لیکن دل میں کفر چھپاتے ہیں۔

اس زمانے میں مکہ کے کچھ بڑے سردار جیسے ابوسفیان، عکرمہ بن ابی جہل، اور ابوالاعور سلمی نبی ﷺ کے پاس آکر یہ کہتے تھے کہ آپ ہمارے معبودوں کا ذکر نہ کریں اور یہ تسلیم کرلیں کہ وہ اپنی عبادت کرنے والوں کے لیے شفاعت رکھتے ہیں۔ مدینہ کے کچھ بڑے منافق جیسے عبداللہ بن اُبی اور عبداللہ بن سعد بن ابی سرح نبی ﷺ کو مشورے دیتے تھے جو اسلام کے خلاف ہوتے۔

اللہ تعالیٰ نے نبی ﷺ کو ہدایت دی کہ نہ ان کھلے کافروں کی اطاعت کرنی ہے اور نہ ان منافقوں کی، کیونکہ دونوں کا مقصد دین کے اصولوں میں نرمی یا سمجھوتہ پیدا کرنا تھا۔

ابن سعد بن ابی سرح کے بارے میں وضاحت: عبداللہ بن سعد بن ابی سرح رحمہ اللہ ابتدا میں اسلام لے آئے تھے اور نبی ﷺ کے لیے وحی لکھنے کا کام بھی کرتے تھے، لیکن بعد میں مرتد ہوکر مکہ چلے گئے اور کافروں کے ساتھ رہنے لگے۔ فتح مکہ کے موقع پر نبی ﷺ نے ان کا خون مباح قرار دیا تھا، مگر ان کے سوتیلے بھائی سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے ان کے لیے سفارش کی، تو نبی ﷺ نے معاف کردیا۔ اس کے بعد وہ سچے دل سے مسلمان ہوئے اور باقی زندگی اسلام پر قائم رہے۔ بعد میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانے میں وہ مصر کے گورنر بھی رہے اور 36 ہجری میں وفات پائی۔

سوال 2: درج ذیل آیت کا ترجمہ وتشریح کریں اور خط کشیدہ الفاظ کے صیغے حل کریں۔

﴿وَلَا يَأْتَلِ أُولُوا الْفَضْلِ مِنْكُمْ وَالسَّعَةِ أَنْ يُؤْتُوا أُولِي الْقُرْبَىٰ وَالْمَسَاكِينَ وَالْمُهَاجِرِينَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ ۖ وَلْيَعْفُوا وَلْيَصْفَحُوا ۗ أَلَا تُحِبُّونَ أَنْ يَغْفِرَ اللَّهُ لَكُمْ ۗ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَحِيمٌ﴾

جواب: ترجمہ: ''اور تم میں سے جو لوگ بزرگی اور کشادگی والے ہیں، قسم نہ کھا بیٹھیں کہ وہ اپنے رشتہ داروں، محتاجوں اور اللہ کی راہ میں ہجرت کرنے والوں کو کچھ نہ دیں۔ اور چاہیے کہ وہ معاف کردیں اور درگزر کریں۔ کیا تم یہ پسند نہیں کرتے کہ اللہ تمہیں بخش دے؟ اور اللہ بڑا بخشنے والا، نہایت مہربان ہے۔''

تشریح: یہ آیت حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے بارے میں نازل ہوئی، جب ان کی بیٹی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر بہتان لگانے کے واقعہ (حادثۂ افک) میں ان کے قریبی رشتہ دار مسطح بن اثاثہ رضی اللہ عنہ بھی شریک تھے۔

مسطح رضی اللہ عنہ غریب اور مہاجر صحابی تھے، اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ انہیں خرچ دیتے تھے۔ جب انہوں نے عائشہ رضی اللہ عنہا پر لگائے گئے بہتان میں حصہ لیا تو ابوبکر رضی اللہ عنہ نے قسم کھا لی کہ اب وہ مسطح رضی اللہ عنہ کو کچھ نہیں دیں گے۔

اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرما کر انہیں اور امت کو یہ تعلیم دی کہ: 1۔ نیکی کا سلسلہ رشتہ دار یا محتاج کے قصور کی وجہ سے بند نہ کرو۔ 2۔ بڑے لوگ اور خوشحال لوگ معاف کرنے میں سب سے آگے ہوں۔ 3۔ دوسروں کو معاف کرو تا کہ اللہ تمہیں معاف کرے۔

خط کشیدہ الفاظ کے صیغے: 1۔ يَأْتَلِ: مادہ: أ ل و، ألی، باب: اِفْتَعَلَ، اِئْتَلَی - يَأْتَلِي، ناقص واوی، معنیٰ: قسم کھانا، قسم کھا کر رک جانا۔ صیغہ: فعل مضارع مجزوم، صیغہ واحد مذکر غائب (نہی کے بعد مجزوم ہوا)۔

2۔ وَلْيَعْفُوا: مادہ: ع ف و، باب: فَعَلَ يفْعُلُ - عَفَا - يَعْفُو، ناقص واوی، معنیٰ: معاف کرنا۔ صیغہ: فعل مضارع مجزوم، صیغہ جمع مذکر غائب (لامِ امر کے ساتھ)۔

3۔ تحبون: مادہ: ح ب باب: أَفْعَلَ يُفْعِلُ افعال، (اَحَبَّ - يُحِبُّ) مضاعف۔ معنیٰ: تم محبت کرتے ہو، تم چاہتے ہو۔ صیغہ: فعل مضارع مرفوع، صیغہ جمع مذکر مخاطب۔

سوال 3: درج ذیل آیات کس سورت کی ہیں اس کا نام اور اس کی آیات کی تعداد لکھ کر ترجمہ کریں۔ اور صلہ رحمی کی اہمیت و فضیلت پر روشنی ڈالیں۔

﴿فَهَلْ عَسَيْتُمْ اِنْ تَوَلَّيْتُمْ اَنْ تُفْسِدُوْا فِي الْاَرْضِ وَ تُقَطِّعُوْۤا اَرْحَامَكُمْ ﴿22﴾ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ فَاَصَمَّهُمْ وَ اَعْمٰۤى اَبْصَارَهُمْ ﴿23﴾﴾

جواب: سورت کا نام اور آیات کی تعداد: یہ آیات سورۃ محمد ﷺ جسے سورۃ القتال بھی کہا جاتا ہے کی ہیں، اور اس سورت میں 38 آیات ہیں۔

ترجمہ: "پھر کیا تم سے یہ توقع کی جاتی ہے کہ اگر تم حکومت پالو (یا منہ موڑ لو) تو زمین میں فساد پھیلاؤ گے اور اپنے رشتہ ناتوں کو کاٹ ڈالو گے؟ یہی وہ لوگ ہیں جن پر اللہ نے لعنت کی، سو اللہ نے انہیں بہرا

کر دیا اور ان کی آنکھوں کو اندھا کر دیا۔"

صلہ رحمی کی اہمیت و فضیلت: صلہ رحمی کا مطلب ہے: اپنے رشتہ داروں کے ساتھ اچھا سلوک کرنا، ان کی مدد کرنا، ان سے محبت رکھنا، اور تعلقات کو مضبوط رکھنا۔

قرآن میں اہمیت: 1۔ اللہ تعالیٰ نے جگہ جگہ صلہ رحمی کا حکم دیا اور قطع رحمی سے منع فرمایا۔ 2۔ سورۃ النحل (آیت 90) میں صلہ رحمی کو عدل اور احسان کے ساتھ ذکر کیا ہے۔ 3۔ سورۃ الرعد (آیت 21) میں صلہ رحمی کرنے والوں کی تعریف کی اور جنت کی خوشخبری دی۔

احادیث میں فضیلت: 1۔ نبی ﷺ نے فرمایا: "جو چاہتا ہے کہ اس کا رزق کشادہ ہو اور عمر دراز ہو تو اسے صلہ رحمی کرنی چاہیے" (بخاری و مسلم)۔ 2۔ آپ ﷺ نے قطع رحمی کو کبیرہ گناہ قرار دیا اور فرمایا کہ قطع رحمی کرنے والا جنت میں داخل نہ ہوگا (بخاری و مسلم)۔

نتائج و فوائد: 1۔ صلہ رحمی سے محبت، بھائی چارہ اور تعاون بڑھتا ہے۔ 2۔ یہ اللہ کی رضا اور رحمت کا سبب ہے۔ 3۔ دنیا میں عزت، مال و رزق میں برکت اور آخرت میں جنت کا باعث بنتی ہے۔

قطع رحمی کا انجام: 1۔ قطع رحمی اللہ کی لعنت اور دنیا و آخرت میں رسوائی کا سبب ہے۔ 2۔ ان آیات میں واضح ہے کہ جو قطع رحمی کرتا ہے، اللہ اسے بہرا اور اندھا کر دیتا ہے یعنی حق کو سننے اور دیکھنے کی توفیق چھین لیتا ہے۔

سوال :4 سورۃ الاحزاب کی روشنی میں غزوہ احزاب پر جامع تفصیلی مضمون لکھیں۔

جواب : **غزوۂ احزاب سورۃ الاحزاب کی روشنی میں:**

تمہید: غزوۂ احزاب (خندق) سن 5 ہجری میں پیش آنے والا اسلام کے عظیم معرکوں میں سے ایک ہے، جو مدینہ کے گرد احزاب یعنی مختلف قبائل و گروہوں کے متحدہ لشکر نے لڑا۔ اس غزوہ کو غزوۂ خندق بھی کہا جاتا ہے کیونکہ اس موقع پر مدینہ کے دفاع کے لیے ایک بڑی خندق کھودی گئی تھی۔ قرآنِ کریم نے سورۃ الاحزاب میں اس جنگ کی تفصیل اور اس سے متعلقہ حالات بیان فرمائے، تاکہ قیامت تک کے مسلمان اس سے رہنمائی حاصل کریں۔

پس منظر اور اسبابِ جنگ: غزوۂ اُحد کے بعد قریش اور ان کے اتحادی قبائل کو مسلمانوں سے شدید انتقام کی خواہش تھی۔ اس دوران بنو نضیر (مدینہ کے یہودی قبیلہ) کو جلاوطن کیا گیا، تو انہوں نے مکہ جا کر قریش کو مسلمانوں کے خلاف ابھارا اور دیگر قبائل جیسے غطفان اور بنو سُلیم کو بھی ساتھ ملایا۔ یوں ایک

متحدہ فوج (احزاب) تیار ہوئی جس میں قریش، یہودی قبائل، اور متعدد بدوی قبائل شامل تھے۔ سورۃ الاحزاب (آیت 20-22) میں بتایا گیا کہ یہ دشمن ہر طرف سے مسلمانوں کو گھیر لینا چاہتے تھے اور مدینہ کو مکمل طور پر مٹا دینا ان کا مقصد تھا۔

خندق کھودنے کا مشورہ: جب نبی ﷺ کو اس حملے کی خبر ملی تو آپ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مشورہ کیا۔ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ نے ایران کا طریقہ بتایا کہ شہر کے گرد خندق کھود کر دشمن کے گھوڑوں اور لشکروں کو روکا جا سکتا ہے۔ یہ مدینہ کے لیے نیا حربہ تھا۔ تمام مسلمان، نبی ﷺ کے ساتھ، سخت سردی اور بھوک کے باوجود خندق کھودنے میں لگ گئے۔ سورۃ الاحزاب (آیت 10) میں اس وقت کے حالات کا ذکر ہے کہ دشمن ہر طرف سے آ گئے، آنکھیں پتھرا گئیں اور دل حلق تک آ گئے۔

احزاب کا محاصرہ اور مسلمانوں کا صبر: احزاب کا لشکر تقریباً 10,000 کا تھا جبکہ مسلمانوں کی تعداد صرف 3,000 تھی۔ دشمن خندق پار نہ کر سکے، بس تیروں اور پتھروں کی بارش کرتے رہے۔ اس دوران منافقین کا کردار بھی سامنے آیا جن کا ذکر سورۃ الاحزاب (آیت 12-20) میں آیا ہے کہ وہ مسلمانوں کو کمزور کرنے، ڈرانے اور پیچھے ہٹانے کی کوشش کرتے رہے۔ بعض نے تو یہ کہا کہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے ہمیں دھوکہ دیا ہے۔ (آیت 12)۔

یہودی قبیلہ بنو قریظہ کی غداری: یہودی قبیلہ بنو قریظہ نے مسلمانوں کے ساتھ معاہدہ کر رکھا تھا کہ دشمن کے حملے کی صورت میں وہ مدینہ کے دفاع میں شریک ہوں گے۔ لیکن احزاب کے دباؤ اور بنو نضیر کی سازشوں کے نتیجے میں انہوں نے معاہدہ توڑ دیا اور پیچھے سے حملے کی تیاری کی۔ قرآن (آیت 26-27) میں ان کے انجام کا ذکر ہے کہ اللہ نے انہیں قلعوں سے اتار دیا، ایک گروہ کو قتل کیا اور ایک کو قیدی بنایا۔

فیصلہ کن موڑ: جب محاصرہ ایک مہینے سے زیادہ طویل ہوا اور حالات انتہائی کٹھن ہو گئے، تو اللہ تعالیٰ نے ایک زبردست آندھی بھیجی جیسا کہ آیت 9 میں ہے: اے ایمان والو! اللہ کی اس نعمت کو یاد کرو جب تم پر لشکر آ گئے تو ہم نے ان پر ایک ہوا بھیجی اور ایسے لشکر بھیجے جو تم نے نہ دیکھے۔ یہ آندھی دشمن کے خیمے اکھاڑ کر لے گئی، آگ بجھا دی اور وہ افراتفری میں واپس بھاگ گئے۔ یوں بغیر کسی بڑی جنگ کے اللہ نے مسلمانوں کو فتح دی۔

نتائج: 1. قریش اور ان کے اتحادیوں کا اعتماد ٹوٹ گیا، اور مدینہ پر دوبارہ حملہ کرنے کی ہمت نہ

ہوئی۔2۔ مسلمانوں کا وقار عرب میں بڑھ گیا اور اسلام کی طاقت کا سکہ بیٹھ گیا۔3۔ منافقین اور یہودیوں کی حقیقت سب پر کھل گئی۔4۔ اس غزوہ نے مدینہ کو ایک مستقل اسلامی ریاست کے طور پر مستحکم کر دیا۔

دروس و اسباق: 1۔ مشاورت کی اہمیت: نبی ﷺ نے خندق کا مشورہ قبول کر کے یہ بتایا کہ حکمت و تدبیر دین کے خلاف نہیں بلکہ دین کا حصہ ہے۔ 2۔ اتحاد کی طاقت: دشمن کے اتحاد کے مقابلے میں مسلمانوں کا اتحاد اور ایمان کی مضبوطی کامیابی کا راز بنی۔3۔ منافقین کی پہچان: مشکل وقت میں ہی سچے اور جھوٹے مسلمان الگ ہوتے ہیں۔4۔ اللہ پر بھروسہ: مادی وسائل کم ہونے کے باوجود اللہ کی مدد یقیناً آتی ہے۔5۔ معاہدوں کی پاسداری: بنو قریظہ کی غداری نے یہ واضح کر دیا کہ عہد شکنی سخت نتائج لاتی ہے۔

سورۃ الاحزاب میں اس غزوہ کی اہمیت: سورۃ الاحزاب نے اس جنگ کو صرف ایک تاریخی واقعہ نہیں بلکہ ایمانی آزمائش، صبر، اتحاد اور اللہ کی نصرت کی عملی مثال کے طور پر پیش کیا۔ یہ سورت مسلمانوں کو یہ سبق دیتی ہے کہ بڑے سے بڑا دشمن بھی جب اللہ کے حکم اور مدد کے مقابل آئے تو ذلیل و رسوا ہو کر رہتا ہے۔

اصول التفسیر

نوٹ: حصہ انشائیہ اصول تفسیر سے کوئی سے دو سوال حل کریں۔ ہر سوال کے 14 نمبر ہیں۔

سوال 5:

جواب: نصاریٰ کے عقیدہ تثلیث کا مطلب

تثلیث سے مراد عیسائیوں کا یہ عقیدہ ہے کہ خدا تین اقانیم (حصوں یا شخصیات) پر مشتمل ہے: 1۔ اللہ باپ (God the Father) 2۔ الابن یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام (God the Son) 3۔ مریم (Holy Spirit)

ان کے نزدیک یہ تین الگ ہستیاں ہیں لیکن حقیقت میں ایک ہی خدا ہیں۔ یعنی "ثلاثة فی واحد" تین ہونے کے باوجود ایک۔ یہ عقیدہ اصل توحید کے خلاف ہے اور شرک کی ایک شکل ہے، کیونکہ اس میں اللہ کے ساتھ مخلوق کو الوہیت میں شریک کیا جاتا ہے۔

قرآن کریم میں اس عقیدہ کا رد: قرآن نے کئی مقامات پر تثلیث کو باطل اور گمراہ کن عقیدہ قرار دیا، مثلاً:
1۔ سورۃ النساء آیت 171: ﴿وَلَا تَقُولُوا ثَلٰثَةٌ ۚ اِنْتَهُوْا خَيْرًا لَّكُمْ ۚ اِنَّمَا اللّٰهُ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ﴾ ترجمہ: "اور یہ نہ

کہو کہ (خدا) تین ہیں۔ باز آجاؤ، یہ تمہارے لیے بہتر ہے۔ بے شک اللہ ایک ہی معبود ہے۔'' یہ آیت واضح طور پر تین خدا ماننے سے روکتی ہے اور اللہ کی وحدانیت بیان کرتی ہے۔

2.سورۃ المائدہ آیت 73: ﴿لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ ثَالِثُ ثَلٰثَةٍ﴾ ترجمہ: ''یقیناً وہ لوگ کافر ہو گئے جنہوں نے کہا کہ اللہ تین میں کا ایک ہے۔'' یہ آیت عقیدہ تثلیث کو کفر قرار دیتی ہے۔

3.سورۃ المائدہ آیت 116: اللہ تعالیٰ قیامت کے دن حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے پوچھے گا: کیا تم نے لوگوں سے کہا تھا کہ اللہ کے سوا مجھے اور میری ماں کو معبود بنالو؟

حضرت عیسیٰ علیہ السلام جواب دیں گے: ''پاک ہے تو، میں ایسی بات کیسے کہہ سکتا تھا جس کا مجھے کوئی حق نہیں؟'' یہ آیت عیسائیوں کے غلط عقیدے کی تردید کرتی ہے اور واضح کرتی ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت مریم سلام اللہ علیہا اللہ کی مخلوق اور بندے ہیں، نہ کہ الوہیت میں شریک۔

الفوز الکبیر کے مطابق

شاہ ولی اللہ دہلوی رحمہ اللہ نے واضح کیا ہے کہ قرآنِ کریم انبیاء کے اصل دین یعنی توحید کو بحال کرنے آیا اور گذشتہ امتوں کے باطل عقائد، جیسے یہود کا تحریف شدہ مذہب اور نصاریٰ کا تثلیث کا عقیدہ، کو باطل قرار دیا۔ ان کے نزدیک تثلیث محض ایک باطل فلسفیانہ تصور ہے جس کا اصل دینِ مسیحیت سے کوئی تعلق نہیں۔

سوال 6: سبب نزول کی معرفت ایک مشکل مبحث کیوں ہے؟ نیز بتایئے کہ صحابہ وتابعین ''نزلت فی کذا'' سے کیا مراد لیتے تھے؟

جواب: سبب نزول کی معرفت ایک مشکل مبحث کیوں؟ قران فہمی کی دوسری مشکل اسباب نزول یعنی شان نزول ہے گویا یہ جاننا کہ کون سی سورت یا آیت کب اور کس موقع پر نازل ہوئی؟ اس دشواری کی وجہ یہ ہے کہ شان نزول کے لیے جو اصطلاح استعمال کی گئی اس کے معنی میں سلف صالحین اور بعد کے لوگوں کے درمیان اختلاف ہے۔

سلف صالحین، صحابہ وتابعین اور شان نزول: سلف صالحین، صحابہ وتابعین کے نزدیک شان نزول کے بیان کے لیے نزلت فی کذا یعنی ''یہ سورت یا آیت اس بارے میں نازل ہوئی'' کی اصطلاح استعمال کی جاتی تھی۔ صحابہ وتابعین کے زمانے میں یہی اصطلاح بعض دوسرے موقعوں کے لیے بھی استعمال ہوتی تھی، جس کا مطلب یہ ہے کہ وہ اس اصطلاح کو صرف نبی کریم ﷺ کے زمانے میں پیش آنے والے کسی ایسے واقعے کے لیے استعمال نہیں کرتے تھے جو کسی آیت کے نازل ہونے کا

سبب ہوتا تھا بلکہ وہ اس اصطلاح کو ان واقعات پر بھی چسپاں کر دیتے تھے جو حضور ﷺ کے عہد مبارک کے بعد پیش آئے۔ اس طرح وہ ایک ہی آیت یا سورت کے کئی کئی شان نزول بنا دیتے تھے اور اس سے ان کی مراد یہ ہوتی تھی کہ اس آیت کے حکم کا اطلاق چونکہ فلاں فلاں واقعے پر بھی ہوتا ہے اس لیے وہ واقعہ بھی اس کا سبب نزول یا شان نزول ہے۔ کبھی ایسا ہوتا کہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں کوئی سوال کیا جاتا، یا آپ ﷺ کے مبارک زمانے میں کوئی واقعہ پیش آتا اور اس وقت حضور ﷺ قرآن کی کسی آیت سے کوئی حکم نکالتے اور بعض اوقات اس کی تلاوت بھی فرما دیتے تو اسے بھی کسی آیت کا شان نزول قرار دیا جاتا ایسے موقع کے لیے صحابہ کرام یوں کہہ دیتے کہ "نزلت فی کذا" یہ فلاں کے بارے میں نازل ہوئی۔ یا یوں بیان کرتے کہ "فانزل اللہ تعالی قولہ کذا" تو اللہ تعالیٰ نے فلاں کے بارے میں اپنا کلام نازل کیا۔ یا کبھی یہ الفاظ ادا کرتے "فنزلت" پھر یہ نازل ہوئی۔ اور ان تینوں اصطلاحوں سے ان کی مراد یہ ہوتی کہ فلاں موقع پر حضور ﷺ نے اس آیت سے یہ حکم نکالا۔ وہ اسے حقیقی معنوں میں لیتے تھے کیونکہ حضور ﷺ کا کسی آیت سے کوئی مسئلہ نکالنا بھی وحی پر مبنی ہوتا تھا اس لیے اس کے لیے بھی "نزلت فی کذا" فلاں کے بارے میں نازل ہوئی کہ اصطلاح بالکل درست تھی۔ حاصل کلام یہ کہ صحابہ کرام "نزلت فی کذا" فلاں کے بارے میں نازل ہوئی کہ اصطلاح کو اصل شان نزول کے علاوہ اور موقعوں کے لیے بھی استعمال کرتے تھے۔

سوال:7 درج ذیل عبارت پر اعراب لگا کر ترجمہ کریں اور مفہوم واضح کریں۔

مما یوجب الخفاء حذف بعض الاجزاء وابدال شئ بشئ، وتقدیم ما حقہ التاخیر، وتاخیر ما حقہ التقدیم، واستعمال المتشابہات والتعریضات والکنایات۔

جواب: مِمَّا يُوجِبُ الخَفَاءَ حَذْفُ بَعْضِ الأَجْزَاءِ، وَإِبْدَالُ شَيْءٍ بِشَيْءٍ، وَتَقْدِيمُ مَا حَقُّهُ التَّأْخِيرُ، وَتَأْخِيرُ مَا حَقُّهُ التَّقْدِيمُ، وَاسْتِعْمَالُ الْمُتَشَابِهَاتِ وَالتَّعْرِيضَاتِ وَالكِنَايَاتِ.

ترجمہ: "ان چیزوں میں سے جو کلام میں پوشیدگی پیدا کرتی ہیں یہ ہیں: بعض اجزاء کو حذف کر دینا، ایک چیز کو دوسری سے بدل دینا، اس چیز کو مقدم کر دینا جس کا حق مؤخر ہونا ہے، اور اس چیز کو مؤخر کر دینا جس کا حق مقدم ہونا ہے، اور متشابہ الفاظ، اشاروں اور کنایوں کا استعمال کرنا۔"

مفہوم: 1. حذف بعض الاجزاء (کچھ اجزاء کا چھوڑ دینا): مطلب: جملے کا کوئی حصہ یا ضروری لفظ جان

بوجھ کر نہ لانا تاکہ سامع خود سمجھ لے۔قرآن سے مثال: ﴿وَسْئَلِ الْقَرْيَةَ﴾ یوسف: 82
ترجمہ: ''گاؤں سے پوچھ لیجیے۔''یہاں ''اہلِ قریہ'' یعنی ''گاؤں کے لوگ'' مراد ہیں، لیکن لفظ ''اہل'' حذف کر دیا گیا۔

2. **ابدال شئی بشئی (ایک چیز کو دوسری سے بدل دینا):** مطلب: ایک لفظ یا تعبیر کی جگہ دوسرا لفظ لانا، جو اصل معنی سے قریب ہو لیکن اس کا مفہوم براہِ راست نہ کھلے۔قرآن سے مثال: ﴿فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ﴾ آل عمران: 21 ''انہیں دردناک عذاب کی خوشخبری دے دو۔'' یہاں ''بشارت'' کا لفظ عام طور پر خوشی کے لیے آتا ہے، لیکن طنزیہ طور پر عذاب کے لیے لایا گیا مطلب بدل کر اثر پیدا کیا گیا۔

3. **تقدیم ماحقه التأخیر** (جو بعد میں ہونا چاہیے اسے پہلے لے آنا): مطلب: جملے کے اجزاء کو ترتیب سے ہٹا دینا تاکہ معنی میں زور یا خاص پہلو پیدا ہو، لیکن بظاہر ترتیب بدلنے سے مطلب فوراً نہ کھلے۔قرآن سے مثال: ﴿اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَ اِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ﴾ الفاتحہ: 5 یہاں ''ایاک'' یعنی ''تیری ہی'' کو مقدم کر کے عبادت کی تخصیص ظاہر کی گئی، جبکہ عام ترتیب ''نعبدک'' ہوتی۔

4. **تاخیر ماحقه التقدیم** (جو پہلے ہونا چاہیے اسے بعد میں لانا) مطلب: مقصد یا سیاق کی وجہ سے ضروری لفظ کو بعد میں لانا، تاکہ فصاحت یا بلاغت میں اضافہ ہو لیکن مطلب سمجھنے میں پہلا تاثر دھندلا جائے۔قرآن سے مثال: ﴿وَ لِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰى مَا هَدٰىكُمْ﴾ البقرہ: 185 یہاں علت (ہدایت دینا) کو فعل کے بعد ذکر کیا گیا، حالانکہ عام ترتیب میں پہلے علت بیان ہوتی۔

5. **استعمال المتشابهات** (متشابہ الفاظ کا استعمال): مطلب: ایسے الفاظ یا معانی لانا جو بظاہر کئی مطلب دے سکتے ہیں، اور سننے والے کو تدبر پر مجبور کرتے ہیں۔قرآن سے مثال: ﴿اَلرَّحْمٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰى﴾ طٰہٰ: 5
''رحمٰن عرش پر مستوی ہوا۔'' یہاں ''استویٰ'' ایک متشابہ لفظ ہے جس کا حقیقی مفہوم اللہ ہی بہتر جانتا ہے، اس سے مراد بھی اور تفصیل بھی اہل علم میں تدبر طلب ہے۔

6. **التعریضات (اشارے اور پہلو بدل کر کہنا): مطلب:** بات کو براہِ راست نہ کہنا بلکہ کسی اور پیرائے میں، کسی اور کے بارے میں بات کر کے اصل مراد دینا۔قرآن سے مثال: ﴿قَالَ بَلْ فَعَلَهٗ كَبِيْرُهُمْ هٰذَا﴾ الانبیاء: 63 حضرت ابراہیمؑ نے کہا: ''بلکہ یہ بڑے (بت) نے کیا ہوگا۔'' یہ

تعریض تھی تا کہ قوم سوچے اور خود حقیقت کو سمجھے۔

7. الکنایات (کنایہ کا استعمال): مطلب: لفظ کو اس کے اصل صریح معنی میں نہ لینا بلکہ اس سے ایک دوسرا مفہوم مراد لینا جو عقل سے سمجھا جائے۔قرآن سے مثال: ﴿أَوْ لَمَسْتُمُ النِّسَاءَ﴾ النساء: 43 ''یا تم نے عورتوں کو چھولیا۔'' یہاں ''چھونا'' کنایہ ہے مباشرت کے لیے

حصہ معروضی کل نمبر 30

نوٹ: حصہ معروضی کے تمام سوال لازمی ہیں۔

التفسیر

سوال :8 درج ذیل کے مختصر جواب دیں۔10 نمبر

سوال :1 فتح القدیر کا مکمل نام اور مؤلف کا نام تحریر کریں۔

جواب : فتح القدیر کا مکمل نام ہے۔''فتح القدير الجامع بين فنى الرّواية والدّراية من علم التفسير'' اس کے مؤلف ہیں: امام محمد بن علی بن محمد الشوکانی رحمہ اللہ (المتوفی 1250ھ)۔

سوال :2 سورۃ الحجرات کی آیات کی تعداد لکھیں۔

جواب : سورت الحجرات کی آیات کی تعداد 18 ہے۔

سوال :3 ترجمہ کریں۔ الم ترى ان الله اعطاك سورة---- ترى كل ملك دونها يتذبذب

جواب : کیا تم نے نہیں دیکھا کہ اللہ نے تمہیں ایک ایسی شان عطا کی ہے۔۔۔کہ تم دیکھتے ہو ہر بادشاہ اس کے سامنے کانپتا ہے۔

سوال :4 ترجمہ کریں۔ فقلت يمين الله ابرح قاعدا---- ولو قطعوا راسي لديك واوصالي

جواب : میں نے کہا: اللہ کی قسم! میں اپنی جگہ سے ہرگز نہیں اٹھوں گا۔۔۔۔۔چاہے وہ تمہارے سامنے میرا سر اور میرے جوڑ کاٹ ڈالیں۔

سوال :5 ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تُقَدِّمُوا بَيْنَ يَدَيِ اللَّهِ وَرَسُولِهِ﴾ کا شان نزول تحریر کریں۔

جواب: امام شوکانی رحمہ اللہ تفسیر فتح القدیر میں لکھتے ہیں۔ امام بخاری رحمہ اللہ اور دیگر محدثین نے حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ: بنی تمیم کا ایک وفد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر

ہوا۔ ابو بکر رضی اللہ عنہ نے کہا: قعقاع بن معبد رضی اللہ عنہ کو ان کا امیر بنا دو۔" عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: "نہیں! بلکہ اقرع بن حابس رضی اللہ عنہ کو ان کا امیر بنایا جائے۔" ابو بکر رضی اللہ عنہ نے کہا: "آپ تو صرف میری مخالفت ہی چاہتے ہیں!" عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: "میں نے آپ کی مخالفت کا ارادہ نہیں کیا تھا۔" پھر دونوں میں بحث ہوگئی یہاں تک کہ آوازیں بلند ہوگئیں۔ تب اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تُقَدِّمُوا بَيْنَ يَدَيِ اللَّهِ وَرَسُولِهِ﴾ یہاں تک کہ پوری آیت مکمل ہوگئی۔

سوال :9 درج ذیل میں سے صحیح پر (✓) اور غلط پر (✗) انشان لگائیں۔ 10 نمبر

1۔ ﴿وَالَّذِينَ يَبْتَغُونَ الْكِتَابَ مِمَّا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ﴾ میں مدبر غلاموں کا تذکرہ ہوا ہے۔ (✗)

2۔ ﴿إِنْ يَكُونُوا فُقَرَاءَ يُغْنِهِمُ اللَّهُ مِنْ فَضْلِهِ﴾ سے ثابت ہوا کہ شادی سے رزق میں اضافہ ہوتا ہے۔ (✓)

3۔ ﴿وَأَوْرَثَكُمْ أَرْضَهُمْ وَدِيَارَهُمْ﴾ میں بنو قریظہ کے یہودیوں پر فتح کا بیان ہے۔ (✓)

4۔ ﴿أَفَلَا يَتَدَبَّرُونَ الْقُرْآنَ أَمْ عَلَىٰ قُلُوبٍ أَقْفَالُهَا﴾ سورۃ فتح کی آیت ہے۔ (✓)

5۔ سورۃ محمد کا دوسرا نام سورۃ قتال ہے۔ (✓)

اصول التفسیر

سوال :10 درج ذیل سوالات کے مختصر جواب دیں۔ 5 نمبر

سوال :1 الفوز الکبیر کا پورا نام تحریر کریں۔

جواب : "الفوز الکبیر فی أصول التفسیر"

سوال :2 علم جدل میں کن چار گمراہ فرقوں کے ساتھ مخاصمہ کیا جاتا ہے؟

جواب :1 ۔یہود 2۔نصاریٰ (عیسائی) 3۔مجوس (آتش پرست) 4۔مشرکینِ عرب

سوال :3 دو منسوخ آیات تحریر کریں۔

جواب ① آیت وصیت: ﴿كُتِبَ عَلَيْكُمْ إِذَا حَضَرَ أَحَدَكُمُ الْمَوْتُ إِنْ تَرَكَ خَيْرًا الْوَصِيَّةُ لِلْوَالِدَيْنِ وَالْأَقْرَبِينَ﴾ (البقرۃ: 180) یہ آیت آیاتِ میراث سورۃ النساء سے منسوخ ہوئی۔

② آیت مصابرۃ: ﴿إِنْ يَكُنْ مِنْكُمْ عِشْرُونَ صَابِرُونَ يَغْلِبُوا مِائَتَيْنِ﴾ (الأنفال: 65) یہ آیت بعد والی آیت سے منسوخ ہوئی: ﴿الْآنَ خَفَّفَ اللَّهُ عَنْكُمْ﴾ (الأنفال: 66)

سوال :4 ﴿إِنَّ الَّذِينَ اتَّخَذُوا الْعِجْلَ﴾ میں کون سا دوسرا مفعول محذوف ہے؟

جواب: شاہ ولی اللہ دہلوی رحمہ اللہ نے الفوز الکبیر میں یہ قاعدہ ذکر کیا ہے کہ: "کئی مقامات پر قرآن میں دوسرا مفعول محذوف ہوتا ہے اور سیاق و سباق سے مراد معلوم ہو جاتی ہے۔" "اتخذ" کا فعل اصل میں دو مفعول لیتا ہے: پہلا مفعول: وہ چیز جسے اختیار کیا گیا ہو۔ دوسرا مفعول: وہ حیثیت یا درجہ جس میں اسے اختیار کیا گیا ہو۔ اس آیت میں: پہلا مفعول: العِجْلَ (بچھڑا) دوسرا مفعول: محذوف ہے۔ سیاق سے دوسرا مفعول مراد ہے: إلٰهاً معبود

مفہوم: "جن لوگوں نے بچھڑے کو (اپنا معبود) بنا لیا" یعنی: "العجل" کو مفعولِ اول بنایا گیا۔ "إلٰهاً" دوسرا مفعول ہے مگر حذف کر دیا گیا ہے، کیونکہ وہ مفہوم سیاق سے خود بخود سمجھ آ رہا ہے۔

سوال:5 نفاق عملی سے کیا مراد ہے؟

جواب: نفاق عملی: وہ اعمال جنہیں قرآن و حدیث نے منافقوں کی صفات قرار دیا، مثلاً: بات کرے تو جھوٹ بولے، وعدہ کرے تو خلاف کرے، امانت میں خیانت کرے، جھگڑے میں گالی یا فحش گوئی کرے۔

سوال:11 درج ذیل میں سے صحیح پر (✓) اور غلط پر (✗) کا نشان لگائیں۔ 5 نمبر

1۔ مؤلف کا اصل نام شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ ہے۔ (✗)

2۔ ان المنافقین فی الدرک الاسفل من النار اعتقادی منافقوں کے بارے میں ہے۔ (✓)

3۔ علی ملک سلیمن اصل میں علی عهد ملک سلیمن ہے۔ (✓)

4۔ صحابہ کرام کے نزدیک قرآنی سورتیں پانچ قسموں میں منقسم تھیں۔ (✗)

5۔ جس نے یوم آخرت کو آنکھوں سے دیکھنا ہو وہ سورت تکویر سورۃ انفطار اور سورۃ انشقاق پڑھ لے۔ (✓)



جواب: متابعت (ضعیف راوی کی کسی معتبر یا مساوی راوی سے روایت) سے حدیث کو حسن درجہ حاصل ہوتا ہے، یعنی کمزور روایت مضبوط ہو کر معتبر شمار کی جاتی ہے۔

سوال 4: مختلط راوی کی روایت کا کیا حکم ہے؟

جواب: مختلط راوی (وہ راوی جس کی حافظہ کی حالت بگڑ گئی ہو) کی روایت کے دو حال ہیں: اگر اختلاط سے پہلے کی روایت ہو: تو قابل قبول ہے۔ اگر اختلاط کے بعد کی روایت ہو: تو قابل رد ہے، سوائے اس کے کہ ثقہ راویوں نے اس کی تصدیق کی ہو۔

سوال 5: علم ضروری اور علم نظری میں فرق بیان کریں۔

جواب: علم ضروری: وہ علم جو کسی دلیل و استدلال کے بغیر فوری طور پر حاصل ہو، جیسے آگ کا جلانا۔ علم نظری: وہ علم جو دلیل، استدلال اور غور و فکر کے بعد حاصل ہو، جیسے نماز کے فرائض کی شرائط کا علم۔

سوال 11: درج ذیل میں سے صحیح پر (✓) اور غلط پر (✗) کا نشان لگائیں۔ 5 نمبر

1۔ اگر سند کے درمیان سے دو یا دو سے زیادہ راوی پے در پے گرے ہوں تو اسے معلق کہا جاتا ہے۔ (✗)

2۔ اصول حدیث پر سب سے پہلے حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ نے کتاب لکھی۔ (✗)

3۔ اجماع بذات خود ناسخ نہیں ہوتا تاہم نسخ پر دلالت کرتا ہے۔ (✓)

4۔ مرسل روایت کو مقبول حدیث کی اقسام میں ذکر کیا جاتا ہے۔ (✗)

5۔ جب مختلف راویوں کے نام لکھنے اور بولنے میں ایک جیسے مگر ان کے باپوں کے نام بولنے اور پڑھنے میں مختلف ہوں تو اسے المؤتلف والمختلف کہا جاتا ہے۔ (✓)



یہی ہوگا جیسے دونوں نے قسم کھالی ہو اور اس سے فسخ لازم آجائے گا۔ لیکن اگر اختلاف دخول کے بعد پیش آئے تو امام مالک رحمہ اللہ کے نزدیک شوہر کا قول معتبر ہوگا اور اسی پر فیصلہ ہوگا۔

امام شافعی رحمہ اللہ، امام ثوری رحمہ اللہ اور ان کے ہم خیال فقہاء کا کہنا ہے کہ اگر میاں بیوی میں مہر کے متعلق اختلاف پیدا ہو جائے تو دونوں قسم کھائیں گے اور نکاح باقی رہے گا، تاہم مہر کا تعین مہر مثل سے ہوگا۔ بعض اہل علم نے یہ بھی کہا ہے کہ قسم کی ضرورت نہیں بلکہ مہر مثل پر فیصلہ کافی ہے، بشرط یہ کہ مہر مثل عورت کے دعویٰ اور شوہر کے دعویٰ کے درمیان ہو۔

احناف کے نزدیک اگر عورت مہر زیادہ کا دعویٰ کرے اور شوہر کم کا تو فیصلہ مہر مثل کی بنیاد پر ہوگا۔ اگر عورت کا دعویٰ مہر مثل کے مطابق ہے تو اس کا قول معتبر ہوگا، اور اگر اس کا دعویٰ مہر مثل سے زیادہ ہے تو زائد میں شوہر کا قول مانا جائے گا۔ یوں گویا احناف کے نزدیک اصل فیصلہ مہر مثل پر ہوتا ہے۔

امام احمد، ابوثور، ابن ابی لیلیٰ اور ابن شبرمہ رحمہم اللہ کے نزدیک ہمیشہ شوہر کا قول معتبر ہوگا، مگر اس کے ساتھ اسے قسم بھی کھانی ہوگی۔

ان سب اختلافات کی بنیاد اس اصول پر ہے جو نبی اکرم ﷺ سے منقول ہے: "البينة على من ادعى واليمين على من أنكر" یعنی دعویٰ کرنے والے پر دلیل اور انکار کرنے والے پر قسم ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ آیا یہ اصول علّت پر مبنی ہے یا غیر معلل۔ جن کے نزدیک یہ علّت پر مبنی ہے وہ کہتے ہیں کہ جس کی شبہت زیادہ قوی ہوگی اس کی قسم معتبر ہوگی، اور اگر دونوں برابر ہوں تو دونوں قسم کھائیں گے اور پھر نکاح فسخ ہوگا۔ لیکن جن کے نزدیک یہ غیر معلل ہے وہ کہتے ہیں کہ ہر حال میں شوہر کو مدعیٰ علیہ سمجھا جائے گا کیونکہ عورت نکاح اور اصل مہر کے اقرار کے بعد زیادتی کا دعویٰ کر رہی ہے۔

تحقیق کے اعتبار سے راجح یہی ہے کہ فیصلہ آخر کار مہر مثل پر ہونا چاہیے۔ اس میں عدل بھی ہے اور نکاح کے بقا کا پہلو بھی قائم رہتا ہے۔ اگر اختلاف دخول سے پہلے ہو تب بھی اور اگر بعد میں ہو تب بھی اصل فیصلہ مہر مثل ہی ہے، البتہ قسم یا تحالف کی تفصیلات ائمہ نے مختلف انداز میں بیان کی ہیں۔ اس طرح نہ عورت کے دعویٰ کو بالکل بلا دلیل مانا جاتا ہے اور نہ ہی شوہر کو مطلق طور پر ترجیح دی جاتی ہے بلکہ عرف اور عدل کے مطابق مہر مثل کو بنیاد بنایا جاتا ہے۔

سوال 3: درج ذیل عبارت کا ترجمہ کریں اور مفہوم اپنے الفاظ میں بالامثلہ بیان کریں۔

والطلاق المقيد لا يخلو من قسمين إما تقييد اشتراط أو تقييد استثناء

والتقيد المشترط لا يخلو أن يعلق بمشيئة من له اختيار أو بوقوع فعل من الأفعال المستقبلة أو بخروج شيء مجهول العلم إلى الوجود على ما يدعيه المعلق للطلاق به مما لا يتوصل إلى علمه إلا بعد خروجه إلى الحس إلى الوجود أو بما لا سبيل إلى الوقوف عليه مما هو ممكن أن يكون أو لا يكون

جواب: ترجمہ: اور طلاقِ مقید دو قسموں سے خالی نہیں ہوتی: یا تو یہ اشتراط کے ساتھ مقید ہو یا استثناء کے ساتھ مقید۔ جہاں تک شرط کے ساتھ تقیید ہے تو یہ بھی خالی نہیں ہوتی کہ یا تو اس کو کسی ایسے کی مشیئت (مرضی) پر معلق کیا گیا ہو جسے اختیار حاصل ہے، یا کسی مستقبل میں ہونے والے فعل پر معلق کیا گیا ہو، ایسی چیز کے وجود پر معلق کیا گیا ہو جس کا علم اس وقت ممکن نہیں، اور وہ صرف اس وقت معلوم ہو جب وہ چیز حواس یا وجود میں ظاہر ہو، جیسا کہ طلاق دینے والا شرط لگاتا ہے، یا کسی ایسی چیز پر معلق کیا گیا ہو، جس کے ظاہر ہونے کا کوئی راستہ نہیں، حالانکہ وہ ممکن بھی ہے کہ واقع ہو یا نہ ہو۔

مفہوم اور وضاحت (بالامثلہ): مصنف کہہ رہے ہیں کہ اگر شوہر طلاق کو مطلق نہ دے بلکہ کسی شرط یا کسی استثناء کے ساتھ مقید کرے تو یہ کئی شکلیں اختیار کر سکتی ہیں۔

1. طلاق کو کسی کی مرضی پر معلق کرنا: مثال: شوہر کہے "اگر تمہارے والد اجازت دیں تو تمہیں طلاق ہے"۔ اس صورت میں طلاق والد کی مرضی پر موقوف ہے۔

2. طلاق کو مستقبل کے کسی فعل پر معلق کرنا: مثال: شوہر کہے "اگر تم کل گھر سے باہر نکلو تو تمہیں طلاق ہے"۔ اب طلاق کا وقوع اس شرطی فعل کے پیش آنے پر موقوف ہے۔

3. طلاق کو کسی ایسی چیز کے ظاہر ہونے پر معلق کرنا جو فی الحال معلوم نہیں: مثال: شوہر کہے "اگر تمہارے پیٹ میں بیٹا ہوا تو تمہیں طلاق ہے"۔ یہ چیز اس وقت ظاہر ہوگی جب بچہ پیدا ہوگا اور معلوم ہوگا کہ بیٹا ہے یا نہیں۔

4. طلاق کو کسی ایسی بات پر معلق کرنا جس کے ظاہر ہونے کا کوئی راستہ ہی نہیں: مثال: شوہر کہے "اگر کل سورج مغرب سے نکلا تو تمہیں طلاق ہے"۔ یہ ممکن بھی ہے اور نہ ممکن بھی (عادی طور پر محال ہے، لیکن عقلاً ممکن ہے)۔

سوال :4 رجوع علی الطلاق پر گواہ ضروری ہیں یا نہیں؟ صاحب کتاب کے اسلوب پر بحث کریں۔

جواب: فقہاء کے نزدیک رجوع کی اصل یہ ہے کہ شوہر عدت کے اندر عورت کو واپس لینے کا حق رکھتا

ہے۔ رجوع کے لیے وہ یا تو قول سے کرسکتا ہے جیسے کہے "میں نے تمہیں واپس لے لیا"، یا فعل سے کرسکتا ہے جیسے جماع یا ایسا رویہ جو تعلقِ زوجیت کی طرف صریح اشارہ کرتا ہو۔

اب گواہوں کی شرط کے بارے میں اختلاف ہے۔ جمہور فقہاء یعنی احناف، مالکیہ، شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک رجوع میں گواہ بنانا شرط نہیں ہے۔ ان کے نزدیک اگر شوہر نے رجوع کرلیا اور عورت پر یہ بات ثابت ہوگئی تو رجوع صحیح ہے، خواہ گواہ موجود ہوں یا نہ ہوں۔ البتہ گواہ بنانا مستحب ہے تاکہ بعد میں انکار یا جھگڑا نہ ہو۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ قرآن میں آیا: ﴿فَإِذَا بَلَغْنَ أَجَلَهُنَّ فَأَمْسِكُوهُنَّ بِمَعْرُوفٍ أَوْ فَارِقُوهُنَّ بِمَعْرُوفٍ وَّ أَشْهِدُوا ذَوَيْ عَدْلٍ مِّنْكُمْ﴾ (الطلاق: 2)۔ جمہور کے نزدیک یہاں "واشهدوا" کا حکم وجوب کے لیے نہیں بلکہ استحباب کے لیے ہے۔

اس کے برعکس بعض اہلِ علم بالخصوص اہلِ ظاہر نے کہا کہ رجوع پر گواہ بنانا واجب ہے۔ ان کے نزدیک "واشهدوا" امر ہے اور امر وجوب پر دلالت کرتا ہے، اس لیے رجوع اس وقت تک معتبر نہیں جب تک اس پر گواہ نہ بنائے جائیں۔

اصول الفقہ

نوٹ: حصہ انشائیہ اصول الفقہ سے کوئی سے دو سوال حل کریں۔ ہر سوال کے 14 نمبر ہیں۔

سوال :5 واجب کی تعریف اور اس کی اقسام تحریر کریں۔

جواب : اس سوال کا جواب 2024 کے حل شدہ سالانہ پرچہ میں دیکھیں۔

سوال :6 مکروہ کی تعریف نیز اس باب میں احناف اور جمہور کا اختلاف واضح کریں۔

جواب : **تمہید:**

فقہ اسلامی میں احکام شرعیہ کی تقسیم میں "مکروہ" ایک اہم اصطلاح کے طور پر سامنے آتا ہے۔ الوجیز فی اصول الفقہ کے مطابق فقہاء کے ہاں مکروہ کی تعریف اور اس کے دائرہ کار میں بنیادی اختلاف پایا جاتا ہے، جو خاص طور پر احناف اور جمہور فقہاء (شافعیہ، مالکیہ اور حنابلہ) کے مابین واضح طور پر دیکھا جا سکتا ہے۔

مکروہ کی تعریف: جمہور فقہاء کے نزدیک مکروہ کی تعریف "ما طلب الشارع ترکه طلباً غیر جازم" کے الفاظ میں کی جاتی ہے، یعنی وہ عمل جس کے ترک کا شارع نے غیر حتمی طور پر مطالبہ کیا ہو۔ اس تعریف کے مطابق مکروہ حرام اور مباح کے درمیان ایک متوسط حیثیت رکھتا ہے، جس کے ترک پر

ثواب تو ملتا ہے لیکن اس کے ارتکاب پر کوئی تعزیری سزا نہیں ہوتی۔ اس کی عملی مثال مسجد میں بلا ضرورت تھوکنا ہے، جسے نبی پاک ﷺ نے پسندیدہ عمل نہیں قرار دیا، لیکن اس پر کسی دنیوی سزا کا اطلاق نہیں ہوتا۔
دوسری طرف احناف کی تعریف "ما يثاب تاركه ولا يعاقب فاعله" پر مبنی ہے، یعنی وہ عمل جس کے چھوڑنے والے کو ثواب ملے اور کرنے والے پر عذاب نہ ہو۔ احناف کے ہاں مکروہ کا درجہ مباح کے قریب تر سمجھا جاتا ہے، اور انہوں نے اسے "تنزیہی مکروہ" کا نام دیا ہے۔ اس کی مثال بے موقع کھانا پینا یا غیر مناسب اوقات میں دنیوی کاموں میں مشغول رہنا ہے۔

اختلافی نکات: اس بنیادی تعریفی اختلاف کے متعدد عملی اثرات مرتب ہوتے ہیں۔ جمہور فقہاء مکروہ کو حرام اور مباح کے درمیان ایک واضح شرعی درجہ قرار دیتے ہیں، جبکہ احناف اسے محض ایک اختیاری ترجیحی حکم سمجھتے ہیں۔ نصوص شرعیہ کی تفسیر کے حوالے سے بھی دونوں مکاتب فکر کا نقطہ نظر مختلف ہے۔ جمہور ان نصوص کو جو غیر حتمی ممانعت پر دلالت کرتی ہیں، مکروہ کے تحت شمار کرتے ہیں، جبکہ احناف انہیں اصل اباحت کے تحت رکھتے ہوئے محض ترغیبی احکام قرار دیتے ہیں۔

استدلال کے مبانی: جمہور فقہاء اپنے موقف کے لیے نصوص شرعیہ میں موجود "نہی" (ممانعت) کو بنیاد بناتے ہیں۔ ان کے نزدیک ہر "نہی" اصل میں تحریم کے لیے ہوتی ہے، لیکن جب اس میں تحریم کا کوئی واضح قرینہ موجود نہ ہو تو اسے مکروہ تنزیہی قرار دیا جاتا ہے۔ اس کے برعکس احناف "الاصل في الأشياء الإباحة" (چیزوں میں اصل حیثیت اباحت ہے) کے اصول کو بنیاد بنا کر کہتے ہیں کہ جب تک کسی چیز کی حرمت پر قطعی دلیل موجود نہ ہو، وہ مباح ہی رہتی ہے، اور نہی اگر غیر جازم ہو تو محض مکروہ تنزیہی کہلائے گی۔

عملی تطبیقات: یہ اختلاف متعدد عملی مسائل میں واضح طور پر دیکھا جا سکتا ہے۔ مثلاً جمعہ کے دن خطبہ کے دوران دنیاوی کاموں میں مشغول رہنا جمہور کے ہاں مکروہ تحریمی قرار پاتا ہے، جبکہ احناف کے نزدیک یہ محض مکروہ تنزیہی ہے۔ اسی طرح بغیر ضرورت کے وضو توڑنا جمہور کے ہاں مکروہ ہے، جبکہ احناف اسے مباح قرار دیتے ہیں۔

اختتامیہ: الوجیز فی اصول الفقہ کی روشنی میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ اگرچہ احناف اور جمہور کے درمیان مکروہ کی تعریف اور اس کے دائرہ کار میں بنیادی اختلاف موجود ہے، لیکن دونوں مکاتب فکر اس بات پر متفق ہیں کہ مکروہ کے ترک کرنے میں ہی بھلائی ہے۔ دونوں کے ہاں مکروہ کا ترک افضل ہے، البتہ درجہ

بندی کے اعتبار سے احناف کے ہاں اس کی حیثیت جمہور کے مقابلے میں کسی قدر نرم ہے۔ یہ اختلاف درحقیقت شرعی نصوص کی تفسیر اور اصولی قواعد کے اطلاق کے مختلف اندازِ فکر کا نتیجہ ہے، جو فقہ اسلامی کی وسعت اور تنوع کی علامت ہے۔

سوال 7: درج ذیل اصطلاحات کی تعریف مع امثلہ کریں۔ 1۔الادلہ الاجمالیہ 2۔العزیمة والرخصة 3۔العوارض الاھلیة 4۔القانون المدنی

1۔الادلة الاجمالية (مجمل دلائل)

جواب: الادلة الاجمالية سے مراد وہ غیر مفصّل شرعی دلائل ہیں جن کے عملی تطبیق میں اجتہاد کی ضرورت ہوتی ہے۔ یہ دلائل اپنے ظاہری ساخت میں کلی ہوتے ہیں اور ان سے متعدد احکام اخذ کیے جا سکتے ہیں۔ مثال کے طور پر قرآن مجید میں ﴿وَ اَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ﴾ (نماز قائم کرو) کا حکم ایک ادلّہ اجمالیہ ہے، جس میں نماز کے طریقے، رکعات کی تعداد اور شرائط کی تفصیل بیان نہیں کی گئی۔ اسی طرح حدیث میں "لا ضَرَرَ وَلَا ضِرَارَ" (نہ نقصان پہنچاؤ، نہ نقصان اٹھاؤ) کا اصول بھی ادلّہ اجمالیہ میں شامل ہے، جسے معاملات، تجارت اور عائلی قوانین میں مختلف صورتوں پر تطبیق دی جاتی ہے۔

2۔العزيمة والرخصة (اصل حکم اور رعایت)

عزیمۃ سے مراد شریعت کا اصل اور اولین حکم ہے جو عام حالات میں لاگو ہوتا ہے، جبکہ رخصۃ کسی عذر کی بنا پر دی گئی شرعی رعایت کو کہتے ہیں۔ عزیمت کی مثال یہ ہے کہ روزہ دار کے لیے دن بھر کھانا پینا حرام ہے، لیکن بیمار یا مسافر ہونے کی صورت میں رخصت دی گئی ہے کہ وہ روزہ چھوڑ سکتا ہے۔ اسی طرح پانی نہ ملنے کی صورت میں تیمم کرنا رخصت ہے، جبکہ وضو کے ساتھ نماز پڑھنا عزیمت ہے۔ یہ دونوں اصطلاحیں شریعت کے توازن اور آسانی کے اصول کو ظاہر کرتی ہیں۔

3۔العوارض الاهلية (اہلیت پر اثرانداز ہونے والے عوارض)

عوارض الاہلیۃ سے مراد وہ خارجی یا داخلی عوامل ہیں جو انسان کی شرعی یا قانونی اہلیت کو متاثر کرتے ہیں۔ یہ عوارض بعض اوقات اہلیت کو مکمل طور پر سلب بھی کر سکتے ہیں اور بعض اوقات جزوی طور پر متاثر کرتے ہیں۔ مثال کے طور پر ''جنون'' (پاگل پن) ایک ایسا عارضہ ہے جو انسان کی عقل کو سلب کر کے اسے شرعی احکام کا مکلف نہیں رہنے دیتا۔ اسی طرح ''بچپن'' ناقص اہلیت کا سبب ہے، جبکہ ''غم'' یا ''خوف'' جیسے عوارض عبادات میں تخفیف کا باعث بنتے ہیں، جیسے نماز خوف۔

ظلم و ناانصافی جنم لیتی ہے اور معاشرہ تباہی کی طرف بڑھتا ہے۔ عدل محض اخلاقی قدر نہیں بلکہ اسلام میں یہ ایک بنیادی دینی حکم ہے۔ قرآن مجید اور سنتِ نبوی میں عدل کو بار بار بیان کیا گیا ہے اور اسلامی ریاست کے تمام نظام کو اسی پر قائم کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ عدل کی اصل روح اس وقت زندہ رہتی ہے جب عدالتیں آزاد ہوں اور کسی دباؤ یا اثر و رسوخ کے بغیر فیصلے کریں۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام نے نہ صرف عدل کے قیام کو لازم قرار دیا بلکہ عدالت کی آزادی کو بھی اس کی تکمیل کے لیے ضروری قرار دیا۔

عدل کی اہمیت قرآن و سنت کی روشنی میں: قرآن مجید عدل کو ایمان کا تقاضا قرار دیتا ہے۔ فرمایا: ﴿اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰٓى اَهْلِهَا ۙ وَ اِذَا حَكَمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ اَنْ تَحْكُمُوْا بِالْعَدْلِ﴾ (النساء:58)

ترجمہ: بے شک اللہ تمہیں حکم دیتا ہے کہ امانتیں ان کے اہل کو پہنچاؤ اور جب لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو تو عدل کے ساتھ فیصلہ کرو۔ ایک اور جگہ فرمایا گیا: ﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ لِلّٰهِ شُهَدَآءَ بِالْقِسْطِ ۫ وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰٓى اَلَّا تَعْدِلُوْا ؕ اِعْدِلُوْا ۫ هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى﴾ (المائدہ:8) ترجمہ: اے ایمان والو! اللہ کے لیے انصاف پر قائم رہنے والے اور انصاف کی گواہی دینے والے بنو، کسی قوم کی دشمنی تمہیں عدل سے نہ روکے۔ عدل کرو یہی تقویٰ کے زیادہ قریب ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے عدل کرنے والے قاضی کی فضیلت بیان کرتے ہوئے فرمایا:

"اللہ کے نزدیک سب سے محبوب انسان وہ حاکم ہے جو انصاف کے ساتھ فیصلہ کرے" (ترمذی)۔ ایک اور روایت میں ہے: "قاضی تین قسم کے ہیں، ایک جنت میں اور دو جہنم میں۔ وہ قاضی جو حق جان کر انصاف کے ساتھ فیصلہ کرے وہ جنت میں ہے، اور جو ناحق فیصلہ کرے وہ جہنم میں ہے" (ابوداؤد)۔ یہ دلائل واضح کرتے ہیں کہ عدل اسلامی معاشرت اور ریاست کی بنیاد ہے۔

عدالت کی آزادی: عدالت کی آزادی سے مراد یہ ہے کہ قاضی یا جج کو فیصلے میں حکمران، دولت مند یا اثر و رسوخ رکھنے والے طبقے کے دباؤ سے آزاد ہونا چاہیے۔ اسلام میں عدالت کو انتظامیہ سے الگ رکھا گیا تاکہ عدل متاثر نہ ہو۔ خلفائے راشدین کے دور میں قاضی حضرات کو مکمل آزادی دی جاتی تھی اور خلفاء تک کے خلاف فیصلے کرنے میں انہیں کسی رکاوٹ کا سامنا نہ ہوتا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے قاضی شریح کو عراق کا قاضی مقرر کرتے ہوئے کہا: "فیصلے میں جلد بازی نہ کرنا، دونوں فریق کو برابر سمجھنا اور اگر کل اپنا فیصلہ درست نہ لگے تو حق کے مطابق فیصلہ بدل دینا، کیونکہ کل کا فیصلہ

کے حق کے خلاف ہو سکتا ہے"۔ یہ جملے عدلیہ کی آزادی اور انصاف پسندی کا واضح پیغام ہیں۔
آزاد عدلیہ معاشرے میں قانون کی بالادستی قائم رکھتی ہے۔ اگر عدلیہ آزاد نہ ہو تو ظلم بڑھتا ہے، طاقتور اپنے اثر و رسوخ کے ذریعے مظلوم کے حق کو دبانے لگتا ہے، اور عام آدمی انصاف سے مایوس ہو جاتا ہے۔ اس کے برعکس آزاد عدلیہ سے عوام کو اعتماد ملتا ہے کہ ان کے مسائل کا حل انصاف کے دروازے پر موجود ہے۔

اسلامی تاریخ کی مثالیں: اسلامی تاریخ میں عدل اور آزاد عدلیہ کی بے شمار مثالیں ملتی ہیں۔

1. حضرت علی رضی اللہ عنہ اور ایک یہودی کا مقدمہ قاضی شریح کے سامنے پیش ہوا۔ قاضی نے یہودی کے حق میں فیصلہ دیا کیونکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس دلیل نہ تھی۔ یہ اس بات کا ثبوت ہے کہ خلیفہ وقت بھی عدالت کے سامنے عام شہری کے برابر تھا اور قاضی نے حکمران کے خلاف فیصلہ کرنے میں کوئی جھجک محسوس نہ کی۔
2. حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور میں ایک قبطی نوجوان اور گورنر کے بیٹے کا جھگڑا ہوا۔ جب معاملہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے سامنے آیا تو انہوں نے گورنر کے بیٹے کو سزا دی اور فرمایا: "تم نے کب سے لوگوں کو غلام بنا لیا ہے حالانکہ ان کی ماؤں نے انہیں آزاد جنا تھا"۔ یہ عدل کی وہ مثال ہے جس نے رعایا کو حکمران پر اعتماد عطا کیا۔
3. حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے گورنروں کو سخت ہدایات دیں کہ عدل کے خلاف کوئی فیصلہ نہ کریں، اور اگر کوئی شکایت ہو تو لوگ براہِ راست خلیفہ تک رسائی کر سکتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے دور کو عدلِ فاروقی کہا جاتا ہے۔

عدل کے معاشرتی فوائد: عدل کا قیام صرف ایک قانونی تقاضا نہیں بلکہ پورے معاشرے کی فلاح کا ذریعہ ہے۔

- عدل کی وجہ سے کمزور کو طاقتور کے برابر حق ملتا ہے۔
- ظلم ختم ہوتا ہے اور امن قائم رہتا ہے۔
- عوام کا اعتماد حکمران اور ریاست پر بڑھتا ہے۔
- معیشت ترقی کرتی ہے کیونکہ ناانصافی کے بغیر کاروبار اور لین دین صاف رہتے ہیں۔
- معاشرے میں اتحاد اور بھائی چارہ پروان چڑھتا ہے۔

اگر عدل نہ ہو تو معاشرہ انتشار، بغاوت اور خانہ جنگی کا شکار ہو جاتا ہے، اور ریاستیں تباہ ہو جاتی ہیں۔ یہی

وجہ ہے کہ کہا جاتا ہے: "کفر کے ساتھ ریاست قائم رہ سکتی ہے مگر ظلم کے ساتھ نہیں۔"

نتیجہ: اسلام نے عدل کو اپنی شریعت کا بنیادی مقصد قرار دیا اور عدلیہ کی آزادی کو اس مقصد کے حصول کا سب سے بڑا ذریعہ بنایا۔ قرآن و سنت کے دلائل اور خلفائے راشدین کی عملی مثالیں ہمیں بتاتی ہیں کہ عدل ہی معاشرے کے امن، سکون اور ترقی کی ضمانت ہے۔ جہاں عدلیہ آزاد ہو اور عدل قائم ہو، وہاں [illegible]

[illegible]

[illegible] ہمیں دیتی ہے۔

سوال 4: جمہوریت کی خوبیوں اور خامیوں کا عالمانہ جائزہ تحریر کریں۔

جواب: تعارف

جمہوریت (Democracy) ایک ایسا سیاسی نظام ہے جس میں اقتدار عوام کی مرضی اور رائے سے قائم ہوتا ہے۔ ارسطو نے اسے "عوام کی حکومت" کہا اور ابراہم لنکن نے اسے یوں بیان کیا: "حکومت عوام کی، عوام کے ذریعے اور عوام کے لیے"۔ دنیا کے کئی ممالک میں جمہوریت ایک کامیاب نظام کے طور پر نافذ ہے، تاہم اس کے ساتھ ساتھ اس پر تنقید بھی کی جاتی ہے۔ جمہوریت کی کامیابی یا ناکامی کا تعلق اس کے اصولوں کے صحیح نفاذ اور معاشرتی حالات سے ہوتا ہے۔

جمہوریت کی خوبیاں:

1. عوامی شرکت اور نمائندگی

جمہوریت میں عوام اپنے نمائندے خود منتخب کرتے ہیں، اس طرح ہر شہری کو حکومتی معاملات میں حصہ لینے کا حق حاصل ہوتا ہے۔ یہ شمولیت عوام کو ذمہ دار بناتی ہے اور سیاسی شعور کو بڑھاتی ہے۔

2. حقوق و آزادیوں کا تحفظ

جمہوریت میں شہری آزادی، اظہارِ رائے کی آزادی، اور مذہبی آزادی کو اہمیت دی جاتی ہے۔ لوگ اپنے خیالات کھل کر بیان کر سکتے ہیں اور اپنے حقوق کے تحفظ کے لیے [illegible] کر سکتے ہیں۔

[illegible]

[illegible] عوام کے سامنے جواب دہ ہوتی ہے۔ انتخابات کے ذریعے حکمران بدلے جا سکتے ہیں، اور پارلیمنٹ، میڈیا اور عدلیہ جیسے ادارے حکومت پر نظر رکھتے ہیں۔ اس سے کرپشن اور اختیارات [illegible]

کے ناجائز استعمال پر قابو پایا جا سکتا ہے۔

4.امن ورواداری

جمہوریت مختلف طبقات اور گروہوں کو ایک پلیٹ فارم پر ساتھ لے کر چلتی ہے۔ چونکہ فیصلے مشاورت اور ووٹ کے ذریعے ہوتے ہیں، اس لیے خانہ جنگی اور تشدد کے امکانات کم ہو جاتے ہیں۔

5.تبدیلی کا پر امن ذریعہ

جمہوریت کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ حکمرانوں کو پر امن طریقے سے تبدیل کیا جا سکتا ہے۔ یہ عمل کسی بغاوت یا خون خرابے کے بجائے ووٹ کے ذریعے ہوتا ہے۔

جمہوریت کی خامیاں

1.اکثریت کی آمریت

جمہوریت میں اکثر "اکثریت کی حکومت" ہوتی ہے۔ اگر اکثریت تعلیم یافتہ اور باشعور نہ ہو تو وہ غلط فیصلے کر سکتی ہے، اور اقلیتوں کے حقوق متاثر ہو سکتے ہیں۔

2.انتخابی سیاست اور سرمائے کا اثر

انتخابات میں اکثر سرمایہ دار اور بااثر لوگ کامیاب ہوتے ہیں۔ پیسے، طاقت اور میڈیا کے استعمال سے حقیقی نمائندگی متاثر ہو جاتی ہے، اور عام آدمی اپنی رائے آزادانہ طور پر استعمال نہیں کر پاتا۔

3.وقت کا ضیاع اور فیصلہ سازی میں تاخیر

جمہوریت میں فیصلے مشاورت اور بحث کے بعد ہوتے ہیں۔ یہ طریقہ اگرچہ شفاف ہے مگر اکثر وقت طلب ہوتا ہے اور فوری فیصلوں میں رکاوٹ بن سکتا ہے، خاص طور پر ہنگامی حالات میں۔

4.سیاسی انتشار اور گروہ بندی

جمہوریت میں مختلف سیاسی جماعتوں کے درمیان شدید اختلافات ہوتے ہیں جو بعض اوقات ملکی مفاد کے بجائے ذاتی یا جماعتی مفاد کو ترجیح دینے لگتے ہیں۔ اس سے انتشار اور عدم استحکام پیدا ہوتا ہے۔

5.بے جا آزادی اور اخلاقی انحطاط

کچھ جمہوری معاشروں میں آزادی کے نام پر اخلاقی اقدار کو نظر انداز کر دیا جاتا ہے۔ بے حیائی، مادیت پرستی اور مذہبی اقدار سے انحراف اس کا نتیجہ ہے، جو معاشرتی زوال کا باعث بنتا ہے۔

اسلامی نقطہ نظر: اسلامی سیاسی نظام بنیادی طور پر شوریٰ اور عدل پر قائم ہے۔ اسلام میں

"اکثریت کی رائے" کا احترام ہے لیکن اس کے ساتھ ساتھ فیصلے قرآن وسنت کے اصولوں کے مطابق ہونا لازمی ہیں۔قرآن میں حکم ہے: ﴿وَ اَمْرُهُمْ شُوْرٰى بَيْنَهُمْ﴾ (الشوریٰ:38) یعنی مسلمانوں کے کام باہمی مشورے سے طے ہوتے ہیں۔رسول اللہ ﷺ نے مدینہ کی اسلامی ریاست میں شوریٰ کو نافذ کیا اور خلفائے راشدین نے بھی اپنے فیصلے عوامی مشاورت سے کیے۔

اسلام جمہوریت کے مثبت پہلوؤں کو تسلیم کرتا ہے، جیسے عوامی شمولیت، مشاورت اور احتساب، لیکن مغربی جمہوریت کی مطلق آزادی کو قبول نہیں کرتا کیونکہ وہاں دین اور شریعت کو فیصلوں سے الگ رکھا جاتا ہے۔ اسلام کہتا ہے کہ عوامی رائے اپنی جگہ لیکن فیصلہ قرآن وسنت کے دائرے میں ہونا چاہیے۔

نتیجہ: جمہوریت ایک ایسا نظام ہے جس میں عوامی شمولیت، آزادی اور احتساب جیسی بڑی خوبیاں موجود ہیں، لیکن اس کے ساتھ اکثریت کی آمریت، سرمایہ دارانہ اثرات اور اخلاقی بگاڑ جیسی خامیاں بھی ہیں۔ اسلام ایک متوازن نظام پیش کرتا ہے جو جمہوریت کی مثبت خوبیوں کو اپناتا ہے لیکن اسے شریعت کے اصولوں کا پابند بناتا ہے۔ اس لیے یہ کہا جا سکتا ہے کہ اسلام میں "شوریٰ پر مبنی جمہوریت" ایک مثالی نظام ہے جو عوامی رائے اور الٰہی ہدایت دونوں کو یکجا کرتا ہے۔

سوال :5 درج ذیل میں سے دو پر نوٹ لکھیں۔ سوشلزم اقوام متحدہ کا قیام اسلام کی خارجہ پالیسی کے اصول الٰہی اور انسانی قانون میں فرق

جواب : **سوشلزم نظام** (Socialism)

سوشلزم نظام انیسویں صدی میں سرمایہ داری کے خلاف ایک ردعمل کے طور پر سامنے آیا۔ سرمایہ داری میں دولت چند ہاتھوں میں سمٹ جاتی ہے اور غریب طبقہ مزید غربت کا شکار ہو جاتا ہے۔ سوشلزم نظام نے اس عدم مساوات کو ختم کرنے کے لیے نجی ملکیت کو محدود کرنے اور دولت کی اجتماعی ملکیت پر زور دیا۔ کارل مارکس اور لینن نے اس نظام کو نظریاتی بنیاد فراہم کی۔

سوشلزم اصولوں کے مطابق کارخانے، صنعتیں اور ذرائع پیداوار ریاست کے قبضے میں ہوتے ہیں تاکہ دولت کا منصفانہ تقسیم ممکن ہو سکے۔ اس نظام نے مزدور طبقے کو سرمایہ دار کے ظلم سے نجات دلائی اور تعلیم، صحت اور روزگار جیسے بنیادی حقوق کو یقینی بنایا۔

تاہم سوشلزم نظام کی بڑی خامی یہ ہے کہ یہ انفرادی آزادی کو محدود کر دیتا ہے۔ جب ریاست سب کچھ اپنے ہاتھ میں لے لیتی ہے تو معاشی ترقی کی رفتار سست پڑ جاتی ہے اور اختراعات کا عمل رک جاتا ہے۔

مزید یہ کہ عملی طور پر سوشلزم ریاستیں اکثر آمریت کا شکار ہوئیں جیسا کہ سوویت یونین کی مثال ہے۔

اقوام متحدہ کا قیام (United Nations)

اقوام متحدہ دوسری جنگ عظیم کے بعد 24 اکتوبر 1945ء کو قیام میں آئی۔ اس کا مقصد عالمی امن قائم رکھنا، جنگوں کو روکنا، بین الاقوامی تعاون کو فروغ دینا اور انسانی حقوق کی حفاظت کرنا تھا۔ اقوام متحدہ کے قیام سے پہلے "عصبة الامم" (League of Nations) قائم کی گئی تھی مگر وہ دوسری جنگ عظیم کو روکنے میں ناکام رہی۔

اقوام متحدہ کا چارٹر امریکہ کے شہر سان فرانسسکو میں مرتب کیا گیا جس پر پچاس سے زائد ممالک نے دستخط کیے۔ اس کے اہم اداروں میں جنرل اسمبلی، سلامتی کونسل، اقتصادی و سماجی کونسل، عالمی عدالتِ انصاف اور سیکریٹریٹ شامل ہیں۔

سلامتی کونسل کو سب سے زیادہ اختیارات حاصل ہیں اور اس کے مستقل پانچ رکن (امریکہ، برطانیہ، روس، چین اور فرانس) کو ویٹو کا حق حاصل ہے۔ یہ ویٹو طاقت بعض اوقات اقوام متحدہ کی غیر جانبداری کو متاثر کرتی ہے کیونکہ طاقتور ممالک اپنے مفاد کے مطابق فیصلے روکتے ہیں۔

اس کے باوجود اقوام متحدہ نے تعلیم، صحت، انسانی حقوق اور غربت کے خاتمے کے لیے نمایاں کردار ادا کیا ہے اور آج بھی یہ دنیا کی سب سے بڑی عالمی تنظیم ہے۔

اسلام کی خارجہ پالیسی کے اصول

اسلام نے بین الاقوامی تعلقات کے لیے واضح رہنما اصول دیے ہیں۔ سب سے پہلا اصول یہ ہے کہ تعلقات عدل و انصاف پر قائم ہوں۔ قرآن میں ہے: ﴿وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰٓى اَلَّا تَعْدِلُوْا ۭ اِعْدِلُوْا ۣ هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى﴾ (المائدہ: 8) یعنی دشمنی بھی تمہیں انصاف سے نہ روکے۔

دوسرا اصول پرامن بقائے باہمی ہے۔ اسلام جنگ کو آخری چارہ سمجھتا ہے۔ اگر غیر مسلم پرامن رہیں تو مسلمانوں کو بھی ان کے ساتھ امن قائم رکھنا چاہیے۔ تیسرا اصول معاہدات کی پاسداری ہے۔ قرآن کا حکم ہے کہ معاہدے پورے کرو کیونکہ معاہدے کے بارے میں پوچھا جائے گا (بنی اسرائیل: 34)۔

چوتھا اصول دعوتِ اسلام کا ہے۔ مسلمان اقوام کے ساتھ تعلقات میں اسلام کے پیغام کو پہنچانے کے ذمہ دار ہیں۔ پانچواں اصول یہ ہے کہ جارحیت کا مقابلہ کیا جائے لیکن ظلم کی ابتدا نہ کی جائے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "جنگ میں عورتوں، بچوں اور غیر لڑنے والوں کو قتل نہ کرو"۔

یوں اسلام کی خارجہ پالیسی عدل، امن، معاہدات کی پاسداری اور دعوت پر قائم ہے، جو آج کے عالمی تعلقات کے لیے بھی مثالی رہنما اصول ہیں۔

الٰہی اور انسانی قانون میں فرق

الٰہی قانون سے مراد وہ قانون ہے جو اللہ تعالیٰ نے اپنے رسولوں کے ذریعے انسانیت کو دیا، جیسے قرآن و سنت۔ انسانی قانون وہ ہے جو انسان اپنے تجربے اور عقل کے مطابق بناتے ہیں۔
الٰہی قانون آفاقی، لازوال اور غیر متبدل ہوتا ہے کیونکہ یہ خالق کی طرف سے نازل ہوا ہے۔ یہ صرف ایک زمانے یا قوم کے لیے نہیں بلکہ پوری انسانیت کے لیے ہے۔ انسانی قانون وقتی، محدود اور تغیر پذیر ہوتا ہے۔ مختلف معاشروں میں مختلف قوانین ہوتے ہیں اور وقت کے ساتھ وہ بدل بھی جاتے ہیں۔
الٰہی قانون کا مقصد صرف دنیاوی نظم نہیں بلکہ اخروی نجات بھی ہے، جبکہ انسانی قانون صرف دنیاوی زندگی کو منظم کرنے تک محدود ہے۔ انسانی قانون میں طاقتور کی خواہش شامل ہو سکتی ہے لیکن الٰہی قانون عدل، حق اور مساوات پر مبنی ہے۔
مثال کے طور پر: قرآن نے قتل کی سزا قصاص مقرر کی تاکہ جانوں کا تحفظ ہو، جبکہ انسانی قانون میں سزائیں حکومت کی پالیسی کے مطابق بدل سکتی ہیں۔ اسی طرح الٰہی قانون انسان کو عبادات، اخلاق اور معاملات تینوں کا جامع ضابطہ دیتا ہے، لیکن انسانی قانون عموماً صرف سیاسی و سماجی امور تک محدود رہتا ہے۔

حصہ معروضی کل نمبر 28

نوٹ: حصہ معروضی کے تمام سوال لازمی ہیں۔

سوال 6: درج ذیل کے مختصر جواب دیں۔ 10 نمبر

سوال 1: قانون کی تاریخ لکھیں۔

جواب: قانون کی ابتدا انسانی معاشرے کے قیام سے ہوئی۔ قدیم زمانے میں قانون رسم و رواج اور قبائلی فیصلوں کی صورت میں موجود تھا۔ بابل کا حمورابی کوڈ دنیا کے قدیم ترین قوانین میں شمار ہوتا ہے۔ یونان اور روم نے قانون کو فلسفیانہ اور تحریری شکل دی۔ عہد وسطیٰ میں یورپ میں چرچ کے قوانین غالب رہے۔ اسلام نے قرآن و سنت کی صورت میں ایک جامع اور آفاقی قانون دیا جو زندگی کے ہر پہلو کا احاطہ کرتا ہے۔ جدید دور میں قانون ریاستی اداروں کے ذریعے بنایا اور نافذ کیا

سوال:2 کیمونزم کا تعارف تحریر کریں۔

جواب: کیمونزم ایک معاشی و سیاسی نظام ہے جسے کارل مارکس اور لینن نے پیش کیا۔ اس کا بنیادی نظریہ یہ ہے کہ دولت اور ذرائع پیداوار پر انفرادی ملکیت ختم کر کے اجتماعی ملکیت قائم کی جائے۔ اس نظام میں نجی ملکیت کی اجازت نہیں ہوتی اور ریاست سب وسائل پر قابض ہوتی ہے تا کہ معاشی مساوات قائم ہو۔ کیمونزم نے سرمایہ دارانہ نظام کے خلاف مزدوروں کو ابھارا لیکن اس کی عملی شکل اکثر آمریت اور انفرادی آزادی کی کمی کا باعث بنی، جیسا کہ سابقہ سوویت یونین میں دیکھا گیا۔

سوال:3 عمرانی فلسفہ سے کیا مراد ہے؟

جواب: عمرانی فلسفہ (Social Philosophy) اس فلسفے کو کہتے ہیں جو انسانی معاشرے، اس کے اصول، اقدار اور تنظیم کا مطالعہ کرتا ہے۔ یہ فلسفہ یہ سوال اٹھاتا ہے کہ انسان مل جل کر کیوں رہتا ہے؟ معاشرتی انصاف اور مساوات کی بنیاد کیا ہے؟ اور ریاست و فرد کے درمیان کیا تعلق ہونا چاہیے؟ افلاطون، ارسطو، ابن خلدون اور جدید فلسفیوں نے عمرانی فلسفے پر گہری بحث کی ہے۔ مختصراً، عمرانی فلسفہ انسان اور معاشرے کے باہمی تعلقات اور اصولوں کا مطالعہ ہے۔

سوال:4 ذکر الٰہی کی فضیلت تحریر کریں۔

جواب: ذکر الٰہی دلوں کو سکون بخشتا ہے اور انسان کو اللہ کے قریب کرتا ہے۔ قرآن مجید میں فرمایا گیا: ﴿اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَىِٕنُّ الْقُلُوْبُ﴾ (الرعد: 28) یعنی جان لو کہ اللہ کے ذکر سے دلوں کو اطمینان حاصل ہوتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جو شخص اللہ کو یاد کرتا ہے اور جو یاد نہیں کرتا اس کی مثال زندہ اور مردہ کی طرح ہے'' (بخاری)۔ ذکر سے گناہ معاف ہوتے ہیں، نیکیاں بڑھتی ہیں اور انسان کی روحانی بلندی حاصل ہوتی ہے۔

سوال:5 اسلام میں تعلیم کی ضرورت واضح کریں۔

جواب: اسلام نے تعلیم کو دین و دنیا دونوں میں کامیابی کی بنیاد قرار دیا ہے۔ قرآن میں سب سے پہلی وحی ''اقرأ'' کے حکم سے شروع ہوئی، جو پڑھنے اور علم حاصل کرنے کی تاکید ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''علم حاصل کرنا ہر مسلمان مرد اور عورت پر فرض ہے'' (ابن ماجہ)۔ تعلیم انسان کو شعور، اچھائی برائی کی پہچان اور معاشرتی ترقی کا ذریعہ فراہم کرتی ہے۔ اسلام نے تعلیم کو محض دینی ہی نہیں بلکہ سائنسی، فکری

اور عملی علوم کے لیے بھی ضروری قرار دیا ہے تا کہ مسلمان دنیا و آخرت دونوں میں کامیاب ہوں۔

سوال 7: درج ذیل میں سے صحیح پر (✓) اور غلط پر (✗) کا نشان لگائیں۔ 10 نمبر

1۔ تمام خلفاء کا انتخاب مشورہ سے ہوا تھا۔ (✓)

2۔ اقوام متحدہ کا صدر دفتر برطانیہ میں ہے۔ (✗)

3۔ انتظامیہ کی ذمہ داری عمدہ قانون سازی ہے۔ (✗)

4۔ اسلامی ملک میں غیر مسلم اپنی عبادت گاہ بنا سکتے ہیں۔ (✓)

5۔ اسلام میں اقتدار اعلیٰ خلیفہ کے پاس ہوتا ہے۔ (✗)

6۔ ارسطو کے نزدیک عورت کو مرد کے مساوی حقوق حاصل ہیں۔ (✗)

7۔ 1914 جنگ عظیم اول کے ساتھ ہی اقوام متحدہ کی بنیاد رکھی گئی تھی۔ (✗)

8۔ قومیت میں مشترکہ مذہب کی تعلیم دی جاتی ہے۔ (✗)

9۔ پاکستان مین وفاقی نظام نافذ العمل ہے۔ (✓)

10۔ داعی کے لیے حافظ قرآن ہونا لازمی وصف ہے۔ (✗)

سوال 8: مجوزہ جوابات میں سے درست جواب کا انتخاب کریں۔

1۔ افلاطون کا اصل وطن تھا۔

یمن — یونان (✓) — مصر

2۔ خلافت راشدہ میں دارالحکومت تھا۔

مکہ مکرمہ — بغداد — مدینہ منورہ (✓)

3۔ اقوام متحدہ کا نام کس نے منتخب کیا؟

امریکی صدر (✓) — شاہ فیصل — گاندھی

4۔ تاریخ میں سب سے زیادہ قتل کیے۔

جاپان — امریکہ (✓) — فرانس

5۔ جہاد کا مفہوم ہے۔

مکمل کوشش (✓) — قتال — امن کا قیام

6۔ خلفائے راشدین میں سب سے زیادہ مدت خلافت تھی۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ (✓)　　حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ　　حضرت علی رضی اللہ عنہ

7۔ اشتراکیت کا بڑا حامی ہے۔

جاپان　　چین (✓)　　امریکہ

8۔ عالمی سیاست میں زیادہ موثر ہیں۔

مسلم مفکرین　　یونانی (✓)　　عیسائی علماء



الاقتصاد الاسلامی 1444ھ/2023 (ضمنی)

حصہ انشائیہ: کل نمبر 72

نوٹ: حصہ انشائیہ سے کوئی سے چار سوال حل کریں۔ ہر سوال کے 18 نمبر ہیں۔

سوال: 1 علم معاشیات کے ارتقاء میں مسلم مفکرین کے کردار اور مقدمہ ابن خلدون پر روشنی ڈالیں۔

جواب: تمہید: انسانی معاشرت کی بنیاد معیشت پر قائم ہے۔ انسانی تاریخ کے ہر دور میں افراد، قبائل اور ریاستوں کی بقا اور ترقی کا انحصار اس بات پر رہا ہے کہ ان کا معاشی نظام کتنا منظم اور مستحکم ہے۔ قدیم تہذیبوں سے لے کر جدید سرمایہ دارانہ اور اشتراکی نظام تک معیشت کے ارتقاء کا سلسلہ جاری رہا ہے، مگر اس میں مسلم مفکرین کی خدمات نہایت اہم ہیں۔ اسلامی تہذیب نے معاشیات کو محض مادی زاویے سے نہیں دیکھا بلکہ اسے دینی، اخلاقی اور انسانی اقدار کے ساتھ مربوط کیا۔ اسلامی مفکرین نے ایسے اصول پیش کیے جو بعد میں جدید معاشیات کی اساس بنے۔ ان میں سب سے نمایاں اور عظیم نام ابن خلدون رحمہ اللہ کا ہے جن کی تصنیف ''المقدمہ'' علمِ معاشیات کی تاریخ میں انقلابی حیثیت رکھتی ہے۔

مسلم مفکرین کا کردار:

اسلامی دورِ عروج میں کئی مفکرین نے معاشیات کے اصول وضوابط وضع کیے۔ ان کی فکر کا مرکزی نکتہ یہ تھا کہ معیشت محض دولت اندوزی کا نام نہیں بلکہ عدل، توازن اور انسانی ضروریات کی تکمیل کا ذریعہ ہے۔

1. امام ابو یوسف رحمہ اللہ (وفات 182ھ)

امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے شاگرد اور خلیفہ ہارون الرشید کے قاضی القضاۃ تھے۔ آپ کی کتاب ''کتاب الخراج'' اسلامی مالیات کی اولین اور جامع ترین دستاویز ہے۔ اس میں ٹیکس کے اصول، زمینداری، سرکاری محصولاتِ، عوامی بہبود اور حکومتی آمدنی کے ذرائع پر تفصیل سے روشنی ڈالی گئی۔ یہ کتاب بعد میں یورپی فکری ارتقاء پر بھی اثر انداز ہوئی۔

2. امام غزالی رحمہ اللہ (وفات 505ھ)

''احیاء علوم الدین'' میں امام غزالی نے معیشت کو اخلاقیات اور دینی اقدار کے ساتھ جوڑا۔ آپ نے واضح کیا کہ معیشت کا مقصد صرف دولت کا حصول نہیں بلکہ انسانی ضروریات کی تکمیل اور معاشرتی انصاف کا

قیام ہے۔آپ نے ذخیرہ اندوزی، سود اور غیر منصفانہ منڈی کے طریقوں کی سختی سے مخالفت کی۔

3.ابن تیمیہ رحمہ اللہ (وفات 728ھ)

ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے "الحسبۃ فی الاسلام" میں منڈیوں کے نظم ونسق، نرخ بندی، معیار کی نگرانی، ذخیرہ اندوزی کی روک تھام اور عوامی مفاد کے تحفظ پر زور دیا۔آپ نے واضح کیا کہ حکومت کا فرض ہے کہ منڈی میں عدل قائم کرے تاکہ کمزور اور غریب طبقہ ظلم وناانصافی کا شکار نہ ہو۔

4.ابن خلدون رحمہ اللہ (وفات 808)

اسلامی دنیا کے سب سے بڑے مؤرخ، فلسفی اور ماہرِ عمرانیات کے طور پر ابن خلدون رحمہ اللہ نے معیشت کو محض مالیات تک محدود نہیں رکھا بلکہ اسے سیاست، سماجیات اور تاریخ کے ساتھ جوڑ دیا۔ان کی کتاب "المقدمہ"،علمِ معاشیات میں انقلاب کی حیثیت رکھتی ہے۔

مقدمہ ابن خلدون اور معاشی افکار

ابن خلدون رحمہ اللہ کی "المقدمہ" کو دنیا بھر میں عمرانیات اور معاشیات کی اولین اور بنیادی تصنیف مانا جاتا ہے۔ان کے معاشی افکار کی نمایاں خصوصیات درج ذیل ہیں:

1.محنت کی اساس:

ابن خلدون رحمہ اللہ کے مطابق دولت کا حقیقی ذریعہ انسانی محنت ہے۔زرعی پیداوار ہو یا صنعتی ترقی،سب کا دارومدار محنت پر ہے۔یہ تصور بعد میں ایڈم اسمتھ اور کارل مارکس جیسے مفکرین کے ہاں نمایاں ہوا،مگر ابن خلدون نے صدیوں پہلے اس کی وضاحت کی۔

2.تقسیمِ محنت (Specialization):

آپ نے کہا کہ جب لوگ مختلف پیشوں اور کاموں میں مہارت حاصل کرتے ہیں تو معیشت میں پیداوار بڑھتی ہے اور وسائل زیادہ مؤثر طریقے سے استعمال ہوتے ہیں۔یہ اصول آج کی صنعتی معیشت کا بنیادی نظریہ ہے۔

3.قیمتوں کا تعین:

ابن خلدون رحمہ اللہ نے طلب ورسد (Supply Demand) کے اصول کو وضاحت سے بیان کیا۔ان کے نزدیک قیمتوں کا تعین انسانی ضرورتوں اور اشیاء کی دستیابی کے مطابق ہوتا ہے۔یہ اصول آج جدید معاشیات میں Market Mechanism کے نام سے معروف ہے۔

4. ریاست کا کردار:

ابن خلدون رحمہ اللہ نے واضح کیا کہ معیشت کے استحکام کے لیے ریاست کا فعال کردار ناگزیر ہے۔ ظالمانہ ٹیکس اور بدعنوانی معیشت کو تباہ کر دیتے ہیں۔ آپ نے حکومت کو عدل قائم رکھنے، وسائل کو درست تقسیم کرنے اور عوامی بہبود کو اولین ترجیح دینے کی تلقین کی۔

5. عیش و عشرت اور زوال:

ابن خلدون رحمہ اللہ نے معاشی اور سیاسی زوال کا ایک نیا نظریہ پیش کیا۔ ان کے مطابق جب حکمران طبقہ عیش و عشرت اور اسراف میں مبتلا ہو جائے تو ریاست کا استحکام ٹوٹنے لگتا ہے اور معیشت برباد ہو جاتی ہے۔ یہ نظریہ آج بھی تاریخی اور معاشی تجزیوں میں درست ثابت ہوتا ہے۔

ابن خلدون اور جدید معاشیات پر اثرات:

ابن خلدون رحمہ اللہ کے نظریات نے بعد کے یورپی مفکرین پر بھی اثر ڈالا۔ ایڈم اسمتھ، ڈیوڈ ریکارڈو اور کارل مارکس جیسے مفکرین نے معاشیات کے جن اصولوں پر کام کیا ان کی جڑیں ابن خلدون رحمہ اللہ کی فکر میں موجود ہیں۔ بعض مغربی ماہرین معاشیات نے یہاں تک کہا ہے کہ "اگر ابن خلدون رحمہ اللہ کی فکر کو مغرب نے بروقت سمجھ لیا ہوتا تو معاشیات کی تاریخ ایک صدی پہلے ترقی کر جاتی۔"

نتیجہ: مسلم مفکرین نے معاشیات کی تشکیل اور ارتقاء میں نمایاں کردار ادا کیا۔ ان کا کمال یہ ہے کہ انہوں نے معیشت کو اخلاقی اور دینی اصولوں کے ساتھ مربوط کیا تاکہ انسانی فلاح و بہبود کو یقینی بنایا جا سکے۔ اس سلسلے میں ابن خلدون رحمہ اللہ کی "المقدمہ" سنگ میل کی حیثیت رکھتی ہے جس میں معاشیات کو ایک مربوط اور ہمہ گیر زاویے سے پیش کیا گیا۔ ان کے نظریات آج بھی جدید دنیا کو معیشت، سماج اور سیاست کے باہمی تعلق کو سمجھنے میں رہنمائی فراہم کرتے ہیں۔ یوں ابن خلدون رحمہ اللہ اور دیگر مسلم مفکرین کی خدمات علمِ معاشیات کی تاریخ میں ہمیشہ روشن اور ناقابلِ فراموش رہیں گی۔

سوال 2: اسلام کی معاشی اقدار میں تقویٰ، عدل، اخوت اور شکر کو قرآن و حدیث اور نظام حکومت میں نمایاں رکھا گیا ہے مدلل تحریر کریں۔

جواب: تمہید: اسلام ایک ایسا ہمہ گیر دین ہے جو انسان کی زندگی کے ہر پہلو کے لیے رہنمائی فراہم کرتا ہے۔ معیشت بھی انسانی زندگی کا بنیادی شعبہ ہے اور اسلام نے اسے محض دولت کمانے اور خرچ کرنے تک محدود نہیں رکھا بلکہ دینی اور اخلاقی اقدار کے ساتھ جوڑا ہے۔ قرآن و سنت نے واضح کیا

معیشت کا مقصد فرد و معاشرہ کی ضروریات پوری کرنا، عدل قائم کرنا، ظلم و استحصال سے بچانا اور شکر و تقویٰ کی راہ پر چلنا ہے۔ اسلام کی معاشی اقدار میں سب سے نمایاں اصول تقویٰ، عدل، اخوت اور شکر ہیں، جنہیں نہ صرف قرآن و حدیث میں بیان کیا گیا بلکہ اسلامی نظام حکومت میں بھی ان اصولوں کو بنیاد بنایا گیا۔

1۔ **تقویٰ اور معیشت:** تقویٰ دراصل اللہ کے خوف اور اطاعت کا نام ہے۔ اسلام کے نزدیک معیشت میں دیانت داری اور حلال و حرام کی تمیز کا دارومدار تقویٰ پر ہے۔

قرآن میں: ﴿وَ مَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًاۙ وَّ يَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ﴾ (الطلاق: 2-3) ترجمہ: ''جو اللہ سے ڈرتا ہے، اللہ اس کے لیے نکلنے کی راہ بنا دیتا ہے اور اسے وہاں سے رزق دیتا ہے جہاں سے اسے گمان بھی نہیں ہوتا۔''

حدیث میں: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''تاجرِ صادق اور امانت دار قیامت کے دن انبیاء علیہم السلام، صدیقین اور شہداء کے ساتھ ہوگا۔'' (ترمذی)

نظام حکومت میں: اسلامی حکومت نے تقویٰ کو بنیاد بنا کر تجارت میں سود، ذخیرہ اندوزی اور دھوکہ دہی کو حرام قرار دیا تاکہ معیشت پاکیزگی اور برکت پر قائم رہے۔

2۔ **عدل اور معیشت:** عدل اسلامی معاشی نظام کا بنیادی ستون ہے۔ عدل کے بغیر معاشرہ استحکام اور سکون نہیں پا سکتا۔

قرآن میں:

﴿اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ﴾ (النحل: 90) ترجمہ: ''بیشک اللہ عدل اور احسان کا حکم دیتا ہے۔''

﴿وَ اَقِيْمُوا الْوَزْنَ بِالْقِسْطِ وَ لَا تُخْسِرُوا الْمِيْزَانَ﴾ (الرحمن: 9) ترجمہ: ''ترازو کو انصاف کے ساتھ قائم رکھو اور تول میں کمی نہ کرو۔''

حدیث میں: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''ماپ اور تول میں کمی کرنے والی قوم ہلاک کر دی جاتی ہے۔'' (ابن ماجہ)

نظام حکومت میں:

خلافتِ راشدہ میں عدل کو معیشت کی بنیاد بنایا گیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بیت المال کو منصفانہ طریقے سے عوام میں تقسیم کیا اور فرمایا: ''اگر دریائے فرات کے کنارے ایک کتا بھی بھوکا مر جائے تو مجھے ڈر ہے کہ

اللہ اس کے بارے میں مجھ سے سوال کرے گا۔"

3۔ اخوت اور معیشت: اسلامی معیشت میں بھائی چارہ اور اخوت کو نمایاں مقام حاصل ہے۔ اس سے مراد یہ ہے کہ دولت چند ہاتھوں میں گردش نہ کرے بلکہ معاشرے کے ہر فرد کو اس سے فائدہ ملے۔

قرآن میں: ﴿اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ﴾ (الحجرات: 10) ترجمہ: "بیشک سب مومن آپس میں بھائی بھائی ہیں۔"

﴿كَيْ لَا يَكُوْنَ دُوْلَةًۢ بَيْنَ الْاَغْنِيَآءِ مِنْكُمْ﴾ (الحشر: 7) ترجمہ: "تاکہ یہ مال تمہارے دولت مندوں ہی کے درمیان گردش نہ کرے۔"

حدیث میں: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "تم میں سے کوئی شخص مومن نہیں ہو سکتا جب تک اپنے بھائی کے لیے وہی پسند نہ کرے جو اپنے لیے پسند کرتا ہے۔" (بخاری و مسلم)

نظام حکومت میں: زکوٰۃ، صدقات، خمس اور بیت المال کے نظام کے ذریعے دولت کی منصفانہ تقسیم کی گئی۔ مدینہ کی ریاست میں مہاجرین و انصار کے درمیان مواخات (بھائی چارہ) قائم کیا گیا جو اسلامی معاشی اخوت کی بہترین مثال ہے۔

4۔ شکر اور معیشت: اسلام میں شکر گزاری کو معیشت کی قدر مانا گیا ہے۔ دولت و رزق کو اللہ کی نعمت سمجھ کر استعمال کرنا اور اس پر شکر بجا لانا نہ صرف روحانی سکون کا ذریعہ ہے بلکہ معیشت میں برکت کا سبب بھی بنتا ہے۔

قرآن میں:

﴿لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَاَزِيْدَنَّكُمْ﴾ (ابراہیم: 7) ترجمہ: "اگر تم شکر کرو گے تو میں تمہیں اور زیادہ دوں گا۔"

حدیث میں: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "جو بندہ لوگوں کا شکر ادا نہیں کرتا وہ اللہ کا بھی شکر ادا نہیں کرتا۔" (ترمذی)

نظام حکومت میں: شکر گزاری کا عملی اظہار یہ ہے کہ دولت کو اللہ کی امانت سمجھ کر جائز طریقے سے خرچ کیا جائے۔ اسلامی حکومت میں حکمران اور عوام دونوں کو یہ تعلیم دی گئی کہ رزق پر غرور نہ کریں بلکہ شکر بجا لائیں تاکہ نعمتوں میں اضافہ ہو۔

نتیجہ: اسلام نے معیشت کو اخلاقی و دینی اقدار کے ساتھ جوڑ کر اسے محض مادی ضرورت کا کھیل نہیں رہنے دیا۔ تقویٰ معیشت کو پاکیزہ بناتا ہے، عدل معیشت کو منصفانہ کرتا ہے، اخوت اسے معاشرتی توازن

عطا کرتی ہے، اور شکر اسے برکت اور نعمت کے دوام سے ہمکنار کرتا ہے۔ یہی اقدار اسلامی نظام حکومت میں نمایاں کی گئیں اور خلافتِ راشدہ کے دور میں ان اصولوں پر عملی مثالیں قائم کی گئیں۔ لہٰذا اسلام کا معاشی نظام محض دولت کی تقسیم نہیں بلکہ ایک ایسا ہمہ گیر نظام ہے جو انسانیت کو عدل، سکون اور ترقی کی حقیقی راہ دکھاتا ہے۔

سوال 3: پاکستان کے مالیاتی نظام کا ناقدانہ جائزہ پیش کریں نیز آپ کی نظر میں پاکستانی معاشی مسائل کا منصفانہ حل کیا ہوسکتا ہے مدلل تحریر کریں۔

جواب: **تمہید:** پاکستان کا مالیاتی نظام کئی دہائیوں سے چیلنجز کا شکار ہے۔ یہ وہ نظام ہے جو حکومت کی آمدنی، عوام کے فائدے اور معیشت کی رفتار طے کرتا ہے۔ آسان الفاظ میں کہا جائے تو اگر یہ نظام درست نہ ہو تو پیسے کی فراہمی، روزگار اور عام لوگ سب متاثر ہوتے ہیں۔ ذیل میں سادہ زبان میں موجودہ خامیوں کا جائزہ اور قابلِ عمل حل پیش کیے جا رہے ہیں تفصیل مگر آسان انداز میں۔

موجودہ صورتحال مختصراً

پاکستان کی معیشت بڑی حد تک قرض، درآمدات اور غیر مستحکم محصولات پر چلتی ہے۔ بینکنگ کا نظام عموماً سودی ہے، ٹیکس نظام کمزور اور غیر مؤثر ہے، اور بہت سی ریاستی ادارے (SOEs) نقصان میں چل رہی ہیں۔ غریب طبقہ مہنگائی اور بے روزگاری سے سخت متاثر ہے جبکہ کرپشن اور بدانتظامی وسائل کو ضائع کرتی ہیں۔ نتیجے میں بجٹ خسارہ، بیرونی قرضے اور زرِ مبادلہ کا دباؤ بڑھ جاتا ہے۔

بنیادی مسائل

1. **سودی لین دین کا غلبہ:** سودی قرضوں کی وجہ سے عوام اور حکومت دونوں کی ادائیگیاں بڑھتی ہیں، جس سے آمدنی کا بڑا حصہ صرف سود چکانے میں چلا جاتا ہے۔
2. **ٹیکس کا غیر منصفانہ نظام:** ٹیکس نیٹ محدود ہے؛ بڑے اثاثہ دار اور کاروباری حلقے اکثر ٹیکس سے بچ جاتے ہیں جبکہ عام آدمی پر بالواسطہ ٹیکس زیادہ ہیں۔
3. **کرپشن اور ادارہ جاتی کمزوریاں:** شفافیت کی کمی سے پبلک فنڈز ضائع ہوتے ہیں اور اصلاحات پر عمل درآمد سست ہوتا ہے۔
4. **توانائی اور SOEs کا بوجھ:** توانائی کے خسارے اور سرکاری اداروں کے نقصان نے خزانے پر دباؤ بڑھایا۔

5. برآمدی کمزوریاں اور مقامی صنعت کی کمزور کارکردگی: اس سے روز[illegible] کے مواقع کم اور درآمدات پر انحصار زیادہ ہے۔

اسلام کا نقطۂ نظر مختصراً

اسلامی تعلیمات میں معیشت کا مقصد عدل، مساوات اور فلاحِ عامہ ہے۔ سود (ربا) کی ممانعت، زکاۃ، صدقہ کے ذریعے دولت کی منصفانہ تقسیم، اور تجارت میں ایمانداری ایسے اصول ہیں جو معیشت کو صحت[illegible] بناتے ہیں۔ پاکستان میں اگر اسلامی اصولوں کی طرف تدریجی اصلاح کی جائے تو معاشی انصاف [illegible] بہتری ممکن ہے۔

عملی اور سادہ حل (مکمل مگر قابلِ عمل)

فوری اصلاحات (6-12ماہ)

ٹیکس جمع آوری کی ڈیجیٹل اصلاح: FBR کی خدمات ڈیجیٹائز کریں، آن لائن فائلنگ [illegible] آٹومیٹک ڈیٹا میچنگ سے ٹیکس فرار کم ہوگا۔

ھدفی اخراجات اور سماجی تحفظ: غیر ضروری اخراجات کم کریں مگر غریبوں کے لیے [illegible] کیش سبسڈی یا پروگرام رکھیں۔

شفافیت اور احتساب میں اضافہ: اہم مالیاتی فیصلوں کی عوامی نمائش اور آڈٹ کی [illegible] رپورٹیں جاری ہوں۔

درمیانی مدت اصلاحات (1-3سال)

ٹیکس نظام کی بنیاد کھولنا: بڑے کاروبار، پراپرٹی اور اعلیٰ آمدنی والے افراد کو منصفانہ ٹیکس نیٹ میں لائیں؛ غیر ضروری چھوٹیں ختم کریں۔

•اسلامی مالیاتی آپشنز کی توسیع: سودی نظام کا مکمل خاتمہ فوری عمل نہیں لیکن مشارکہ، مضاربہ اور اسلامی بینکنگ کو بڑھا کر لوگوں کو متبادل دیجیے۔

SOE اصلاحات: کارکردگی کی بنیاد پر بورڈ، نجی شراکت یا منظم ری اسٹریکچرنگ؛ ناکارہ اداروں کے اخراجات کم کریں۔

توانائی ریفارمز: ری نیوایبلز میں سرمایہ کاری بڑھائیں اور سبسڈی ہدفی کریں تاکہ کھپت اور خسارہ کم ہوں۔

طویل المدت اصلاحات (3-10 سال)

صنعت و زراعت کی جدت: جدید ٹیکنالوجی، ویلیو چینز اور برآمد دوست پالیسیاں اپنائیں تاکہ درآمد کم اور روزگار بڑھے۔

انسانی سرمائے میں سرمایہ کاری: تعلیم اور تکنیکی تربیت میں سرمایہ کاری سے محنت کی پیداواریت بڑھے گی۔

قانون سازی اور ادارہ سازی: پبلک فنانس مینجمنٹ مضبوط کریں، بجٹ شفاف بنائیں اور قانون نافذ کرنے والے اداروں کو مضبوط کریں۔

نفاذ کے اصول (سادہ اور حقیقت پسندانہ)

اصلاحات کو مرحلہ وار کریں؛ لوگ فوری سختیاں برداشت نہیں کریں گے تو سیاسی مخالفت بڑھے گی۔

شفافیت اور عوامی رابطہ ضروری ہے تاکہ ہر قدم پر عوام کو سمجھایا جائے کہ یہ فیصلے کیوں ضروری ہیں۔

مراعات یافتہ طبقات کو ٹیکس نیٹ میں لانے کے لیے سیاسی اور معاشی محرکات چاہئیں مثال کے طور پر سادہ، مستحکم ٹیکس قواعد اور کم ریٹ مگر جامع بیس۔

نتیجہ: پاکستان کا مالیاتی نظام تبدیل ہو سکتا ہے بشرطیکہ اصلاحات ایمانداری، شفافیت اور منصفانہ نقطۂ نظر سے نافذ ہوں۔ سودی نظام کا مرحلہ وار متبادل، ٹیکس بیس کی وسعت، کرپشن کا خاتمہ، توانائی اور صنعت کی اصلاح، اور انسانی سرمائے میں سرمایہ کاری یہ سب مل کر ملک کو مستحکم معاشی مستقبل کی طرف لے جائیں گے۔ آسان الفاظ میں: قوانین بہتر بنائیں، نفاذ مضبوط کریں، عام آدمی کو بچائیں، اور امیر طبقے سے منصفانہ حصہ لیں تب ہی حقیقی تبدیلی ممکن ہے۔

سوال 4: سرمایہ داری نظام کا پس منظر، بنیادی اصول اور منفی پہلوؤں کو احاطہ تحریر میں لائیں۔

جواب **تمہید:** سرمایہ داری وہ معاشی نظام ہے جس میں پیداوار کے ذرائع (زمین، کارخانے، مشینیں، سرمائے) کی نجی ملکیت اور منڈی کی قوتیں (طلب و رسد) فیصلے کرتی ہیں کہ کونسا سامان کب اور کس لیے پیدا ہوگا۔ یہ نظام صنعتی انقلاب کے بعد پوری دنیا میں پھیل گیا اور تیزی سے ترقی، اختراع اور غربت کے خاتمے کے بعض مواقع فراہم کرتا ہے، مگر اسی کے ساتھ کئی سنگین مسائل بھی جنم لیتے ہیں۔ ذیل میں ہر نکتہ کو آسان مگر مفصل انداز میں بیان کیا گیا ہے۔

پس منظر:

1. **تجارتی مرحلہ** (Mercantilism): ابتدائی دور میں یورپی ملکوں نے تجارتی سرمایہ کاری اور نوآبادیات کے ذریعے دولت اکٹھی کی۔ تجارتی برتری اور امتیازی تجارتی پالیسیاں عام تھیں۔

2. **تاجر طبقہ اور سرمایہ کا ارتقاء:** جیسے جیسے بین الاقوامی تجارت بڑھی، تاجر اور سرمایہ دار طبقہ مضبوط ہوا۔ ان کے پاس وسائل جمع ہوئے جو صنعت لگانے میں گئے۔

3. **انفرادی ملکیت اور قانون سازی:** نجی ملکیت کے حقوق کو قانونی تحفظ ملا، بینکنگ اور مالی مارکیٹس کا قیام ممکن ہوا، جو بڑے سرمایہ کاری منصوبوں کو فنڈ فراہم کرنے لگیں۔

4. **صنعتی انقلاب (18ویں، 19ویں صدی):** مشینیں، کارخانے اور بڑے پیمانے پر پیداواری عمل نے محنت کی تقسیم اور پیداواری صلاحیت میں زبردست اضافہ کیا۔ اس نے نئی منڈیوں اور روزگار کے مواقع پیدا کیے مگر روایتی چھوٹے دستکاری کا خاتمہ بھی ہوا۔

5. **فکری بنیاد (ایڈم اسمتھ وغیرہ):** اقتصادی نظریات میں آزادیِ تجارت، مارکیٹ میکانزم اور فردی مفاد کو بنیادی مقام ملا جس نے ایک فکری جواز فراہم کیا کہ مسابقتی منڈی خود بخود وسائل کو بہترین جگہ پر لگائے گی۔

بنیادی اصول:

1. **نجی ملکیت کا حق**

o مطلب: افراد اور ادارے زمین، فیکٹری، آلات اور سرمایہ کے مالک ہو سکتے ہیں اور انہیں خرید فروخت یا کرایہ پر دے سکتے ہیں۔

o اہمیت: نجی ملکیت سرمایہ کاروں کو حوصلہ دیتی ہے کہ وہ سرمایہ لگائیں، خطرہ مول لیں اور نئی چیزیں ایجاد کریں۔

o ممکنہ فائدہ: سرمایہ کاری اور اختراع کی حوصلہ افزائی، کاروبار کا فروغ۔

o خطرہ: جب ملکیت چند ہاتھوں میں جمع ہو جائے تو معاشی طاقت اور سیاسی اثر بھی مرکوز ہو جاتا ہے۔

2. **منڈی کی آزادی** (Market Freedom)

o مطلب: قیمتیں اور پیداوار بنیادی طور پر طلب و رسد کے تحت مقرر ہوں، حکومت مداخلت کم کرے۔

o فائدہ: تیز ردِّعمل، موثر قیمتیں، مسابقتی سامان اور خدمات میں بہتری۔

○ خرابی: بیرونیات (externalities) جیسے آلودگی اور عوامی اشیاء (public goods) کا بازار درست طریقے سے فراہم نہیں کرتا؛ اس لیے حکومت کی مداخلت ضروری ہو سکتی ہے۔

3. فردی مفاد (Self-interest) بطور محرک

○ مطلب: ہر فرد/کمپنی اپنا فائدہ بڑھانے کی کوشش کرتی ہے، جسے مجموعی فائدے میں بدلنے کی امید کی جاتی ہے۔

○ اثر: محنت اور سرمایہ کے موثر استعمال کی ترغیب ملتی ہے؛ مگر جب منافع واحد مقصد بن جائے تو سماجی و اخلاقی اقدار پیچھے رہ سکتی ہیں۔

4. مسابقت (Competition)

○ مطلب: وِنڈرز، کمپنیز یا کاروبار ایک دوسرے سے بہتر خدمات، قیمت یا معیار دینے کی کوشش کریں۔

○ فائدہ: جدت، قیمتوں میں کمی اور معیار کی بہتری۔

○ مسئلہ: مسابقت ختم ہو کر اجارہ داری (monopoly) یا قلت (oligopoly) بن جائے تو صارف اور چھوٹے کاروبار متاثر ہوتے ہیں۔

5. منافع کی جستجو (Profit Motive)

○ مطلب: کاروبار کا بنیادی مقصد منافع حاصل کرنا ہے۔

○ فائدہ: سرمایہ کاری اور پیداواری توسیع کی وجہ بنتا ہے۔

○ منفی پہلو: اگر منافع حاصل کرنے کے لیے محنت کش کا استحصال، معیار میں کمی یا ماحول کا نقصان کیا جائے تو معاشرتی قیمت بہت زیادہ ہو سکتی ہے۔

منفی پہلو

1. معاشرتی ناہمواری (Inequality)

○ طریقہ کار: سرمایہ پر ملنے والا منافع (capital returns) اکثر محنت سے ملنے والی اجرت (wages) سے زیادہ تیزی سے بڑھتا ہے؛ اس سے دولت مالکان میں جمع ہوتی رہتی ہے۔

○ نتائج: دولت اور مواقع کی غیر مساوی تقسیم، طبقاتی تقسیم بندی، سماجی بے چینی اور سیاسی دباؤ۔

○ نمونہ حل: منصفانہ ٹیکس/ترجیحی ٹیکس پالیسیاں، سماجی تحفظ، تعلیم و صحت پر عوامی سرمایہ کاری۔

2. استحصالِ مزدور (Exploitation of Labor)

o طریقہ: کم اجرت، طویل اوقاتِ کار، کم حفاظتی معیار، غیر محفوظ روزگار۔ کارخانے یا سپلائی چین
مزدور اکثر کم قیمت پر کام کرتے ہیں۔

o اثر: انسانی وقار کا مجروح ہونا، صحت اور خاندانوں پر منفی اثرات، کم پائیدار مانگ۔

o حل: مزدور حقوق، اجرتِ معیار (minimum wage)، اجتماعی معاہدات، محنت کی حفاظت کے قوانین

3. اخلاقی زوال اور بازار کی بگاڑ (Moral Hazards)

o مظاہر: منافع کی خاطر جھوٹ، فراڈ، اشتہارات میں دھوکہ، ذخیرہ اندوزی اور صارف کو گمراہ کر
والی پریکٹسز۔

o نتیجہ: اعتماد کی کمی، مارکیٹ ناکافی اور غیر منصفانہ بن سکتی ہے۔

o تدارک: سخت کنزیومر پروٹیکشن قوانین، شفافیت، کارپوریٹ گورننس۔

4. معاشی بحران اور چرخۂ زوال (Boom-Bust Cycles)

o فطرت: سرمایہ داری میں سرمایہ کاری، کریڈٹ اور قیمتوں کے بومز بن کر اچانک کرش کی صورت
لیتے ہیں (مثلاً مالیاتی ببلز)۔

o اثرات: بے روزگاری، پیداوار میں کمی، بینکنگ بحران، سماجی لاچاری۔

o حل: مالیاتی ضوابط، مرکزی بینک کا احتیاطی کردار، سماجی سیفٹی نیٹس۔

5. استعماری اور نوآبادیاتی پس منظر (Colonialism/Imperialism)

o طریقہ: طاقتور ریاستیں کمزور علاقوں کے وسائل، لیبر اور منڈیوں کو اپنے فائدے کے لیے استعمال
کرتی رہیں۔

o نتیجہ: کئی ممالک میں بنیادی صنعتیں کمزور رہیں، ترقیاتی فرق نمایاں ہوئے۔

o حل: منصفانہ بین الاقوامی تجارت، مقامی صنعت کی ترقی، ٹیکنالوجی ٹرانسفر۔

6. مادی پرستی اور ماحولیاتی نقصان (Environmental & Materialism Damage)

o مسئلہ: تیز رفتار پیداوار اور نمو اکثر فطرت پر بوجھ ڈالتے ہیں آلودگی، وسائل کی تیزی سے کھپت
کلائمٹ چینج۔

○ اثر: سماجی صحت، زرعی پیداوار اور طویل المدتی بقا خطرے میں پڑتی ہے۔
○ حل: ماحولیاتی ضوابط، کاربن ٹیکسز، دائمی (sustainable) پالیسیز اور سبز ٹیکنالوجیز کی حوصلہ افزائی۔

اختتامی خلاصہ اور تجاویز

سرمایہ داری نے معاشی ترقی اور تکنیکی جدت کو فروغ دیا مگر اس کے منفی اثرات کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ جہاں سرمایہ داری کی قوتیں مؤثر ریسورس الاؤکیشن، جدت اور پیداواری صلاحیت لاتی ہیں، وہیں غیر مساوات، استحصال اور ماحولیاتی تباہی جیسے مسائل کو ریاستی مداخلت، قواعد وضوابط اور سماجی پالیسیاں درکار ہوتی ہیں۔ عملی تجاویز مختصراً: منصفانہ اور موثر ٹیکس نظام، مضبوط لیبر قوانین اور سماجی تحفظ، اینٹی ٹرسٹ و مارکیٹ ریگولیشن، ماحولیاتی قواعد اور پائیدار ترقی کی پالیسیاں، تعلیم و انسانی سرمائے میں سرمایہ کاری، بین الاقوامی شراکت میں منصفانہ اصول۔

اسلامی نقطۂ نظر (مختصر موازنہ): اسلام نجی ملکیت تسلیم کرتا ہے مگر حاکمیتِ عدل، زکاۃ، ربا کی ممانعت اور دولت کی منصفانہ گردش پر زور دیتا ہے۔ یہ اصول سرمایہ داری کے بعض نقصانات خاص طور پر ناہمواری اور استحصال کو کم کرنے میں مددگار ثابت ہو سکتے ہیں اگر بروئے کار لائے جائیں۔

سوال 5: درج ذیل میں سے تین پر نوٹ لکھیں۔ اجیر اور آجر سود کی تعریف و اقسام زکوۃ وعشر سرمایہ داری نظام۔

جواب: اجیر اور آجر: اجیر وہ شخص ہے جو اپنی محنت، وقت یا مہارت بیچ کر اجرت حاصل کرتا ہے اور آجر وہ شخص یا ادارہ ہے جو کام فراہم کرتا، اجرت دیتا اور کام کے تقاضے طے کرتا ہے۔ اسلامی نقطۂ نظر میں یہ رشتہ ایک متقابل عقد (معاہدہ) ہے جس کی بنیاد رضامندی، واضح شرائط اور عدل پر ہوتی ہے؛ آجر کا فرض ہے کہ وہ مزدور کو معاہدے کے تحت مقررہ اجرت بروقت اور پورے طور پر دے، کام کے لیے مناسب حالات فراہم کرے، حفاظت اور عزت کا خیال رکھے، اور غیر منصفانہ تقاضے نافذ نہ کرے۔ اجیر کی ذمہ داری ہے کہ وہ اپنی مہارت اور وقت کے مطابق محنت ایمانداری سے انجام دے، معاہدہ کے اصولوں کی پاسداری کرے اور ناجائز حقوق کا مطالبہ نہ کرے۔ شریعت میں مزدور کی اجرت فوراً دینے پر زور ہے (حدیث میں "أعطوا الأجير أجره قبل أن يجف عرقه" کا مفہوم ملتا ہے) اور ریاست یا معاشرتی قوانین کا کردار اس رشتے کو منصفانہ بنانے اور اجرتِ معیار، اوقاتِ کار، اجتماعی معاہدات اور کام کی حفاظت کے ضوابط نافذ کرنے میں لازم ہے۔

سود کی تعریف و اقسام (ربا): ربا عربی لفظ ہے جو "اضافہ" یا "فائدہ" کے معنوں میں آتا ہے اور شریعت میں اس سے مراد وہ مالیاتی عمل ہے جس میں وقت یا مقدار کے بہانے غیر منصفانہ اضافی لیا جائے؛ قرآن وسنت نے ربا کو سختی سے منع کیا ہے (مثلاً سورۃ البقرہ کی چند آیات میں اس کی مذمت موجود ہے)۔ فقہی طور پر ربا کی دو طرح کی اقسام معروف ہیں: (1) ربا النسیئہ (یا النسیئۃ) یعنی وقت کی وجہ سے لیا جانے والا سود، جیسے قرض کی ادائیگی میں اضافی مدت کے بدلے بیشتر رقم وصول کرنا؛ اور (2) ربا الفضل یعنی اشیائے یکساں کے تبادلے میں زائد مقدار لینا، مثلاً سونے کے بدلے سونا ادھار اور زائد مقدار لینا۔ عصری دور میں بینک سود، کریڈٹ کارڈ سود، کمپاؤنڈنگ سود، تاخیر کے جرمانے اور بینکنگ فیس کے بعض پہلو بھی اسی ممنوع دائرہ میں زیرِ بحث آتے ہیں، اس لیے معاصر فقہاء اور مالی ماہرین اسلامی مالیاتی متبادل (مضاربہ، مشارکہ، اجارہ، مرابحہ وغیرہ) اور شرعی شفافیت کی تجاویز دیتے ہیں تاکہ استحصال اور غیر منصفانہ تقاضوں سے بچا جا سکے۔ ربا کی ممنوعیت کی حکمتیں عام طور پر یہ بتاتی ہیں کہ سود معاشرتی ناانصافی کو فروغ دیتا، دولت کو مرکوز کرتا اور کمزور طبقات کو استحصال کا شکار بناتا ہے۔

زکوٰۃ و عشر: زکوٰۃ اسلام کا لازمی مالی عبادتی نظام ہے جس کا مقصد مال کی پاکیزگی، سماجی توازن اور محتاجوں کی کفالت ہے؛ یہ مخصوص طرح کے مال پر مقرر مقدار کے مطابق ادا کی جاتی ہے اور عموماً نقدی، سونا، چاندی، تجارتی سرمایہ اور طے شدہ لوازمات پر سالانہ 2.5% (ایک چوراسیواں) کے حساب سے واجب ہوتی ہے بشرطیکہ مال نصاب (قابلِ اعتبار حدِ مقدار) اور ایک قمری سال تک مالک کے پاس رہے۔ نصاب کی روایتی مثالیں تقریباً بیس دینار سونے (تقریباً 85 گرام سونا) یا دو سو درہم چاندی (تقریباً 595 گرام چاندی) کے برابر مانی جاتی ہیں؛ قرآن میں سورۃ التوبہ میں زکوٰۃ کے مستحقین (فقیر، مسکین، عاملین، مؤلفۃ القلوب، رِقاب، الغارمین، فی سبیل اللہ، ابن السبیل) کی فہرست ملتی ہے۔ زرعی پیداوار پر عام طور پر جو مقدار لی جاتی ہے اسے عشر یا عشور کہا جاتا ہے: یہ عموماً ایک عشر یعنی 10% ثابت ہوتا ہے اگر فصل قدرتی (بارانی وغیرہ) طور پر نکلتی ہو، اور عموماً نصف عشر یعنی 5% مقرر ہوتا ہے جب فصل کی پیدائش میں خاص آبیاری یا اخراجات شامل ہوں اس میں فقہی اختلافات بھی ملتے ہیں اور مؤخر حالات کے مطابق فتوائی اختلاف پایا جاتا ہے۔ زکوٰۃ اور عشر کا سماجی مقصد دولت کی منصفانہ گردش، بھوک وغربت کا ازالہ اور معاشرتی ذمہ داری کا شعور پیدا کرنا ہے۔

سرمایہ داری نظام: سرمایہ داری وہ اقتصادی ڈھانچہ ہے جس میں پیداوار کے ذرائع کی نجی ملکیت،

منڈی کی آزادی، مسابقت اور منافع کے حصول کا بنیادی محرک ہوتا ہے؛ اس کا عملی آغاز یورپ میں تجارتی مرحلے اور صنعتی انقلاب کے بعد تیزی سے ہوا جب نجی سرمایہ نے فیکٹریاں، بینک اور سٹاک مارکیٹس قائم کیں۔ سرمایہ داری کی خوبیوں میں پیداواری صلاحیت میں اضافہ، تکنیکی جدت اور اقتصادی ترقی شامل ہیں کیونکہ افراد اور کمپنیاں منافع کے لیے سرمایہ لگاتے اور نئے طریقے اپناتے ہیں۔ تاہم اس کے منفی پہلو بھی نمایاں ہیں: دولت کا ارتکاز (inequality) جہاں چند ہاتھوں میں جمع ہو جاتا ہے، محنت کشوں کا استحصال، مارکیٹ کی ناکامیاں (جیسے ماحولیاتی آلودگی)، دورے پڑنے والی معاشی اتار چڑھاؤ (boom-bust cycles) اور اخلاقی مادی پرستی۔ اس لیے جدید دور میں سرمایہ داری کو مکمل آزادی کے ساتھ چھوڑنے کی بجائے ریاستی ضوابط، لیبر قوانین، منصفانہ ٹیکس پالیسیاں اور سماجی تحفظ کے نظام کے ذریعے معتدل کرنا ضروری سمجھا جاتا ہے، اور اسلامی معاشی نقطۂ نظر خصوصاً عدل و مساوات اور استحصال سے بچاؤ کے تقاضوں کی طرف متنبہ کرتا ہے۔

حصہ معروضی کل نمبر 28

نوٹ: حصہ معروضی کے تمام سوال لازمی ہیں۔

سوال:6 درج ذیل کے مختصر جواب دیں۔ 10 نمبر

سوال:1 اسلام میانہ روی کا حکم دیتا ہے قلم بند کریں۔

جواب: اسلام میں اعتدال اور میانہ روی کو بڑی اہمیت حاصل ہے۔ قرآن میں ارشاد ہے: ''اور اس طرح ہم نے تمہیں درمیانی امت بنایا۔'' (البقرۃ: 143)۔ اسی طرح کھانے، پینے، خرچ کرنے اور زندگی گزارنے میں فضول خرچی اور بخل دونوں سے منع کیا گیا اور اعتدال کو پسند کیا گیا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''میانہ روی اختیار کرو کیونکہ یہی نجات ہے۔''

سوال:2 اکتساب مال کے ناجائز طرق میں سے تین تحریر کریں۔

جواب: (الف) سود (ربا): جسے قرآن و سنت نے سختی سے حرام قرار دیا ہے۔

(ب) جوا و قمار: محض اتفاق پر مبنی کھیل کے ذریعے مال حاصل کرنا ناجائز ہے۔

(ج) رشوت اور دھوکہ دہی: ناجائز طریقے سے دوسروں کا حق کھا کر دولت حاصل کرنا ممنوع ہے۔

سوال:3 احیاء العلوم کے مصنف کا نام اور موضوع کتاب کی نشاندہی کریں۔

جواب: احیاء العلوم کے مصنف امام ابو حامد الغزالی رحمہ اللہ (وفات: 505ھ) ہیں۔ یہ کتاب اسلامی علوم

پر جامع انسائیکلوپیڈیا کی حیثیت رکھتی ہے۔ اس میں عقائد، عبادات، معاملات، اخلاق اور تصوف کے موضوعات پر تفصیل سے بحث کی گئی ہے۔

سوال 4: مساقات کی وضاحت کریں۔

جواب: مساقات ایک شرعی معاہدہ ہے جس میں باغ یا درختوں کی دیکھ بھال اور آبیاری کسی مزدور یا شریک کو دی جاتی ہے اور بدلے میں پیداوار کا ایک مقررہ حصہ طے کیا جاتا ہے۔ اس کا مقصد زمین دار اور مزدور کے درمیان انصاف اور باہمی فائدہ فراہم کرنا ہے۔

سوال 5: تسعیر کیا ہے اور اس کا حکم بیان کریں۔

جواب: تسعیر کا مطلب ہے قیمتوں کو مقرر کرنا یا نرخ باندھنا۔ اسلام میں عام حالات میں نرخ مقرر کرنے سے منع کیا گیا ہے تاکہ منڈی اپنی طلب و رسد کے مطابق کام کرے۔ البتہ اگر تاجر ذخیرہ اندوزی یا ناجائز منافع خوری کریں تو حکومت عوام کے مفاد میں نرخ مقرر کر سکتی ہے۔

سوال 7: درج ذیل میں سے صحیح پر (✔) اور غلط پر (✖) کا نشان لگائیں۔ 10 نمبر

1۔ اسراف اور تبذیر میں کوئی فرق نہیں ہے۔ (✖)

2۔ روس میں نجی ملکیت کی اجازت ہے۔ (✔)

3۔ مساکین کے علاوہ زکوۃ پر کسی کا حق نہیں ہے۔ (✖)

4۔ جزیہ اور خراج میں کوئی فرق نہیں ہے۔ (✖)

5۔ قرآن مجید معاشی ثقافت کو درست قرار دیتا ہے۔ (✖)

6۔ اسلام نے انشورنس کا متبادل پیش نہیں کیا۔ (✖)

7۔ امام ابن حزم رحمہ اللہ نے بغداد میں رہتے ہوئے بڑی بڑی کتب تالیف کیں۔ (✖)

8۔ افلاطون نے اشتراکیت کا تصور سب سے پہلے پیش کیا تھا۔ (✔)

9۔ اشتراکیت میں اعلیٰ اخلاق کی بڑی اہمیت ہے۔ (✖)

10۔ فسطائیت میں حصول مقصد کے لیے بے جا طاقت استعمال کی جاتی ہے۔ (✔)

سوال 8: مجوزہ جوابات میں سے درست جواب کا انتخاب کریں۔

1۔ حجۃ اللہ البالغہ کے مولف ہیں۔

امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ　　قاضی ابو یوسف رحمہ اللہ　　شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ (✔)

2۔موانع میراث میں سے ہے۔

اختلاف دین (✓)　　اختلاف جنس　　اختلاف برادری

3۔عالم اسلام کی معاشی ابتری کا حل ہے:

ذاتی ملکیت　　مشترکہ فوج　　مشترکہ سرمایہ کاری (✓)

4۔البلاذری کی کتاب کا نام ہے۔

فتوح البلدان (✓)　　المبسوط　　الطبقات الکبری

5۔سونا اگر اس مقدار میں ہوتو زکوۃ واجب ہوگی۔

ساڑھے سات تولے (✓)　　52 تولے　　ایک لاکھ مالیت

6۔احتکار کو کہتے ہیں۔

اکتناز　　ذخیرہ اندوزی (✓)　　اکتساب

7۔روزہ کفارہ بن سکتا ہے۔

چوری　　قسم (✓)　　ترک زکوۃ

8۔اموال ظاہرہ سے مراد ہیں۔

زیورات　　نقدی　　معادن (✓)



التفسیر واصولہ 1445ھ/2024 (سالانہ)

حصہ انشائیہ: کل نمبر 70

نوٹ: حصہ انشائیہ التفسیر سے کوئی سے تین سوال حل کریں۔ ہر سوال کے 14 نمبر ہیں۔

التفسیر

سوال 1: درج ذیل عبارت کا ترجمہ کریں اور مفہوم واضح کریں۔

﴿وَ اَنْزَلْنَا فِيْهَاۤ اٰيٰتٍۭ بَيِّنٰتٍ﴾ أي: أنزلنا في غضونها وتضاعيفها، ومعنى كونها بينات: أنها واضحة الدلالة على مدلولها، وتكرير ﴿اَنْزَلْنَا﴾ لكمال العناية بإنزال هذه السورة، لما اشتملت عليه من الأحكام. ﴿اَلزَّانِيَةُ وَ الزَّانِيْ﴾: هذا شروع في تفصيل ما أجمل من الآيات البينات، والارتفاع على الابتداء، والخبر: ﴿فَاجْلِدُوْا كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا﴾، أو على الخبرية لسورة كما تقدّم۔

جواب: ترجمہ: ﴿وَ اَنْزَلْنَا فِيْهَاۤ اٰيٰتٍۭ بَيِّنٰتٍ﴾ ''اور ہم نے اس (سورۃ النور) میں کھلی آیات نازل کیں۔'' یعنی: ہم نے اس کے ابواب اور حصوں میں واضح دلائل نازل کیے۔ ''ان کے ﴿بَيِّنٰتٍ﴾ (صاف اور روشن) ہونے کا مطلب یہ ہے کہ وہ اپنی مراد پر بالکل واضح اور صاف طور پر دلالت کرتی ہیں۔'' اور ﴿اَنْزَلْنَا﴾ کے الفاظ کا بار بار ذکر اس بات کی نشاندہی کرتا ہے کہ اس سورہ کے نزول پر خاص توجہ دی گئی ہے، کیونکہ اس میں بہت سے اہم احکام بیان ہوئے ہیں۔ ﴿اَلزَّانِيَةُ وَ الزَّانِيْ﴾ زنا کرنے والی عورت اور زنا کرنے والا مرد۔ ''یہ دراصل اس تفصیل کی ابتدا ہے جو ان آیاتِ بینات میں اجمالاً بیان کی گئی تھی۔ یہ الفاظ یا تو مبتدا (ابتدائی جملہ) ہیں اور ان کی خبر یہ ہے'' ﴿فَاجْلِدُوْا كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا﴾ تو ان دونوں میں سے ہر ایک کو سو کوڑے مارو۔'' یا پھر یہ خبر ہیں، جیسا کہ پہلے سورۃ کے آغاز میں اس طرح گزرا ہے۔

مفہوم: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿وَ اَنْزَلْنَا فِيْهَاۤ اٰيٰتٍۭ بَيِّنٰتٍ﴾ یعنی ہم نے سورۃ النور میں نہایت واضح اور روشن احکام نازل فرمائے ہیں جو اپنے مدلول پر صاف طور پر دلالت کرتے ہیں اور جن میں کسی قسم کا ابہام باقی نہیں رہتا۔ مفسرین کے مطابق ﴿بَيِّنٰتٍ﴾ سے مراد وہ احکام ہیں جو معاشرتی اور اخلاقی زندگی

کو پاکیزہ بنانے کے لیے نازل کیے گئے، خصوصاً عفت وعصمت کے تحفظ، زنا کی حرمت اور اس کے سدّ باب کے قوانین۔ لفظ ﴿اَنْزَلْنٰهَا﴾ کی تکرار اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ اس سورت کے نزول میں غیر معمولی اہمیت رکھی گئی ہے کیونکہ یہ معاشرتی نظام کی حفاظت اور اخلاقی اقدار کے استحکام سے متعلق بنیادی احکام پر مشتمل ہے۔ اسی تناظر میں اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے ﴿اَلزَّانِيَةُ وَالزَّانِيْ﴾ یعنی زانیہ اور زانی کا ذکر فرمایا تاکہ اس سنگین جرم کی سزا واضح کی جا سکے۔ یہ اس اجمال کی تفصیل ہے جو ''آیات بینات'' میں پہلے بیان ہوئی تھی۔ نحوی اعتبار سے یہ جملہ مبتدا واقع ہوا ہے اور اس کی خبر ﴿فَاجْلِدُوْا كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا﴾ یعنی ''ان دونوں میں سے ہر ایک کو سو کوڑے مارو'' ہے، یا پھر اسے سورہ کی خبریت پر محمول کیا جا سکتا ہے جیسا کہ اس سے پہلے اسلوب گزرا ہے۔ اس مقام پر یہ بات بھی قابل غور ہے کہ سزا کے بیان میں عورت کا ذکر مقدم کیا گیا تاکہ اس پر زیادہ زور دیا جائے، کیونکہ عورت کا کردار خاندان اور معاشرے کی عفت وعصمت کے تحفظ میں بنیادی حیثیت رکھتا ہے۔ پس ان آیات کا بنیادی مفہوم یہ ہے کہ زنا ایک ایسا جرم ہے جو فرد اور سماج دونوں کے لیے تباہ کن ہے، اس لیے اللہ تعالیٰ نے اس کی سزا نہایت وضاحت اور قطعیت کے ساتھ مقرر فرما دی ہے، اور اس کے ذریعے اسلامی معاشرے میں پاکیزگی، عدل اور اخلاقی ذمہ داری کے اصولوں کو مضبوط کیا گیا ہے۔

سوال :2 درج ذیل عبارت کا ترجمہ وتشریح کریں اور خط کشیدہ الفاظ کے صیغے حل کریں۔

﴿اِذْ جَآءُوْكُمْ مِّنْ فَوْقِكُمْ وَمِنْ اَسْفَلَ مِنْكُمْ وَاِذْ زَاغَتِ الْاَبْصَارُ وَبَلَغَتِ الْقُلُوْبُ الْحَنَاجِرَ وَتَظُنُّوْنَ بِاللّٰهِ الظُّنُوْنَا ۝ هُنَالِكَ ابْتُلِيَ الْمُؤْمِنُوْنَ وَزُلْزِلُوْا زِلْزَالًا شَدِيْدًا ۝﴾

جواب: جب وہ (کفار) تمہارے اوپر کی طرف سے اور نیچے کی طرف سے تم پر چڑھ آئے، اور جب آنکھیں (خوف کے مارے) پتھرا گئیں اور دل حلق تک پہنچ گئے، اور تم اللہ کے بارے میں طرح طرح کے گمان کرنے لگے۔ اُس وقت مومن آزمائے گئے اور زبردست ہلا دیے گئے۔

تشریح: یہ آیات غزوۂ احزاب (خندق) کے موقع پر نازل ہوئیں جب مشرکینِ مکہ اور یہود ومنافقین نے مل کر مدینہ پر چڑھائی کی۔ مسلمانوں کو ہر طرف سے گھیر لیا گیا: ﴿مِّنْ فَوْقِكُمْ﴾ سے مراد مدینہ کی بالائی سمت، یعنی مشرق وشمال سے آنے والے دشمن ہیں اور ﴿مِنْ اَسْفَلَ مِنْكُمْ﴾ سے مراد نیچے کی سمت یعنی مغرب وجنوب سے حملہ آور قبائل۔ اس گھیراؤ نے مسلمانوں کو سخت آزمائش میں ڈال دیا۔ خوف و دہشت کی شدت کو بیان کرنے کے لیے فرمایا گیا: ﴿زَاغَتِ الْاَبْصَارُ﴾ یعنی آنکھیں خوف کے سبب اپنی

معمول کی حالت سے پھر گئیں اور ٹھیک سے دیکھنے کی طاقت نہ رہی۔ پھر فرمایا: ﴿بَلَغَتِ الْقُلُوبُ الْحَنَاجِرَ﴾ یعنی دل خوف ودہشت سے یوں دھڑکنے لگے گویا حلق تک پہنچ گئے ہوں۔ اس کٹھن وقت میں بعض کمزور ایمان رکھنے والوں نے اللہ کے وعدوں پر بدگمانی کی اور طرح طرح کے گمان کرنے لگے۔ یہی وہ مرحلہ تھا جسے قرآن نے فرمایا: ﴿هُنَالِكَ ابْتُلِيَ الْمُؤْمِنُونَ﴾ یعنی وہاں مومنوں کا امتحان ہوا اور ان کے صبر واستقامت کی آزمائش ہوئی۔ پھر مزید فرمایا: ﴿وَزُلْزِلُوا زِلْزَالًا شَدِيدًا﴾ یعنی ان کو سخت ہلا مارا گیا، خوف وخطر کی ایسی کیفیت طاری ہوئی جس نے ان کی روحوں کو ہلا کر رکھ دیا۔ ان آیات میں قرآن نے نہایت بلیغ انداز میں جنگِ احزاب کے موقع پر مسلمانوں کی نفسیاتی کیفیت کو بیان کیا ہے تاکہ اہل ایمان پر یہ حقیقت واضح ہو جائے کہ اللہ کی راہ میں قربانی اور صبر لازمی ہے، اور اسی کڑے امتحان کے ذریعے مومن ومنافق میں فرق ظاہر ہوتا ہے۔

خط کشیدہ کے صیغے: اِبْتُلِيَ: فعل ماضی مجہول، صیغہ واحد مذکر غائب، باب ابتلی یبتلی، بروزن اِفْتِعَال، حروف اصلی (ب ل و/ ب ل ی)، ہفت اقسام ناقص واوی/ ناقص یائی۔

زُلْزِلُوا: فعل ماضی مجہول، صیغہ جمع مذکر غائب، باب زلزل یزلزل، بروزن، فُعْلِلُوا، حروف اصلی (ز ل ز ل)، ہفت اقسام مضاعف رباعی، رباعی مجرد۔

الْحَنَاجِرَ: یہ جمع مکسر کے وزن پر ہے۔ اس کی واحد "حنجرة" ہے۔ اسم رباعی مجرد ہے۔

سوال :3 درج ذیل آیات کا ترجمہ وتشریح کریں اور بتائیں یہ آیت منسوخ ہے یا محکم؟

﴿فَإِذَا لَقِيتُمُ الَّذِينَ كَفَرُوا فَضَرْبَ الرِّقَابِ ۖ حَتَّىٰ إِذَا أَثْخَنتُمُوهُمْ فَشُدُّوا الْوَثَاقَ فَإِمَّا مَنًّا بَعْدُ وَإِمَّا فِدَاءً حَتَّىٰ تَضَعَ الْحَرْبُ أَوْزَارَهَا ۚ ذَٰلِكَ ۖ وَلَوْ يَشَاءُ اللَّهُ لَانتَصَرَ مِنْهُمْ وَلَٰكِن لِّيَبْلُوَ بَعْضَكُم بِبَعْضٍ﴾

جواب: ترجمہ: "پھر جب تم کافروں سے (جنگ میں) ملو تو (ان کی) گردنیں مارو، یہاں تک کہ جب ان کو خوب ہلاکت میں ڈال دو تو (قیدیوں کو) مضبوط باندھ لو، پھر (ان کے ساتھ) یا تو احسان کرنا (یعنی بلا معاوضہ چھوڑ دینا) ہے یا (آزاد ہونے کے لیے) فدیہ لینا ہے، یہاں تک کہ جنگ اپنا بوجھ (یعنی ہتھیار) ڈال دے۔ یہ (حکم ہے)، اور اگر اللہ چاہتا تو ان سے (بغیر جنگ کے) انتقام لے لیتا، لیکن (اس نے یہ حکم اس لیے دیا) تاکہ تم میں سے بعض کو بعض سے آزمائے۔" (سورۃ محمد، آیت:4)

تشریح وتفسیر: یہ آیتِ کریمہ جہاد اور قیدیوں کے ساتھ سلوک کے اہم اسلامی قوانین بیان کرتی

ب۔ اس کی تشریح درج ذیل نکات کی روشنی میں کی جاسکتی ہے:

﴿فَإِذَا لَقِيتُمُ الَّذِينَ كَفَرُوا فَضَرْبَ الرِّقَابِ حَتَّىٰ إِذَا أَثْخَنتُمُوهُمْ فَشُدُّوا الْوَثَاقَ فَإِمَّا مَنًّا بَعْدُ وَإِمَّا فِدَاءً حَتَّىٰ تَضَعَ الْحَرْبُ أَوْزَارَهَا ۚ ذَٰلِكَ ۖ وَلَوْ يَشَاءُ اللَّهُ لَانتَصَرَ مِنْهُمْ وَلَٰكِن لِّيَبْلُوَ بَعْضَكُم بِبَعْضٍ﴾

1. فَضَرْبَ الرِّقَابِ (گردنیں مارو): یہ حکم جنگ کے میدان میں صرف ان کافروں کے بارے میں ہے جو مسلمانوں کے خلاف برسرِ پیکار ہوں۔ اس کا مقصد دشمن کی طاقت کو کچلنا اور اس کے حملے کو ناکام بنانا ہے، نہ کہ عام لوگوں کو قتل کرنا۔ یہ جنگ کے دوران ایک فطری اور ضروری اقدام ہے۔

2. فَشُدُّوا الْوَثَاقَ (مضبوط باندھ لو): جب دشمن کی طاقت شکست خوردہ ہو جائے اور جنگ کا زور ٹوٹ جائے، تو باقی ماندہ فوجیوں کو قیدی بنا لینا چاہیے تاکہ وہ دوبارہ جنگ کا سبب نہ بن سکیں۔

3. فَإِمَّا مَنًّا بَعْدُ وَإِمَّا فِدَاءً (پھر یا تو احسان کرنا ہے یا فدیہ لینا ہے): یہ آیت قیدیانِ جنگ کے ساتھ سلوک کا ایک عظیم اور انسانی اصول وضع کرتی ہے۔ جنگ ختم ہونے کے بعد قیدیوں کے ساتھ دو ہی طریقے اپنائے جاسکتے ہیں: مَنًّا (احسان/رہائی): بغیر کسی معاوضے کے قیدیوں کو رہا کر دینا۔ یہ اسلام کی رحمت و عطا کا مظہر ہے۔ فِدَاءً (فدیہ): کسی معاوضے (رقم یا مسلمان قیدیوں کی رہائی) کے بدلے میں انہیں رہا کرنا۔ یہ دونوں اختیارات مسلمان حکمران یا قائد کے پاس ہوں گے، جو وقت اور حالات کے لحاظ سے ان میں سے بہتر فیصلہ کرے گا۔

4. حَتَّىٰ تَضَعَ الْحَرْبُ أَوْزَارَهَا (یہاں تک کہ جنگ اپنا بوجھ ڈال دے): اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ احکام اس وقت تک لاگو رہیں گے جب تک دشمن کے ساتھ براہِ راست جنگ جاری ہے اور وہ ہتھیار ڈال کر صلح و امن کی حالت میں نہیں آجاتا۔

5. وَلَوْ يَشَاءُ اللَّهُ لَانتَصَرَ مِنْهُمْ (اگر اللہ چاہتا تو ان سے انتقام لے لیتا): اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ قادرِ مطلق ہے اور وہ چاہتا تو اپنی قدرت سے کافروں کو ہلاک کر سکتا تھا، لیکن اس نے یہ نظامِ آزمائش قائم کیا ہے۔

6. وَلَٰكِن لِّيَبْلُوَ بَعْضَكُم بِبَعْضٍ (لیکن تاکہ تم میں سے بعض کو بعض سے آزمائے): یہ تمام احکامات درحقیقت اللہ کی طرف سے ایک امتحان ہیں۔ وہ دیکھنا چاہتا ہے کہ مسلمان اس کے احکام پر کس حد تک عمل کرتے ہیں، کون جہاد میں ثابت قدم رہتا ہے، اور کون حق پر قائم رہتا ہے۔ اسی طرح کافروں کو بھی

الحدیث واصولہ للطلبہ 1445ھ/2024ء (سالانہ)

حصہ انشائیہ: کل نمبر 70

نوٹ: حصہ انشائیہ الحدیث سے کوئی سے تین سوال حل کریں۔ ہر سوال کے 14 نمبر ہیں۔

الحدیث

سوال :1 باب وُجُوبِ الْكَفَّارَةِ عَلَى مَنْ حَرَّمَ امْرَأَتَهُ وَلَمْ يَنْوِ الطَّلَاقَ. عَنْ سَعِيدِ بْنِ جُبَيْرٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّهُ كَانَ يَقُولُ فِي الْحَرَامِ يَمِينٌ يُكَفِّرُهَا. وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ (لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ)

درج بالا باب اور حدیث کا ترجمہ کرتے ہوئے درج ذیل سوالات کے مختصر جوابات تحریر کریں۔ 1۔ باب اور حدیث میں مناسبت ذکر کریں۔ 2۔ خط کشیدہ کا اعراب اور وجہ اعراب ذکر کریں۔ 3۔ راویان حدیث کا مختصر تعارف نوٹ کریں۔ 4۔ یہ حدیث صحیح مسلم میں کس عنوان کے تحت ذکر کی گئی ہے؟ 5۔ امام مسلم کی صحیح مسلم کے علاوہ کوئی سی تین تصنیفات کے نام درج کریں۔

جواب : ترجمہ باب: ''اس شخص پر کفارہ واجب ہے جس نے اپنی بیوی کو (اپنے اوپر) حرام کر لیا اور طلاق کی نیت نہ کی۔''

ترجمہ حدیث: سعید بن جبیر رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے تھے: ''حرام (کہہ دینے) کے بارے میں یہ حکم ہے کہ یہ قسم ہے جس کا کفارہ ادا کیا جائے گا۔'' اور ابن عباس رضی اللہ عنہ نے کہا: ''بے شک تمہارے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں بہترین نمونہ ہے۔''

سوالات کے جوابات:

سوال :1 باب اور حدیث میں مناسبت ذکر کریں۔

جواب : باب میں جس مسئلے پر بحث ہے وہ یہ ہے کہ اگر کوئی شخص اپنی بیوی کو ''حرام'' کہہ دے اور طلاق کی نیت نہ کرے تو اس کا حکم کیا ہے؟ حدیث میں سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ نے صراحت کی ہے کہ یہ ''قسم'' کے حکم میں ہے اور اس پر کفارہ واجب ہے، طلاق واقع نہیں ہوتی۔ پس حدیث براہِ راست باب کی وضاحت کر رہی ہے۔

سوال:2 خط کشیدہ کا اعراب اور وجہ اعراب ذکر کریں۔

جواب:1 ۔ وَلَمْ يَنْوِ: وَ: حرفِ عطف ۔لَمْ: حرف جزم، فعل مضارع کو مجزوم کرتا ہے۔ يَنْوِ: فعل مضارع مجزوم ہے "لم" کی وجہ سے، اصل میں يَنْوِي (ناقص فعل: نوی؍ینوی)۔ مجزوم ہونے پر آخر کا حرف علت (یاء) حذف ہو گیا۔ اس لیے اعراب: فعل مضارع مجزوم وعلامۃ جزمہ حذف حرف العلۃ ۔2۔ يُكَفِّرُهَا: يُكَفِّرُ: فعل مضارع مرفوع، علامت رفع ضمہ ظاہر۔ (باب تفعیل، كَفَّرَ - يُكَفِّرُ)۔ هَا: ضمیر متصل مفعول بہ اول (یعنی قسم/حرام کو)۔ فعل کا فاعل مستتر ہے "هو" کی صورت میں۔ اس لیے ترجمہ: ''وہ اِس کا کفارہ دے گا۔'' 3۔ فِي رَسُولِ اللّٰهِ: فِي: حرف جر۔ رَسُولِ: اسم مجرور، علامت جر کسرہ۔ اللّٰهِ: لفظ جلالہ مضاف الیہ مجرور، علامت جر کسرہ۔ مکمل ترکیب: جار و مجرور ہے جو خبر مقدم کے طور پر آیا ہے (لَكُمْ کے ساتھ مل کر مبتدا کی تکمیل کرتا ہے)۔

سوال:3 راویانِ حدیث کا مختصر تعارف نوٹ کریں۔

جواب: 1۔سعید بن جبیر (46ھ-95ھ) سعید بن جبیر رحمہ اللہ جلیل القدر تابعی اور حافظِ قرآن ومحدث تھے۔ آپ نے بالخصوص عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے علم حاصل کیا اور ان کے خاص شاگرد شمار ہوتے ہیں۔ علم وفقہ میں آپ کا بڑا مقام تھا اور بڑے بڑے تابعین آپ سے استفادہ کرتے تھے۔ بالآخر ظالم حکمران حجاج بن یوسف کے ہاتھوں 95ھ میں شہید کیے گئے۔ 2۔عبداللہ بن عباس (3ھ-68ھ) عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کے چچا زاد بھائی اور جلیل القدر صحابی تھے۔ کم عمری میں ہی نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو گئے اور دعا کے باعث ''ترجمان القرآن'' کے لقب سے مشہور ہوئے۔ قرآن وحدیث کی تفسیر اور فقہی مسائل میں ان کی رائے کو بڑی اہمیت دی جاتی ہے۔ آپ 68ھ میں طائف کے قریب وفات پا گئے اور امت نے آپ کو علم وبصیرت کا امام مانا۔

سوال:4 یہ حدیث صحیح مسلم میں کس عنوان کے تحت ذکر کی گئی ہے؟

جواب: صحیح مسلم میں یہ حدیث "كتاب الطلاق" (كتاب الطلاق و اللعان) کے تحت "باب وجوب الكفارة على من حرم امرأته ولم ينو الطلاق" میں ذکر کی گئی ہے۔

5۔امام مسلم کی صحیح مسلم کے علاوہ کوئی سی تین تصنیفات کے نام درج کریں۔

جواب: 1۔التمييز　　2۔الكنى والأسماء　　3۔العلل

سوال:2 مندرجہ ذیل احادیث کا ترجمہ کریں، اعراب لگائیں اور ہر ایک سے دو دو فقہی مسائل کا

استنباط کریں۔

(الف) إِذَا ثُوِّبَ بِالصَّلَاةِ فَلَا يَسْعَ إِلَيْهَا أَحَدُكُمْ وَلَكِنْ لِيَمْشِ وَعَلَيْهِ السَّكِينَةُ وَالْوَقَارُ صَلِّ مَا أَدْرَكْتَ وَاقْضِ مَا سَبَقَكَ

جواب: ترجمہ: ''جب نماز کے لیے اقامت کہی جائے تو تم میں سے کوئی شخص اس کی طرف دوڑ کر نہ آئے، بلکہ وقار اور سکون کے ساتھ چل کر آئے۔ جو نماز پا لو وہ پڑھ لو اور جو (رکعتیں) فوت ہو جائیں انہیں بعد میں مکمل کرو۔''

فقہی مسائل: 1۔ نماز کی اقامت پر دوڑنا مکروہ ہے، سکون و وقار کے ساتھ آنا چاہیے۔ 2۔ جو رکعت امام کے ساتھ مل جائے وہ پڑھنی ہے، باقی فوت شدہ رکعتیں بعد میں پوری کی جائیں گی۔

(ب) إِنَّ الْخَازِنَ الْمُسْلِمَ الأَمِينَ الَّذِي يُنْفِذُ، فَيُعْطِيهِ كَامِلاً مُوَفَّرًا طَيِّبَةً بِهِ نَفْسُهُ فَيَدْفَعُهُ إِلَى الَّذِي أُمِرَ لَهُ بِهِ أَحَدُ الْمُتَصَدِّقَيْنِ

جواب: ترجمہ: ''بے شک مسلمان امانتدار خزانچی جب (مال کے معاملے میں) حکم پر عمل کرتا ہے، اور اسے پورا، مکمل اور خوش دلی کے ساتھ دیتا ہے، پھر اسے اس شخص تک پہنچاتا ہے جسے دینے کا حکم دیا گیا ہے، تو وہ (خزانچی بھی) دو میں سے ایک صدقہ دینے والے کی طرح ہے۔''

فقہی مسائل: 1۔ امانت کی صحیح ادائیگی پر خزانچی بھی اجرِ صدقہ میں شریک ہوتا ہے۔ 2۔ صدقہ و خیرات کے کام میں نیت کی پاکیزگی اور خوش دلی ضروری ہے۔

(ج) إِنَّهُ سَتَكُونُ هَنَاتٌ وَهَنَاتٌ فَمَنْ أَرَادَ أَنْ يُفَرِّقَ أَمْرَ هَذِهِ الأُمَّةِ وَهِيَ جَمِيعٌ فَاضْرِبُوهُ بِالسَّيْفِ كَائِنًا مَنْ كَانَ

جواب: ترجمہ: ''بے شک عنقریب (اختلافات اور) کچھ فتنہ و فساد ہوں گے۔ پس جو شخص اس امت کے معاملے کو جبکہ یہ سب ایک جماعت ہو، توڑنے کی کوشش کرے تو اسے تلوار سے قتل کر دو خواہ وہ کوئی بھی ہو۔''

فقہی مسائل: 1۔ امت کی وحدت قائم رکھنا واجب ہے، انتشار پیدا کرنے والا واجب القتل ہے۔ 2۔ دین میں فتنہ و فساد پھیلانا بڑا گناہ ہے، خواہ کرنے والا کوئی بڑا شخص ہی کیوں نہ ہو۔

سوال 3: درج ذیل میں سے تین مسائل کی صحیح مسلم کی روشنی میں وضاحت کریں۔

سوال 1: ''اشتمال صماء'' اور ''احتباء ثوب'' کیا ہے اور اس کا کیا حکم ہے؟

الترجمۃ والانشاء للطلبۃ 1445ھ/2024ء (سالانہ)

حصہ انشائیہ: کل نمبر 72

نوٹ: حصہ انشائیہ مفتاح الانشاء سے کوئی سے دو سوال حل کریں۔ ہر سوال کے 18 نمبر ہیں۔

مفتاح الانشاء

سوال 1: درج ذیل عنوانات میں سے کسی ایک پر کتاب کی روشنی میں عربی میں مضمون لکھیں جو تیس سطروں سے کم نہ ہو۔

(1)التضامن الاسلامی (2)اصلاح الرسوم (3)الامام ابن تیمیه

جواب: (1)التضامن الاسلامی: إن التضامن الإسلامي أصل عظيم من أصول هذا الدين، به تجتمع الكلمة، وتتوحد الصفوف، وتقوى الأمة. وقد جعل الله تعالى رابطة الإيمان أقوى من رابطة النسب والعشيرة، فقال عز وجل: إنما المؤمنون إخوة فأصلحوا بين أخويكم واتقوا الله لعلكم ترحمون.

وقد تجلّى هذا التضامن في عهد النبيﷺ حين آخى بين المهاجرين والأنصار، فصاروا إخوة في الله يتقاسمون الأموال والديار، ويفدون بعضهم بأرواحهم. وهذا التضامن لم يكن مجرد شعارات بل كان واقعاً عملياً، حتى قال التاريخ إن سعد بن ربيع عرض على أخيه عبد الرحمن بن عوف نصف ماله وبيته.

وليس التضامن الإسلامي مقصوراً على جانب دون جانب، بل يشمل الدين والسياسة والاقتصاد والاجتماع والثقافة. قال النبيﷺ: المسلم أخو المسلم لا يظلمه ولا يسلمه، ومن كان في حاجة أخيه كان الله في حاجته. فالمسلم يشارك أخاه في سرائه وضرائه، ويفرح لفرحه ويحزن لحزنه، كالجسد الواحد إذا اشتكى منه عضو تداعى له سائر الجسد بالسهر والحمى.

وفي عصرنا هذا تفرّق المسلمون شيعاً وأحزاباً، فضاعت هيبتهم وتسلطت

الترجمة والانشاء للطلبة 1445ھ/2024 (سالانہ)

حصہ انشائیہ: کل نمبر 72

نوٹ: حصہ انشائیہ مفتاح الانشاء سے کوئی سے دوسوال حل کریں۔ ہر سوال کے 18 نمبر ہیں۔

مفتاح الانشاء

سوال 1: درج ذیل عنوانات میں سے کسی ایک پر کتاب کی روشنی میں عربی میں مضمون لکھیں جو تیس سطروں سے کم نہ ہو۔

(1)التضامن الاسلامی (2)اصلاح الرسوم (3)الامام ابن تیمیه

جواب: (1)التضامن الاسلامی: إن التضامن الإسلامي أصل عظيم من أصول هذا الدين، به تجتمع الكلمة، وتتوحد الصفوف، وتقوى الأمة. وقد جعل الله تعالى رابطة الإيمان أقوى من رابطة النسب والعشيرة، فقال عز وجل: إنما المؤمنون إخوة فأصلحوا بين أخويكم واتقوا الله لعلكم ترحمون.

وقد تجلّى هذا التضامن في عهد النبيﷺ حين آخى بين المهاجرين والأنصار، فصاروا إخوة في الله يتقاسمون الأموال والديار، ويفدون بعضهم بأرواحهم. وهذا التضامن لم يكن مجرد شعارات بل كان واقعاً عملياً، حتى قال التاريخ إن سعد بن ربيع عرض على أخيه عبد الرحمن بن عوف نصف ماله وبيته.

وليس التضامن الإسلامي مقصوراً على جانب دون جانب، بل يشمل الدين والسياسة والاقتصاد والاجتماع والثقافة. قال النبيﷺ: المسلم أخو المسلم لا يظلمه ولا يسلمه، ومن كان في حاجة أخيه كان الله في حاجته. فالمسلم يشارك أخاه في سرائه وضرائه، ويفرح لفرحه ويحزن لحزنه، كالجسد الواحد إذا اشتكى منه عضو تداعى له سائر الجسد بالسهر والحمى.

وفي عصرنا هذا تفرّق المسلمون شيعاً وأحزاباً، فضاعت هيبتهم وتسلطت

عليهم الأمم كما قال الرسول ﷺ: يوشك أن تداعى عليكم الأمم كما تداعى الأكلة إلى قصعتها. ولا مخرج لنا من هذا الضعف إلا بالرجوع إلى التضامن الحقيقي المبني على الإيمان والعمل الصالح، والتعاون على البر والتقوى لا على الإثم والعدوان.

فالتضامن الإسلامي ضرورة شرعية وركيزة حضارية، به تعود للأمة قوتها وعزتها، وتستعيد مكانتها بين الأمم.

(2) اصلاح الرسوم: إن العادات والرسوم لها أثر عظيم في حياة الأمم، فمنها ما يوافق العقل والفطرة فيُقبل، ومنها ما يخالف الحق والعدل فيُرفض ويُصلح. والإسلام جاء ديناً مصلحاً، أبطل عادات الجاهلية، وثبّت ما كان منها حسناً، وأبدل ما كان منها سيئاً بعادات كريمة.

فمن الرسوم الباطلة التي أصلحها الإسلام عادة وأد البنات، وكانوا يدفنونهن خشية الفقر والعار، فجاء القرآن معترضاً على ذلك أبلغ اعتراض، فقال تعالى: وإذا الموؤدة سئلت بأي ذنب قتلت. وكذلك أبطل عادة شرب الخمر والميسر، وكانا من مفاخر الجاهلية، فأصبحا بعد الإسلام من كبائر الذنوب، وقطع المسلمون صلتهم بهما.

ومن أعظم ما أصلح الإسلام رسوم الزواج، فجعل العقد قائماً على الرضا لا على الإكراه، وأبطل عادة الإرث في النساء، وحمى حقوق الزوجة بالصداق والنفقة والمعاشرة بالمعروف، وجعل العلاقة الزوجية مودة ورحمة.

والإسلام لم يقتصر على الإصلاح في الماضي، بل هو صالح لكل زمان ومكان، فكل عادة جديدة تضر المجتمع وتخالف مقاصد الشريعة يجب إصلاحها. ومن رسوم عصرنا ما يقع في الأعراس من إسراف وتبذير، وما يظهر في بعض المجتمعات من تقليد أعمى للغرب في اللباس والعادات، وكلها تحتاج إلى تهذيب وتقويم.

فالواجب على العلماء والمربين أن يوجّهوا الأمة إلى ما يوافق الشرع

والعقل، فإن الله تعالى يقول: إن الله لا يغير ما بقوم حتى يغيروا ما بأنفسهم. فالإصلاح يبدأ من الأفراد ثم يعم المجتمع كله، وبه تتحقق نهضة الأمة وسعادتها.

(3) الامام ابن تیمیہ اس کے جواب کے لیے 2025 کا حل شدہ پرچہ برائے طلباء دیکھیں۔

سوال :2 (الف) درج ذیل سوالات میں سے چار کے عربی میں جوابات دیں۔

سوال :1 ما اساس النجاه في الاخرة۔

جواب: أساس النجاة في الآخرة هو الإيمان بالله تعالى ورسوله ﷺ، والعمل الصالح، واجتناب المعاصي والذنوب، لقوله تعالى: من عمل صالحاً من ذكر أو أنثى وهو مؤمن فلنحيينه حياة طيبة ولنجزينهم أجرهم بأحسن ما كانوا يعملون.

سوال :2 ما اساس عقيده المسلمين۔

جواب: أساس عقيدة المسلمين هو التوحيد، أي الإيمان بالله وحده لا شريك له، والإيمان بالأنبياء والكتب والملائكة واليوم الآخر والقدر خيره وشره.

سوال :3 من فتح فلسطين والقدس۔

جواب: فتح فلسطين والقدس ١٦هـ في خلافة أمير المؤمنين عمر بن الخطاب رضي الله عنه، وذلك بعد معركة اليرموك العظيمة، وقد دخل عمر بنفسه بيت المقدس وتسلم مفاتيحه من بطريركها.

سوال :4 كيف كانت حالة العرب الاجتماعيه في الجاهلية۔

جواب: كانت حالة العرب الاجتماعية في الجاهلية حالة فوضى واضطراب، تسود بينهم العصبية القبلية، وتنتشر بينهم الخمر والقمار ووأد البنات، وتكثر الحروب والغارات، حتى جاء الإسلام فهذّب أخلاقهم ونظم حياتهم.

سوال :5 بما اوصى الرسول ﷺ معاذ بن جبل عند ما ارسله الى اليمن۔

جواب: أوصى رسول الله ﷺ معاذ بن جبل رضي الله عنه أن يدعو الناس أولاً إلى التوحيد والإيمان بالله وحده، ثم إلى إقامة الصلاة وإيتاء الزكاة، وقال له:

اتق دعوة المظلوم، فإنها ليس بينها وبين الله حجاب.

(ب) درج ذیل جملوں کا عربی میں ترجمہ کریں۔

(1) میں اپنا فرض ادا کر رہا ہوں۔

أنا أؤدي واجبي

(2) میں اس تاجر کو پانچ سال سے جانتا ہوں۔

أنا أعرف هذا التاجر منذ خمس سنين.

(3) عید قریب آگئی ہے خالد محنت کرلو۔

اقترب العيدُ، يا خالدُ اجتهدْ.

(4) تم اپنا وقت کھیل تماشے میں ضائع مت کرو۔

لا تُضَيِّعْ وقتك في اللعب واللهو.

(5) آج میں آپ کو حدیث کا مضمون پڑھاؤں گا۔

أُدَرِّسُكَ اَلْيَوْمَ مقالَةَ عَنِ الحَدِيْثِ.

سؤال 3: درج ذیل الفاظ کو کتاب کے اسلوب پر عربی جملوں میں استعمال کریں۔ (1)بَيض (2)بِيض (3)بَياض (4)الحديث (5)حَدِيث (6)حادِث (7)حَمَام (8)حِمام (9)حَمَّام

جواب: (1)بَيض (سفید): وضعتِ الدجاجةُ بَيْضاً كثيراً في العشِّ.

(2)بِيض (تلوار): خرجَ الفرسانُ إلى القتالِ مُصلِتينَ بِيضَهم.

(3)بَياض (سفیدی): ظهر بَياضُ الصبحِ فاختفى الليلُ.

(4)الحديث (بات چیت): استمعتُ إلى الحديثِ بين الأستاذ والطلاب.

(5)حَدِيث (خبر): جاءنا حديثٌ صادقٌ من بلادٍ بعيدة.

(6)حادِث (واقعہ): وقعَ حادثٌ في الطريقِ فأسرعَ الناسُ لنجدته.

(7)حَمَام (کبوتر): رأيتُ حَماماً أبيضَ يطيرُ في السماءِ.

(8)حِمام (موت): كُتِبَ على كلِّ إنسانٍ أن يلقى حِمامَه.

(9)حَمَّام (غسل خانہ): دخلتُ الحَمَّامَ للاستحمام بعد التعب.

تاریخ ادب العربی

نوٹ: حصہ انشائیہ تاریخ ادب العربی سے کوئی سے دو سوال حل کریں۔ ہر سوال کے 18 نمبر ہیں۔

سوال 4: ادب اور تاریخ ادب کی تعریف اور فوائد تحریر کریں نیز عربی ادب کی تاریخ میں حفاظ کی اہمیت ذکر کریں۔

جواب: **ادب (Literature) کی تعریف:** ادب سے مراد وہ اعلیٰ اور معیاری تخلیقات ہیں جو زبان و بیان، فکر و خیال اور فنکاری کے اعتبار سے ممتاز ہوں۔ ادب انسانی تجربات، جذبات، تہذیب و ثقافت اور تاریخی حقائق کا فنکارانہ اور تاثراتی اظہار ہے۔ عربی میں ادب کی تعریف "الأدَبُ هُوَ الكَلَامُ الجَامِعُ لِمَحَاسِنِ الكَلَامِ" کے الفاظ میں کی جاتی ہے، یعنی وہ کلام جو تمام محاسنِ کلام (فصاحت، بلاغت، معنی آفرینی وغیرہ) کو جامع ہو۔

ادب کے فوائد: زبان و بیان کی تربیت اور ذوق کی نفاست۔ انسانی تجربات اور تہذیبوں سے آگاہی۔ اخلاقی و روحانی تربیت اور نفسیاتی بصیرت۔ تنقیدی سوچ (Critical Thinking) کی تشکیل۔ قومی و تہذیبی شناخت کی حفاظت۔

تاریخ ادب (Literary History) کی تعریف: یہ ادب کی تاریخی تنقید و تحقیق کا وہ علم ہے جو مختلف ادوار میں ہونے والی ادبی تخلیقات، ادبی تحریکوں، ادبا کے احوال، اور ان کے فنی و فکری رجحانات کا تاریخی تسلسل کے ساتھ مطالعہ کرتا ہے۔ اس کا مقصد ادب کے ارتقاء کو سمجھنا اور ہر دور کے ادبی منظر نامے کو اس کے تاریخی، سیاسی اور سماجی تناظر میں پرکھنا ہے۔

تاریخ ادب کے فوائد: ادب کے ارتقائی مراحل اور اس پر اثر انداز ہونے والے عوامل کی معرفت۔ ادبی ورثے (Literary Heritage) کی حفاظت، تدوین اور تشریح۔ ادبی تنقید کے لیے بنیاد مہیا کرنا۔ قومی تاریخ اور تہذیبی شعور کو برقرار رکھنا۔

عربی ادب کی تاریخ میں حفاظ (روایتیں یاد رکھنے والے) کی اہمیت: عربی ادب کی تاریخ میں "حفاظ" (وہ علماء اور ادبا جو texts کو زبانی یاد کرتے اور منتقل کرتے تھے) کا کردار نہایت اہم اور بنیادی رہا ہے، خاص طور پر تدوین سے پہلے کے دور میں۔ ان کی خدمات درج ذیل ہیں:

1. **علمی ورثے کی حفاظت:** ابتدائی اسلامی دور میں کتابت کے عام ہونے سے پہلے، شاعری، نثر، احادیث اور تاریخی روایات کی حفاظت کا ذریعہ صرف اور صرف زبانی یادداشت (Memorization)

اور روایت (Transmission) تھا۔ حفاظ ہی اس علمی و ادبی خزانے کے امین تھے۔

2. نصوص کی صحت کی ضمانت: حفاظ نے نہ صرف texts کو محفوظ کیا بلکہ انہیں سند کے ساتھ ایک نسل سے دوسری نسل تک منتقل کیا۔ اس سلسلہ سند (Chain of Narrators - یحنار) نے عربی ادب اور علوم اسلامیہ میں نصوص کی صحت اور authenticity کو برقرار رکھنے میں کلیدی کردار ادا کیا۔

3. لسانیات اور قواعد کی حفاظت: حفاظ نے قدیم عربی شاعری اور نثر کو ان کی اصلی زبان میں محفوظ کیا، جس نے بعد میں عربی لغت، نحو، صرف اور بلاغت جیسے علوم کی بنیاد رکھی۔ زبان کے صحیح استعمال کا معیار انہی محفوظ شدہ نصوص سے طے ہوا۔

4. ادبی تاریخ کے مصادر: عربی ادب کے ابتدائی ادوار (دورِ جاہلی، صدر اسلام) کے بارے میں ہماری زیادہ تر معلومات انہی حفاظ کے ذریعے منتقل ہونے والی روایات اور collections (جیسے ''المعلقات''، ''الحماسات'') پر منحصر ہے۔ اگر یہ حفاظ نہ ہوتے تو عربی ادب کا ایک بہت بڑا حصہ ہمیشہ کے لیے ضائع ہو جاتا۔

سوال 5: درج ذیل اجزاء میں سے کسی ایک کا جواب دیں۔ (الف) درج ذیل اشعار پر اعراب لگائیں اور ترجمہ کریں۔

جواب: ومَا المَرْءُ إلَّا كَالشِّهابِ وضوئِهِ--- يَحورُ رماداً بعدَ إذ هو ساطعُ

انسان تو محض ایک شعلے کی مانند ہے، جو کچھ دیر روشن رہتا ہے، پھر بجھ کر راکھ میں بدل جاتا ہے۔

وما المالُ والأهلونَ إلّا وديعةٌ--- ولا بُدَّ يوماً أن تُرَدَّ الودائعُ

مال اور اہل وعیال صرف ایک امانت ہیں، اور ایک دن لازماً یہ سب امانتیں واپس لوٹا دی جائیں گی۔

وما الناسُ إلّا عاملانِ فَعامِلٌ--- يُتَبِّرُ ما يَبني وآخَرُ رافِعُ

لوگ تو بس دو قسم کے ہیں: ایک وہ جو اپنی ہی تعمیر کو برباد کر دیتا ہے، اور دوسرا وہ جو تعمیر کو بلند کرتا اور قائم رکھتا ہے۔

(ب) قس بن ساعدہ الایادی یا سحبان بن وائل کی زندگی اور نثر پر جامع نوٹ لکھیں۔

جواب: **قس بن ساعدہ الایادی: زندگی اور نثر**

حیات و شخصیت: قس بن ساعدہ الایادی عرب کے دور جاہلیت کے ممتاز خطیب، حکیم اور

فیلسوف سمجھے جاتے تھے۔ وہ عرب کے مشہور خطیبوں میں شمار ہوتے تھے اور ان کا تعلق قبیلہ ایاد سے تھا۔ انہیں عرب کے ''حکیم'' اور ''خطیب'' کے طور پر جانا جاتا تھا۔ قس بن ساعدہ نے بت پرستی سے انکار کر کے توحید کی دعوت دی اور اپنے خطبات میں لوگوں کو آخرت اور اللہ کی وحدانیت کی طرف بلایا۔ انہیں عرب میں ''الزاہد'' اور ''الحکیم'' کے نام سے بھی جانا جاتا تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے بھی ان کی تعریف فرمائی اور ان کے بارے میں کہا کہ وہ قیامت کے دن اپنی امت کے ساتھ اٹھائے جائیں گے۔

نثر کا اسلوب: قس بن ساعدہ کی نثر میں حکمت، بلاغت اور تاثیر پائی جاتی تھی۔ ان کے خطبات میں سادگی، اختصار اور معنوی depth ہوتی تھی۔ انہوں نے اپنے خطبات میں تمثیلوں، استعاروں اور حکیمانہ انداز کو خوب استعمال کیا۔ ان کا مشہور خطبہ "ایھا الناس اسمعوا وعوا" عربی نثر کا ایک شاہکار مانا جاتا ہے۔ ان کے خطبات میں اخلاقی تعلیمات، توحید کی دعوت اور آخرت کی یاددہانی نمایاں طور پر ملتی ہے۔

سحبان بن وائل: زندگی اور نثر

حیات و شخصیت: سحبان بن وائل عرب کے مشہور خطیب اور فصیح اللسان تھے۔ ان کا تعلق قبیلہ بہراء سے تھا۔ انہیں عرب میں ''خطیب العرب'' کے نام سے جانا جاتا تھا۔ وہ اپنی فصاحت، بلاغت اور حاضر جوابی کے لیے مشہور تھے۔ انہیں زبان و بیان پر غیر معمولی قدرت حاصل تھی اور وہ بغیر تیاری کے لمبے اور فصیح خطبات دے سکتے تھے۔ ان کی فصاحت کے بارے میں مشہور تھا کہ وہ ایک سانس میں طویل عبارتیں بغیر کسی رکاوٹ کے بول سکتے تھے۔

نثر کا اسلوب: سحبان بن وائل کی نثر میں فصاحت و بلاغت کی چھاپ صاف نظر آتی ہے۔ ان کے خطبات میں زبان کی روانی، جملوں کی برجستگی اور معنویت نمایاں ہوتی تھی۔ انہوں نے اپنے خطبات میں صنعت بدیع، استعارہ اور تمثیل کو خوبصورتی سے استعمال کیا۔ ان کا انداز بیان نہایت پراثر اور دلنشین تھا۔ ان کے خطبات میں قومی حمیت، قبائلی مفادات اور اجتماعی اقدار کو نمایاں کیا جاتا تھا۔ انہیں عرب میں "مسحل البلغاء" (فصیحوں کا جادوگر) کہا جاتا تھا۔

تقابلی جائزہ: قس بن ساعدہ اور سحبان بن وائل دونوں عرب کے عہد جاہلی کے ممتاز خطیب تھے لیکن دونوں کے اسلوب میں واضح فرق تھا۔ قس بن ساعدہ کا انداز زیادہ حکیمانہ اور فلسفیانہ تھا جبکہ سحبان بن وائل کا انداز زیادہ فصاحت و بلاغت پر مبنی تھا۔ قس بن ساعدہ کے ہاں مذہبی اور اخلاقی مضامین

غالب تھے جبکہ سحبان بن وائل کے ہاں قبائلی فخر وحمیت اور اجتماعی مسائل زیادہ نمایاں تھے۔ دونوں نے عربی نثر کی ترقی میں اہم کردار ادا کیا۔

سوال 6: درج ذیل عبارت پر اعراب لگائیں، ترجمہ کریں اور مفہوم واضح کریں۔

واهم ما يميزها في هذا العصر عذوبة الفاظها، ومتانة اسلوبها وقوة تاثيرها، واقتباسها من القرآن وانتهاجها منهجه في الارشاد والاقناع وابتداؤها بحمد الله والصلاة على رسوله۔ وظل العرب على ما الفوا في الجاهلية من لوث العمامة واتخاذ المخصرة والوقوف على نشز من الارض، والخطبة من قيام الى الوليد بن عبد الملك فانه خطب وهو جالس۔

جواب: عبارت مع اعراب: وَأَهَمُّ ما يُمَيِّزُها في هذا العَصرِ عُذوبَةُ أَلفاظِها، وَمَتانَةُ أُسلوبِها، وَقُوَّةُ تَأثيرِها، وَاقتِباسُها مِنَ القُرآنِ، وَانتِهاجُها مَنهَجَهُ في الإرشادِ وَالإقناعِ، وَابتِداؤُها بِحَمدِ اللّٰهِ وَالصَّلاةِ على رَسولِهِ.

وظَلَّ العَرَبُ على ما أَلِفوا في الجاهِلِيَّةِ مِن لُبْسِ العِمامَةِ، وَاتِّخاذِ المِخصَرَةِ، وَالوُقوفِ على نَشزٍ مِنَ الأَرضِ، وَالخُطبَةِ مِن قِيامٍ، إلى الوَليدِ بنِ عبدِ المَلِكِ، فَإِنَّهُ خَطَبَ وَهو جالِسٌ.

ترجمہ: اس (فن خطابت) کی سب سے نمایاں خصوصیات اس دور میں یہ ہیں:

اس کے الفاظ کی شیرینی، اسلوب کی پختگی، اثر انگیزی کی قوت، قرآن سے اقتباس اور قرآن کے انداز ارشاد واقناع کی پیروی، اور ابتدا میں اللہ کی حمد اور اس کے رسول علیہ السلام پر درود اور عرب لوگ جاہلیت کے دور میں جس طرز کے عادی تھے، اسی پر قائم رہے، جیسے عمامہ باندھنا، ہاتھ میں عصا یا لاٹھی لینا، زمین کے کسی اونچے حصے پر کھڑے ہو جانا، اور خطبہ کھڑے ہو کر دینا۔ یہاں تک کہ ولید بن عبدالملک آیا، اس نے بیٹھے ہوئے خطبہ دیا۔

مفہوم: اسلامی دور کی خطابت اپنی انفرادی خصوصیات اور امتیازات کی وجہ سے نمایاں مقام رکھتی ہے۔ سب سے پہلے اس کی اہم خوبی یہ ہے کہ اس میں الفاظ کی مٹھاس اور تاثیر پائی جاتی ہے۔ مقرر کے کلام میں الفاظ نہ صرف فصیح اور بلیغ ہوتے ہیں بلکہ سامعین کے دل پر گہرا اثر ڈالتے ہیں۔ اسی طرح اسلامی خطابت کا اسلوب نہایت پختہ اور بامقصد ہوتا ہے۔ یہ اسلوب سطحی یا غیر مربوط نہیں بلکہ منظم،

غالب تھے جبکہ سحبان بن وائل کے ہاں قبائلی فخر و حمیت اور اجتماعی مسائل زیادہ نمایاں تھے۔ دونوں نے عربی نثر کی ترقی میں اہم کردار ادا کیا۔

سوال :6 درج ذیل عبارت پر اعراب لگائیں، ترجمہ کریں اور مفہوم واضح کریں۔

واهم ما يميزها في هذا العصر عذوبة الفاظها، ومتانة اسلوبها وقوة تاثيرها، واقتباسها من القرآن وانتهاجها منهجه في الارشاد والاقناع وابتداؤها بحمد الله والصلاة على رسوله۔ وظل العرب على ما الفوا في الجاهلية من لوث العمامة واتخاذ المخصرة والوقوف على نشز من الارض، والخطبة من قيام الى الوليد بن عبد الملك فانه خطب وهو جالس۔

جواب: **عبارت مع اعراب**: وَأَهَمُّ ما يُمَيِّزُها في هذا العَصرِ عُذوبَةُ أَلفاظِها، وَمَتانَةُ أُسلوبِها، وَقُوَّةُ تَأثيرِها، وَاقتِباسُها مِنَ القُرآنِ، وَانْتِهاجُها مَنهَجَهُ في الإرشادِ وَالإقناعِ، وَابْتِداؤُها بِحَمدِ اللّٰهِ وَالصَّلاةِ على رَسولِهِ.
وظَلَّ العَرَبُ على ما أَلِفوا في الجاهِلِيَّةِ مِن لُبْسِ العِمامَةِ، وَاتِّخاذِ المِخصَرةِ، وَالوُقوفِ على نَشزٍ مِنَ الأَرضِ، وَالخُطبَةِ مِن قِيامٍ، إلى الوَليدِ بنِ عبدِ المَلِكِ، فَإِنَّهُ خَطَبَ وَهو جالِسٌ.

ترجمہ: اس (فن خطابت) کی سب سے نمایاں خصوصیات اس دور میں یہ ہیں:
اس کے الفاظ کی شیرینی، اسلوب کی پختگی، اثر انگیزی کی قوت، قرآن سے اقتباس اور قرآن کے اندازِ ارشاد و اقناع کی پیروی، اور ابتدا میں اللہ کی حمد اور اس کے رسول علیہ السلام پر درود اور عرب لوگ جاہلیت کے دور میں جس طرز کے عادی تھے، اسی پر قائم رہے، جیسے عمامہ باندھنا، ہاتھ میں عصا یا لاٹھی لینا، زمین کے کسی اونچے حصے پر کھڑے ہو جانا، اور خطبہ کھڑے ہو کر دینا۔ یہاں تک کہ ولید بن عبدالملک آیا، اس نے بیٹھے ہوئے خطبہ دیا۔

مفہوم: اسلامی دور کی خطابت اپنی انفرادی خصوصیات اور امتیازات کی وجہ سے نمایاں مقام رکھتی ہے۔ سب سے پہلے اس کی اہم خوبی یہ ہے کہ اس میں الفاظ کی مٹھاس اور تاثیر پائی جاتی ہے۔ مقرر کے کلام میں الفاظ نہ صرف فصیح اور بلیغ ہوتے ہیں بلکہ سامعین کے دل پر گہرا اثر ڈالتے ہیں۔ اسی طرح اسلامی خطابت کا اسلوب نہایت پختہ اور بامقصد ہوتا ہے۔ یہ اسلوب سطحی یا غیر مربوط نہیں بلکہ منظم،

مربوط اور قوی ہوتا ہے، جس سے سامعین کی ذہنی تربیت اور فکری اصلاح ہوتی ہے۔ مزید برآں اسلامی خطابت میں اثر انگیزی کی قوت نمایاں ہے؛ یہ قوت محض لفاظی پر نہیں بلکہ قرآن سے اقتباس اور قرآنی اسلوب کی پیروی پر مبنی ہے۔ خطباء قرآن کی آیات کو نہ صرف اپنے خطبوں میں شامل کرتے بلکہ اس کے اندازِ ارشاد اور اسلوبِ اقناع کو اختیار کرتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اسلامی خطابت دلوں کو نرم کرنے اور ذہنوں کو قائل کرنے میں سب سے زیادہ کامیاب رہی۔ ان خطبات کا آغاز ہمیشہ اللہ کی حمد اور اس کے رسول ﷺ پر درود وسلام سے ہوتا، جو ان کی روحانی تاثیر کو مزید بڑھا دیتا تھا۔

دوسری طرف عرب اپنی جاہلی عادات پر لمبے عرصے تک قائم رہے۔ ان کے ہاں خطابت کا انداز مخصوص رسوم وروایات کے ساتھ جڑا ہوا تھا۔ خطیب خطبہ دیتے وقت عمامہ باندھتا، ہاتھ میں عصا یا لاٹھی رکھتا اور زمین کے کسی بلند حصے پر کھڑا ہو کر لوگوں کو خطاب کرتا۔ ان کے نزدیک خطبہ کھڑے ہو کر دینا ہی وقار اور روایت کا حصہ تھا۔ یہ اسلوب نسل در نسل چلتا رہا اور اسلامی دور میں بھی عرب اس پر قائم رہے۔ البتہ اموی خلیفہ ولید بن عبدالملک کے زمانے میں ایک نمایاں تبدیلی دیکھنے میں آئی۔ انہوں نے خطبہ بیٹھ کر دیا، جو اپنے وقت کے لحاظ سے ایک نئی طرز کی ایجاد تھی اور روایتی جاہلی انداز سے ایک انحراف کی حیثیت رکھتی تھی۔

یوں یہ عبارت ہمیں دو اہم حقائق سے آگاہ کرتی ہے: ایک یہ کہ اسلامی خطابت کی اصل روح قرآن و سنت سے ماخوذ ہے، اور دوسرا یہ کہ عرب خطابت کا ایک ظاہری انداز جاہلی رسوم سے وابستہ رہا جس میں وقت کے ساتھ تبدیلی آئی۔ اس طرح اسلامی خطابت محض تقریر نہیں بلکہ ایک تعلیمی، اصلاحی اور روحانی مشن تھی جو الفاظ کی شیرینی اور قرآن کی تاثیر کے ذریعے معاشرے میں انقلاب برپا کرتی رہی۔

حصہ معروضی کل نمبر 28

نوٹ: حصہ معروضی کے تمام سوال لازمی ہیں۔

مفتاح الانشاء

سوال 7: درج ذیل اجزاء میں سے پانچ کے مختصر جواب دیں۔ 10 نمبر

سوال 1: ان کلمات کو عربی میں لکھیں۔ بھتیجی، داماد۔

جواب: (1) بھتیجی = ابنة الأخ / ابنة الأخت (2) داماد = صِهر

سوال 2: ''الشرطة'' اور ''علامت المماثلة'' دونوں علامتوں کا استعمال کیا ہے۔

جواب: الشرطة () جملہ یا عبارت کو الگ کرنے کے لیے۔ علامة المماثلة (=) مساوات یا برابری ظاہ
کرنے کے لیے۔

سوال:3 عند الحاجة اور لغیر الحاجة کی مثال سے وضاحت کریں۔

جواب: عند الحاجة: مثال "تُستعمل الأدوية عند الحاجة" (ضرورت کے وقت
دوائیاں استعمال کی جاتی ہیں)۔ لغیر الحاجة: مثال "يُستعمل الهاتف لغير الحاجة"
(بغیر ضرورت کے فون استعمال کیا جاتا ہے)۔

سوال:4 عربی بنائیں۔ 3817 کتابیں خریدیں۔

جواب: اِشترى ثلاثةَ آلافٍ وثُمانمائةٍ وسبعَ عشرةَ كتاباً۔

سوال:5 ترجمہ کریں: "حسب الاعلان الرسمى للمملكة العربية السعودية"۔

جواب: سعودی عرب کی سرکاری اعلان کے مطابق

سوال:6 ترجمہ کریں۔

جواب: هرم (بڑھاپا) سلحفاة (کچھوا)

سوال:8 درج ذیل میں سے صحیح پر (✔) اور غلط پر (✖) کا نشان لگائیں۔ 4 نمبر

1۔ (- -) ان کے درمیان جملہ معترضہ لکھا جاتا ہے۔ (✔)

2۔ رکب یرکب متعدی بہ دو مفعول ہوتا ہے۔ (✖)

3۔ "ولد محمد اقبال فى مدينة كراتشى 1877" (✖)

4۔ "مائة وخمسون مليون" پچیس کروڑ کو کہتے ہیں۔ (✖)

تاریخ ادب العربی

سوال:9 درج ذیل سوالات کے مختصر جواب دیں۔ 10 نمبر

سوال:1 تاریخ ادب العربی سے دو اشعار با اعراب یا چار امثال العرب تحریر کریں۔

جواب: اشعار: (1) قولُ امرِءِ القَيسِ:

قِفَا نَبْكِ مِنْ ذِكْرَى حَبِيبٍ وَمَنْزِلِ ۔۔۔ بِسِقْطِ اللِّوَى بَيْنَ الدَّخُولِ فَحَوْمَلِ

آؤ (اے میرے دو ساتھیو) روئیں ایک محبوب اور (اس کے) ٹھکانے کی یاد پر، سقط اللوی (نامی جگہ)
میں، جو الدخول اور حومل (دو پہاڑیوں) کے درمیان ہے۔"

(2)قولُ زُهَيرِ بنِ أَبِي سُلْمَى:

سَئِمْتُ تَكَالِيفَ الحَيَاةِ وَمَنْ يَعِشْ۔ ثَمَانِينَ حَوْلًا لَا أَبَا لَكَ يَسْأَمِ

میں زندگی کی مشقتیں (اور اس کے بوجھ) سے بیزار ہو چکا ہوں، اور جو شخص اسی (80) سال جیے، (اے شخص!) تیرے باپ کی قسم، وہ تھک کر بیزار ہو ہی جاتا ہے۔"

امثال: (1)الصَّبْرُ مِفْتَاحُ الفَرَجِ۔ صبر مشکل کا چابی، کنجی ہے۔

(2)فِي التَّأْنِيبِ فُرْصَةٌ ذَانت میں بھی موقع ہوتا ہے۔

(3)الجَرْحُ لَا يَلْتَئِمُ۔ زخم بھرتا نہیں ہے۔

(4)الغَايَةُ تَبْرِيرُ الوَسِيلَةِ۔ ہدف ذرائع کو جائز کر دیتا ہے۔

سوال :2 یہ قول کس کا ہے؟ نیز ترجمہ بھی کریں۔"یا اهل الكوفة انى لارى رؤوسا قد اينعت وحان قطافها وانى لصاحبها"

جواب : یہ حجاج بن یوسف کا قول ہے۔ ترجمہ:

"اے اہلِ کوفہ! میں ایسے سروں کو دیکھ رہا ہوں جو پک چکے ہیں اور ان کی کٹائی کا وقت آ گیا ہے، اور میں ہی اس (کٹائی) کا ذمہ دار ہوں۔"

سوال :3 قرآن مجید کے اسلوب پر مختصر مگر جامع نوٹ لکھیں۔

جواب : قرآن مجید کا اسلوب فصاحت و بلاغت، اعجاز اور تاثیر کا بے مثال نمونہ ہے۔ اس کی زبان معجزاتی ہے، جس میں الفاظ کا انتخاب، ترتیب، معانی کی گہرائی اور بیان کی جامعیت انسانی طاقت سے بالاتر ہے۔ قرآن کا اسلوب خطابی، قصصی، تمثیلی اور قانونی انداز کا مرکب ہے، جو ہر دور کے انسانوں اور جنوں کو چیلنج کرتا ہے کہ اس جیسی ایک سورت بنا لائیں۔ اس کے جملوں میں ایسا دلنشین توازن اور موسیقیت ہے کہ وہ سننے والوں کے دلوں پر اثر کرتی ہے۔ یہ اسلوب نہ نثر ہے نہ شعر، بلکہ ایک منفرد divine style ہے جسے "سجع" کہا جاتا ہے۔ قرآن کا اسلوب ہر پڑھنے والے کو اس کی استعداد کے مطابق سمجھ آتی ہے، اور یہ علم و حکمت کا بحر بیکراں ہے۔

سوال :4 تاریخ الادب العربی کتاب سے شاعر کعب بن زہیر کا نام و نسب، کنیت اور تاریخ وفات لکھیں۔

جواب : کعب بن زہیر رضی اللہ عنہ تاریخ عربی ادب کے ممتاز ترین شاعروں میں شمار ہوتے ہیں۔ آپ کا پورا نام کعب بن زہیر بن ابی سلمیٰ المزنی رضی اللہ عنہ ہے، جبکہ نسبی تعلق قبیلہ مزینہ سے بتایا جاتا ہے۔ کنیت

ابوالمضرب کے طور پر مشہور ہے، جس کے معنی ''سورج نکلنے کے وقت پیدا ہونے والا'' کے ہیں۔ کعب بن زہیر ابتدائی طور پر اسلام کے سخت مخالف تھے، لیکن بعد میں مشرف باسلام ہوئے اور نبی کریم ﷺ کی شان میں ''قصیدہ بردہ'' لکھی، جس پر آپ ﷺ نے اپنی چادر (بردہ) انعام میں عطا فرمائی۔ وفات کے حوالے سے مورخین میں اختلاف ہے، لیکن زیادہ معتبر روایات کے مطابق آپ کی وفات 26 ہجری (646 عیسوی) میں خلافت عثمانی کے دور میں ہوئی۔ ان کا شمار اسلامی دور کے ان شاعروں میں ہوتا ہے جن کے کلام نے عربی ادب کو نئی جہت دی۔

سوال :5 امیہ بن ابی الصلت کے اشعار کو ادباء کیوں ناپسند کرتے ہیں۔

جواب : امیہ بن ابی الصلت کے اشعار میں توحید، آخرت اور پچھلی قوموں کے واقعات کا ذکر ہوتا تھا، لیکن ادباء انہیں ناپسند کرتے ہیں کیونکہ: وہ اسلام قبول نہیں کر سکے، حالانکہ ان کے اشعار میں اسلامی عقائد کی جھلک تھی۔ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کی نبوت کو تسلیم نہیں کیا، بلکہ خود نبوت کے خواہش مند تھے۔ ان کے اشعار میں کفریہ اور شرکیہ مضامین بھی پائے جاتے تھے۔ اسی لیے ادباء اور علما نے ان کے کلام کو ناپسند کیا۔

سوال :10 درج ذیل میں سے صحیح پر (✔) اور غلط پر (✖) کا نشان لگائیں۔ 4 نمبر

1۔ اخطل شاعر ہمیشہ جریر کی طرفداری کرتا تھا۔ (✖)

2۔ قرآن مجید کی فصاحت و بلاغت نے شعر و شاعری کو چار چاند لگا دیے۔ (✔)

3۔ خلفاء راشدین میں سیدنا علی فصاحت و بلاغت میں درجہ اول پر فائز تھے۔ (✔)

4۔ عربی اشعار قبل از اسلام سے نقل ہو رہے ہیں مگر ان کی تدوین خلافت بنی امیہ کے بعد ہوئی۔ (✔)



السیاسۃ الشرعیۃ 1445ھ/2024 (سالانہ)

حصہ انشائیہ: کل نمبر 72

نوٹ: حصہ انشائیہ سے کوئی سے چار سوال حل کریں۔ ہر سوال کے 18 نمبر ہیں۔

سوال 1: مملکت کی بنیادی عناصر بیان کریں نیز افلاطون کا معاشرے کی تقسیم پر ناقدانہ جائزہ پیش کریں۔

جواب: مملکت کے بنیادی عناصر

تعریف: مملکت ایک منظم سیاسی وحدت ہے جو ایک مخصوص خطے میں رہنے والی آبادی پر ایک بااختیار حکومت کے ذریعے قانون نافذ کرتی اور داخلی/ خارجی خودمختاری برقرار رکھتی ہے۔

1۔**آبادی:** مملکت کی بنیاد انسانی آبادی ہے۔ تعداد کے ساتھ ترکیب (نسلی، لسانی، مذہبی تنوع)، معیاری انسانی سرمایہ (تعلیم، صحت، ہنر) اور شہری شعور بھی اہم ہیں۔ آبادی کے حقوق (جان، مال، عزت، مذہبی آزادی) اور اقلیتوں کا تحفظ ریاستی جواز کو مضبوط کرتے ہیں۔ ''قوم'' (مشترک تاریخ و ثقافت) اور ''آبادی'' میں فرق ملحوظ رہے: ہر مملکت لازماً ایک قوم۔ ریاست نہیں ہوتی۔

2۔**خطۂ ارضی:** (Territory) ایک واضح جغرافیائی دائرہ (خشکی، فضائی حدود، ساحلی/ بحری پٹی اور داخلی آبی وسائل) لازم ہے۔ سرحدی نظم، قدرتی وسائل پر اختیار اور علاقائی تنازعات کا حل ریاستی قوتِ نافذہ کی آزمائش ہوتے ہیں۔ جدید ریاستیں اپنے خطے میں کسٹمز/ امگریشن، ماحولیاتی نظم اور شہری منصوبہ بندی کے ذریعے عملی خود اختیار رہتی ہیں۔

3۔**حکومت:** حکومت قانون سازی، نفاذ اور عدل کی ادارہ جاتی تنظیم ہے۔ اہم پہلو: نظامِ حکومت: پارلیمانی/صدارتی؛ وحدانی/ وفاقی۔ قانون کی حکمرانی اور بنیادی حقوق کی ضمانت۔ ادارہ جاتی توازن (مقننہ، عدلیہ، انتظامیہ) اور جوابدہی۔ معتبر مفکر میکس ویبر کے مطابق ریاست قانونی جواز کے ساتھ قوتِ قاہرہ کی واحد مالک ہوتی ہے یعنی قانونی جبر صرف ریاست کرے گی، فرد نہیں۔ جدید ریاست کی فلاحی ذمہ داریاں (تعلیم، صحت، سماجی تحفظ) بھی حکومتی جواز کا حصہ سمجھی جاتی ہیں۔

4۔**خودمختاری** (Sovereignty) خودمختاری داخلی طور پر اعلیٰ قانون سازی اختیار اور خارجی طور پر غیر تابع حیثیت ہے۔ تاریخی طور پر یہ تصور ژاں بودیں اور ویسٹفیلیا کے بعد مستحکم ہوا۔ معاصر عہد میں

اس پر تین بڑی تحدیدات ہیں: الف) آئین و قانون (Rule of Law)، (ب) بین الاقوامی قانون/معاہدات، (ج) بنیادی حقوق۔ اسلامی فکر میں حاکمیتِ الٰہیہ کا اصول اخلاقی و قانونی حدود متعین کرتا ہے؛ عملی سیاست میں شوریٰ، عدل اور امانت کے ذریعے اقتدار محدود کیا جاتا ہے۔ جدید آئینیات میں عوامی حاکیت (Popular Sovereignty) اور بنیادی حقوق کے ذریعے وہی نتیجہ حاصل کیا جاتا ہے یعنی اقتدار محدود، جواب دہ اور قانون کا پابند۔

نوٹ: بعض بین الاقوامی قانون دان ''بین الاقوامی تسلیم'' کو بھی اہم مانتے ہیں، لیکن غالب رائے یہ ہے کہ وجودِ ریاست کے لیے بنیادی چار عناصر کافی ہیں؛ تسلیم سفارتی و عملی روابط کو آسان بناتا ہے، وجود کی شرط نہیں۔

افلاطون کی معاشرتی تقسیم (Republic) اور پس منظر

افلاطون نے سیاست کو اخلاق کا تسلسل سمجھا۔ اس نے نفسِ انسانی کی ثلاثی تقسیم (عقل، غضب/حمیت، شہوت) کے مطابق معاشرہ تین طبقوں میں بانٹا:

1. حکمران طبقہ (فلاسفر-بادشاہ/Guardians): عقل وحکمت کے حامل، ریاستی رہنمائی کے ذمہ دار۔
2. سپاہی طبقہ (Auxiliaries): شجاعت، نظم وضبط اور دفاع کے ذمہ دار۔
3. محنت کش طبقہ (Producers): کسان، دستکار، تاجر وغیرہ یعنی معیشت کی ریڑھ کی ہڈی۔

افلاطون کے نزدیک عدل یہ ہے کہ ہر فرد/طبقہ اپنی فطری صلاحیت کے مطابق کام کرے اور دوسرے کے کام میں مداخلت نہ کرے۔ چار فضائل (حکمرانوں کی)، شجاعت (سپاہیوں کی)، عفت/ اعتدال (طبقاتی ہم آہنگی) اور عدل (مجموعی نظم) ہی ریاستی اخلاق کا مرکز ہیں۔

تعلیمی وسماجی پالیسی

حکمران وسپاہی طبقات کے لیے سخت اور طویل تعلیم وتربیت؛ فنونِ لطیفہ اور نصاب پر سنسر شپ تاکہ کردار سازی مقصود کے مطابق ہو۔

محافظ طبقے کے لیے ملکیتِ خاصہ اور خاندانی بندھن کی نفی (اشتراکِ اموال حتیٰ کہ بعض جگہ ازواج واولاد کی اجتماعیت کا تصور) تاکہ مفادِ عامہ پر یکسو رہیں۔

- ''افسانۂ معادن'' (Myth of the Metals): افراد کے ''مزاجی دھات'' (سونا/ چاندی/ پیتل) کے مطابق طبقہ طے؛ مقصد سماجی نظم کا اخلاقی جواز فراہم کرنا۔

خواتین کی شمولیت: محافظ طبقے میں مرد و زن کی مشترک تربیت بھی قدامت کے مقابل یہ ایک جری خیال تھا۔

ناقدانہ جائزہ

(الف) فکری و عملی قوتیں

اخلاقی معیار پر مبنی سیاست: اقتدار کو اخلاقی فضیلت کا تابع بنا کر افلاطون نے سیاست کو محض طاقت کی کشمکش سے بلند کیا۔

اختصاص و اہلیت (Merit) کا اصول: ہر شخص وہی کرے جس میں فطری/تربیتی برتری ہو بھی جدید Meritocracy کی پیش بندی۔

تعلیم کی مرکزیت: ریاستی قیادت کے لیے طویل علمی و اخلاقی تربیت آج بھی سول سروس/عدلیہ/فوجی تربیت اسی منطق کو جزوی طور پر برتتی ہے۔

خواتین کی نمائندگی کا اشارہ: محافظ طبقے میں زنانہ شرکت اُس عہد کے لیے غیر معمولی پیش رفت تھی۔

(ب) بنیادی کمزوریاں

1. **طبقاتی جمود اور نقل و حرکت کی کمی:** فطرت/''مزاجی دھات'' کے نام پر طبقاتی بندھن سماجی mobility سست یا ناممکن بناتا ہے؛ جدید مساوات کے منافی۔

2. **غیر جمہوری رجحان:** عوامی نمائندگی، رائے دہی اور سیاسی تکثریت کی نفی جدید ریاست کے اصول (Pluralism،Popular Sovereignty) سے تصادم۔

3. **فردی آزادیوں پر قدغن:** سنسرشپ، اظہار کی تحدید، خاندان/ملکیت کی رسمی نفی یہ سب حقوقِ شہری اور نجی زندگی کے تصورات سے متعارض ہیں۔

4. **جوابدہی کا فقدان:** فلاسفر-بادشاہ نظری طور پر فضیلت مند سہی، مگر ادارہ جاتی Checks [Balances نہ ہونے سے استبداد کا خطرہ۔

5. **عملی ناممکنات:** محافظ طبقے کے لیے ملکیت و خاندان کی نفی انسانی جبلت، معاشی محرکات اور سماجی ساخت سے متصادم ہے؛ پائیدار اطلاق تاریخ میں نظر نہیں آتا۔

6. **تخلیق و بازار کی حرکیات سے غفلت:** سخت طبقاتی تقسیم اختراع، کاروباری حوصلہ اور

آزاد منڈی کی پیچیدگیوں کو نہیں سمیٹتی (جدید معیشت میں محرکات/حقوق لازمی ہیں)۔

(ج) کلاسیکی و جدید علمی نقد کی جھلک

ارسطو نے دکھایا کہ ملکیت/خاندان کی کلی اشتراکیت "کسی کی ذمہ داری بھی نہیں" کے مسئلے میں ڈھلتی ہے؛ اوسط/متوسط طبقہ ریاست کی پائیداری کا ستون ہے۔

▯کارل پوپر نے افلاطون کو کُلّیت پسند میلان پر تنقید کا نشانہ بنایا (کھلے معاشرے کے دشمن) کہ نظری کمال کی جستجو آزادی کو قربان کرتی ہے۔

عصرِ حاضر میں حقوق، تکثیریت، آزادیِ اظہار اور آئینی جمہوریت افلاطونی خاکے سے بنیادی طور پر مختلف اقدار ہیں۔

(د) اسلامی فکری زاویہ: تقابل و تنقیح

▯الفارابی کی "المدینہ الفاضلہ" میں اخلاقی/حکیمانہ قیادت کا تصور افلاطون سے قریب ہے، مگر اسلامی تناظر میں وحی اور نبوت معیارِ ہدایت ہیں؛ نبوت کے بعد حکمرانی شوریٰ، عدل اور قانون (شریعت) کی پابند۔

▯مامور بالعدل ریاست: جان، مال، آبرو، دین، عقل کی حفاظت (مقاصدِ شریعت)؛ اس میں ملکیت و خاندان بنیادی ادارے ہیں محافظ طبقے کے لیے بھی ان کی کلی نفی قابلِ قبول نہیں۔

الموردی/ابن خلدون: عمارتِ ریاست میں اجتماعی عصبیت، نظم، قضاء کی استقلال اور محاسبہ پر زور یہ سب جوابدہی اور ادارہ جاتی توازن کے تقاضے ہیں جو افلاطونی خاکے میں کمزور ہیں۔

▯مساوات و اہلیت: اسلامی روایت میں قیادت کے لائق ہونے کے پیمانے تقویٰ، امانت، کفایت/اہلیت ہیں؛ نسب/جامد طبقہ نہیں۔ اس سے سماجی حرکت اور اخلاقی ذمہ داری دونوں برقرار رہتے ہیں۔

سوال 2: اسلامی حکومت میں شہریوں کے حقوق اور فرائض پر جامع و مدلل نوٹ لکھیں۔

جواب: اسلامی حکومت کا مقصد صرف نظم و نسق قائم رکھنا نہیں بلکہ شریعت کے اصولوں کی روشنی میں عدل، مساوات اور فلاحِ انسانیت کو یقینی بنانا ہے۔ شہریوں کو کچھ بنیادی حقوق دیے جاتے ہیں اور ان پر کچھ فرائض عائد کیے جاتے ہیں۔ یہی توازن اسلامی ریاست کی بنیاد ہے۔

شہریوں کے بنیادی حقوق

حقِ حیات: اسلام ہر انسان کی جان کو محترم قرار دیتا ہے۔ قرآن میں ہے: "جس نے ایک انسان کو ناحق قتل کیا گویا اس نے پوری انسانیت کو قتل کیا" (المائدہ: 32)۔ لہٰذا اسلامی ریاست ہر شہری کی جان

کے تحفظ کی ضامن ہے۔

حقِ مساوات: اسلامی حکومت میں سب شہری برابر ہیں۔ کسی کو رنگ، نسل یا زبان کی بنیاد پر فوقیت حاصل نہیں۔ خطبہ حجۃ الوداع میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ برتری صرف تقویٰ کی بنیاد پر ہے۔

حقِ مذہبی آزادی: غیر مسلم شہریوں کو بھی مذہب اختیار کرنے اور اپنی عبادات انجام دینے کی آزادی ہے۔ قرآن میں فرمایا گیا: "دین میں کوئی جبر نہیں" (البقرہ: 256)۔ ان کی عبادت گاہوں اور جان و مال کی حفاظت اسلامی حکومت پر لازم ہے۔

حقِ عدل و انصاف: عدل اسلامی ریاست کی بنیاد ہے۔ قرآن کہتا ہے: "عدل کرو، یہ تقویٰ کے قریب تر ہے" (المائدہ: 8)۔ ہر شہری خواہ امیر ہو یا غریب، عدل و انصاف کا حق دار ہے۔

حقِ معیشت: اسلامی ریاست اپنے شہریوں کو معاشی تحفظ فراہم کرتی ہے۔ زکوٰۃ، صدقات اور بیت المال کے ذریعے غرباء اور ضرورت مندوں کی کفالت حکومت کی ذمہ داری ہے۔

حقِ آزادیِ اظہار: اسلام میں اصلاحی جذبے کے ساتھ رائے دینے اور امر بالمعروف و نہی عن المنکر کرنے کی اجازت ہے۔ خلفاء راشدین کے دور میں عوام براہِ راست خلیفہ کو تنبیہ اور مشورہ دیا کرتے تھے۔

شہریوں کے فرائض

اطاعتِ حکومت: مسلمان شہری پر لازم ہے کہ وہ اسلامی حکومت کے احکام کی اطاعت کرے، بشرطیکہ وہ شریعت کے مطابق ہوں۔ حدیث مبارک ہے: "امیر کی اطاعت فرض ہے، مگر گناہ کے کام میں اطاعت نہیں" (مسلم)۔

وفاداری اور تحفظِ ریاست: ریاست کی وفاداری ہر شہری کا فرض ہے۔ غداری یا دشمن کے ساتھ تعاون سنگین جرم ہے۔ شہریوں کو ضرورت پڑنے پر ریاست کے دفاع میں کھڑا ہونا چاہیے۔

ادائیگیِ زکوٰۃ و ٹیکس: اسلامی حکومت کا مالیاتی نظام شہریوں کی زکوٰۃ اور جائز ٹیکس پر قائم ہوتا ہے۔ ان کی بروقت ادائیگی اجتماعی فلاح کے لیے ضروری ہے۔

عدل و امانت داری: شہریوں کو چاہیے کہ وہ ایک دوسرے کے ساتھ انصاف کریں، دھوکہ اور سود سے بچیں اور اجتماعی معاملات میں دیانت داری اختیار کریں۔

امر بالمعروف و نہی عن المنکر: ہر مسلمان کا فرض ہے کہ اچھائی کو فروغ دے اور برائی کو روکے۔ اس فریضے سے معاشرے میں اخلاقی توازن قائم رہتا ہے۔

اتحاد و اتفاق: اسلامی ریاست کے استحکام کے لیے شہریوں میں اتحاد و اتفاق ضروری ہے۔ قرآن کہتا ہے: "اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھام لو اور تفرقہ مت ڈالو" (آل عمران: 103)۔

سوال :3 داعی و مبلغ کے اوصاف اور ذمہ داریوں پر مدلل نوٹ لکھیں۔

جواب: داعی و مبلغ کے اوصاف اور ذمہ داریاں

دعوتِ دین ایک انبیائی مشن ہے۔ تمام انبیاء علیہم السلام کو اسی مقصد کے لیے بھیجا گیا کہ وہ لوگوں کو اللہ کی توحید کی طرف بلائیں اور برائیوں سے روکیں۔ قرآن میں ہے: "اور ہر امت میں ہم نے ایک رسول بھیجا کہ اللہ کی عبادت کرو اور طاغوت سے بچو" (النحل: 36)۔ رسول اللہ ﷺ کو بھی خاتم النبیین ہونے کے ناطے یہ ذمہ داری عطا کی گئی اور امتِ مسلمہ کو وارثِ انبیاء بنایا گیا۔ لہٰذا ہر داعی اور مبلغ دراصل اس مشن کا امین ہے۔ اس کے لیے کچھ اوصاف اور ذمہ داریاں مقرر ہیں جن پر عمل کے بغیر دعوت کا کام مؤثر نہیں ہو سکتا۔

داعی و مبلغ کے اوصاف

1۔ **اخلاص نیت:** دعوت کی بنیاد اخلاص پر ہے۔ اگر داعی کا مقصد شہرت، جماعتی مفاد یا دنیاوی مقام حاصل کرنا ہو تو اس کی دعوت بے اثر ہو جاتی ہے۔ قرآن میں بار بار اعمال کے قبول ہونے کی شرط اخلاص قرار دی گئی ہے۔ اخلاص کے بغیر الفاظ خواہ کتنے ہی خوبصورت ہوں، دل پر اثر نہیں ڈالتے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "اعمال کا دار و مدار نیتوں پر ہے" (بخاری)۔ لہٰذا داعی کو ہر وقت یہ یاد رکھنا چاہیے کہ اس کی محنت کا مقصد اللہ کی رضا ہے۔

2۔ **علم و بصیرت:** دعوت محض جذباتی تقریروں کا نام نہیں بلکہ علم اور بصیرت کے ساتھ حقائق کو پیش کرنے کا نام ہے۔ قرآن کہتا ہے: "کہہ دو! یہ میرا راستہ ہے، میں اللہ کی طرف بصیرت کے ساتھ بلاتا ہوں" (یوسف: 108)۔ داعی کو قرآن و سنت، سیرت النبی، فقہ اور تاریخ اسلام سے واقفیت ہونی چاہیے۔ ساتھ ہی زمانے کے مسائل، فلسفے اور نظریات کا علم بھی رکھنا چاہیے تاکہ وہ جدید ذہن کو بھی قائل کر سکے۔

3۔ **حکمت و حلم:** دعوت میں حکمت کا پہلو نہایت اہم ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: "اپنے رب کے راستے کی طرف حکمت اور اچھی نصیحت کے ساتھ بلاؤ اور ان سے بہترین طریقے سے گفتگو کرو" (النحل: 125)۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ داعی کو موقع، ماحول اور مخاطب کے مزاج کے مطابق بات کرنی چاہیے۔ تندی و تلخی دعوت کے دروازے بند کر دیتی ہے جبکہ نرم مزاجی اور حلم انسان کے دل میں جگہ بنا لیتی ہے۔

4۔ **اعلیٰ اخلاق:** داعی کی شخصیت ہی اس کی سب سے بڑی دلیل ہوتی ہے۔ اگر وہ جھوٹا، بد اخلاق یا دنیا پرست ہو تو اس کے الفاظ اثر نہیں ڈالتے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "سب سے بہتر تم میں وہ ہے جس کے اخلاق سب سے اچھے ہیں" (ترمذی)۔ نبی اکرم ﷺ کو "خُلقِ عظیم" کا پیکر قرار دیا گیا اور آپ کی اخلاقی سیرت ہی ہزاروں غیر مسلموں کے اسلام قبول کرنے کا سبب بنی۔ لہٰذا داعی کے لیے سچائی، تواضع، بردباری اور خدمتِ خلق بنیادی اوصاف ہیں۔

5۔ **صبر و استقامت:** دعوت کا کام کبھی آسان نہیں رہا۔ انبیاء کو طعنے، تکالیف اور دشمنیوں کا سامنا کرنا پڑا، لیکن انہوں نے صبر کیا۔ قرآن بار بار نبی ﷺ کو صبر کی تلقین کرتا ہے۔ داعی کے لیے ضروری ہے کہ وہ وقتی ناکامیوں یا مخالفت سے مایوس نہ ہو بلکہ مسلسل استقامت کے ساتھ اپنے مشن پر قائم رہے۔

6۔ **عوام سے ہم آہنگی:** دعوت کی کامیابی کے لیے داعی کو عوام کے مزاج، زبان، رسم و رواج اور نفسیات سے واقف ہونا چاہیے۔ جس طرح نبی ﷺ عربوں سے ان کی زبان اور مثالوں کے ذریعے بات کرتے تھے، اسی طرح داعی کو بھی مخاطب کے فہم اور سطح کے مطابق بات کرنی چاہیے تاکہ پیغام آسانی سے دل میں اتر جائے۔

داعی و مبلغ کی ذمہ داریاں

1۔ **دین کی صحیح تبلیغ:** داعی پر سب سے پہلی ذمہ داری یہ ہے کہ وہ دین کو اس کی اصل شکل میں پیش کرے، نہ اپنی خواہشات شامل کرے اور نہ ہی اسے مسخ کرے۔ قرآن نے ان لوگوں پر لعنت بھیجی ہے جو دین کے حقائق کو چھپاتے ہیں (البقرہ: 159)۔ لہٰذا داعی کو چاہیے کہ وہ قرآن و سنت کی روشنی میں خالص اور غیر جانبدار انداز میں دین کی وضاحت کرے۔

2۔ **امر بالمعروف و نہی عن المنکر:** دعوت کا ایک اہم تقاضا یہ ہے کہ داعی نیکیوں کو رواج دے اور برائیوں کو ختم کرنے کی کوشش کرے۔ لیکن اس کا طریقہ نہ سختی ہو نہ جبر، بلکہ محبت اور حکمت کے ساتھ ہو۔ نبی ﷺ نے مدینہ کے معاشرے کو اسی تدریج اور حکمت کے ساتھ برائیوں سے پاک کیا۔

3۔ **لوگوں کی اصلاح و تربیت:** دعوت صرف تقریر یا کتابچہ بانٹنے کا نام نہیں بلکہ لوگوں کی ذہنی، اخلاقی اور عملی تربیت بھی داعی کی ذمہ داری ہے۔ وہ اپنے عمل اور کردار سے دوسروں کے لیے عملی نمونہ بنے اور درس و تدریس کے ذریعے ان کے عقائد و اخلاق کو بہتر کرے۔

4۔ **اقلیتوں اور غیر مسلموں تک پیغام پہنچانا:** اسلامی دعوت کی عالمی حیثیت ہے۔ داعی

پر فرض ہے کہ وہ غیر مسلموں تک بھی اسلام کا پیغام حسنِ اخلاق، دلیل اور نرم رویے کے ساتھ پہنچائے۔ قرآن میں نبی ﷺ کے بارے میں فرمایا گیا: ''ہم نے آپ کو سارے جہانوں کے لیے رحمت بنا کر بھیجا ہے'' (الانبیاء: 107)۔ اس سے واضح ہے کہ دعوت صرف مسلمانوں تک محدود نہیں۔

5۔ **اتحادِ امت کے لیے کوشش:** داعی کا کام امت میں تفرقہ ڈالنا نہیں بلکہ اسے جوڑنا ہے۔ وہ مسلکی اور فرقہ وارانہ جھگڑوں سے اوپر اٹھ کر امت کو قرآن و سنت کے بنیادی پیغام پر جمع کرنے والا ہو۔ امت کی کمزوری کی سب سے بڑی وجہ تفرقہ ہے، اس لیے داعی کا فرض ہے کہ وہ اتحاد و اتفاق کو فروغ دے۔

6۔ **اجتماعی فلاح میں کردار:** دعوت صرف مذہبی پہلوؤں تک محدود نہیں بلکہ سماجی اور معاشی مسائل کے حل میں بھی رہنمائی فراہم کرتی ہے۔ داعی کو چاہیے کہ وہ غربت، جہالت، ظلم اور بدعنوانی جیسے مسائل پر آواز بلند کرے اور عوام کو بہتر شہری بننے کی طرف متوجہ کرے۔

سوال :4 اسلام میں عالمگیر برادری کے تصور کا جائزہ لیں نیز بتائیں اقوام متحدہ کی ضرورت کیوں پیش آئی؟

جواب : اسلام میں عالمگیر برادری کا تصور اور اقوام متحدہ کی ضرورت

اسلام نے انسانیت کے لیے وہ بنیادی اصول دیے جن کی بنیاد پر ایک عالمگیر برادری قائم کی جا سکتی ہے۔ اس برادری کا مقصد عدل، مساوات، اخوت اور امن ہے۔ جدید دنیا میں انہی اصولوں کی کمی کے باعث جنگیں ہوئیں اور پھر اقوام متحدہ جیسا ادارہ وجود میں آیا تا کہ دنیا کو تباہی سے بچایا جا سکے۔

اسلام میں عالمگیر برادری کا تصور

1۔ **انسانیت کی وحدت:** اسلام کا سب سے بنیادی تصور یہ ہے کہ تمام انسان ایک ہی ماں باپ کی اولاد ہیں۔ قرآن میں ارشاد ہے: اے لوگو! اپنے رب سے ڈرو جس نے تمہیں ایک جان سے پیدا کیا اور اسی سے اس کا جوڑا بنایا، پھر ان دونوں سے بہت سے مرد و عورت پھیلا دیے (النساء: 1)۔ اس سے واضح ہوتا ہے کہ اسلام نے انسانیت کو نسب اور نسل کی بنیاد پر ایک ہی خاندان قرار دیا۔

2۔ **اخوت اور مساوات:** اسلام نے تمام انسانوں کو مساوی حقوق دیے۔ خطبہ حجۃ الوداع میں رسول اللہ ﷺ نے اعلان کیا کہ کسی عربی کو عجمی پر اور کسی گورے کو کالے پر کوئی برتری حاصل نہیں، سوائے تقویٰ کے۔ قرآن نے بھی کہا: بے شک سب مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں (الحجرات: 10)۔ اس

سے ظاہر ہے کہ رنگ، نسل اور زبان کے فرق کے باوجود سب ایک ہی اخوت کا حصہ ہیں۔

3۔ **مذہبی رواداری:** اسلام نے غیر مسلموں کو بھی معاشرتی برادری کا حصہ تسلیم کیا اور انہیں مذہب و عقیدے کی آزادی دی۔ قرآن کا ارشاد ہے: دین میں کوئی جبر نہیں (البقرہ: 256)۔ اسلامی تاریخ میں ذمیوں کو جان، مال اور عبادت گاہوں کا مکمل تحفظ حاصل رہا۔ یہی رواداری عالمی برادری کی بنیاد فراہم کرتی ہے۔

4۔ عدل وانصاف کی عالمگیریت: اسلامی برادری کا سب سے نمایاں پہلو عدل ہے۔ قرآن میں فرمایا گیا: عدل کرو، یہ تقویٰ کے قریب تر ہے (المائدہ: 8)۔ اس اصول کے تحت نہ صرف مسلمانوں کے درمیان بلکہ غیر مسلموں کے ساتھ بھی انصاف کا حکم دیا گیا۔ اس طرح اسلامی تصور انصاف کو پوری انسانیت تک پھیلاتا ہے۔

5۔ **تاریخ میں عملی مظاہرہ:** اسلامی خلافتوں کے ادوار میں مختلف نسلوں، زبانوں اور علاقوں کے لوگ ایک ہی سیاسی اور سماجی نظام کے تحت زندگی گزارتے تھے۔ خلافتِ راشدہ، عباسی اور عثمانی سلطنتوں میں یہ عالمگیر برادری عملی طور پر دیکھی گئی جہاں عرب، ترک، ایرانی، ہندی اور افریقی سب ایک ہی امت کا حصہ تھے۔

اقوام متحدہ کی ضرورت کیوں پیش آئی؟

1۔ **عالمی جنگوں کی تباہ کاری:** پہلی (18–1914) اور دوسری عالمی جنگ (45–1939) نے کروڑوں جانیں لیں، شہروں کو کھنڈر بنایا اور معیشتیں تباہ کر دیں۔ ان ہولناک تباہ کاریوں کے بعد دنیا نے یہ محسوس کیا کہ اگر کوئی عالمی ادارہ نہ بنایا گیا تو مزید جنگیں انسانیت کو ختم کر دیں گی۔

2۔ **لیگ آف نیشنز کی ناکامی:** پہلی جنگ کے بعد ''لیگ آف نیشنز'' بنائی گئی مگر یہ کمزور ادارہ تھا۔ بڑی طاقتوں کی خودغرضی اور مؤثر اختیارات کی کمی کے باعث یہ کامیاب نہ ہو سکا۔ دوسری جنگ عظیم نے اس کی ناکامی کو بالکل واضح کر دیا۔

3۔ **تنازعات کے پرامن حل کی ضرورت:** دنیا میں اکثر تنازعات سرحدی جھگڑوں یا طاقت کے مظاہرے سے شروع ہوئے۔ اس لیے ایک ایسا عالمی فورم ضروری تھا جہاں مسائل بات چیت، ثالثی اور امن کے طریقے سے حل کیے جا سکیں۔

4۔ **انسانی حقوق کا تحفظ:** دوسری جنگ کے دوران نازی ازم اور فاشزم نے جس طرح

انسانوں کو ظلم وستم کا نشانہ بنایا، اس کے بعد عالمی سطح پر انسانی حقوق کی حفاظت ناگزیر بن گئی۔ اسی مقصد کے تحت اقوام متحدہ نے 1948ء میں ''عالمی اعلامیہ برائے انسانی حقوق'' پیش کیا۔

5۔ عالمی تعاون اور ترقی: امن قائم رکھنے کے ساتھ ساتھ غربت، بیماری، جہالت، ماحولیات اور پسماندگی جیسے مسائل کے حل کے لیے بھی ایک عالمی ادارے کی ضرورت محسوس ہوئی۔ اقوام متحدہ نے مختلف ادارے قائم کیے جیسے یونیسکو (تعلیم وثقافت)، ڈبلیو ایچ او (صحت) اور یونیسیف (بچوں کی فلاح)۔

سوال :5 درج ذیل میں سے تین پر نوٹ لکھیں 1۔سوشلزم 2۔ جہاد اور قتال کا باہمی فرق 3۔جمہوریت کی تعریف اور اقسام 4۔اسلامی قانون کی خصوصیات

جواب :1 **۔سوشلزم:**

سوشلزم ایک معاشی وسماجی نظریہ ہے جو سرمایہ داری نظام کے ردِعمل میں پیدا ہوا۔ اس کا بنیادی مقصد دولت کی منصفانہ تقسیم، طبقاتی تفاوت کا خاتمہ اور مزدور طبقے کے حقوق کا تحفظ ہے۔ سوشلسٹ مفکرین کے مطابق سرمایہ داری نے چند ہاتھوں میں دولت کو جمع کر کے غربت اور ناانصافی کو جنم دیا، اس لیے ضروری ہے کہ ذرائع پیداوار (زمین، کارخانے، وسائل) نجی ملکیت کے بجائے ریاست یا عوام کی اجتماعی ملکیت ہوں۔ سوشلسٹ فکر میں محنت کو اصل قدر و قیمت کا معیار مانا جاتا ہے اور سرمایہ دارانہ منافع کو استحصال سمجھا جاتا ہے۔ اس نظریے نے مختلف صورتوں میں دنیا میں عملی شکل اختیار کی، مثلاً کمیونزم (مارکس اور لینن کا تصور) اور سوشل ڈیموکریسی (یورپ میں فلاحی ریاست کا ماڈل)۔ سوشلسٹ نظام کا ایک پہلو یہ بھی ہے کہ یہ دولت کی غیر مساوی تقسیم کے خلاف بغاوت ہے اور طبقاتی جدوجہد کو سماجی تبدیلی کا ذریعہ قرار دیتا ہے۔ تاہم اس پر یہ تنقید کی جاتی ہے کہ یہ فرد کی آزادی اور نجی ملکیت کے حق کو محدود کر دیتا ہے۔ اسلام کے معاشی نظام میں بھی دولت کی غیر منصفانہ تقسیم کی مذمت کی گئی ہے لیکن سوشلزم کے برعکس اسلام نجی ملکیت کو تسلیم کرتا ہے اور اس پر اخلاقی وشرعی حدود عائد کرتا ہے۔ اس طرح کہا جا سکتا ہے کہ سوشلزم عدل کی تلاش میں پیدا ہونے والا انسانی نظریہ ہے، مگر اسلام کا معاشی نظام اس سے زیادہ متوازن اور پائیدار ہے۔

2۔ جہاد اور قتال کا باہمی فرق:

جہاد اور قتال کو اکثر مترادف سمجھا جاتا ہے حالانکہ دونوں میں بنیادی فرق ہے۔ جہاد ایک وسیع تر اصطلاح ہے جو ہر اس جدوجہد پر بولا جاتا ہے جو اللہ کے دین کو قائم کرنے اور برائیوں کو مٹانے کے لیے کی

جائے، خواہ وہ قلم کے ذریعے ہو، زبان کے ذریعے ہو یا میدانِ جنگ میں۔ قرآن میں جہاد کا حکم متعدد معنوں میں آیا ہے، جیسے فرمایا گیا: ''اور کافروں سے جہاد کرو ایک عظیم جہاد کے ساتھ'' (الفرقان: 52)۔ یہاں مراد علمی اور دعوتی جہاد ہے۔ دوسری طرف قتال کا مطلب ہے مسلح جدوجہد یا جنگ کرنا۔ قرآن میں آیا ہے: ''اور اللہ کی راہ میں ان سے لڑو جو تم سے لڑتے ہیں'' (البقرہ: 190)۔ اس سے ظاہر ہے کہ قتال مخصوص حالات میں ہے، مثلاً جب دشمن حملہ آور ہو یا ظلم و جبر کے خلاف اٹھنا لازم ہو جائے۔ جہاد ایک ہمہ گیر دینی فریضہ ہے جو ہر وقت جاری رہتا ہے، جب کہ قتال اس جہاد کا محدود اور مخصوص پہلو ہے جو صرف ضرورت اور شرعی اجازت کے ساتھ کیا جاتا ہے۔ یوں کہا جا سکتا ہے کہ جہاد کا دائرہ قتال سے وسیع ہے اور قتال جہاد کی ایک صورت ہے۔

3۔ جمہوریت کی تعریف اور اقسام:

جمہوریت ایک ایسا سیاسی نظام ہے جس میں اقتدار عوام کی مرضی اور رائے سے تشکیل پاتا ہے۔ اس کی تعریف یہ کی جاتی ہے کہ ''جمہوریت عوام کی حکومت، عوام کے ذریعے اور عوام کے لیے'' ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ حکومت کا سرچشمہ عوام ہیں اور حکمران ان کے نمائندے ہوتے ہیں۔ جمہوریت کی چند اہم اقسام ہیں: (1) براہِ راست جمہوریت جس میں عوام خود فیصلے کرتی ہے، جیسا کہ قدیم یونان میں تھا۔ (2) بالواسطہ یا نمائندہ جمہوریت جس میں عوام نمائندے منتخب کرتی ہے اور وہ ان کی جانب سے فیصلے کرتے ہیں۔ آج کی دنیا میں یہی نظام زیادہ رائج ہے۔ (3) پارلیمانی جمہوریت جس میں کابینہ اور وزیر اعظم منتخب نمائندوں کے ذریعے اقتدار میں آتے ہیں۔ (4) صدارتی جمہوریت جس میں صدر براہِ راست عوام سے منتخب ہوتا ہے اور زیادہ اختیارات رکھتا ہے۔ جمہوریت کی ایک شکل مخلوط نظام بھی ہے جو پارلیمانی اور صدارتی جمہوریت کا امتزاج ہوتا ہے۔ اسلام میں بھی شورائیت اور عوامی رائے کو اہمیت دی گئی ہے، چنانچہ قرآن میں اہلِ ایمان کی ایک صفت یہ بتائی گئی کہ ''ان کے معاملات آپس کے مشورے سے طے پاتے ہیں'' (الشوریٰ: 38)۔ اس اعتبار سے کہا جا سکتا ہے کہ اسلامی شورائیت جمہوریت سے قریب تر ہے، مگر اس میں حاکمیت اللہ کی ہے اور عوام کو اسی دائرے میں اختیار دیا گیا ہے۔

4۔ اسلامی قانون کی خصوصیات:

اسلامی قانون (شریعت) دنیا کے دیگر قانونی نظاموں کے مقابلے میں کئی امتیازی خصوصیات رکھتا ہے۔ سب سے پہلی خصوصیت یہ ہے کہ یہ الٰہی قانون ہے، یعنی اس کے بنیادی اصول وحی الٰہی پر مبنی ہیں، اس

لیے یہ انسانی خواہشات کا تابع نہیں۔ دوسری خصوصیت ہمہ گیریت ہے، یہ صرف عبادات یا مذہبی معاملات تک محدود نہیں بلکہ معاشرت، معیشت، سیاست، اخلاق، تجارت اور فوجداری سب پہلوؤں کو شامل کرتا ہے۔ تیسری خصوصیت اس کی عالمگیریت ہے کہ یہ صرف عربوں یا مسلمانوں کے لیے نہیں بلکہ پوری انسانیت کے لیے رہنمائی فراہم کرتا ہے۔ چوتھی خصوصیت عدل و مساوات ہے؛ اسلامی قانون میں سب برابر ہیں، خواہ حکمران ہو یا عام شہری۔ پانچویں خصوصیت سہولت اور آسانی ہے؛ قرآن نے کہا: ''اللہ تمہارے لیے آسانی چاہتا ہے اور سختی نہیں'' (البقرہ: 185)۔ چھٹی خصوصیت اس کی لچک ہے؛ قرآن وسنت کے بنیادی اصولوں کے ساتھ اجتہاد اور قیاس جیسے ذرائع کے ذریعے نئے مسائل کا حل نکالا جا سکتا ہے۔ ساتویں خصوصیت یہ ہے کہ اس میں اخلاقی و روحانی پہلو بھی شامل ہیں، جبکہ دنیا کے دیگر قوانین محض مادی پہلو تک محدود رہتے ہیں۔ اسلامی قانون کی آٹھویں خصوصیت یہ ہے کہ یہ فرد اور معاشرے دونوں کے حقوق کا توازن قائم رکھتا ہے۔ اس طرح اسلامی قانون نہ صرف ایک مثالی قانونی نظام ہے بلکہ انسانیت کے لیے امن، عدل اور فلاح کا ضامن بھی ہے۔

حصہ معروضی کل نمبر 28

نوٹ: حصہ معروضی کے تمام سوال لازمی ہیں۔

سوال :6 درج ذیل کے مختصر جواب دیں۔ 10 نمبر

سوال :1 اشرافیہ طرز حکومت کی تعریف کریں۔

جواب : اشرافیہ (Aristocracy) ایک ایسی طرز حکومت ہے جس میں ملک کی باگ ڈور معاشرے کے ایک مخصوص اور ممتاز طبقے (جیسے نواب، جاگیردار، اعلیٰ خاندان یا صاحب ثروت افراد) کے ہاتھ میں ہوتی ہے۔ یہ طبقہ اپنی اعلیٰ نسل، معاشی برتری یا سماجی حیثیت کی بنیاد پر حکمرانی کا حق دار سمجھا جاتا ہے۔

سوال :2 خلیفہ کے اختیارات تحریر کریں۔

جواب : خلافت راشدہ کے دور میں خلیفہ کو ریاست کے تمام امور چلانے کے وسیع اختیارات حاصل تھے، لیکن یہ اختیارات مطلق نہیں تھے بلکہ قرآن وسنت اور شوریٰ (مشاورت) کی حدود میں تھے۔ اس کے بنیادی اختیارات میں شرعی قوانین کے مطابق ملک کا نظام حکومت چلانا، امور مملکت کی نگرانی کرنا، اور انتظامیہ تشکیل دینا شامل تھا۔ وہ فوج کا سپہ سالار اعلیٰ ہوتا تھا اور جنگی معاملات طے کرنے کا اختیار رکھتا تھا۔ اس کے پاس بیت المال (خزانہ) کے انتظام و انصرام کی مکمل نگرانی کی ذمہ داری تھی اور وہ یہ یقینی

بناتا تھا کہ ریاست کے وسائل پر صحیح طریقے سے خرچ کیا جائے۔ عدالتی نظام کی بالادستی قائم رکھنا بھی اس کی ذمہ داری تھی، اور وہ قاضی مقرر کرتا تھا۔ سب سے بڑھ کر، وہ شرعی احکامات کی تشریح اور نفاذ کا ذمہ دار تھا، تاکہ ریاست کا ہر عمل اسلامی اصولوں کے مطابق چل سکے۔

سوال:3 اہل یونان اور اہل فارس کے اقلیتوں پر مظالم کا ذکر کریں۔

جواب: تاریخ میں اہل یونان اور اہل فارس دونوں ہی اپنی مفتوحہ اقلیتی آبادیوں پر سنگین مظالم کے مرتکب ہوئے۔ یونانی، خاص طور پر اسکندر کے بعد کے Hellenistic دور میں، اپنے آپ کو ثقافتی اور نسلی اعتبار سے برتر سمجھتے تھے اور مقامی لوگوں کو باربرین (وحشی) قرار دیتے تھے۔ انہوں نے مقبوضہ علاقوں کے لوگوں کو غلام بنایا، ان پر ناقابلِ برداشت ٹیکس مسلط کیے اور ان کی مقامی ثقافتوں اور مذاہب کو یونانی ثقافت میں ضبط کرنے کی پالیسی اپنائی۔ اسی طرح، فارس کی ساسانی سلطنت کا نظام انتہائی سخت طبقاتی تھا، جہاں معاشرے کو مختلف ذاتیں (جیسے پجاری، فوجی، کاشتکار) میں بانٹا گیا تھا اور نچلے طبقوں کے لوگوں کے ساتھ امتیازی سلوک ہوتا تھا۔ مذہبی اقلیتیں، بالخصوص عیسائی، سخت ظلم وستم کا شکار تھیں۔ انہیں ان کے عقیدے کی وجہ سے قید، جرمانے اور موت کے گھاٹ اتارا جاتا تھا، جس کی وجہ سے وہ مسلسل خوف وہراس کی فضا میں زندگی گزارنے پر مجبور تھے۔

سوال:4 جہاد کی تعریف اور اقسام قلم بند کریں۔

جواب: جہاد کا لفظی معنی ''کوشش'' یا ''جدوجہد'' ہے، اور اسلامی شریعت میں اس کی تعریف اللہ کی رضا حاصل کرنے کے لیے کسی بھی میدان میں اپنی پوری طاقت اور قوت صرف کرنے سے ہے۔ یہ ایک وسیع تصور ہے جس کی کئی اقسام ہیں۔ سب سے پہلے جہاد بالنفس ہے، جو نفس کی بری خواہشات اور شیطان کے وسوسوں کے خلاف اپنے آپ کو سنوارنے کی داخلی جدوجہد ہے، جسے سب سے بڑا جہاد کہا گیا ہے۔ دوسرا جہاد بالمال ہے، جس کا مطلب اللہ کے راستے میں اپنا مال خرچ کرنا ہے۔ تیسری قسم جہاد بالقول ہے، جس میں زبان سے نیکی کا حکم دینا، برائی سے روکنا اور حق بات کی تبلیغ کرنا شامل ہے۔ چوتھی قسم جہاد بالسیف ہے، جو کہ ظالم وجابر حکمران یا اسلام اور مسلمانوں پر حملہ آور دشمن کے خلاف حق کی حفاظت کے لیے جنگ کرنے پر مشتمل ہے، لیکن یہ صرف ایک مقررہ شرائط اور اصولوں کے تحت جائز ہے۔

سوال:5 اصلاح نفس کے اصول تحریر کریں۔

جواب: اصلاحِ نفس، یعنی اپنے اندر کی برائیوں کو دور کر کے نیکیوں اور خوبیوں کو پروان چڑھانے کا عمل،

ایک مسلسل جدوجہد کا نام ہے جس کے لیے کچھ بنیادی اصولوں پر عمل کرنا ضروری ہے۔ سب سے پہلا اصول علم حاصل کرنا ہے، کیونکہ بھلائی اور برائی کی پہچان علم کے بغیر ممکن نہیں۔ دوسرا اصول مراقبہ ومحاسبہ ہے، یعنی روزانہ اپنے اعمال، intentions اور باتوں پر غور کرنا اور خود اپنا حساب لینا۔ تیسرا اصول مجاہدہ ہے، جس میں بری عادتوں کو ترک کرنے اور نیکیوں کو اپنانے کے لیے عملی کوشش اور مستقل مزاجی شامل ہے۔ چوتھا اصول صحبتِ صالح اختیار کرنا ہے، کیونکہ اچھے دوست اور رہنمائی کرنے والے استاد اخلاقی تربیت میں انتہائی معاون ثابت ہوتے ہیں۔ پانچواں اصول ذکر وعبادت کو اپنی روزمرہ زندگی کا حصہ بنانا ہے، کیونکہ نماز، تلاوتِ قرآن اور دعا سے انسان کا تعلق اللہ سے مضبوط ہوتا ہے اور یہ نفس کو پاک کرتی ہیں۔ ان سب پر عمل کرنے کے لیے اخلاص (ریاکاری سے پاک نیت) سب سے اہم اصول ہے، کیونکہ ہر عمل صرف اور صرف اللہ کی رضا کے لیے ہونا چاہیے۔

سوال 7: درج ذیل میں سے صحیح پر (✓) اور غلط پر (✗) کا نشان لگائیں۔ 10 نمبر

1۔ اسلامی حکومت میں مقیم غیر مسلم کی جان کی حفاظت حکومت کی ذمہ ہوتی ہے۔ (✓)

2۔ دستور کبھی غیر تحریری بھی ہوتا ہے۔ (✓)

3۔ اشتراکیت میں انسان کو مکمل شخصی آزادی میسر ہوتی ہے۔ (✗)

4۔ جمہوریت اور شہریت ایک ہی طرز حکومت کے دو نام ہیں۔ (✗)

5۔ آئی ایم ایف اقوام متحدہ کے ماتحت ادارہ ہے۔ (✗)

6۔ بہترین قانون سازی کرنا عدلیہ کا فرض ہے۔ (✗)

7۔ تمام صوبوں کے جج چیف جسٹس کے تحت کام کرتے ہیں۔ (✗)

8۔ سیدنا ابو ہریرہ کا ترتیب شدہ نسخہ صحیفہ صادقہ کہلاتا ہے۔ (✗)

9۔ اسلامی قانون کے دو ہی مصادر ہیں قرآن وسنت۔ (✗)

سوال 8: مجوزہ جوابات میں سے درست جواب کا انتخاب کریں۔

1۔ سرمایہ داری نظام کا دوسرا نام ہے۔

کیپٹلزم (✓) سوشلزم کمیونزم

2۔ اقوام متحدہ وجود میں آئی۔

1947 (✓)1945 1940

3۔ہیروشیما پر ایٹم کب مارا گیا۔

1947 | جنگ عظیم اول | جنگ عظیم دوم (✓)

4۔اسلام میں حکمران کا انتخاب کرنا ذمہ داری ہے۔

شوریٰ کی (✓) | عوام کی | سابقہ حکمران کی

5۔اقوام متحدہ کے ماتحت عالمی عدالت کا صدر مقام ہے۔

امریکہ | ہیگ (✓) | جدہ

6۔کتاب ''اسلام کا سیاسی نظام'' کس کی تصنیف ہے۔

چوہدری غلام رسول (✓) | غلام احمد حریری | محمد نواز چودھری

7۔حرمت والے مہینوں میں سے ہے۔

رمضان | ربیع الاول | محرم (✓)

8۔قاضی کے تقرر کا اختیار ہے۔

خلیفہ کو (✓) | عوام کو | شوریٰ کو



الاقتصاد الاسلامی 1445ھ/2024ء (سالانہ)

حصہ انشائیہ: کل نمبر 72

نوٹ: حصہ انشائیہ سے کوئی سے چار سوال حل کریں۔ ہر سوال کے 18 نمبر ہیں۔

سوال 1: دنیا میں اسلام کے علاوہ معاشی نظریات، نیز ابن خلدون رحمہ اللہ پر اور علامہ اقبال رحمہ اللہ کے اقتصادی افکار پر سیر حاصل بحث کریں۔

جواب: **(الف) دنیا میں اسلام کے علاوہ معاشی نظریات:**

اسلام کے علاوہ دنیا میں کئی بڑے معاشی نظریات ابھرے جن کے پیچھے مخصوص مفکرین اور تاریخی پس منظر کارفرما تھا۔ سرمایہ داری (Capitalism) کے بانی نظریہ دانوں میں ایڈم اسمتھ (Adam Smith) نمایاں ہیں جن کی کتاب (Wealth of Nations 1776) نے آزاد منڈی، نجی ملکیت، مسابقت اور "نظر نہ آنے والا ہاتھ" (Invisible Hand) کو اساس بنایا۔ اس نظام کا بنیادی خدوخال یہ ہے کہ فرد کو منافع کی جستجو میں آزاد چھوڑا جائے تا کہ اجتماعی خوشحالی پیدا ہو، مگر نتیجتاً دولت چند ہاتھوں میں سمٹ جاتی ہے۔ دوسری طرف سوشلزم اور کمیونزم کے علم بردار کارل مارکس (Karl Marx) اور فریڈرک اینگلز (Friedrich Engels) تھے جنھوں نے سرمایہ داری کے استحصال پر تنقید کرتے ہوئے وسائل کی اجتماعی ملکیت، طبقاتی مساوات، اور منصوبہ بند معیشت کو اصول بنایا۔ اس کے خدوخال میں دولت کی تقسیم میں برابری، اجرتی استحصال کا خاتمہ اور ریاستی منصوبہ بندی شامل ہیں، البتہ تاریخی تجربہ میں یہ جمود اور جبری یکسانیت کا باعث بنا۔

تیسرا نظریہ کینز یان ازم (Keynesianism) ہے جسے جان مینارڈ کینز (John Maynard Keynes) نے 1930ء کی کساد بازاری کے دوران پیش کیا۔ اس کے خدوخال میں حکومتی مداخلت، عوامی اخراجات اور فزیکل سرمایہ کاری کے ذریعے روزگار میں اضافہ اور طلب کی بحالی شامل ہیں۔ اس سے سرمایہ داری کو بحران سے وقتی نجات ملی مگر سرکاری قرضوں اور افراطِ زر نے مسائل پیدا کیے۔ بعد ازاں نیولیبرل ازم (Neoliberalism) کے علم بردار فریڈرش ہائیک (Hayek. A.F) اور ملٹن فریڈمین (Milton Friedman) ہوئے، جنھوں نے ریاستی مداخلت کو کم سے کم، آزاد منڈی، نجکاری

اور آزاد تجارت کو اہم خدوخال بنایا۔ اس نے سرمایہ کاری اور عالمی تجارت کو تقویت دی مگر غربت اور عدم مساوات میں اضافہ کیا۔

ان کے علاوہ جدید دور میں ویلفیئر اکنامکس (Welfare Economics) کے نمایاں مفکرین آرتھر پیگو (Pigou, C.A) اور امرتیہ سن (Amartya Sen) ہیں، جنہوں نے سماجی بہبود، عوامی خدمات، اور فلاحی ریاست کو خدوخال بنایا۔ اسی طرح ماحولیاتی معاشیات نے ہیرمن ڈیلی (Herman Daly) جیسے مفکرین کے ذریعے ماحول دوست ترقی اور پائیداری پر زور دیا۔ اس طرح یہ تمام نظریات اپنی فکری اساس، نمایاں خدوخال اور عملی نتائج کے اعتبار سے ایک دوسرے سے مختلف ہیں، مگر سب نے جدید معیشت کی تشکیل میں اہم کردار ادا کیا ہے۔

(ب) ابن خلدون: تعارف اور معاشی نظریات

تعارف: ابوزید عبدالرحمن ابن خلدون رحمہ اللہ (1332 ۔ 1406ء) شمالی افریقہ کے شہر تونس میں پیدا ہوئے۔ وہ نہ صرف تاریخ اور فلسفۂ تمدن کے بانی مفکر ہیں بلکہ معاشیات کے میدان میں بھی نمایاں حیثیت رکھتے ہیں۔ ان کی شہرہ آفاق کتاب المقدمہ کو علمِ عمرانیات (Sociology) اور اقتصادیات (Economics) کا اولین ماخذ سمجھا جاتا ہے۔ ابن خلدون نے سیاسی و انتظامی ذمہ داریوں کے ساتھ علمی و تدریسی خدمات انجام دیں اور دنیا کو ایک ایسا فکری سرمایہ دیا جس نے بعد کے یورپی مفکرین جیسے آدم اسمتھ اور ڈیوڈ ریکارڈو کو بھی متاثر کیا۔

معاشی نظریات: ابن خلدون رحمہ اللہ کی معاشی فکر کا محور محنت، تقسیمِ کار اور شہری تمدن ہے۔ ان کے نزدیک:

محنت کی قدر: ہر قیمت کی بنیاد محنت ہے۔ اجرت محنت کے عوض ہونی چاہیے اور یہ تصور بعد میں جدید "Labor Theory of Value" کی شکل اختیار کرتا ہے۔

تقسیم کار: افراد جب مختلف شعبوں میں تقسیم ہو کر کام کرتے ہیں تو پیداوار بڑھتی ہے اور معیشت ترقی کرتی ہے۔

ریاست کا کردار: ابن خلدون رحمہ اللہ کے مطابق حکومت کو صرف عدل و انصاف قائم رکھنا چاہیے۔ ٹیکس اور محصولات اعتدال پر مبنی ہوں۔ وہ لکھتے ہیں کہ کم شرحِ محصول سے آمدنی بڑھتی ہے اور زیادہ ٹیکس معیشت کو زوال کی طرف لے جاتا ہے (جدید "Laffer Curve" سے مشابہت)۔

تجارت و زراعت: وہ تجارت کو تمدنی ترقی اور خوشحالی کی کنجی قرار دیتے ہیں، جبکہ زرعی پیداوار کو معیشت کی بنیاد سمجھتے ہیں۔

عروج و زوال کا معاشی پہلو: ابن خلدون رحمہ اللہ نے تمدن کے عروج و زوال کو معاشی اصولوں سے جوڑا اور کہا کہ عیش پرستی، بدعنوانی اور غیر منصفانہ ٹیکس تمدن کی تباہی کا باعث بنتے ہیں۔

ابن خلدون رحمہ اللہ کا امتیاز یہ ہے کہ انہوں نے معیشت کو اخلاقیات اور تمدن کے ساتھ جوڑ کر ایک ہمہ گیر فریم ورک دیا جو آج بھی عصری معنویت رکھتا ہے۔

(ج) علامہ اقبال: تعارف اور اقتصادی افکار

تعارف: علامہ محمد اقبال رحمہ اللہ (1877-1938ء) برصغیر کے عظیم شاعر، فلسفی اور مفکر تھے جنہوں نے اسلامی تہذیب اور مسلم معاشرت کو نئی فکری بنیاد فراہم کی۔ انہوں نے یورپ (کیمرج اور جرمنی) میں اعلیٰ تعلیم حاصل کی، مغربی فلسفے اور معیشت کو قریب سے دیکھا اور اس کے بعد اسلام کے ہمہ گیر نظام کو ایک متبادل کے طور پر پیش کیا۔ اقبال نے صرف شاعری ہی نہیں بلکہ خطبات اور تحریروں میں بھی سیاسی و معاشی افکار بیان کیے اور مسلمانوں کے لیے ایک نظریاتی وفکری رہنمائی فراہم کی۔

اقتصادی افکار: اقبال کا معاشی تصور اسلام کی اخلاقی و روحانی اقدار پر مبنی ہے۔ ان کے نمایاں خدوخال یہ ہیں:

سود کی مخالفت: اقبال نے سودی نظام کو انسانیت اور ایمان کے خلاف قرار دیا۔ ان کے نزدیک سود غلامی اور استحصال کو جنم دیتا ہے اور معاشرتی عدل کو برباد کرتا ہے۔

سرمایہ داری پر تنقید: اقبال نے سرمایہ داری کو مادہ پرست اور غیر انسانی نظام کہا، جو چند ہاتھوں میں دولت جمع کرتا اور اکثریت کو غربت میں دھکیل دیتا ہے۔

کمیونزم پر تبصرہ: وہ کمیونزم کی معاشی مساوات کی تعریف کرتے ہیں مگر اس کے لادینی اور جبر پر مبنی پہلو کو مسترد کرتے ہیں۔ ان کے نزدیک کمیونزم روحانی اقدار سے محروم ہے۔

اسلامی متبادل: اقبال نے اسلام کو ایک ہمہ گیر معاشی و سماجی نظام کے طور پر پیش کیا جس کی بنیاد زکوٰۃ، صدقات، وقف اور عدل اجتماعی پر ہے۔ ان کے نزدیک اسلام ایک ایسا متوازن نظام فراہم کرتا ہے جو فرد کی "خودی" کو محفوظ رکھتا ہے مگر اسے اجتماعی مفاد کے تابع بھی بناتا ہے۔

فلاحی تصور: اقبال کے نزدیک معیشت کا مقصد صرف دولت پیدا کرنا نہیں بلکہ انسان کی شخصیت،

خودی اور امت مسلمہ کی اجتماعی ترقی ہے۔ ان کی شاعری میں ''غریب و محنت کش'' کے حق میں آواز اور ''استحصالی طاقتوں'' کے خلاف بغاوت جھلکتی ہے۔

سوال :2 اسلام میں تقسیم دولت کا طریقہ کار اور اسلامی حکومت کے ذرائع آمدن پر جامع نوٹ لکھیں۔

جواب : **(الف) اسلام میں تقسیمِ دولت کا طریقہ کار:** اسلامی نظامِ معیشت کی بنیاد عدل و مساوات اور توازن پر ہے۔ اسلام کے نزدیک دولت اللہ تعالیٰ کی امانت ہے اور انسان اس کا محض نائب اور امین ہے۔ اس لیے دولت کا ارتکاز چند ہاتھوں تک محدود رہنے کی بجائے معاشرے کے تمام افراد تک پہنچنا چاہیے۔ قرآنِ مجید میں ارشاد ہے: كَيْ لَا يَكُونَ دُولَةً بَيْنَ الْأَغْنِيَاءِ مِنكُمْ (الحشر: 7) یعنی دولت صرف مالداروں کے درمیان ہی گردش نہ کرے۔ اسلام دولت کی تقسیم میں دو اصول اپناتا ہے: (1) اختیاری ذرائع جیسے صدقہ، عطیہ، انفاق فی سبیل اللہ اور قرضِ حسنہ۔ (2) اجباری ذرائع جیسے زکوٰۃ، عشر، خراج اور وراثت کا نظام۔ زکوٰۃ دولت کی تطہیر اور غرباء کی کفالت کا ذریعہ ہے جبکہ وراثت کے احکام دولت کو ایک نسل سے دوسری نسل میں منصفانہ تقسیم کرتے ہیں۔ اسلام محنت کو اصل معیار قرار دیتا ہے اور سرمایہ داری کی طرح دولت کو چند طبقات میں مرکوز نہیں ہونے دیتا۔ اس طرح ایک ایسا معاشی توازن قائم ہوتا ہے جس میں فرد کی محنت کی حوصلہ افزائی بھی ہے اور معاشرے کے نادار افراد کے حقوق کی حفاظت بھی۔

(ب) اسلامی حکومت کے ذرائع آمدن: اسلامی ریاست کے مالی وسائل کا بنیادی مقصد ذاتی جمع پونجی یا طبقاتی برتری پیدا کرنا نہیں، بلکہ عوامی فلاح، غربت کا خاتمہ اور عدلِ اجتماعی قائم کرنا ہے۔ اسلامی حکومت کے ذرائع آمدن درج ذیل ہیں:

1. **زکوٰۃ:** اسلامی ریاست کا سب سے اہم اور بنیادی مالیاتی ذریعہ ہے۔ یہ ہر اس مسلمان پر فرض ہے جس کے پاس نصاب کے برابر مال موجود ہو۔ زکوٰۃ کی شرح مقررہ ہے اور اس کی تقسیم قرآنِ مجید نے آٹھ مصارف میں متعین کر دی (التوبہ: 60) جیسے فقراء، مساکین، فی سبیل اللہ اور ابن السبیل وغیرہ۔ زکوٰۃ سے بیت المال کو ایک مستقل آمدنی حاصل ہوتی ہے جس سے غریبوں کی کفالت، یتیموں کی پرورش اور عام فلاحی امور انجام دیے جاتے ہیں۔

2. **عشر و صدقات:** زرعی پیداوار پر عشر یا نصف عشر عائد کیا جاتا ہے۔ اگر زمین بارانی ہو تو پیداوار کا دسواں حصہ (عشر) اور اگر آبپاشی یا مشینری کے ذریعے سیراب کی جائے تو بیسواں حصہ (نصف عشر) لیا

جاتا ہے۔ یہ بھی بیت المال میں شامل ہو کر سماجی فلاح و بہبود پر خرچ ہوتا ہے۔

3. **خراج:** مفتوحہ زمینوں پر عائد کیا جانے والا ٹیکس ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عراق اور شام کی زمینوں کو تقسیم کرنے کے بجائے خراج کے ذریعے بیت المال کا مستقل ذریعہ بنایا۔ خراج زمین کی پیداوار اور استعداد کے حساب سے مقرر ہوتا ہے اور یہ رعایا کے ساتھ انصاف پر مبنی ہے۔

4. **جزیہ:** غیر مسلم شہریوں پر عائد ایک ٹیکس ہے جو اسلامی حکومت میں رہتے ہیں۔ جزیہ دراصل اُن کی جان و مال کے تحفظ، مذہبی آزادی اور دفاعی ذمہ داریوں کے بدلے میں لیا جاتا ہے۔ اس سے ان پر فوجی خدمت کی ذمہ داری نہیں رہتی اور وہ پرامن زندگی گزارتے ہیں۔

5. **فیء اور غنیمت:** فیء اس مال کو کہتے ہیں جو بغیر جنگ کے دشمن کی طرف سے مسلمانوں کو ملے، جبکہ غنیمت جنگی مالِ غنیمت کو کہا جاتا ہے۔ قرآنِ مجید (الأنفال: 41) میں غنیمت کی تقسیم کا واضح حکم ہے کہ پانچواں حصہ بیت المال میں اور باقی مجاہدین میں تقسیم ہو۔ یہ دونوں آمدنی کے بڑے ذرائع تھے۔

6. **محصولات و کسٹم:** اسلامی حکومت غیر مسلم تاجروں پر اعتدال پسند کسٹم عائد کرتی تھی، جب کہ مسلم تاجروں سے نسبتاً کم وصول کیا جاتا تھا۔ اس سے تجارت کو نقصان پہنچانے کی بجائے توازن پیدا ہوتا اور بیرونی تعلقات کو منظم کیا جاتا۔

7. **وقفات:** عوام اپنے اموال اللہ کی رضا اور سماجی خدمت کے لیے وقف کرتے تھے۔ یہ وقف تعلیمی اداروں، مساجد، سرائے، یتیم خانوں اور دیگر فلاحی منصوبوں میں خرچ ہوتے تھے۔ اس طرح وقف ایک پائیدار معاشی اور سماجی ادارہ تھا۔

8. **دیگر ذرائع:** اسلامی حکومت کے مالی وسائل میں معدنیات، چراگاہوں اور قدرتی ذخائر بھی شامل تھے جو عمومی طور پر عوام کی ملکیت سمجھے جاتے تھے اور ریاست ان سے بیت المال کو مستحکم کرتی تھی۔ اسی طرح بسا اوقات فدیہ، صلح ناموں کے عوض آمدنی یا ریاستی املاک کے منافع بھی بیت المال کے وسائل بنتے تھے۔

سوال 3: اشتراکی فکر کی تعریف اور اس کے بنیادی تصورات کا تنقیدی جائزہ پیش کریں۔

جواب: اشتراکی فکر: تعریف: اشتراکیت ایک معاشی اور سیاسی نظام ہے جس میں وسائلِ پیداوار، زمین، صنعت اور سرمایہ انفرادی ملکیت کے بجائے اجتماعی ملکیت میں ہوتے ہیں۔ اس نظام کی تشکیل کارل مارکس اور فریڈرک اینگلز نے کی، جنہوں نے سرمایہ دارانہ نظام میں موجود طبقاتی استحصال کو ختم

کرنے کے لیے مزدور طبقے کی حکمرانی اور مساوات پر مبنی سماج کا تصور پیش کیا۔

بنیادی تصورات: 1۔ طبقاتی جدوجہد (Class Struggle): مارکس کے نزدیک انسانی تاریخ بنیادی طور پر طبقاتی کشمکش کی تاریخ ہے۔ سرمایہ دار (Bourgeoisie) ہمیشہ مزدور (Proletariat) کا استحصال کرتا رہا ہے۔ لہٰذا مزدور طبقہ لازمی طور پر انقلاب برپا کرے گا تاکہ سرمایہ دارانہ نظام کو ختم کیا جا سکے۔

2۔ **قدرِ زائد** (Surplus Value): مارکس کا مؤقف ہے کہ مزدور اپنی محنت کے ذریعے جتنا پیدا کرتا ہے، سرمایہ دار اس سے زیادہ منافع حاصل کرتا ہے اور مزدور کو کم اجرت دیتا ہے۔ اس اضافی نفع کو ''قدرِ زائد'' کہا جاتا ہے جو سرمایہ دارانہ استحصال کی بنیاد ہے۔

3۔ **اجتماعی ملکیت** (Collective Ownership): اشتراکیت میں زمین، صنعت اور وسائلِ پیداوار ذاتی ملکیت میں نہیں رہتے بلکہ ریاست یا پورے معاشرے کی ملکیت تصور کیے جاتے ہیں تاکہ کوئی فرد یا طبقہ دوسروں پر معاشی بالادستی قائم نہ کر سکے۔

4۔ **مساوات اور طبقات کا خاتمہ**: اشتراکیت کا بنیادی مقصد معاشرے میں طبقاتی تفریق کا خاتمہ اور ایک ایسے مساوی سماج کا قیام ہے جہاں سب افراد یکساں حیثیت رکھتے ہوں۔

5۔ **ریاست کا زوال** (Withering Away of State): مارکس کے مطابق ابتدائی طور پر ریاست مزدوروں کے مفاد میں کام کرے گی، لیکن بالآخر جب طبقاتی فرق ختم ہو جائے گا تو ریاست خود بخود غیر ضروری ہو کر ختم ہو جائے گی۔

تنقیدی جائزہ:

1. **فطری آزادی کی نفی:** اشتراکیت نے فرد کی آزادی اور ذاتی ملکیت کے حق کو نظر انداز کیا، حالانکہ انسان فطرتاً ذاتی ملکیت اور آزادانہ فیصلے کا خواہاں ہے۔

2. **عملی ناکامی:** عملی طور پر سوویت یونین اور دیگر کمیونسٹ ممالک میں مساوات کے بجائے ایک نیا طاقتور طبقہ (پارٹی اور ریاستی اشرافیہ) وجود میں آیا، جس نے عوام کو مزید جبر اور غلامی میں مبتلا کیا۔

3. **معاشی پسماندگی:** اشتراکی نظام نے جدت، مسابقت اور ٹیکنالوجی کے فروغ کو روک دیا، جس کے نتیجے میں یہ سرمایہ دارانہ نظام کے مقابلے میں معاشی ترقی نہ کر سکا۔

4. **اخلاقی اور دینی پہلو کی کمی:** یہ نظریہ مذہب اور اخلاقیات کو غیر ضروری قرار دیتا ہے، جبکہ

انسان کی روحانی اور اخلاقی ضروریات کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔

5. **اسلامی نقطہ نظر سے تنقید:** اسلام نے معیشت میں توازن اور اعتدال کا نظام پیش کیا ہے جو اشتراکیت اور سرمایہ داریت دونوں کی انتہاؤں سے پاک ہے۔ اسلام ذاتی ملکیت کو فطری حق تسلیم کرتا ہے لیکن اس پر اخلاقی و شرعی حدود عائد کرتا ہے تاکہ معاشرتی استحصال نہ ہو۔ قرآن کریم میں فرمایا گیا: ﴿كَيْ لَا يَكُونَ دُولَةً بَيْنَ الْأَغْنِيَاءِ مِنكُمْ﴾ (الحشر: 7) یعنی دولت صرف امیروں کے درمیان گردش نہ کرے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلام دولت کی منصفانہ تقسیم اور معاشرتی عدل کا قائل ہے۔ اسلام نے غرباء و مساکین کے حقوق کو یقینی بنانے کے لیے زکوۃ، صدقات، عشر اور وراثت کے اصول مقرر کیے ہیں، جو سرمایہ دارانہ ذخیرہ اندوزی کو روکتے ہیں اور اشتراکیت کی طرح ذاتی ملکیت کو ختم بھی نہیں کرتے۔ اسی طرح اسلام نے سود کو قطعی طور پر حرام قرار دیا کیونکہ یہ معاشی استحصال کی سب سے بڑی صورت ہے۔ مزید یہ کہ اسلام نے محنت اور اجرت کے درمیان عدل قائم کرنے پر زور دیا ہے: "أَعْطُوا الْأَجِيرَ أَجْرَهُ قَبْلَ أَنْ يَجِفَّ عَرَقُهُ" (ابن ماجہ)۔ اس سے واضح ہوتا ہے کہ اسلامی نظام مزدور کے حق میں ہے، مگر اس کی بنیاد مذہب، اخلاق اور عدل پر ہے نہ کہ اشتراکیت کی طرح ریاستی جبر پر۔ یوں کہا جا سکتا ہے کہ اسلام نے اشتراکیت کے مثبت پہلو یعنی استحصال کے خاتمے کو اختیار کیا، لیکن منفی پہلو یعنی ذاتی ملکیت کی نفی کو رد کیا۔ اسلام کا نظام ایک ایسا معتدل نظام ہے جس میں نہ سرمایہ دارانہ بے لگامی ہے اور نہ ہی اشتراکی جبر۔

سوال:4 زکوۃ کی لغوی، اصطلاحی تعریف کریں اور زکوۃ کی معاشی اہمیت اور مصارف زکوۃ بالاختصار تحریر کریں۔

جواب: (الف) زکوۃ کی تعریف

لغوی معنی: زکوۃ عربی لفظ "زکا" سے ماخوذ ہے جس کے معنی ہیں پاکیزگی، نشوونما اور اضافہ۔ اس اعتبار سے زکوۃ مال کی پاکیزگی اور برکت کا سبب بنتی ہے۔

اصطلاحی تعریف: شرعی اصطلاح میں زکوۃ اس مخصوص مال کا نام ہے جسے اللہ تعالیٰ نے مقررہ نصاب اور مدت پوری ہونے کے بعد بندے پر واجب کیا ہے، اور اسے مخصوص مستحقین تک پہنچانا فرض ہے۔ یہ عبادت اور مالی فریضہ دونوں پہلو رکھتی ہے۔

(ب) زکوٰۃ کی معاشی اہمیت

1۔ **غربت کا خاتمہ:** زکوٰۃ کا سب سے بڑا معاشی اثر یہ ہے کہ یہ معاشرے میں غربت اور افلاس کو کم کرتی ہے۔ جب مالدار طبقہ اپنی دولت کا ایک حصہ نکال کر محتاجوں تک پہنچاتا ہے تو غریبوں کی بنیادی ضروریات پوری ہوتی ہیں۔ یوں ایک ایسا معاشرہ وجود میں آتا ہے جس میں بھوک اور ناداری کی شدت کم ہو جاتی ہے۔

2۔ **دولت کی منصفانہ تقسیم:** زکوٰۃ دولت کو چند سرمایہ داروں تک محدود نہیں رہنے دیتی بلکہ اسے مختلف طبقات میں تقسیم کرتی ہے۔ اس سے سماج میں دولت کا توازن قائم رہتا ہے اور استحصال کے دروازے بند ہوتے ہیں۔ یوں طبقاتی فرق کم ہو کر عدل و مساوات پروان چڑھتے ہیں۔

3۔ **معیشت کی گردش اور سرمایہ کاری:** زکوٰۃ غیر فعال یا جمع شدہ دولت کو حرکت میں لاتی ہے کیونکہ جو مال گردش میں نہ ہو اس پر زکوٰۃ لازم آتی ہے۔ اس طرح لوگ اپنا مال تجارت یا سرمایہ کاری میں لگاتے ہیں تاکہ زکوٰۃ کا بوجھ کم ہو اور منافع حاصل ہو۔ نتیجتاً معیشت میں ترقی اور روزگار کے مواقع بڑھتے ہیں۔

4۔ **سماجی اخوت اور ہمدردی:** زکوٰۃ کی ادائیگی سے معاشرے میں امیر اور غریب کے درمیان قربت پیدا ہوتی ہے۔ دولت مند جب اپنے مال کا حصہ غریبوں کو دیتے ہیں تو ان کے دلوں میں محبت اور شکر گزاری کے جذبات ابھرتے ہیں۔ اس سے ایک ایسا معاشرتی نظام وجود میں آتا ہے جو اخوت، اتحاد اور باہمی ہمدردی پر قائم ہوتا ہے۔

5۔ **اخلاقی اصلاح اور پاکیزگی:** زکوٰۃ صرف مالی عبادت نہیں بلکہ یہ اخلاقی تطہیر کا بھی ذریعہ ہے۔ یہ مال کو ناجائز میل کچیل سے پاک کرتی ہے اور انسان کے نفس کو بخل، لالچ اور حرص جیسی برائیوں سے بچاتی ہے۔ اس طرح یہ ایک ایسا ماحول پیدا کرتی ہے جہاں مال و دولت عبادت اور خیر کے کاموں کے لیے استعمال ہوتی ہے۔

(ج) مصارفِ زکوٰۃ

1۔ **فقرا:** فقرا وہ لوگ ہیں جو کچھ بھی نہیں رکھتے یا ان کی آمدنی اتنی کم ہے کہ بنیادی ضروریات پوری نہیں ہوتیں۔ ان پر زکوٰۃ خرچ کرنے سے انہیں زندگی کی بنیادی سہولتیں میسر آتی ہیں۔ اس طرح وہ بھوک، افلاس اور محرومی سے بچ کر ایک باعزت زندگی گزار سکتے ہیں۔

2۔**مساکین:** مساکین وہ طبقہ ہے جو فقر و حاجت میں مبتلا ہوتا ہے مگر اپنی حاجت کو ظاہر نہیں کرتا۔ ان پر زکوٰۃ خرچ کرنے سے ان کی پوشیدہ مشکلات دور کی جاتی ہیں۔ یہ عمل نہ صرف ان کے دکھ درد کم کرتا ہے بلکہ انہیں سماج میں سہارا دیتا ہے۔

3۔**عاملین:** عاملین وہ افراد ہیں جو زکوٰۃ جمع کرنے اور اس کی تقسیم کی خدمت انجام دیتے ہیں۔ ان کا حق اس لیے رکھا گیا ہے کہ یہ خدمت پورے نظام زکوٰۃ کو منظم اور شفاف بناتی ہے۔ اس طرح اسلامی ریاست یا ادارہ اس فریضے کو بہتر طور پر سرانجام دیتا ہے۔

4۔**مؤلفۃ القلوب:** یہ وہ افراد ہیں جن کے دل اسلام کی طرف مائل کیے جائیں یا جن کی دلی حمایت امت کے لیے فائدہ مند ہو۔ ان پر خرچ کرنے کا مقصد معاشرتی ہم آہنگی اور اتحاد پیدا کرنا ہے۔ اس سے اسلام کے دائرۂ اثر میں وسعت پیدا ہوتی ہے اور دشمنی کم ہوتی ہے۔

5۔**فی الرقاب:** اس مصرف سے غلاموں اور قیدیوں کو آزادی دلائی جاتی ہے تاکہ وہ سماج کا فعال اور آزاد فرد بن سکیں۔ غلامی کا خاتمہ اسلام کے انسانی وقار کے اصولوں کے عین مطابق ہے۔ زکوٰۃ اس مقصد کو پورا کر کے معاشرتی انصاف کو فروغ دیتی ہے۔

6۔**غارمین:** غارمین وہ لوگ ہیں جو قرض کے بوجھ تلے دبے ہوں اور اسے ادا کرنے کی طاقت نہ رکھتے ہوں۔ زکوٰۃ ان کا قرض اتارنے میں مدد دیتی ہے تاکہ وہ دوبارہ باعزت زندگی گزار سکیں۔ اس سے قرض کی وجہ سے پیدا ہونے والے سماجی و نفسیاتی مسائل بھی کم ہوتے ہیں۔

7۔**فی سبیل اللہ:** اس سے مراد وہ سب جدوجہد ہے جو اللہ کے دین کی سربلندی اور خدمت کے لیے کی جاتی ہے۔ چاہے وہ جہاد ہو یا دیگر دینی، تعلیمی اور فلاحی کام۔ اس مصرف کے ذریعے اسلام کی اجتماعی اور دفاعی ضرورتیں پوری کی جاتی ہیں۔

8۔**ابن السبیل:** ابن السبیل وہ مسافر ہے جو اپنے سفر کے دوران وسائل سے محروم ہو جائے۔ اس پر زکوٰۃ خرچ کرنے کا مقصد اسے مشکلات سے نکال کر منزل تک پہنچانا ہے۔ اس سے نہ صرف فرد کی مدد ہوتی ہے بلکہ اسلامی معاشرت کی ہمدردی اور فیاضی کا پہلو نمایاں ہوتا ہے۔

سوال 5: درج ذیل میں سے تین پر نوٹ لکھیں۔ 1۔اجیر اور آجر 2۔ اسلامی قانون وراثت کی خصوصیات 3۔ امام ابن حزم کے حالات زندگی 4۔ زمین کی تقسیم وملکیت

جواب : **1۔ اجیر اور آجر**

اسلامی شریعت میں اجیر (مزدور/ خادم) اور آجر (مزدور کو ملازم رکھنے والا یا ناظمِ کام) کا رشتہ محض معیشتی تعامل نہیں بلکہ ایک اخلاقی اور سماجی ذمہ داری کے طور پر دیکھا جاتا ہے۔ معاہدۂ اجرت (عقد الاجرۃ) کی بنیاد رضایت باہمی ہے، مگر اس کے ساتھ ساتھ شریعت نے مزدور کے لیے چند بنیادی ضوابط لازم قرار دیے ہیں: اجرت کا معین ہونا یا عام طور پر مروجہ معاوضہ، اجرت کی بروقت ادائیگی (حتی أن النبی ﷺ نے فرمایا: "أَعْطُوا الأَجِيرَ أَجْرَهُ قَبْلَ أَنْ يَجِفَّ عَرَقُهُ")، اور کام کے سلسلے میں انصاف و حفظِ سلامتی کا تقاضا۔ آجر پر یہ واجب ہے کہ وہ مزدور کی محنت کا حق نہ روکے، کام کی شرائط شفاف رکھے اور اگر وسائل اجازت دیں تو مزدور کی قدر اور عزت کا خیال رکھے؛ ورنہ مالی استحصال و تاخیرِ اجرت کو ظلم اور وفاقی/ قضائی مداخلت کے دائرۂ عمل میں سمجھا جائے گا۔ فقہی و تاریخِ معاشیات میں اجرتی معاہدات کی اقسام (مثلاً مزدوری وقتی، عقد المقاولۃ، مشارکہ یا شریکِ مزدوری) اور زرِ مبادلہ/ عہدِ وصولی سے متعلق مسائل تفصیلاً بحث طلب ہیں، اور جدید مزدور قانون سازی میں انہی اصولوں کو شریعت سے ہم آہنگ کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔

2۔ اسلامی قانونِ وراثت کی خصوصیات

اسلامی قانونِ میراث (الفرائض) قرآن و سنت کی روشن ہدایات پر مبنی ایک منضبط، ریاضی نما اور خواہش سے آزاد تقسیمِ مال کا نظام ہے جس کا بنیادی مقصد خاندانی انصاف، سماجی توازن اور معیشت میں استحکام ہے۔ اس قانون کی سب سے نمایاں خصوصیت یہ ہے کہ وارثین کے حصے قرآنی آیات میں مقرر ہیں اور انہیں تبدیل کرنا تخلّی شمار ہوتا ہے؛ اسی لیے فقہی اصول تقسیمِ حصص، عصبات (الانباء/عَصَبَة) اور وارث باقیات (التِبنعط الأضهار وغیرہ) کے اطلاق کو باقاعدہ قواعد میں ڈھالا گیا ہے۔ اس کے علاوہ وصیت (حداکثر ایک تہائی) کو ترکیۂ املاک اور آخری خواہش کے طور پر تسلیم کیا گیا ہے مگر لازمی وارثین کے حقوق کو کم کرنا جائز نہیں؛ جنس کے اعتبار سے مرد و عورت میں تفریق کا ماخذ عموماً مالی ذمہ داریاں اور کفالتِ معاشی کے فرق سے نکالا جاتا ہے۔ اس نظام کا عملی فائدہ یہ ہے کہ دولت چند خانوادوں یا نہروں تک محدود نہ رہے، بلکہ نسبی انصاف کے ذریعے خاندان کے مختلف اراکین تک پھیلتی رہے، یوں معاشی یکطرفہ پن دور اور خاندانی تقسیم میں شفافیت برقرار رہتی ہے۔

3۔امام ابنِ حزم رحمہ اللہ کے حالاتِ زندگی

حضرتِ علی بن احمد بن سعید بن حزم (ابو محمد ابن حزم رحمہ اللہ؛ 384-456ھ/ 994-1064ء) اندلس کے مشہور عالم، فقیہ، محدث، مفسّر اور ادیب تھے جنھوں نے ظاہری مکتبِ فکر کی ترویج وتدوین میں غیر معمولی کردار ادا کیا؛ ان کی پیدائش قرطبہ میں ایک بااثر اور علم دوست خاندان میں ہوئی اور انہوں نے کم عمری سے علومِ شرعیہ، ادب اور تاریخ و منطق میں گہری مہارت حاصل کی۔ سیاسی زبردست اتار چڑھاؤ (خلافتِ امویہ کا زوال اور تاثرِ طائفہ وار تقسیم) ان کی زندگی کا اہم ماخذِ تجربات رہا جس نے انہیں طویل سفر اور جدلیاتی دفاعِ مکتب کی طرف مائل کیا؛ اُن کے علمی مراتب کا اندازہ اس سے ہوتا ہے کہ انہوں نے تقریباً چارسو تصانیف مرتب کیں جن میں ''المحلی'' (فقہ وحدیث کا مجموعہ) اور ''الفصل فی الملل والنحل'' شامل ہیں، اگرچہ وقت کے ساتھ بہت سی تصانیف ضائع ہوگئیں۔ ابنِ حزم کی فقہی روش میں ظاہریت (Zahiri literalism)، دلیلِ نص پر سخت انحصار اور قیاس واجتہاد میں احتیاط واضح ہے؛ اسی وجہ سے وہ مسلمانوں کی فقہی تاریخ میں ایک منفرد، بعض اوقات متنازع، مگر گہرائی میں فکر کرنے والے عالم کے طور پر یاد کیے جاتے ہیں۔

4۔زمین کی تقسیم وملکیت

اسلامی معیشتی فکر میں زمین کو خدا کی دی گئی ایک قیمتی نعمت سمجھا گیا ہے جس پر انسان کا حقِ استعمال واضح مگر مطلق نہیں؛ اصولِ بنیاد یہ ہے کہ ذاتی ملکیت کو تسلیم کیا جاتا ہے مگر اسے ایک امانت اور اجتماعی فلاح کے نقطۂ نظر سے منظم کیا جاتا ہے۔ غربت واستحصال کو روکنے، زراعت کی حوصلہ افزائی اور عوامی مفاد کے تحفظ کے لیے شریعت نے ملکیت کے حصول (قبض، زراعت/اقسامِ احیاء البیتۃ)، منتقلی (بیع، ہبۃ، وصیت)، اور عوامی کنٹرول (خراج/زکوٰۃ برائے زمین، بیت المال کا کردار، بنجر زمین کی صورتِ حال) کے ضابطے قائم کیے؛ تاریخی طور پر مسلم معاشروں میں ریاست یا مقامی انتظامیہ کا کردار غیر آباد زمین کے انتظام اور قابلِ کاشت اراضی کی تقسیم میں نمایاں رہا، نیز اجارہ داری یا زمین کے مسلسل احتکار (احتکار الاراضی) کو سنجیدگی سے روکا جاتا رہا۔ جدید تناظر میں یہ زمین کی نجی ملکیت، ریاستی مداخلت اور بنیادِ انصاف کے درمیان توازن کی راہ ہموار کرتی ہیں: نجی حقوق کی حفاظت کے ساتھ ساتھ معاشرتی توازن اور زرِ نگدان کی منصفانہ تقسیم کو یقینی بنایا جائے۔

حصہ معروضی کل نمبر 28

نوٹ: حصہ معروضی کے تمام سوال لازمی ہیں۔

سوال 6: درج ذیل کے مختصر جواب دیں۔ 10 نمبر

سوال 1: رسول اللہ ﷺ کی معاشی زندگی بیان کریں۔

جواب: رسولِ اکرم ﷺ کی معاشی زندگی صداقت، امانت اور سادگی کا نمونہ تھی: بعثت سے پہلے آپ ﷺ نے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ مضاربہ کی بنیاد پر تجارت کی اور "الصادق الأمین" کی شہرت پائی؛ مدینہ میں آپ ﷺ نے آزاد و منصفانہ منڈی کی سرپرستی کی، احتکار (ذخیرہ اندوزی)، نجش (مصنوعی بولی)، تلقی رکبان اور سود کو ممنوع قرار دیا، قیمتوں میں عمومی سرکاری جبر سے اجتناب کیا مگر اخلاقی ضوابط نافذ کیے؛ بیت المال وغنائم کی تقسیم میں شفاف اصول قائم کیے اور زکوٰۃ وصدقات کے ذریعے دولت کی گردش و رفاہِ عامہ کو مضبوط کیا؛ نجی زندگی میں آپ ﷺ نے تعیش و ذخیرہ سے بچتے ہوئے قناعت اور فوری انفاق کی عملی تربیت دی، جس سے اسلامی معیشت کا اخلاقی ڈھانچہ اور مارکیٹ نظم دونوں واضح ہوئے۔

سوال 2: شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ کے معاشی افکار کن کتابوں میں ہیں؟ نام نوٹ کریں۔

جواب: شاہ ولی اللہ دہلوی رحمہ اللہ کے معاشی افکار بنیادی طور پر حجۃ اللہ البالغہ میں منقح ہیں جہاں معاشرتی حکمت تشریع، حفظِ مال، بازار کے آداب، اور مال کی گردش کے اصول بیان ہوئے؛ اس کے ساتھ البدور البازغہ میں تمدنی، معاشی فلسفہ، تفہیماتِ الٰہیہ میں اصلاحِ معاش اور ریاستی ذمہ داریوں کے اشارات، اور ازالۃ الخفاء میں خلافت ومعاشرت کی تاریخی، نظری توجیہ ملتی ہے۔ ان متون میں قیمت، اجرت، ملکیت، ٹیکس وصدقات، اور فقراء کی کفالت جیسے ابواب ایک مربوط اسلامی معاشی نظریہ کی بنیاد فراہم کرتے ہیں۔

سوال 3: پاکستان کے مالیاتی نظام کا تنقیدی جائزہ پیش کریں۔

جواب: پاکستان کے مالیاتی نظام کا تنقیدی جائزہ یہ بتاتا ہے کہ معیشت پر سود پر مبنی مالی ڈھانچہ غالب ہے، سرکاری قرض وخسارے کے تسلسل نے مالیاتی بالادستی (fiscal dominance) پیدا کر رکھی ہے جس سے شرح سود اور افراطِ زر میں عدمِ استحکام رہتا ہے؛ ٹیکس بیس محدود اور بالواسطہ ٹیکسوں پر انحصار بلند ہے، جس سے عدمِ مساوات بڑھتی ہے؛ مالی شمولیت خصوصاً خواتین اور دیہی آبادی میں کمزور، سرمایہ

الحدیث واصولہ للطلبہ 1445ھ/2024 (ضمنی)

حصہ انشائیہ: کل نمبر 70

نوٹ: حصہ انشائیہ الحدیث سے کوئی سے تین سوال حل کریں۔ ہر سوال کے 14 نمبر ہیں۔

الحدیث

سوال 1: باب وجوب الوفاء ببيعة الخلفاء حَدَّثَنَا جَرِيرٌ عَنِ الأَعْمَشِ عَنْ زَيْدِ بْنِ وَهْبٍ عَنْ عَبْدِ اللهِ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ " إِنَّهَا سَتَكُونُ بَعْدِي أَثَرَةٌ وَأُمُورٌ تُنْكِرُونَهَا ." قَالُوا يَا رَسُولَ اللَّهِ كَيْفَ تَأْمُرُ مَنْ أَدْرَكَ مِنَّا ذَلِكَ قَالَ " تُؤَدُّونَ الْحَقَّ الَّذِي عَلَيْكُمْ وَتَسْأَلُونَ اللَّهَ الَّذِي لَكُمْ

درج بالا باب اور حدیث کا ترجمہ کرتے ہوئے درج ذیل سوالات کے مختصر جوابات تحریر کریں۔

جواب: ترجمہ: باب: خلفاء کی بیعت پوری کرنے کا وجوب۔

حدیث: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "میرے بعد تم پر ایسے حکمران مسلط ہوں گے جو خودغرضی کریں گے اور ایسے امور رونما ہوں گے جنہیں تم ناپسند کرو گے۔" صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: یا رسول اللہ ﷺ! جو شخص اس زمانے کو پائے تو آپ کیا حکم دیتے ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: "جو ذمہ داریاں اور حقوق تم پر لازم ہیں وہ ادا کرو، اور جو تمہارے حقوق ہیں انہیں اللہ سے طلب کرو۔"

سوال 1: دو راویان حدیث کا مختصر تعارف لکھیں۔

جواب: جریر بن عبد الحمید الضبی الکوفی رحمہ اللہ (م 188ھ): یہ مشہور ثقہ راوی ہیں۔ اہل کوفہ کے محدث تھے اور ان سے امام مسلم رحمہ اللہ اور دیگر ائمہ نے روایت کی۔ ان کی روایات کو کتب ستہ نے قبول کیا ہے۔ حافظ ذہبی رحمہ اللہ نے ان کو "الإمام الحافظ" کہا ہے۔

الأعمش، سليمان بن مهران الأسدي رحمہ اللہ (م 148ھ): یہ تابعی بزرگ، مشہور محدث اور قاری تھے۔ ان کی کنیت ابو محمد ہے۔ حافظ حدیث، کثیر الروایۃ اور کثیر التدریس تھے۔ بڑے بڑے ائمہ مثلاً سفیان الثوری اور شعبہ رحمہما اللہ نے ان سے روایت کی۔ ان کی عدالت وثقاہت پر اتفاق ہے۔

سوال :2 حدیث کا کتاب الامارہ سے تعلق واضح کریں۔

جواب : کتاب الامارۃ میں خلافت، بیعت، اطاعتِ حکام اور امت کی اجتماعی قیادت کے مسائل جمع کیے گئے ہیں۔ اس حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے آئندہ کے حکمرانوں کے ظلم و ناانصافی کی خبر دی اور امت کو یہ نصیحت کی کہ ان حالات میں بھی بیعت کو توڑنے اور نظام کو درہم برہم کرنے کے بجائے اپنی ذمہ داریاں ادا کرتے رہیں اور اپنے حقوق اللہ سے طلب کریں۔ یہ براہِ راست کتاب الامارۃ کے مقاصد سے متعلق ہے، یعنی مسلمانوں کو حکمرانوں کے ساتھ تعلقات اور اطاعت کے اصول بتانا۔

سوال :3 حاکم وقت کے خلاف کب بغاوت جائز ہے اور کب نہیں؟

جواب : اگر حاکم ظالم، گناہگار یا خودغرض ہو لیکن نماز قائم کرتا ہو اور کفر صریح نہ کرتا ہو تو اس کے خلاف بغاوت جائز نہیں، کیونکہ اس سے بڑا فتنہ، انتشار اور خونریزی پیدا ہوتی ہے۔ لیکن اگر حاکم کفر صریح کا ارتکاب کرے، دین کے بنیادی احکام کو معطل کرے یا امت کے اجماع سے کھلے عام انحراف کرے تو اس کے خلاف خروج جائز بلکہ کبھی لازم بھی ہو جاتا ہے، جیسا کہ بخاری و مسلم کی حدیث میں ہے: "إلا أن تروا كفراً بواحاً عندكم من الله فيه برهان" یعنی "جب تک تم اپنے حاکم میں کھلا کفر نہ دیکھو جس پر اللہ کی طرف سے واضح دلیل موجود ہو۔"

سوال :4 فتنوں کے دور میں حکام اور عوام کو کیسے نصیحت کی جائے؟

جواب : فتنوں کے دور میں حکمرانوں اور عوام کو نرم روی اور حکمت سے نصیحت کرنا ضروری ہے۔

حکام کو نصیحت: علیحدگی میں، حکمت و نرمی کے ساتھ تاکہ ان کی عزت محفوظ رہے اور وہ نصیحت قبول کرنے پر آمادہ ہوں۔

عوام کو نصیحت: صبر، اتحاد، دین پر ثابت قدمی، اور حکمرانوں کے خلاف شورش و فتنہ سے بچنے کی تلقین کی جائے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہ کا معمول یہی تھا کہ امراء کو کھلے عام ذلیل کرنے کے بجائے خفیہ طور پر نصیحت کرتے اور عوام کو فتنہ سے بچاتے۔

سوال :5 صحیح مسلم میں امام مسلم رحمہ اللہ کے اسالیب و منہج میں سے تین نوٹ کریں۔

جواب : 1۔ سند و متن میں سخت اہتمام: امام مسلم رحمہ اللہ اس بات کا خیال رکھتے ہیں کہ سند میں تسلسل ہو اور راوی ثقہ و عادل ہوں۔ وہ روایت کی علت اور شذوذ کو بڑی باریکی سے پرکھتے ہیں۔ 2۔ احادیث کی ترتیب اور تکرار کا انداز: امام مسلم رحمہ اللہ نے ہر حدیث کو اصل سند کے ساتھ ذکر کیا اور پھر متابعات و شواہد کو

الگ بیان کیا تا کہ ایک ہی مضمون کی مختلف اسانید سامنے آئیں۔3۔ابواب وتراجم میں فقہی اشارات: امام مسلم رحمہ اللہ نے تراجم میں زیادہ تبصرہ نہیں کیا بلکہ محدثانہ انداز اپنایا، تاہم ابواب کی ترتیب فقہی مسائل پر روشنی ڈالتی ہے، مثلاً امارت، قضا، ایمان، طہارت وغیرہ۔

سوال :2 مندرجہ ذیل احادیث کا ترجمہ کریں اعراب لگائیں اور ہر ایک سے دو دو فقہی مسائل کا استنباط کریں۔

(1)إِذَا اسْتَيْقَظَ أَحَدُكُمْ مِنْ نَوْمِهِ فَلاَ يَغْمِسْ يَدَهُ فِي الإِنَاءِ حَتَّى يَغْسِلَهَا ثَلاثًا فَإِنَّهُ لاَ يَدْرِي أَيْنَ بَاتَتْ يَدُهُ

جواب : ترجمہ: ''جب تم میں سے کوئی نیند سے بیدار ہوتو وہ اپنا ہاتھ برتن میں نہ ڈالے یہاں تک کہ اسے تین مرتبہ دھو لے، کیونکہ وہ نہیں جانتا اس کا ہاتھ رات کہاں رہا۔''

فقہی مسائل: 1۔ برتن میں ہاتھ ڈالنے سے پہلے ہاتھ دھونا مستحب بلکہ احتیاطاً واجب ہے تاکہ پانی ناپاک نہ ہو۔2۔ نیند کے بعد اعضا کے پاک یا ناپاک ہونے میں شک ہوتو غسل یا دھونے کا حکم دیا گیا، یہ اصولی قاعدہ ہے۔

(2)عن هِنْدِ بِنْتِ عُتْبَةَ امْرَأَةِ أَبِي سُفْيَانَ عَلَى رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ فَقَالَتْ يَا رَسُولَ اللّٰه إِنَّ أَبَا سُفْيَانَ رَجُلٌ شَحِيحٌ لاَ يُعْطِينِي مِنَ النَّفَقَةِ مَا يَكْفِينِي وَيَكْفِي بَنِيَّ إِلاَّ مَا أَخَذْتُ مِنْ مَالِهِ بِغَيْرِ عِلْمِهِ.فَهَلْ عَلَيَّ فِي ذَلِكَ مِنْ جُنَاحٍ فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ "خُذِي مِنْ مَالِهِ بِالْمَعْرُوفِ مَا يَكْفِيكِ وَيَكْفِي بَنِيكِ

ترجمہ: ''ہند بنت عتبہ رضی اللہ عنہا، جو ابوسفیان رضی اللہ عنہ کی بیوی تھیں، رسول اللہ ﷺ کے پاس آئیں اور کہا: یا رسول اللہ ﷺ! ابوسفیان ایک بخیل آدمی ہیں، وہ مجھے اتنا خرچ نہیں دیتے جو مجھے اور میرے بچوں کے لیے کافی ہو، البتہ میں ان کے مال سے بغیر ان کی اجازت کے لے لیتی ہوں۔ کیا اس پر میرے لیے کوئی گناہ ہے؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تم ان کے مال سے بقدرِ معروف اتنا لے سکتی ہو جو تمہیں اور تمہارے بچوں کے لیے کافی ہو۔''

فقہی مسائل: 1۔شوہر پر بیوی اور بچوں کی کفالت واجب ہے، اگر وہ نہ کرے تو بیوی ضرورت کے بقدر لے سکتی ہے۔2۔ بیوی کو اجازت ہے کہ شوہر کی بخل یا کوتاہی کی صورت میں مناسب خرچ خود لے، یہ خیانت شمار نہیں ہوگا۔

(3)يُؤْتَى بِالرَّجُلِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فَيُلْقَى فِي النَّارِ فَتَنْدَلِقُ أَقْتَابُ بَطْنِهِ فَيَدُورُ بِهَا كَمَا يَدُورُ الْحِمَارُ بِالرَّحَى فَيَجْتَمِعُ إِلَيْهِ أَهْلُ النَّارِ فَيَقُولُونَ يَا فُلَانُ مَا لَكَ أَلَمْ تَكُنْ تَأْمُرُ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَى عَنِ الْمُنْكَرِ فَيَقُولُ بَلَى قَدْ كُنْتُ آمُرُ بِالْمَعْرُوفِ وَلَا آتِيهِ وَأَنْهَى عَنِ الْمُنْكَرِ وَآتِيهِ

ترجمہ: ''قیامت کے دن ایک آدمی کو لایا جائے گا اور آگ میں ڈال دیا جائے گا، تو اس کی آنتیں باہر نکل آئیں گی اور وہ ان کے ساتھ یوں گھومے گا جیسے گدھا چکی کے گرد گھومتا ہے۔ دوزخ والے اس کے پاس جمع ہوں گے اور کہیں گے: اے فلاں! تمہیں کیا ہوا؟ کیا تم نیکی کا حکم نہیں دیتے اور برائی سے منع نہیں کرتے تھے؟ وہ کہے گا: ہاں، میں نیکی کا حکم دیتا تھا مگر خود نہیں کرتا تھا، اور برائی سے روکتا تھا لیکن خود اسے کرتا تھا۔''

فقہی مسائل: 1۔قول اور عمل میں تضاد سخت عذاب کا باعث ہے، اس لیے داعی کو سب سے پہلے خود عمل کرنا چاہیے۔ 2۔امر بالمعروف و نہی عن المنکر واجب ہے لیکن اس کے لیے داعی کا عمل میں ثابت قدم ہونا ضروری ہے ورنہ وعظ بے اثر رہتا ہے۔

سوال :3 درج ذیل عبارت کا ترجمہ وتشریح کریں نیز امام مالک رحمہ اللہ کا نام ونسب، ان کے دو مشائخ و تلامذہ اور موطا کی دو شروحات کے نام لکھیں۔

قال مالك مضت السنة في القضاء باليمين مع الشاهد الواحد يحلف صاحب الحق مع شاهده ويستحق حقه فإن نكل وأبى ان يحلف احلف المطلوب فإن حلف سقط عنه ذلك الحق وإن أبى ان يحلف ثبت عليه الحق لصاحبه

جواب **:ترجمہ:** امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: ''سنت چلی آ رہی ہے کہ قاضی ایک گواہ کے ساتھ قسم کو بھی شامل کرتا ہے۔ اس طرح صاحبِ حق اپنے گواہ کے ساتھ قسم کھاتا ہے اور اپنا حق وصول کر لیتا ہے۔ اگر وہ قسم کھانے سے انکار کر دے اور حلف اٹھانے سے رُک جائے تو پھر مدعا علیہ (جس پر دعویٰ کیا گیا ہے) سے قسم لی جاتی ہے۔ اگر وہ قسم کھالے تو اس پر سے حق ساقط ہو جاتا ہے، اور اگر وہ قسم کھانے سے انکار کر دے تو وہ حق مدعی کے لیے ثابت ہو جاتا ہے۔''

تشریح: اس عبارت میں امام مالک رحمہ اللہ نے عدالتی فیصلے کے ایک اصول کو بیان کیا ہے۔ اصول یہ ہے کہ صرف ایک گواہ کی بنیاد پر فیصلہ کافی نہیں، بلکہ ایک گواہ کے ساتھ مدعی کو قسم بھی کھانی ہوگی۔ اگر مدعی

قسم کھالیتا ہے تو اسے حق مل جاتا ہے۔ اگر وہ قسم کھانے سے انکار کردے تو مدعا علیہ سے قسم لی جاتی ہے۔ اگر مدعا علیہ قسم کھالے تو دعویٰ اس سے ساقط ہو جائے گا، اور اگر وہ بھی قسم نہ کھائے تو مدعی کا حق ثابت ہو جائے گا۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ امام مالک رحمہ اللہ کے نزدیک عدالتی فیصلہ صرف گواہ کے ساتھ نہیں بلکہ گواہ+قسم کی بنیاد پر کیا جاسکتا ہے۔

امام مالک کا تعارف: نام ونسب: امام مالک بن انس بن مالک بن أبی عامر الأصبحی رحمہ اللہ، امام دار الہجرۃ، (93ھ 179ھ)۔ آپ مدینہ منورہ میں پیدا ہوئے اور وہیں وفات پائی۔

دو مشائخ: امام نافع مولیٰ ابن عمر رضی اللہ عنہ، امام ابن شہاب الزہری رحمہ اللہ۔ دو تلامذہ: امام محمد بن ادریس الشافعی رحمہ اللہ، امام عبدالرحمن بن قاسم رحمہ اللہ۔

الموطا کی دو مشہور شروحات: 1۔ التوضیح از خطیب الشربینی وغیرہ کی شروح میں سے، 2۔ المنتقی شرح الموطأ از ابو الولید الباجی۔

سوال :4 درج ذیل کی تعریف کریں اور شرعی حکم واضح کریں۔ (1)بیع السلف (2)بیع العرایا (3)بیع العینہ (4)بیع المحاقلہ والمزابنۃ

جواب 1۔ بیع السَّلَف (بیع السَّلَم): تعریف: کسی معلوم چیز کو (جو بعد میں فراہم کی جائے) قیمت کی پیشگی ادائیگی کے ساتھ بیچنا۔ مثلاً: کسان کو ابھی قیمت دے دی جائے اور فصل پکنے کے بعد طے شدہ مقدار دے۔

شرعی حکم: یہ جائز ہے، بشرطیکہ چیز کی مقدار، صفت، میعاد اور مقامِ تحویل واضح ہو۔ اس کی جواز پر قرآن (البقرۃ: 282) اور متعدد احادیث دلیل ہیں۔

2۔ بیع العَرایا: تعریف: کھجور کے درخت پر لگی ہوئی کھجور کو محتاج کو اجازت دینا کہ وہ توڑ کر کھا سکے یا اسے خشک کھجور (تمر) کے عوض میں بیچ دینا، تاکہ وہ اپنے کھانے کے لیے استعمال کر سکے۔

شرعی حکم: یہ عام طور پر ممنوع بیع (یعنی پھل کو درخت پر بیچنا) سے استثنا ہے، اور حدیث میں اس کی اجازت ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے پانچ وسق یا اس سے کم کی حد تک بیع العرایا کو جائز قرار دیا۔

3۔ بیع العِینَہ تعریف: کسی چیز کو کسی شخص کے ہاتھ نقد کم قیمت پر بیچنا اور پھر اسی چیز کو ادھار زیادہ قیمت پر اسی سے خرید لینا۔ اس میں حقیقت میں سود کا حیلہ ہوتا ہے۔

شرعی حکم: یہ ناجائز اور حرام ہے کیونکہ یہ سودی معاملہ ہے، اگرچہ بظاہر خرید وفروخت کی شکل ہو۔

4۔ بيع المُحَاقَلَة وَالمُزَابَنَة: بیع المحاقلہ: کھیت میں کھڑی فصل کو اناج کے عوض بیچنا۔
بیع المزابنۃ: درخت پر لگی ہوئی کھجور کو خشک کھجور کے عوض بیچنا۔
شرعی حکم: یہ دونوں بیوع ممنوع اور ناجائز ہیں، کیونکہ ان میں غرر اور ربا کا پہلو ہے۔ نبی ﷺ نے ان سے منع فرمایا۔

اصول الحدیث

نوٹ: حصہ انشائیہ اصول الحدیث سے کوئی سے دو سوال حل کریں۔ ہر سوال کے 14 نمبر ہیں۔

سوال :5 درج ذیل فقرات کی مکمل وضاحت کریں۔

(1)الغريب: وهو ما يتفرَّد بروايته شخصٌ واحد في أيِّ موضعٍ وَقَعَ التفردُ به من السند. (2)وبكثرة طُرُقِهِ يُصَحَّحُ، وإنما نحكم له بالصحة عند تعدد الطرق۔(3) أو إن كانت المخالفة بتغيير حرْفٍ، أو حروفٍ، مع بقاءِ صورة الخط في السياق: فإنْ كان ذلك بالنسبة إلى النَقْطِ فَالمُصَحَّفُ وإن كان بالنسبة إلى الشكل فالمُحَرَّفُ.

الغريب: وهو ما يتفرَّد بروايته شخصٌ واحد في أيِّ موضعٍ وَقَعَ التفردُ به من السند.

جواب :**ترجمہ:** الغریب وہ حدیث ہے جس کو روایت کرنے میں کسی ایک راوی نے تنہا روایت کی ہو، اور یہ تنہا ہونا سند کے کسی بھی حصے میں واقع ہو سکتا ہے۔

وضاحت: حدیث غریب اس روایت کو کہا جاتا ہے جس کی سند میں کسی جگہ ایک ہی راوی رہ جائے اور وہ روایت اس کے علاوہ کسی اور سے منقول نہ ہو۔ یہ تنہائی شروع سند میں بھی ہو سکتی ہے اور آخر میں بھی۔ اس قسم کی روایت کو محدثین خاص اہتمام سے پرکھتے ہیں، کیونکہ تنہا راوی کی ذمہ داری زیادہ بڑھ جاتی ہے۔

وبكثرة طُرُقِهِ يُصَحَّحُ، وإنما نحكم له بالصحة عند تعدد الطرق۔

ترجمہ: جب کسی روایت کے بہت سے طرق (سندیں) ہوں تو وہ صحیح قرار دی جاتی ہے، اور ہم اسی وقت اس کو صحیح قرار دیتے ہیں جب متعدد سندوں سے وہ روایت ثابت ہو۔

وضاحت: اگر ایک حدیث مختلف سندوں کے ساتھ مروی ہو تو اس کی قوت بڑھ جاتی ہے اور اس کے صحیح

ہونے کا امکان زیادہ ہو جاتا ہے۔ محدثین کہتے ہیں کہ اگرچہ ایک راوی کی سند میں کچھ کمزوری ہو، لیکن جب کئی دوسرے طرق اس کو تقویت دیتے ہیں تو مجموعی طور پر وہ روایت "صحیح لغیرہ" شمار ہو سکتی ہے۔

أو إن كانت المخالفة بتغيير حرْفٍ، أو حروفٍ، مع بقاءِ صورة الخط في السياق: فإنْ كان ذلك بالنسبة إلى النَقْطِ فَالمُصَحَّفُ وإن كان بالنسبة إلى الشكل فالمُحَرَّفُ.

ترجمہ: اگر کسی روایت میں اختلاف اس طرح ہو کہ ایک حرف یا کئی حروف بدل جائیں لیکن تحریر کی ظاہری صورت سیاق میں برقرار رہے، تو اگر یہ اختلاف نقطوں کی وجہ سے ہو تو اسے "مُصحَّف" کہا جائے گا، اور اگر یہ اختلاف اعراب (شکل) کی وجہ سے ہو تو اسے "مُحرَّف" کہا جائے گا۔

وضاحت: محدثین کے نزدیک "تصحیف" اور "تحریف" دونوں علمی اغلاط ہیں۔ تصحیف اس وقت ہوتا ہے جب ایک لفظ کے نقطے بدلنے سے نیا لفظ بن جائے، جیسے "زید" کو "رید" پڑھ لینا۔ جبکہ تحریف اس وقت ہوتا ہے جب لفظ کے اعراب یا حرکت بدل جائیں، مثلاً "ضَرَبَ" کو "ضُرِبَ" پڑھ لینا۔ یہ دونوں قسم کی تبدیلیاں روایت کے اصل مفہوم کو بدل دیتی ہیں، اس لیے ان سے اجتناب ضروری ہے۔

سوال 6: درج ذیل کی تعریفات کرنے کے بعد ان کا باہمی فرق واضح کریں۔ (1) مدلس اور مرسل خفی (2) شاذ اور منکر

جواب: مدلس: تعریف: مدلس وہ راوی ہے جو سند یا شیخ کو چھپا کر روایت کرے تاکہ روایت زیادہ قوی یا معتبر نظر آئے۔ تدلیس کی دو مشہور اقسام ہیں:

تدلیس الاسناد: جب راوی اپنے استاد سے ملاقات رکھتا ہو لیکن روایت بیان کرتے وقت "عن" وغیرہ کہہ کر یہ ظاہر کرے کہ اس نے براہِ راست سنا ہے، حالانکہ حقیقت میں نہ سنا ہو۔

تدلیس الشیوخ: جب راوی اپنے استاد کا غیر معروف لقب یا کنیت استعمال کرے تاکہ اس کی حقیقت پوشیدہ رہے۔

مرسل خفی: تعریف: مرسل خفی وہ روایت ہے جس میں راوی اپنے ہم عصر سے "عن" وغیرہ کہہ کر روایت کرے، لیکن حقیقت میں اس سے ملاقات نہ ہوئی ہو اور اس نے اس سے براہِ راست سماع نہ کیا ہو۔ یعنی سند میں انقطاع ہو لیکن ظاہر نہ ہو رہا ہو۔

مدلس اور مرسل خفی میں فرق:

مدلس: راوی نے اپنے استاد سے روایت سنی ہوتی ہے، لیکن بیان کرنے میں دھوکہ دیتا ہے (مثلاً "عن" کہہ دیتا ہے بجائے "سمعت" کے)۔

مرسل خفی: راوی نے اپنے معاصر سے بالکل روایت نہیں سنی ہوتی، لیکن ملاقات کے امکان کی وجہ سے یہ دھوکہ پیدا ہوتا ہے کہ شاید روایت سنی ہو۔

یوں مدلس میں اصل روایت موجود ہے مگر انداز بیان مشکوک ہے، جبکہ مرسل خفی میں اصل سماع ہی نہیں ہوتا۔

شاذ: تعریف: شاذ وہ روایت ہے جسے کوئی ثقہ راوی بیان کرے لیکن وہ زیادہ معتبر یا زیادہ ثقہ راویوں کے خلاف ہو۔ یعنی ثقہ کی روایت کا زیادہ مضبوط ثقہ کی روایت سے اختلاف کرنا۔

منکر: تعریف: منکر وہ روایت ہے جو کسی ضعیف یا غیر معتبر راوی کی ہو اور وہ معتبر یا ثقہ راویوں کی مخالفت کر رہا ہو۔

شاذ اور منکر میں فرق:

شاذ: روایت کرنے والا ثقہ ہوتا ہے لیکن اس کی روایت زیادہ ثقہ یا معتبر جماعت کے خلاف ہو۔

منکر: روایت کرنے والا ضعیف ہوتا ہے اور اس کی روایت ثقہ و معتبر روایات کے خلاف ہو۔

گویا شذوذ ثقہ راوی کی خطا ہے، جبکہ نکران ضعیف راوی کی کمزوری کی وجہ سے پیدا ہوتا ہے۔

سوال 7: اصطلاحات کی تعریف کریں۔ (1) السابق واللاحق (2) المسلسل (3) العرض (4) المتشابہ

جواب **السابق واللاحق:** السابق واللاحق سے مراد وہ دو راوی ہیں جو ایک ہی شیخ سے روایت کرتے ہوں مگر زمانۂ سماع یا ملاقات میں ان دونوں میں فرق واضح ہو۔ "السابق" وہ ہے جس نے پہلے (بڑھاپے / پہلے وقت میں) شیخ سے روایت کی، "اللاحق" وہ ہے جس نے بعد میں یا بعد کے وقت میں اسی شیخ سے روایت نقل کی۔

وضاحت و اہم نکات: تشخیص: محدثین سابق و لاحق کو یہ دیکھ کر تمیز کرتے ہیں کہ کون سی روایات پہلے ریکارڈ ہوئیں، کون کس وقت زندہ تھے، اور کون سی سماع ممکن تھی۔ تاریخِ ولادت و وفات، وقائعِ ملاقات اور کتبِ تراجم استعمال ہوتی ہیں۔ علمی فائدہ: اگر لاحق دعویٰ کرے کہ اس نے شیخ سے براہِ راست سنا مگر معلوم ہو کہ اس وقت شیخ فوت ہو چکا تھا یا ملاقات ممکن نہ تھی، تو اس کی روایت مشکوک یا

مرسل/مدلس قرار پائے گی۔ برعکس، سابق کی روایت کو عموماً زیادہ وزن دیا جاتا ہے بشرطیکہ اس کی عدالت وضبط ثابت ہو۔ عملی مثال: اگر امامِ مدینہ کے شاگردوں میں سے ایک نے ایک واقعہ بچپن میں سنا اور دوسرا اسی استاد سے پچاس سال بعد روایت کرے تو سابق کی سماع براہِ راست ماننے میں آسانی ہوتی ہے؛ لاحق کی روایت میں کثرت الجدل ہوسکتی ہے۔

المسلسل: المسلسل وہ روایت ہے جس کے ہر راوی میں ایک مخصوص صفت، قول، فعل یا عبارت مسلسل طور پر مشترک ہو؛ یعنی سند میں ہر راوی وہی لفظ، وہی جملہ یا وہی خاص وصف متواتر طور پر شامل کرتا آتا ہے۔ اس کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ ساری اسناد میں ایک ہی مزہبی/لفظی یا فعلی خصوصیت بار بار ملے۔

اقسامِ المسلسل (عام طور پر قابلِ ذکر):

مسلسل بالقَوْل: ہر راوی جملہ یا الفاظِ مخصوص یکساں نقل کرے۔

مسلسل بالفعل: ہر راوی ایک مخصوص عمل بیان کرے (مثلاً ہر راوی کہے کہ اس نے استاد کو خاص عمل کرتے دیکھا)۔

مسلسل بالصِفَة: ہر راوی استاد کو ایک مخصوص وصف کے ساتھ ذکر کرے (جیسے "وكان يقول بلهجة معينة:")۔

مسلسل بالاسم/الكنية: ہر راوی استاد کے نام یا لقب کو مخصوص انداز میں ذکر کرے۔

اهمیات و احتیاط:

الاشتباہ و الشک: مسلسلِ لفظی اکثر محدثین کے لیے مشکوک ہوتا ہے کیونکہ یکساں اضافہ یا عبارت ممکنہ طور پر بعدی ترکیب یا وضع کا ثبوت بن سکتی ہے۔

قبول و رد: بعض اوقات مسلسل کے اسلوب سے روایت کی زبانی روایت کے مخصوص رواج یا مرتبے کا پتہ چلتا ہے؛ مگر جب یہ تکرار غیر فطری یا غیر متوقع ہو تو اسے ضعف یا وضع کا سبب سمجھا جاتا ہے۔ اگر متعدد بیرونی شواہد اس کو تقویت دیں تو قبول بھی ہوسکتی ہے۔

فرقِ المسلسل و المتصل: المتصل (سلسلۂ اتصال) کا مطلب صرف سند کا منقطع نہ ہونا ہے؛ جب کہ المسلسل مخصوص صفت کی مسلسل تکرار کا معاملہ ہے دونوں الگ اصطلاحات ہیں۔

(3) العرض

العرض سے مراد وہ صورتِ سماع یا امتحانِ متن ہے جب سٹوڈنٹ یا راوی کتاب، نسخہ یا متن استاد کے

سامنے پڑھتا ہے اور استاد اس کی تصحیح اور اجازت (إجازة/إذن) دیتا ہے۔ اسے "قراءة العرض" یا "عرض المصنف" بھی کہا جاتا ہے۔

وظیفہ، اقسام اور اثر:

طریقۂ عمل: شاگرد اپنے پاس موجود نسخہ یا لکھا ہوا متن استاد کے سامنے پڑھ کر پیش کرتا ہے؛ استاد اگر اسے درست پائے تو سے اجازت دے دیتا ہے یا "صحته" کہہ کر مطابقت تسلیم کرتا ہے۔ یہی "عرض" سند کو مضبوط کرتا ہے۔

فرقِ العرض والسماع: سماع عام طور پر وہ ہے جب شاگرد براہِ راست استاد سے سنے؛ عرض میں شاگرد نص کو استاد کے سامنے پڑھ کر استاد کے اقرار سے روایت ثابت ہوتی ہے۔ دونوں صورتوں کو محدثین معتبر سماع کے طور پر لیتے ہیں بشرطیکہ اقرار واقعی ہو۔

علمی اثر: عرض موجود ہو تو روایت کی سند مضبوط سمجھی جاتی ہے کیونکہ استاد نے تحریر یا قراءت کی تصحیح کی؛ البتہ اگر استاد نے صرف خاموشی اختیار کی یا اقرار بالعودۃ نہ کیا تو قوت کم رہتی ہے۔

عملی نقطہ: کتبِ تراجم اور نسخوں میں "عن فلان عرض" یا "عرضت على فلان نصححه" جیسے تراجم ملتے ہیں جن سے روایت کی تصدیق ثابت ہوتی ہے۔

(4) المتشابه:

المتشابہ اصطلاح دو بڑے معنوں میں آتی ہے: 1) متشابہ المتون (متونِ احادیث یا آیات جو الفاظ یا مفہوم میں ایک دوسرے سے ملتے جلتے ہوں)، اور 2) متشابہ الأسماء/الاسناد (راویوں، کنیتوں یا اسناد کے الفاظ میں شباہت جو امتیاز میں رکاوٹ بنے)۔

تفصیل وحلِ اختلاف:

متشابہ المتون: بعض روایات یا آیات آپس میں لفظاً یا مفہوماً ملتی جلتی ہوں تو محدث ومفسر کو فرق تلاش کرنا پڑتا ہے سیاق وسباق، سببِ نزول/حدوث، اور احادیثِ مرادف کا موازنہ کر کے فرق واضح کیا جاتا ہے۔

متشابہ الاسما (تشابه الأسماء): راویوں کے ناموں میں قرابت یا مماثلت (مثلاً: محمد بن عمرو بہت سے صحابہ/تابعین کے نام میں موجود ہوں) تو تشخیص کے لیے تراجم (الرجال)، کنیت، نسب، تواریخِ ولادت ووفات، مکانِ حدیث اور قرائن استعمال کیے جاتے ہیں۔

حصہ معروضی کل نمبر 30

نوٹ: حصہ معروضی کے تمام سوال لازمی ہیں۔

الحدیث

سوال:8 درج ذیل کے مختصر جواب دیں۔ 10 نمبر

سوال:1 صحیح مسلم کا اہم ترین امتیازی پہلو تحریر کریں۔

جواب: صحیح مسلم کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ اس میں احادیث کی اسناد میں اعلیٰ درجہ کی صحت اور ترتیب وتبویب میں غیر معمولی حسن ہے۔

سوال:2 موطا امام مالک کے مشہور ترین راوی کا نام لکھیں۔

جواب: امام محمد بن حسن الشیبانی اور یحییٰ بن یحییٰ المصمودی رحمہما اللہ مشہور راوی ہیں، ان میں سب سے زیادہ مشہور یحییٰ بن یحییٰ المصمودی رحمہ اللہ ہیں۔

سوال:3 "فلما وقعت الفتنة قالوا سموا لنا رجالكم" ترجمہ کر کے فتنہ کی وضاحت کریں۔

جواب: ترجمہ: ''پھر جب فتنہ ظاہر ہوا تو انہوں نے کہا: اپنے راویوں کے نام ہمیں بتاؤ۔''

وضاحت: فتنہ سے مراد دین میں اختلافات اور بدعات کا ظاہر ہونا ہے، تاکہ صحیح العقیدہ اور ثقہ راوی کی پہچان ہو سکے۔

سوال:4 سفر سے واپسی پر مسافر کے لیے کیا مستحب ہے؟

جواب: مسافر کے لیے مستحب ہے کہ سب سے پہلے مسجد جائے اور دو رکعت نفل ادا کرے۔

سوال:5 تحسین کفن سے کیا مراد ہے؟

جواب: تحسین کفن سے مراد یہ ہے کہ کفن پاکیزہ، سفید اور بہتر کپڑے کا ہو تاکہ میت کی تکریم ہو۔

سوال:9 درج ذیل میں سے صحیح پر (✓) اور غلط پر (✗) کا نشان لگائیں۔ 10 نمبر

1۔ منیحہ سے مراد درخت کا پھل صدقہ اور ہبہ کرنا ہے۔ (✓)

2۔ صوم شک سے مراد نو محرم کا روزہ ہے۔ (✗)

3۔ حالت احرام میں آنکھوں میں دوائی کے قطرے ڈالنا منع ہے۔ (✗)

4۔ غیلہ یعنی دودھ پلاتی عورت سے مجامعت کرنا جائز نہیں ہے۔ (✗)

5۔ متعلقہ بائنہ کبریٰ کے لیے نان اور نفقہ نہیں ہے۔ (✓)

6۔نفی حمل کی صورت میں زوجین کے درمیان لعان ہوگا۔ (✗)

7۔حدیث ہجرت کو "حدیث الرحل" بھی کہا جاتا ہے۔ (✓)

8۔قرب قیامت دریائے نیل سے سونے کا پہاڑ نمودار ہوگا۔ (✗)

9۔نردشیر (چوسر) کی ٹیم کو خنزیر کے گوشت اور خون میں ہاتھ مارنے سے تشبیہ دی گئی ہے۔ (✓)

10۔امارت کی طلب وحرص کرنا جائز ہے۔ (✗)

اصول الحدیث

سوال:10 درج ذیل سوالات کے مختصر جواب دیں۔ 5 نمبر

سوال:1 حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے نخبۃ الفکر کی کون سی شرح لکھی ہے۔

جواب:نخبۃ الفکر کی شرح نزهة النظر في توضيح نخبة الفكر لکھی۔

سوال:2 مراتب جرح میں سے "اسوء الجرح" مرتبہ کون سا ہے؟

جواب:"کذب" اور "وضع الحدیث" سب سے بدترین جرح ہے۔

سوال:3 طبقات کی معرفت کے لیے کن کن امور کی معرفت ضروری ہے؟

جواب:وفیات، موالید اور لقاء (ملاقات) کے حالات کی معرفت ضروری ہے۔

سوال:4 "عنعنة المدلس" کے قبول ہونے کی شرط کیا ہے؟

جواب:یہ کہ مدلس اپنی روایت میں صراحت بالسماع کرے، مثلاً کہے: "حدثنا" یا "سمعت"۔

سوال:5 علو مطلق سے کیا مراد ہے؟

جواب:علو مطلق سے مراد یہ ہے کہ کسی خاص شیخ کے واسطے کو نظرانداز کرتے ہوئے سند کا رسول اللہ ﷺ سے قریب اور مختصر ہونا۔

سوال:11 درج ذیل میں سے صحیح پر (✓) اور غلط پر (✗) کا نشان لگائیں۔ 5 نمبر

1۔بدعت کی چار قسمیں ہیں۔ (✗)

2۔حدیث کے طرق اور شواہد کو تلاش کر کے پرکھنے کا نام "الشاہد" ہے۔ (✗)

3۔شاذ کے مقابلہ میں محفوظ اور منکر کے مقابلہ میں معروف ہوتی ہے۔ (✓)

4۔ابو علی جبائی رحمہ اللہ کے ہاں صحت حدیث کے لیے تواتر شرط ہے۔ (✗)

5۔کتاب السابق واللاحق کے مولف کا نام احمد بن علی خطیب البغدادی رحمہ اللہ ہے۔ (✓)

الفقہ واصولہ 1445ھ/2024 (ضمنی)

حصہ انشائیہ: کل نمبر 70

نوٹ: حصہ انشائیہ الفقہ سے کوئی سے تین سوال حل کریں۔ ہر سوال کے 14 نمبر ہیں۔

الفقہ

سوال 1: نکاح تفویض کسے کہتے ہیں؟ نیز اگر تفویض کے بعد عورت حق مہر کا مطالبہ کرے تو حق مہر کتنا ہوگا علماء کے اقوال ادلہ اور راجح قول تحریر کریں۔

جواب: نکاح تفویض کی حقیقت: نکاحِ تفویض اس نکاح کو کہا جاتا ہے جس میں عقد کے وقت مہر کا ذکر نہ کیا جائے۔ قرآن میں اس کا جواز موجود ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

''تم پر کوئی گناہ نہیں اگر تم عورتوں کو طلاق دے دو جب کہ ابھی تم نے ان کو چھوا نہ ہو یا ان کے لیے کوئی مہر مقرر نہ کیا ہو'' (البقرۃ: 236)۔

اس آیت سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ اگر مہر طے کیے بغیر نکاح ہو جائے تو بھی نکاح درست ہے۔

پہلا اختلاف: عورت کے مطالبہ مہر پر حکم

اگر نکاح کے بعد عورت یہ کہے کہ میرے لیے مہر مقرر کیا جائے، تو فقہاء کے درمیان اختلاف ہے۔

ایک گروہ کا کہنا ہے کہ عورت کے مطالبے پر مہر المثل (یعنی خاندان اور برادری کی عورتوں جیسا مہر) طے کیا جائے گا، اور شوہر کو اس میں اختیار نہیں ہوگا۔ اگر اس کے بعد طلاق ہو جائے تو بعض کہتے ہیں کہ عورت کو نصف مہر ملے گا اور بعض کہتے ہیں کہ اسے کچھ نہیں ملے گا، کیونکہ نکاح کے وقت مہر داخل ہی نہیں تھا۔ یہ رائے امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ اور ان کے اصحاب کی ہے۔

دوسری طرف امام مالک رحمہ اللہ اور ان کے ساتھی کہتے ہیں کہ شوہر کے پاس تین راستے ہیں: یا تو وہ عورت کو طلاق دے دے اور مہر مقرر نہ کرے، یا عورت کی خواہش کے مطابق مہر مقرر کرے، یا پھر مہر المثل طے کرے اور عورت کو ماننا پڑے۔

اختلاف کی اصل وجہ یہ ہے کہ قرآن میں جہاں یہ کہا گیا ہے: ''کوئی گناہ نہیں کہ تم طلاق دو جب مہر مقرر نہ کیا ہو''، اس کا مطلب یہ لیا جائے کہ ہر حال میں مہر ساقط ہو جاتا ہے یا صرف اس صورت میں جب

اختلاف کی وجہ سے طلاق ہو؟ بعض نے اسے عام لیا ہے اور بعض نے محدود۔

دوسرا اختلاف: اگر شوہر وفات پاجائے

دوسری اہم بحث یہ ہے کہ اگر شوہر فوت ہو جائے اور اس نے بیوی کے لیے مہر مقرر نہ کیا ہو اور نہ ہی دخول ہوا ہو تو کیا حکم ہوگا؟

امام مالک رحمہ اللہ اور ان کے ساتھیوں کے نزدیک ایسی عورت کو مہر نہیں ملے گا، لیکن اس کو عدت بھی گزارنی ہوگی اور میراث کا بھی حق ملے گا۔

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ، امام احمد رحمہ اللہ اور داود ظاہری رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ عورت کو مہر المثل ملے گا اور اس کے ساتھ عدت اور میراث بھی ہوگی۔ امام شافعی رحمہ اللہ کے یہاں دونوں قول ملتے ہیں، لیکن ان کے نزدیک بھی درست بات یہی ہے کہ عورت کو مہر المثل دیا جائے۔

دلائل: جو حضرات مہر المثل کے قائل ہیں وہ ایک مشہور اثر پیش کرتے ہیں۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا کہ اگر عورت کا نکاح ہو اور مہر مقرر نہ ہوا ہو اور شوہر فوت ہو جائے تو کیا حکم ہے؟ انہوں نے فرمایا: ''میری رائے میں اس عورت کو اس کے خاندان کی عورتوں کے برابر مہر دیا جائے گا، عدت بھی ہوگی اور میراث بھی ملے گی۔'' اس پر معقل بن یسار رضی اللہ عنہ نے گواہی دی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی بروع بنت واشق رضی اللہ عنہا کے بارے میں ایسا ہی فیصلہ کیا تھا۔ یہ روایت ابوداؤد، نسائی اور ترمذی میں موجود ہے اور صحیح ہے۔

جو حضرات مہر کے منکر ہیں وہ قیاس سے استدلال کرتے ہیں کہ مہر چونکہ عوض ہے، اور جب تک دخول نہ ہو یا مہر معین نہ ہو تو عوض واجب نہیں ہوتا، جیسے خرید و فروخت میں ہوتا ہے۔

راجح بات: چونکہ بروع بنت واشق رضی اللہ عنہا والی حدیث بالکل صحیح ہے، اس لیے قیاس کو چھوڑ کر اسی حدیث پر عمل کیا جائے گا۔ اس اعتبار سے صحیح بات یہی ہے کہ اگر شوہر فوت ہو جائے اور مہر مقرر نہ ہوا ہو تو عورت کو مہر المثل ملے گا، عدت بھی ہوگی اور میراث کا بھی پورا حق ملے گا۔

سوال 2: موانع نکاح سے کیا مراد ہے نیز مانع الاحرام میں فقہاء کی آراء بمع دلائل تحریر کریں۔

جواب: ابن رشد رحمہ اللہ نے بدایۃ المجتہد میں نکاح کے موانع کو دو بڑی اقسام میں تقسیم کیا ہے۔ پہلی قسم دائمی موانع کی ہے اور دوسری وقتی یا غیر دائمی موانع کی ہے۔

موانع مؤبدہ: موانع مؤبدہ وہ رکاوٹیں ہیں جن کی وجہ سے نکاح ہمیشہ کے لیے حرام ہو جاتا ہے۔ یہ

دو حیض ہے، آزاد عورت کی طرح تین حیض نہیں۔

سوال:6 متعہ طلاق کسے کہتے ہیں؟ بمع دلیل لکھیں۔

جواب: متعہ طلاق سے مراد وہ مال ہے جو شوہر طلاق دیتے وقت اپنی بیوی کو بطور تحفہ یا تسلی دے۔ یہ اس صورت میں واجب ہوتا ہے جب طلاق بغیر کسی گناہ (یعنی شرعی وجہ کے بغیر) عورت کی طرف سے دی گئی ہو۔ دلیل: قرآن مجید سے دلیل: اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿وَ لِلْمُطَلَّقٰتِ مَتَاعٌۢ بِالْمَعْرُوْفِ ؕ حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِيْنَ﴾ ترجمہ: ''اور طلاق یافتہ عورتوں کے لیے دستور کے مطابق کچھ نہ کچھ دینا (لازم) ہے، یہ پرہیزگاروں پر حق ہے۔'' اس آیت میں ''متاع'' سے مراد متعہ طلاق ہے، جو ایک نیک کام کے طور پر دیا جاتا ہے۔

سوال:9 درج ذیل میں سے صحیح پر (✓) اور غلط پر (✗) کا نشان لگائیں۔ 10 نمبر

1۔ ایک ہی خطبہ سے دو یا زیادہ نکاح ہو سکتے ہیں۔ (✓)

2۔ جس طرح عورت کا ولی ہوتا ہے آدمی کا ولی ہونا بھی ضروری ہے۔ (✗)

3۔ زیادہ حق مہر باندھنے کو مثلی حق مہر کہا جاتا ہے۔ (✗)

4۔ گونگے آدمی کا طلاق کے لیے اشارہ کرنا قابل قبول نہیں ہوتا۔ (✗)

5۔ طلاق بدعی پر شرعی حکم مرتب ہوتا ہے۔ (✓)

اصول الفقہ

سوال:10 درج ذیل سوالات کے مختصر جواب دیں۔ 5 نمبر

سوال:1 سبب اور شرط میں کیا فرق ہے؟ تحریر کریں۔

جواب: سبب وہ چیز ہے جس سے حکم کا وجود لازم آتا ہے، جیسے سورج ڈوبنے سے مغرب کی نماز واجب ہونا۔ شرط وہ چیز ہے جس کے بغیر حکم ثابت نہیں ہوتا مگر اس سے حکم خود بخود پیدا نہیں ہوتا، جیسے وضو نماز کے لیے شرط ہے۔

سوال:2 اکراہ کی کوئی ایک مثال دیں۔

جواب: اگر کوئی شخص کسی دوسرے شخص کو مارنے یا قتل کرنے کی دھمکی دے کر یہ کہے کہ ''تمہیں اپنی بیوی کو طلاق دینی ہوگی، ورنہ تمہیں مار ڈالوں گا'' اور وہ شخص جان کے خوف سے طلاق دے دے، تو یہ اکراہ کے تحت طلاق ہے۔

سوال:3 سنت متواترہ کی اقسام لکھیں۔

جواب: سنت متواترہ سے مراد وہ سنت ہے جو مسلسل بڑی جماعت کے ذریعے سے نقل ہو اور جھوٹ پر ان کا متفق ہونا ممکن نہ ہو، اس کی تین اقسام ہیں: قولی متواترہ (نبی ﷺ کے ارشادات)، فعلی متواترہ (نبی ﷺ کے اعمال)، اور تقریری متواترہ (کسی فعل پر آپ ﷺ کا سکوت یا اجازت دینا)۔

سوال:4 احکام الٰہیہ میں وہ کون کون سے حقوق ہیں جن میں اللہ اور بندے دونوں کا حق ہوتا ہے۔ کوئی سی دو مثالیں لکھیں۔

جواب: ایسے حقوق جن میں اللہ تعالیٰ کا بھی حق شامل ہو اور بندے کا بھی، ان میں سے ایک مثال زکاۃ ہے کیونکہ یہ اللہ کی عبادت ہے اور ساتھ ہی غریب ومحتاج بندوں کا حق بھی ہے، اور دوسری مثال حد قذف ہے کیونکہ یہ اللہ کی مقرر کردہ سزا ہے اور ساتھ ہی اس شخص کا حق ہے جس پر جھوٹی تہمت لگائی گئی۔ ایسے حقوق جن میں اللہ تعالیٰ کا بھی حق شامل ہو اور بندے کا بھی، ان میں سے ایک مثال زکاۃ ہے کیونکہ یہ اللہ کی عبادت ہے اور ساتھ ہی غریب ومحتاج بندوں کا حق بھی ہے، اور دوسری مثال حد قذف ہے کیونکہ یہ اللہ کی مقرر کردہ سزا ہے اور ساتھ ہی اس شخص کا حق ہے جس پر جھوٹی تہمت لگائی گئی۔

سوال:5 محکوم فیہ کسے کہتے ہیں؟ مثال سے واضح کریں۔

جواب: محکوم فیہ اس فعل کو کہا جاتا ہے جو مکلف سے صادر ہوتا ہے اور جس پر شریعت کا حکم لگایا جاتا ہے، جیسے نماز جو مکلف پر واجب ہے، لہٰذا نماز پر وجوب کا حکم عائد ہونا محکوم فیہ کی واضح مثال ہے۔

سوال:11 درج ذیل میں سے صحیح پر (✔) اور غلط پر (✖) کا نشان لگائیں۔ 5 نمبر

1۔ حکم تکلیفی سے پہلے حکم وضعی کا ہونا ضروری ہوتا ہے۔ (✖)

2۔ عزیمت عام احکامات کو ہی کہا جاتا ہے۔ (✔)

3۔ عوارض سماویہ کا مطلب آسمانی تغیرات ہیں۔ (✖)

4۔ قرآن قطعی السند اور قطعی الدلالہ ہوتا ہے۔ (✖)

5۔ قیاس اور اجماع دونوں میں اجتہاد ہی کارفرما ہوتا ہے۔ (✔)



قیامت کے دن تنہا ایک امت کی جگہ اٹھایا جائے گا۔"

سوال :2 تاریخ الادب العربی سے دو اشعار زبانی خوش خط لکھیں۔

جواب : إذا لم تَستَحِ فاصنَع ما شِئتَ، یعنی جب انسان میں حیا نہ رہے تو وہ جو چاہے کر گزرتا ہے۔

وما نَيلُ المطالبِ بالتَمَنّي، مطلب یہ ہے کہ صرف تمناؤں سے مقاصد حاصل نہیں ہوتے بلکہ محنت کرنی پڑتی ہے۔

قِفا نَبكِ مِن ذِكرى حَبيبٍ وَمَنزِلِ، یعنی آؤ محبوب اور اس کے مسکن کی یاد پر آنسو بہائیں۔

ألا كُلُّ شَيءٍ ما خَلا اللّٰهَ باطِلٌ، یعنی جان لو! اللہ کے سوا ہر چیز فنا ہونے والی ہے۔

سوال :3 عربی مثال کی وضاحت کریں۔ "قبل الرمی یراش السهم" لفظی معنی: "تیر چلانے سے پہلے تیر کو درست کرنا (یعنی نشست لگانا) چاہیے۔"

جواب : مرادی معنی اور وضاحت: یہ مقولہ کسی بھی کام کو شروع کرنے سے پہلے تیاری اور منصوبہ بندی کی اہمیت پر زور دیتا ہے۔ جیسے ایک ماہر تیر انداز نشانہ لگانے سے پہلے اپنے تیر کو درست کرتا ہے، اسی طرح ہر عقلمند انسان کو کوئی بھی اہم کام کرنے سے پہلے اس کی پوری تیاری کرنی چاہیے، اس کے ممکنہ نتائج کو جانچنا چاہیے اور اپنے ذرائع (وسائل) درست کرنے چاہئیں تاکہ کام میں کامیابی کا امکان بڑھ جائے۔

سوال :4 سبع معلقات کے شعراء میں سے کسی ایک کا نام لکھیں اور اس کا کوئی ایک شعر تحریر کریں۔

جواب : سبع معلقات کے شعراء میں سے ایک امروء القیس ہے، اس کا شعر:

قِفا نَبكِ مِن ذِكرى حَبيبٍ وَمَنزِلِ۔

سوال :5 قرآن مجید کا مکی اسلوب تحریر کریں۔

جواب : قرآن مجید کا مکی اسلوب بنیادی طور پر توحید، آخرت اور بنیادی اخلاقیات کی دعوت پر مرکوز ہے جو مکہ کے ابتدائی دور میں نازل ہوا۔ اس اسلوب کی خصوصیات میں قصار السور (چھوٹی سورتیں)، برجستہ اور پراثر آیات، زور دار قسموں اور مختصر مگر جامع فقروں کا استعمال شامل ہے۔ اس میں عقیدہ توحید کی وضاحت، شرک کی تردید، روز قیامت کے احوال، جنت وجہنم کے مناظر اور گزشتہ اقوام کے واقعات عبرت بیان کیے گئے ہیں۔ یہ اسلوب خطابیہ اور احساس انگیز ہے جس کا مقصد مخاطب کے دل و دماغ پر

...اور اسے اصلاح کی طرف راغب کرنا ہے۔

10۔ درج ذیل میں سے صحیح پر (✓) اور غلط پر (✗) کا نشان لگائیں۔ 4 نمبر

سحبان وائل خلافت اموی کے عظیم خطباء سے تھے۔ (✗)

امراؤالقیس کی اعلیٰ شاعری میں اس کے والد کا بڑا حصہ تھا۔ (✗)

عمرو بن معدیکرب رحمہ اللہ کا شمار مخضرمین میں ہوتا ہے۔ (✓)

اخطل جاہلی شعراء میں سے تھا۔ (✗)



السیاسۃ الشرعیۃ 1445ھ/2024 (ضمنی)

حصہ انشائیہ: کل نمبر 72

نوٹ: حصہ انشائیہ سے کوئی سے چار سوال حل کریں۔ ہر سوال کے 18 نمبر ہیں۔

سوال:1 عدل کی اہمیت، قاضی کے فرائض اور آداب عدالت پر مدلل نوٹ لکھیں۔

جواب: مقدمہ: اسلام کا نظامِ حیات انسانی زندگی کے تمام پہلوؤں پر محیط ہے۔ اس نظام کی بنیاد عدل پر قائم ہے۔ عدل نہ صرف معاشرتی سکون اور ریاستی استحکام کی ضمانت ہے بلکہ یہ اللہ کی رضا اور آخرت کی نجات کا بھی ذریعہ ہے۔ قاضی کو اس نظام میں مرکزی حیثیت حاصل ہے، کیونکہ وہ براہِ راست لوگوں کے حقوق اور فرائض کے فیصلے کرتا ہے۔ اس لیے عدل کی اہمیت، قاضی کے فرائض اور عدالت کے آداب کو سمجھنا اسلامی معاشرت کی بنیاد کو سمجھنے کے مترادف ہے۔

عدل کی اہمیت: عدل اسلام کا بنیادی اصول ہے۔ قرآن و سنت نے بار بار عدل کو اختیار کرنے کا حکم دیا اور ظلم سے روکا۔

عدل اللہ کا حکم: اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَ الْاِحْسَانِ﴾ (النحل: 90) یعنی اللہ عدل اور احسان کا حکم دیتا ہے۔ یہ آیت جمعہ کے خطبوں میں بھی پڑھی جاتی ہے تاکہ مسلمانوں کے ذہن میں عدل کی اہمیت راسخ رہے۔

عدل ایمان کا تقاضا: قرآن نے ایمان والوں کو خصوصی حکم دیا: ﴿كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ بِالْقِسْطِ شُهَدَآءَ لِلّٰهِ وَ لَوْ عَلٰۤى اَنْفُسِكُمْ﴾ (النساء: 135) یعنی انصاف پر قائم رہو، خواہ فیصلہ اپنے خلاف یا والدین اور قریبی رشتہ داروں کے خلاف ہی کیوں نہ ہو۔ یہ آیت ظاہر کرتی ہے کہ عدل ایمان کی عملی علامت ہے۔

عدل معاشرتی سکون کا ضامن: عدل کے بغیر معاشرہ ظلم، فتنہ اور انتشار میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ ظلم کی بنیاد پر قائم ہونے والی ریاستیں جلد زوال پذیر ہو جاتی ہیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا قول ہے: ''حکومت کفر کے ساتھ قائم رہ سکتی ہے لیکن ظلم کے ساتھ باقی نہیں رہ سکتی۔''

عدل قیامت میں نجات کا ذریعہ: نبی کریم ﷺ نے فرمایا: "الْمُقْسِطُوْنَ عِنْدَ اللّٰهِ عَلٰى مَنَابِرَ مِنْ نُوْرٍ" (مسلم) یعنی عدل کرنے والے قیامت کے دن نور کے منبروں پر ہوں گے۔

یہ حدیث عدل کرنے والوں کے بلند مقام کو ظاہر کرتی ہے۔

تاریخی مثال: حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں ایک عام آدمی نے قاضی کے سامنے ان پر مقدمہ کیا۔ قاضی نے دونوں کو برابر بٹھایا اور ان سے یکساں انداز میں گفتگو کی۔ اس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو ناگواری محسوس ہوئی۔ قاضی نے کہا: "یہی عدل کا تقاضا ہے۔" یہ واقعہ اسلامی عدل کی بہترین مثال ہے۔

قاضی کے فرائض: قاضی اسلام کے عدالتی نظام کا ستون ہے۔ اس کے فرائض محض فیصلے تک محدود نہیں بلکہ معاشرے میں عدل کے قیام کے ضامن ہیں۔

قرآن وسنت کے مطابق فیصلے: قاضی پر لازم ہے کہ وہ ہر فیصلہ کتاب وسنت کی روشنی میں کرے۔ ﴿وَ اَنِ احْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ﴾ (المائدہ: 49) یعنی اللہ کے نازل کردہ حکم کے مطابق فیصلہ کرو۔

غیر جانب داری: قاضی کو چاہیے کہ رشتہ داری، مال یا طاقت کے دباؤ میں نہ آئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "القضاة ثلاثة: قاضيان في النار وقاضٍ في الجنة... رجل عرف الحق فقضى به، فهو في الجنة" (ابوداؤد) یعنی حق جان کر فیصلہ کرنے والا قاضی جنتی ہے۔

فوری انصاف: قاضی کو فیصلے میں غیر ضروری تاخیر نہیں کرنی چاہیے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "مطل الغني ظلم" (بخاری) یعنی حق دار کا حق بلاوجہ روکنا ظلم ہے۔

جھوٹی گواہی کی جانچ: قاضی پر لازم ہے کہ گواہوں کی دیانت اور صداقت کو پرکھے۔ قرآن کہتا ہے: ﴿وَّ اَشْهِدُوْا ذَوَیْ عَدْلٍ مِّنْكُمْ﴾ (الطلاق: 2)

عوامی شکایات سننا: قاضی کو ہر مظلوم کے لیے دروازہ کھلا رکھنا چاہیے۔ اسلامی تاریخ میں قاضی براہِ راست عوام کے مسائل سنتے اور حل کرتے تھے۔

فیصلے میں وضاحت: قاضی کو چاہیے کہ فیصلے کی دلیل دونوں فریقین کے سامنے بیان کرے تاکہ انصاف پر اعتماد قائم رہے۔

تاریخی مثال: حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک مقدمہ قاضی شریح رحمہ اللہ کے سامنے پیش کیا۔ قاضی نے ثبوت کی بنیاد پر خلیفہ وقت کے خلاف فیصلہ دیا۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ قاضی کے فرائض میں کسی کے رتبے یا عہدے کا لحاظ نہیں بلکہ صرف حق کو دیکھنا شامل ہے۔

آدابِ عدالت: اسلامی عدالت میں آداب کو خاص اہمیت حاصل ہے تاکہ انصاف صرف کیا ہی نہ جائے

معاملات دیکھتا ہے۔

بین الاقوامی عدالتِ انصاف: یہ نیدرلینڈز کے شہر ہیگ میں واقع ہے اور بین الاقوامی تنازعات کو قانونی طریقے سے حل کرنے کی کوشش کرتی ہے۔

سیکرٹریٹ: یہ اقوام متحدہ کا انتظامی ادارہ ہے جس کا سربراہ سیکرٹری جنرل ہوتا ہے۔ سیکرٹری جنرل اقوام متحدہ کا ترجمان اور سربراہِ عملہ سمجھا جاتا ہے۔

ٹرسٹی شپ کونسل: یہ ادارہ نوآبادیاتی علاقوں کو آزادی دلانے کے لیے قائم کیا گیا تھا۔ وقت گزرنے کے ساتھ اس کی افادیت کم ہو گئی۔

اقوام متحدہ کی ضرورت:

- عالمی جنگوں کے بعد ایک ایسا ادارہ ضروری تھا جو دنیا کو مزید جنگوں سے بچا سکے۔
- طاقتور اور کمزور ممالک کے درمیان ثالثی کا کردار ادا کرے۔
- انسانی حقوق کی حفاظت کرے۔
- دنیا کے مختلف خطوں میں معاشی و سماجی ترقی کے منصوبے بنائے۔
- چھوٹے ممالک کو بڑی طاقتوں کے دباؤ سے محفوظ رکھے۔

یوں اقوام متحدہ کو "دنیا کی امن کی امید" کہا گیا۔

اقوام متحدہ کی ناکامی کے اسباب:

اگرچہ اقوام متحدہ نے کچھ کامیابیاں حاصل کی ہیں لیکن بڑے مسائل کے حل میں یہ ناکام رہا ہے۔ اس کے اسباب درج ذیل ہیں:

ویٹو پاور: سلامتی کونسل کے مستقل ارکان کو ویٹو کا حق حاصل ہے۔ اگر کوئی مستقل رکن مخالفت کر دے تو قرارداد پاس نہیں ہو سکتی۔ اس وجہ سے بڑے مسائل ہمیشہ رکے رہتے ہیں۔

طاقتور ممالک کا دباؤ: اقوام متحدہ اکثر بڑی طاقتوں کے زیرِ اثر رہتا ہے۔ امریکہ، روس اور دیگر ممالک اپنے سیاسی مفادات کے لیے اس ادارے کو استعمال کرتے ہیں۔

مسلم ممالک کے مسائل: فلسطین، کشمیر اور افغانستان جیسے مسائل اقوام متحدہ کے ایجنڈے پر آئے مگر عملی طور پر کوئی فیصلہ نافذ نہیں کیا گیا۔ اس وجہ سے یہ ادارہ مسلم دنیا کے مسائل میں ناکام دکھائی دیتا ہے۔

دوہرے معیار: بعض ممالک کے خلاف پابندیاں سختی سے عائد کی جاتی ہیں جبکہ بعض طاقتور ممالک

کے خلاف اقوام متحدہ خاموش رہتا ہے۔ یہ دوہرا معیار اس کی ناکامی کا ایک بڑا سبب ہے۔
عمل درآمد کا فقدان: اقوام متحدہ اکثر قراردادیں پاس کرتا ہے لیکن ان پر عمل درآمد نہیں کروا پاتا۔ مثال کے طور پر: کشمیر اور فلسطین کے بارے میں کئی قراردادیں منظور ہوئیں لیکن آج تک ان پر عمل نہ ہو سکا۔
نتیجہ: اقوام متحدہ کا قیام انسانیت کے لیے ایک بڑی امید تھا۔ اس نے دنیا کے کئی ممالک میں امن قائم کرنے اور انسانی خدمت کے منصوبے کامیابی سے چلائے ہیں، لیکن بڑے مسائل جیسے فلسطین، کشمیر اور عراق و افغانستان کے معاملات میں یہ ادارہ اپنی افادیت کھو بیٹھا ہے۔ اس کی سب سے بڑی کمزوری سلامتی کونسل کا ویٹو سسٹم اور طاقتور ممالک کا دباؤ ہے۔ جب تک اقوام متحدہ مکمل غیر جانب داری اور انصاف کے اصول پر کام نہیں کرے گا، دنیا میں حقیقی امن قائم نہیں ہو سکتا۔

سوال 5: درج ذیل میں سے تین پر نوٹ لکھیں۔ 1۔ تحریک قومیت کی تاریخ 2۔ امارت و خلافت کی شرائط 3۔ دستور کی خصوصیات 4۔ مارکسزم

جواب: **تحریک قومیت کی تاریخ:** قومیت (Nationalism) جدید دور کی ایک اہم سیاسی تحریک ہے۔ یورپ میں نشاۃ ثانیہ (Renaissance) اور صنعتی انقلاب کے بعد جب عوامی شعور بیدار ہوا تو قومیت کا تصور نمایاں ہوا۔ قومیت کا مطلب یہ ہے کہ ایک ہی زبان، نسل، تہذیب اور مشترکہ مفادات رکھنے والے افراد ایک الگ قوم سمجھے جاتے ہیں اور اپنے سیاسی و معاشرتی حقوق کے لیے متحد ہوتے ہیں۔ یورپ میں قومیت کی بنیاد پر کئی ریاستیں وجود میں آئیں۔ جرمنی اور اٹلی کا اتحاد، فرانسیسی انقلاب اور برصغیر کی تحریک آزادی قومیت کے نمایاں مظاہر ہیں۔ برصغیر میں مسلمان الگ قوم کے طور پر سامنے آئے اور علامہ اقبال رحمہ اللہ نے مسلمانوں کے لیے الگ وطن کا تصور دیا جس کا نتیجہ قیامِ پاکستان کی شکل میں سامنے آیا۔ اس طرح تحریک قومیت نے دنیا کے سیاسی نقشے کو بڑی حد تک بدل دیا۔

امارت و خلافت کی شرائط: اسلامی نظامِ سیاست میں امارت اور خلافت کو مرکزی حیثیت حاصل ہے۔ امام یا خلیفہ مسلمانوں کی قیادت کرتا ہے اور عدل و انصاف قائم کرنا اس کی ذمہ داری ہے۔
علماء نے اس کے لیے چند شرائط بیان کی ہیں:
1. مسلمان ہونا اور بالغ و عاقل ہونا۔
2. جسمانی و ذہنی طور پر صحت مند ہونا۔
3. عدل و دیانت کا حامل ہونا۔

کے خلاف اقوام متحدہ خاموش رہتا ہے۔ یہ دوہرا معیار اس کی ناکامی کا ایک بڑا سبب ہے۔

عمل درآمد کا فقدان: اقوام متحدہ اکثر قراردادیں پاس کرتا ہے لیکن ان پر عمل درآمد نہیں کروا پاتا۔ مثال کے طور پر: کشمیر اور فلسطین کے بارے میں کئی قراردادیں منظور ہوئیں لیکن آج تک ان پر عمل نہ ہو سکا۔

نتیجہ: اقوام متحدہ کا قیام انسانیت کے لیے ایک بڑی امید تھا۔ اس نے دنیا کے کئی ممالک میں امن قائم کرنے اور انسانی خدمت کے منصوبے کامیابی سے چلائے ہیں، لیکن بڑے مسائل جیسے فلسطین، کشمیر اور عراق و افغانستان کے معاملات میں یہ ادارہ اپنی افادیت کھو بیٹھا ہے۔ اس کی سب سے بڑی کمزوری سلامتی کونسل کا ویٹو سسٹم اور طاقتور ممالک کا دباؤ ہے۔ جب تک اقوام متحدہ مکمل غیر جانب داری اور انصاف کے اصول پر کام نہیں کرے گا، دنیا میں حقیقی امن قائم نہیں ہو سکتا۔

سوال :5 درج ذیل میں سے تین پر نوٹ لکھیں۔ 1۔ تحریک قومیت کی تاریخ 2۔ امارت و خلافت کی شرائط 3۔ دستور کی خصوصیات 4۔ مارکسزم

جواب: تحریک قومیت کی تاریخ: قومیت (Nationalism) جدید دور کی ایک اہم سیاسی تحریک ہے۔ یورپ میں نشاۃ ثانیہ (Renaissance) اور صنعتی انقلاب کے بعد جب عوامی شعور بیدار ہوا تو قومیت کا تصور نمایاں ہوا۔ قومیت کا مطلب یہ ہے کہ ایک ہی زبان، نسل، تہذیب اور مشترکہ مفادات رکھنے والے افراد ایک الگ قوم سمجھے جاتے ہیں اور اپنے سیاسی و معاشرتی حقوق کے لیے متحد ہوتے ہیں۔ یورپ میں قومیت کی بنیاد پر کئی ریاستیں وجود میں آئیں۔ جرمنی اور اٹلی کا اتحاد، فرانسیسی انقلاب اور برصغیر کی تحریک آزادی قومیت کے نمایاں مظاہر ہیں۔ برصغیر میں مسلمان الگ قوم کے طور پر سامنے آئے اور علامہ اقبال رحمہ اللہ نے مسلمانوں کے لیے الگ وطن کا تصور دیا جس کا نتیجہ قیامِ پاکستان کی شکل میں سامنے آیا۔ اس طرح تحریک قومیت نے دنیا کے سیاسی نقشے کو بڑی حد تک بدل دیا۔

امارت و خلافت کی شرائط: اسلامی نظامِ سیاست میں امارت اور خلافت کو مرکزی حیثیت حاصل ہے۔ امام یا خلیفہ مسلمانوں کی قیادت کرتا ہے اور عدل و انصاف قائم کرنا اس کی ذمہ داری ہے۔ علمانے اس کے لیے چند شرائط بیان کی ہیں:

مسلمان ہونا اور بالغ و عاقل ہونا۔

جسمانی و ذہنی طور پر صحت مند ہونا۔

عدل و دیانت کا حامل ہونا۔

4. دینی علم رکھتا ہو تاکہ شریعت کے مطابق فیصلے کر سکے۔
5. شجاعت اور تدبیر کی صلاحیت رکھتا ہو تاکہ جنگ اور امن دونوں حالات میں قیادت کر سکے۔
6. آزاد ہو اور کسی کا غلام نہ ہو۔

ان شرائط کا مقصد یہ ہے کہ خلافت یا امارت کا منصب کسی ایسے شخص کے سپرد نہ ہو جو امت کی صحیح قیادت نہ کر سکے۔ اسلامی تاریخ میں خلفائے راشدین ان شرائط کا بہترین نمونہ ہیں۔

دستور کی خصوصیات: دستور (Constitution) کسی بھی ریاست کا بنیادی قانون ہے جو حکومت کے ڈھانچے اور عوام کے حقوق و فرائض کی وضاحت کرتا ہے۔ ایک اچھے دستور کی چند نمایاں خصوصیات یہ ہیں:

1. تحریری ہونا: دستور ایسا ہونا چاہیے جو واضح اور تحریری شکل میں ہو۔
2. جامع ہونا: دستور میں ریاست کے تمام اہم پہلو شامل ہوں جیسے عدلیہ، مقننہ اور انتظامیہ کے اصول۔
3. لچکدار اور سخت دونوں پہلو: دستور میں تبدیلی کی گنجائش ہونی چاہیے لیکن اس قدر آسان بھی نہ ہو کہ روز تبدیلی کی جا سکے۔
4. بنیادی حقوق کی ضمانت: دستور عوام کو مذہبی آزادی، اظہارِ رائے، تعلیم اور مساوات جیسے بنیادی حقوق فراہم کرے۔
5. غیر جانب داری: دستور تمام شہریوں کو برابر حقوق دے اور کسی کے ساتھ امتیاز نہ کرے۔
6. مقبولیت: ایک اچھا دستور وہی ہوتا ہے جسے عوامی تائید حاصل ہو۔

پاکستان کا دستور 1973ء کی ایک مثال ہے جو عوامی مقبولیت اور اسلامی اصولوں کی بنیاد پر بنایا گیا۔

مارکسزم: مارکسزم انیسویں صدی کی ایک سیاسی و معاشی تحریک ہے جسے کارل مارکس اور فریڈرک اینگلز نے پیش کیا۔ یہ سرمایہ دارانہ نظام کے خلاف ایک انقلابی نظریہ ہے۔ مارکسزم کے مطابق دنیا کی تاریخ دراصل طبقاتی کشمکش کی تاریخ ہے۔ ایک طبقہ ہمیشہ دوسروں پر قابض رہتا ہے اور دوسرا طبقہ اس کے استحصال کا شکار ہوتا ہے۔ سرمایہ دارانہ نظام میں سرمایہ دار (Bourgeoisie) مزدور طبقے (Proletariat) کو لوٹتے ہیں اور ان کی محنت کا اصل پھل خود لے لیتے ہیں۔

مارکس نے کہا کہ یہ ناانصافی ہمیشہ نہیں رہ سکتی بلکہ مزدور طبقہ ایک دن اٹھ کھڑا ہوگا اور سرمایہ داروں کا تختہ الٹ کر ایک طبقہ سے پاک معاشرہ (Classless Society) قائم کرے گا۔ اس معاشرے میں نجی

ملکیت کا خاتمہ ہوگا، دولت اجتماعی ملکیت میں ہوگی اور ہر شخص اپنی محنت کے مطابق حصہ پائے گا۔

مارکسزم سرمایہ دارانہ نظام کو ظالمانہ قرار دیتا ہے اور کہتا ہے کہ یہ دولت کو چند ہاتھوں میں مرکوز کرتا ہے۔ اس کے نتیجے میں غریب مزید غریب اور امیر مزید امیر ہوتا جاتا ہے۔ مزدور طبقہ اپنی محنت بیچنے پر مجبور ہوتا ہے جبکہ اصل فائدہ سرمایہ دار کو ہوتا ہے۔ مارکس کے نزدیک یہ صورتحال ایک دن انقلاب پر منتج ہوگی جس میں مزدور سرمایہ دار کو ہٹا کر اقتدار اپنے ہاتھ میں لے گا۔

مارکسزم کے مطابق دین اور مذہب بھی سرمایہ دار طبقے کا ہتھیار ہیں۔ کارل مارکس نے کہا کہ ''مذہب عوام کے لیے افیون ہے'' یعنی یہ غریب کو سکون کا فریب دے کر اس کے اصل مسائل سے توجہ ہٹاتا ہے۔ مارکسزم کا مقصد ایسا معاشرہ قائم کرنا ہے جہاں مساوات، انصاف اور برابری ہو اور کوئی کسی کا استحصال نہ کرے۔

یہ نظریہ بیسویں صدی میں روس کے انقلاب کے ذریعے عملی شکل میں سامنے آیا۔ لینن اور اسٹالن نے مارکس کے خیالات کو روسی حالات کے مطابق ڈھالا اور سوشلسٹ ریاست قائم کی۔ بعد میں چین، کیوبا اور دیگر ممالک میں بھی مارکسزم کے اثرات دیکھے گئے۔

تاہم مارکسزم کی عملی شکل کئی جگہ ناکام رہی کیونکہ انسانی فطرت نجی ملکیت کو ترک کرنے پر آمادہ نہیں ہوتی۔ علاوہ ازیں مطلق العنان حکمرانی، آزادیٔ اظہار کی کمی اور معیشت کی جمود نے مارکسزم کے خواب کو نقصان پہنچایا۔ آج دنیا میں خالص مارکسزم کہیں باقی نہیں رہا، لیکن مزدوروں کے حقوق، سرمایہ دارانہ نظام پر تنقید اور طبقاتی مساوات کے حوالے سے اس کے اثرات اب بھی موجود ہیں۔

حصہ معروضی کل نمبر 28

نوٹ: حصہ معروضی کے تمام سوال لازمی ہیں۔

سوال 6: درج ذیل کے مختصر جواب دیں۔ 10 نمبر

سوال 1: اجتہاد کی ضرورت وشرائط تحریر کریں۔

جواب: اسلامی شریعت ایک جامع اور ہمہ گیر نظام ہے لیکن وقت کے ساتھ ساتھ نئے مسائل پیدا ہوتے رہتے ہیں جن کا براہِ راست ذکر قرآن و سنت میں نہیں ملتا۔ ان نئے مسائل کے حل کے لیے اجتہاد کی ضرورت پیش آتی ہے تاکہ نصوصِ شریعت کی روشنی میں موجودہ حالات کا درست حکم نکالا جا سکے۔ اجتہاد سے شریعت کی ابدیت اور ہمہ گیری واضح ہوتی ہے اور امت کے عملی مسائل حل ہوتے ہیں۔

اجتہاد کے لیے چند شرائط مقرر کی گئی ہیں: (1) مجتہد عالمِ باعمل اور قرآن وسنت کا گہرا علم رکھتا ہو۔ (2) اصولِ فقہ سے واقف ہوتا کہ دلائل سے حکم اخذ کر سکے۔ (3) زبانِ عربی پر عبور رکھتا ہوتا کہ نصوص کو صحیح سمجھے۔ (4) عقل وفہم میں پختہ ہو اور حالات کا تجزیہ کرنے کی صلاحیت رکھتا ہو۔ (5) تقویٰ اور دیانت کا حامل ہوتا کہ ذاتی مفاد کو اجتہاد میں شامل نہ کرے۔

سوال :2 اسلام میں جمہوریت کا تصور واضح کریں۔

جواب: اسلام میں جمہوریت کا تصور مغربی جمہوریت سے مختلف ہے۔ مغرب میں اقتدارِ اعلیٰ عوام کو حاصل ہے، جبکہ اسلام میں اقتدارِ اعلیٰ صرف اللہ تعالیٰ کو ہے۔ قرآن مجید میں ارشاد ہے: ''اِنِ الْحُکْمُ اِلَّا لِلّٰہِ'' (یوسف:40) یعنی حکم صرف اللہ ہی کا ہے۔ اسلام میں جمہوریت کی اصل صورت ''شوریٰ'' ہے۔ نبی اکرم ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین سے مختلف مواقع پر مشورہ فرمایا، جس سے یہ اصول ثابت ہوتا ہے کہ اجتماعی فیصلے مشورے سے کیے جائیں۔ سورۃ الشوریٰ میں فرمایا گیا: ''وَاَمْرُہُمْ شُوْرٰی بَیْنَہُمْ''۔ اسلامی جمہوریت میں عوام اپنے نمائندے منتخب کر سکتے ہیں لیکن وہ نمائندے شریعت کی پابندی کے ساتھ فیصلے کرنے کے پابند ہوتے ہیں۔ اس طرح اسلام میں جمہوریت عوام کی شرکت پر مبنی ہے مگر اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی حدود کے اندر۔

سوال :3 غیر مسلم رعایا کے حقوق اسلام کی نظر میں تحریر کریں۔

جواب: اسلام نے غیر مسلم رعایا (اہلِ ذمہ) کے لیے عدل وانصاف اور مساوات پر مبنی حقوق وضع کیے ہیں۔ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

''جس نے کسی معاہد (ذمی) پر ظلم کیا یا اس کا حق غصب کیا تو قیامت کے دن میں اس کے خلاف مقدمہ لڑوں گا۔'' (ابوداؤد)

اسلامی ریاست میں غیر مسلم رعایا کو جان ومال کی حفاظت حاصل ہے، ان کی عبادت گاہوں کو تحفظ دیا جاتا ہے اور انہیں اپنے مذہب کے مطابق زندگی گزارنے کی آزادی ہوتی ہے۔ ان پر صرف جزیہ عائد کیا جاتا ہے جو دراصل ریاستی تحفظ اور خدمات کے بدلے میں ایک معمولی ٹیکس ہے۔ خلافتِ راشدہ کے دور میں غیر مسلم رعایا کو وہی انصاف اور امن فراہم کیا گیا جو مسلمانوں کو میسر تھا، یہاں تک کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ایک یہودی کے ساتھ عدالت میں مقدمہ لڑا اور قاضی نے فیصلہ یہودی کے حق میں کیا۔

سوال :4 جہاد وقتال کا باہمی فرق تحریر کریں۔

جواب: جہاد کا مفہوم وسیع ہے جبکہ قتال اس کا ایک جز ہے۔ جہاد کا مطلب ہے اللہ کے دین کو قائم کرنے اور اس کے کلمے کو بلند کرنے کے لیے ہر قسم کی کوشش کرنا۔ قرآن مجید میں جہاد کا ذکر جان و مال کے علاوہ علم و قلم، دعوت و تبلیغ اور صبر و استقامت کے معنوں میں بھی آیا ہے۔

قتال خاص طور پر جنگ کو کہتے ہیں یعنی میدانِ جنگ میں دشمن کے ساتھ ہتھیاروں کے ذریعے لڑائی کرنا۔

ہر قتال جہاد نہیں ہوتا لیکن ہر جہاد میں قتال شامل ہو بھی سکتا ہے اور نہیں بھی۔ اس طرح جہاد کا دائرہ وسیع ہے اور قتال اس کا محدود حصہ ہے۔

سوال:5 خلافت راشدہ کے دو امتیازات قلم بند کریں۔

جواب: خلافتِ راشدہ اسلامی تاریخ کا سنہری دور ہے جس کے کئی امتیازات ہیں۔ ان میں سے دو اہم یہ ہیں:

1.قرآن وسنت کی بالادستی: خلفائے راشدین نے ہر معاملے میں کتاب وسنت کو معیار بنایا اور فیصلے انہی کی روشنی میں کیے۔

2.عدل ومساوات: اس دور میں حکمران اور عوام کے درمیان کوئی فرق نہ تھا۔ خلیفہ عام شہریوں کی طرح عدالت میں حاضر ہوتا اور قاضی کے سامنے جواب دہ ہوتا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے مقدمات اس کی روشن مثالیں ہیں۔

سوال:7 درج ذیل میں سے صحیح پر (✔) اور غلط پر (✖) کا نشان لگائیں۔ 10 نمبر

1۔ تمام اقوام عالم اقوام متحدہ کے اصولوں کا احترام کرتے ہیں۔ (✖)
2۔ امن کی پاسداری امریکی پالیسی ہے۔ (✖)
3۔ او آئی سی کا کردار مسلمہ حقیقت ہے۔ (✔)
4۔ موجودہ نظام جمہوریت اسلامی نظام حکومت کا متبادل ہے۔ (✖)
5۔ اشتراکیت میں ذاتی انفرادی ملکیت کی گنجائش نہیں ہے۔ (✔)
6۔ ارسطو مشہور یورپی سیاستدان ہے۔ (✖)
7۔ مقننہ کا کام قانون کی تنفیذ ہے۔ (✖)
8۔ اسلامی حکومت میں اقلیت کو معبد بنانے کی اجازت نہیں ہے۔ (✖)
9۔ بہتر قانون سازی انتظامیہ کا فرض ہے۔ (✖)

10۔ سوشلزم اور کمیونزم کی اساس مشترک ہے۔ (✓)

سوال 8: مجوزہ جوابات میں سے درست جواب کا انتخاب کریں۔

1۔ عالمی عدالت کا مرکز ہے۔

برلن　　جدہ　　دونوں نہیں (✓)

2۔ افلاطون کا تعلق تھا۔

اسلام　　عیسائی　　دونوں نہیں (✓)

3۔ پاکستان کا نظام حکومت ہے۔

وفاقی مملکت (✓)　　آئینی بادشاہت　　بلاواسطہ جمہوریت

4۔ خلیفہ منتخب ہوگا۔

ووٹوں سے　　سابقہ حکمران سے　　شورائیت سے (✓)

5۔ اسلام پسند کرتا ہے۔

مشترکہ مذہب　　مشترکہ ثقافت　　دونوں نہیں (✓)

6۔ سوشلزم ردعمل تھا۔

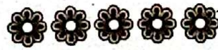
سرمایہ داری نظام کا (✓)　　کیپٹلزم کا　　دونوں کا

7۔ او آئی سی کا صدر دفتر ہے۔

اسلام آباد　　مدینہ منورہ　　دونوں نہیں (✓)

8۔ جاپان پر ایٹم برسائے۔

چین　　روس　　امریکہ (✓)



الاقتصاد الاسلامی 1445ھ/2024 (ضمنی)

حصہ انشائیہ: کل نمبر 72

نوٹ: حصہ انشائیہ سے کوئی سے چار سوال حل کریں۔ ہر سوال کے 18 نمبر ہیں۔

سوال 1: معاشی نظام کی اہمیت وضرورت نوٹ کرتے ہوئے سرمایہ داری اور اشتراکیت کے نقائص واضح کریں۔

جواب: معاشی نظام کی اہمیت و ضرورت: انسانی معاشرہ ایک پیچیدہ اور مربوط معاشرہ ہے جس کے استحکام اور بقا کے لیے مختلف نظاموں کی ضرورت ہوتی ہے۔ ان میں معاشی نظام کو بنیادی اہمیت حاصل ہے، کیونکہ یہ انسانی زندگی کے بنیادی تقاضوں یعنی خوراک، لباس، رہائش اور دیگر ضروریات کی تکمیل کا ذریعہ ہے۔ معاشی نظام درحقیقت ان اصولوں، قوانین اور اداروں پر مشتمل ہوتا ہے جو وسائل کی تخلیق، تقسیم، استعمال اور تبدیلی کو منظم کرتے ہیں۔ اس کے بغیر کسی بھی معاشرے کا تصور محال ہے۔

معاشی نظام کی اہمیت کے چند کلیدی پہلو درج ذیل ہیں:

بنیادی انسانی ضروریات کی تکمیل: معاشی نظام کا سب سے پہلا اور اہم مقصد معاشرے کے ہر فرد تک اس کی بنیادی ضروریات زندگی پہنچانا ہے۔ یہ نظام اس بات کو یقینی بناتا ہے کہ خوراک، پانی، رہائش، صحت اور تعلیم جیسی ضروریات پیدا کی جائیں اور ان تک ہر فرد کی رسائی ممکن ہو۔ بغیر کسی منظم نظام کے، وسائل کی غیر منصفانہ تقسیم، قلت اور معاشی بدامنی پیدا ہوتی ہے۔

وسائل کی مختص تقسیم: دنیا کے وسائل محدود ہیں جبکہ انسانی خواہشات لامحدود۔ معاشی نظام کا ایک اہم کام یہ طے کرنا ہے کہ ان محدود وسائل کو مختلف متبادل استعمالوں کے درمیان کیسے تقسیم کیا جائے تاکہ معاشرے کے فوائد کو زیادہ سے زیادہ کیا جا سکے۔ یہ فیصلہ کرتا ہے کہ کون سی اشیا کتنی مقدار میں پیدا کی جائیں، کن کے لیے پیدا کی جائیں اور کس طرح تقسیم کی جائیں۔

معاشی استحکام اور ترقی: ایک مضبوط معاشی نظام معاشرے میں استحکام لاتا ہے۔ یہ روزگار کے مواقع پیدا کرتا ہے، سرمایہ کاری کو فروغ دیتا ہے اور معیشت کی شرح نمو کو مستحکم رکھتا ہے۔ یہ استحکام درحقیقت قومی ترقی کی بنیاد ہے، جس سے انفرادی اور اجتماعی خوشحالی ممکن ہوتی ہے۔

سماجی انصاف اور انسانی وقار: ایک عادلانہ معاشی نظام سماجی انصاف کی ضمانت ہوتا ہے۔ اس کا مقصد صرف دولت پیدا کرنا نہیں بلکہ اسے اس طرح تقسیم کرنا ہے کہ معاشرے کے کمزور اور پسماندہ طبقات کے ساتھ امیروں کا فرق بہت زیادہ نہ ہو۔ زکوٰۃ، صدقات اور دیگر اجتماعی فلاحی اقدامات کا مقصد بھی یہی ہے کہ معاشرے میں کوئی شخص بھوکا یا بے سہارا نہ رہے، جس سے انسانی وقار محفوظ رہتا ہے۔

بین الاقوامی تعلقات میں کردار: آج کی گلوبل ویلیج میں کوئی بھی ملک دوسرے ممالک سے کٹ کر نہیں رہ سکتا۔ معاشی نظام بین الاقوامی تجارت، سرمایہ کاری اور تعاون کی بنیاد بنتا ہے۔ ایک مستحکم اور فعال معاشی نظام ملک کو عالمی سطح پر مضبوط مقام دیتا ہے اور دوسرے ممالک کے ساتھ تعلقات استوار کرنے میں اہم کردار ادا کرتا ہے۔

سرمایہ داری (Capitalism) اور اشتراکیت (Communism) بیسویں صدی کی دو عظیم معاشی نظریاتی قوتیں تھیں جو ایک دوسرے کی حریف رہی ہیں۔ دونوں ہی نے انسانی معاشروں پر گہرے اثرات مرتب کیے، لیکن عملی تطبیق کے دوران دونوں نظاموں کے ایسے سنگین نقائص سامنے آئے جو ان کے دعوؤں کے برعکس تھے۔ ان کے بنیادی نقائص درج ذیل ہیں۔

الف۔ سرمایہ داری کے نقائص

امیر اور غریب کے درمیان خلیج کا بے تحاشہ بڑھنا: سرمایہ داری نظام کا سب سے بڑا نقص یہ ہے کہ اس میں دولت چند ہاتھوں میں مرتکز ہو جاتی ہے۔ آزاد منڈی کی معیشت اور منافع خوری کی دوڑ میں امیر ترین لوگ اور بڑی کارپوریشنیں امیر سے امیر تر ہوتی جاتی ہیں، جبکہ غریب طبقہ اپنی بنیادی ضروریات پوری کرنے کے لیے بھی ترستا رہ جاتا ہے۔ اس سے معاشرے میں طبقاتی کشیدگی اور سماجی عدم استحکام پیدا ہوتا ہے۔

صرف منافع کی دوڑ: اس نظام کا واحد مقصد زیادہ سے زیادہ منافع کمانا بن جاتا ہے۔ اس دوڑ میں اخلاقیات، ماحولیات اور انسانی اقدار کو یکسر نظر انداز کر دیا جاتا ہے۔ فیکٹریاں ماحول کو آلودہ کرتی ہیں، صارفین کے ساتھ دھوکہ دہی ہوتی ہے اور محنت کشوں کا استحصال ہوتا ہے، کیونکہ ہر چیز منافع کے تابع ہوتی ہے۔

معاشی عدم استحکام اور کساد بازاری: سرمایہ داری نظام میں "Boom and Bust"

کے چکر (یعنی تیزی اور کساد بازاری کے دور) آتے رہتے ہیں۔ غیر منظم منڈی میں غیر ضروری سرمایہ کاری، قرضوں کے بلبلے اور حبسِ تجارت (Market Speculation) کے باعث وقتاً فوقتاً معاشی بحران آتے رہتے ہیں، جس کا خمیازہ عام آدمی کو بے روزگاری اور غربت کی صورت میں بھگتنا پڑتا ہے۔ 1930 کی عظیم کساد بازاری اور 2008 کا مالیاتی بحران اس کی واضح مثالیں ہیں۔

ثقافتی اور اخلاقی اقدار کا زوال: سرمایہ داری صرف ایک معاشی نظام نہیں، بلکہ ایک ثقافت بھی ہے۔ یہ صرف اور مصرفیت (Consumerism) کو فروغ دیتی ہے، جہاں انسان کی قدر اس کی خریداری کی صلاحیت سے لگائی جاتی ہے۔ اس سے مادہ پرستی، لالچ اور خودغرضی جیسی صفات پروان چڑھتی ہیں اور روحانی و اخلاقی اقدار دم توڑ دیتی ہیں۔

ب۔ اشتراکیت کے نقائص

انفرادی آزادیوں کا خاتمہ: اشتراکیت کا سب سے بڑا نقص فرد کی آزادی کو سلب کرنا ہے۔ اس نظام میں ریاست ہر چیز پر کنٹرول کرتی ہے، جس سے شہریوں کی سیاسی، معاشی اور ذہنی آزادی ختم ہو جاتی ہے۔ انتخاب کا حق، ملکیت کا حق اور اظہار رائے کی آزادی جیسی بنیادی انسانی آزادیوں پر پابندی عائد ہو جاتی ہے۔

جدت اور ترقی میں رکاوٹ: جب منافع کمانے کا محرک ہی ختم کر دیا جائے تو جدت اور اختراع کا سلسلہ بھی سست پڑ جاتا ہے۔ مقابلے کے بغیر کام کرنے کی ترغیب نہیں رہتی۔ اس کی واضح مثال سوویت یونین ہے، جہاں مرکزی منصوبہ بندی کے باوجود معیار زندگی مغربی ممالک کے مقابلے میں بہت پیچھے رہ گیا اور اختراعات نہ ہونے کے برابر تھیں۔

ناکارہ اور بدعنوان بیورو کریسی: تمام معیشت پر ریاستی کنٹرول ایک ایسی بیوروکریسی (نوکر شاہی) کو جنم دیتا ہے جو انتہائی سست، ناکارہ اور بدعنوان ہوتی ہے۔ ہر چیز کے لیے سرکاری افسران پر انحصار ہوتا ہے، جس سے رشوت ستانی، اقربا پروری اور سفارش کا دور دورہ ہوتا ہے۔ عام آدمی کو اپنے چھوٹے سے چھوٹے کام کے لیے بھی سرکاری دفاتر کے چکر لگانے پڑتے ہیں۔

معاشی عدم توازن اور قلت: مرکزی منصوبہ ساز یہ اندازہ لگانے میں اکثر ناکام رہتے ہیں کہ عوام کو کن چیزوں کی کتنی ضرورت ہے۔ نتیجتاً معاشرے میں بعض اشیا کی شدید قلت ہو جاتی ہے تو بعض اشیا کے ڈھیر لگ جاتے ہیں۔ لوگوں کو بنیادی ضروریات کی چیزوں کے حصول کے لیے لمبی لمبی قطاریں لگانی

پڑتی ہیں، جبکہ اعلیٰ عہدوں پر بیٹھے لوگوں کو ہر سہولت میسر ہوتی ہے، جس سے ایک نئی قسم کی طبقاتی تقسیم پیدا ہو جاتی ہے۔

سوال 2: زراعت سے متعلق اسلام کا نقطہ نظر واضح کریں اور زراعت کی جائز و ناجائز صورتوں کی نشاندہی کریں۔

جواب: اسلام ایک مکمل ضابطہ حیات ہے جو انسانی زندگی کے ہر پہلو کی رہنمائی کرتا ہے، اور زراعت کو بھی اس میں مرکزی اہمیت حاصل ہے۔ اسلام کا نقطہ نظر یہ ہے کہ زمین اور اس کی پیداوار اللہ کی عطا کردہ نعمتیں ہیں، جن سے انسانی فلاح و بہبود کے لیے صحیح طریقے سے فائدہ اٹھانا عبادت کے مترادف ہے۔

اسلام کا زراعت کے بارے میں بنیادی نقطہ نظر:

1. **زراعت ایک قابل احترام پیشہ:** نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''کوئی مسلمان ایسا نہیں جو درخت لگائے یا کھیتی باڑی کرے پھر اس میں سے کوئی پرندہ یا انسان یا چوپایا کھائے، مگر اسے اس کے لیے صدقہ کا ثواب ملتا ہے۔'' (صحیح بخاری) اس سے زراعت کی فضیلت اور اہمیت واضح ہوتی ہے۔

2. **زمین کی آباد کاری فرض:** زمین کو آباد کرنا اور اس سے حلال روزی کمانا اسلامی تعلیمات کا حصہ ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ''وہی ہے جس نے تمہیں زمین سے پیدا کیا اور اس میں تمہیں آباد کیا۔'' (ہود: 61)

3. **کھیتی باڑی میں باہمی تعاون:** اسلام نے کسانوں اور مزدوروں کے درمیان انصاف پر مبنی تعلقات کو فروغ دیا ہے۔ غلے کی برداشت کے وقت حق داروں (کسان، مزدور، غریب) کے حقوق ادا کرنے کی تلقین کی گئی ہے۔

زراعت کی جائز صورتیں:

1. **حلال اجناس و پھل کی کاشت:** گندم، جو، چاول، سبزیاں، پھل وغیرہ کی کاشت کرنا نہ صرف جائز بلکہ مستحب عمل ہے۔

2. **حیوانات کی حلال پرورش:** حلال جانوروں جیسے گائے، بکری، مرغی وغیرہ کی پرورش اور ان کی دیکھ بھال کرنا جائز ہے۔

3. **منصفانہ شراکت داری:** مزارعت (پانی، بیج، زمین کی شراکت داری) کے جائز طریقے جیسے موساقاہ (پھل دار درختوں کی دیکھ بھال پر شراکت) جائز ہیں۔

4. بیت المال کی زمینوں کی آباد کاری: اسلامی حکومت کی اجازت سے بیت المال یا سرکاری زمینوں پر کاشت کاری کرنا جائز ہے۔

زراعت کی ناجائز صورتیں:

1. حرام چیزوں کی کاشت: شراب بنانے والی اجناس (انگور، جو)، تمباکو، یا دیگر نشہ آور چیزوں کی کاشت کرنا ناجائز ہے، سوائے اس کے کہ ان کا طبی یا جائز استعمال مقصود ہو۔

2. سود پر قرضہ لے کر کاشت کاری: اگر کاشتکاری کے لیے سود پر قرضہ لیا جائے تو یہ ناجائز ہے، کیونکہ سود اسلام میں حرام ہے۔

3. مزدوروں کے حقوق کی پامالی: کاشتکاری میں مزدوروں کو ان کی اجرت نہ دینا یا ان کے ساتھ ناانصافی کرنا حرام ہے۔ نبی ﷺ نے فرمایا: ''مزدور کا پسینہ خشک ہونے سے پہلے اس کی مزدوری ادا کردو۔''

4. زمین کو بنجر چھوڑنا: اگر کوئی شخص زمین رکھتا ہو اور اسے بنجر چھوڑ دے تاکہ دوسرے اس سے فائدہ نہ اٹھا سکیں، تو یہ ناجائز ہے۔

5. نقصان دہ کیمیائی مواد کا استعمال: ایسے کیمیکلز کا استعمال جو زمین، فصلوں یا انسانی صحت کے لیے مضر ہوں، ناجائز ہے، کیونکہ اس سے ''لا ضرر ولا ضرار'' (نہ نقصان پہنچاؤ اور نہ نقصان اٹھاؤ) کے اسلامی اصول کی خلاف ورزی ہوتی ہے۔

خلاصہ: اسلام زراعت کو معاشی خود انحصاری، غربت کے خاتمے اور معاشرتی فلاح کا اہم ذریعہ سمجھتا ہے، بشرطیکہ اسے شریعت کے دیے ہوئے اصولوں کے مطابق انجام دیا جائے۔

سوال 3: سود کی معاشی اخلاقی قباحتوں کا تذکرہ کر کے اسلامی بینکاری کے خدوخال قلم بند کریں۔

جواب: سود کی معاشی و اخلاقی قباحتیں

1. دولت کی غیر منصفانہ تقسیم: سودی نظام میں جو دولت پیدا ہوتی ہے، وہ عموماً پیسے پر پیسہ کمانے کے ذریعے بنتی ہے یعنی جو پہلے سے سرمایہ رکھتا ہے وہ بغیر محنت یا پیداواری حصہ داری کے اپنی دولت بڑھا لیتا ہے۔ نتیجتاً آمدنی اور دولت کا فرق بڑھتا ہے: محنت کش اور چھوٹے کاروباری افراد قرض کے بوجھ تلے دب جاتے ہیں جبکہ قرض دینے والے (سرمایہ دار) امیر ہوتے جاتے ہیں۔ یہ عدم مساوات طویل عرصے میں سماجی تناؤ، سیاسی عدم استحکام اور کمزور طبقوں کی معاشی محرومی کو جنم دیتی ہے

کیونکہ معاشی مواقع محدود ہاتھوں تک رہ جاتے ہیں۔

2۔ سرمائے کا ارتکاز: سودی معیشت میں منافع کا بڑا حصہ مالی منڈیوں اور بینکنگ سیکٹر میں جمع ہو جاتا ہے، جس سے سرمایہ چند ہاتھوں میں مرتکز ہو جاتا ہے۔ جب سرمائے کی ملکیت مرکزی ہو جائے تو چھوٹے سرمایہ کار اور مقامی صنعتیں وسائل تک کم رسائی پاتی ہیں نئی انوویشن، چھوٹے کاروبار اور مقامی صنعتیں فروغ نہیں پاتیں۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اقتصادی طاقت اور سیاسی اثر و رسوخ بھی مخصوص گروپوں میں جمع ہو کر معاشرتی توازن خراب کرتا ہے۔

3۔ حقیقی معیشت سے دوری: سودی لین دین عموماً اثاثہ یا پیداواری سرگرمی سے منسلک نہیں ہوتے یہ محض رقم و سود کا تبادلہ ہوتے ہیں۔ اس سے معیشت میں سرمایہ حقیقی پروجیکٹس (مثلاً پیداوار، انفراسٹرکچر یا کاروبار) کے بجائے مالیاتی سکیورٹیز اور کریڈٹ کریزس کی طرف زیادہ بہتا ہے۔ جب سرمایہ پیداواری سرگرمیوں میں کم جاتا ہے تو روزگار، پیداواری صلاحیت اور طویل مدتی اقتصادی نمو متاثر ہوتی ہے، اور بلبلا سازی (bubbles) اور کساد بازاری کے خطرات بڑھ جاتے ہیں۔

4۔ اخلاقی تباہی: سود کا نظام نہ صرف اقتصادی نقصان دیتا ہے بلکہ سماجی و اخلاقی اثرات بھی مرتب کرتا ہے: قرض لینے والا اکثر مایوسی اور تکلیف محسوس کرتا ہے جبکہ قرض دینے والا منفعت پر مبنی رویہ اختیار کر لیتا ہے۔ یہ نظام محنت، تعاون اور رفیقانہ مدد کی جگہ خودغرضی، منافع خوری اور بے حسی کو فروغ دیتا ہے۔ مزید برآں، سودی لین دین میں اکثر چھپے ہوئے طے شدہ قواعد اور غیر شفاف شرائط شامل ہوتی ہیں جو اخلاقی اعتبار سے منصفانہ نہیں ہوتیں اس سے معاشرتی اعتماد کمزور پڑتا ہے۔

5۔ غربت و معاشرتی بے چینی: سودی قرضے گھریلو معیشت کو کمزور کرتے ہیں: جب افراد یا خاندان سود کی ادائیگی میں ناکام رہتے ہیں تو جائیدادیں ضبط، کاروبار بند اور رہائش خطرے میں آجاتی ہے، جس سے غربت گہری ہو جاتی ہے۔ اس کے نتیجے میں سماجی مسائل جیسے بے روزگاری، گھریلو تشدد، اور جرائم میں اضافہ ممکن ہے۔ اسی لیے اسلامی اقتصادی نقطۂ نظر میں قرض کو آسان، معاون اور حقیقی پیداوار سے منسلک رکھا جاتا ہے تاکہ ایسے سماجی نقصانات روکے جائیں۔

اسلامی بینکاری کے خدوخال

1۔ سود سے مکمل اجتناب: اسلامی بینکاری کا سب سے بنیادی اصول ربا (سود) کی حرمت ہے؛ لہٰذا بینکنگ پراڈکٹس میں سودی عنصر کو بالکل ختم کیا جاتا ہے۔ اس کے لیے بینک اپنے لین دین کو خرید

فروخت، شراکت یا کرایہ کی بنیاد پر ڈیزائن کرتے ہیں تاکہ منافع اثاثہ یا خدمات کے حقیقی تبادلے سے پیدا ہو۔ اس اجتناب کا مقصد معاشی انصاف، استحکام اور محنت سے منسلک منافع کو فروغ دینا ہے۔

2۔ **شراکت داری مضاربہ و مشارکہ:** اسلامی بینکاری میں موخر الذکر شراکت داری کے ماڈلز (مضاربہ اور مشارکہ) اہم ہیں: مضاربہ میں ایک فریق (سرمایہ دار) سرمایہ دیتا ہے اور دوسرا فریق (عامل) کاروبار چلاتا ہے؛ منافع پہلے سے طے شدہ تناسب سے تقسیم ہوتا ہے جبکہ نقصان سرمایہ دار برداشت کرتا ہے (جبکہ غفلت یا بدانتظامی ثابت ہو تو عامل کی ذمہ داری ہوتی ہے)۔ مشارکہ میں دونوں فریق سرمایہ اور محنت دونوں فراہم کرتے ہیں اور نقصان و منافع دونوں اشتراک سے اٹھائے جاتے ہیں۔ یہ طریقہ کار رسک شیئرنگ کو فروغ دیتا ہے اور قرضی بوجھ کی بجائے شراکت کے ذریعے اقتصادی سرگرمی کو بڑھاتا ہے۔

3۔ **حقیقی اثاثہ جات کی بنیاد (Asset-backed finance):** اسلامی مالیات میں زیادہ تر معاہدے اثاثہ یا سروس کی بنیاد پر ہوتے ہیں یعنی فنانسنگ اثاثہ یا تجارتی سرگرمی سے جڑی ہوتی ہے۔ مثال کے طور پر کاروبار کو فنانس اس وقت دیا جاتا ہے جب وہ کسی حقیقی پروجیکٹ یا قابلِ فروخت پراڈکٹ میں سرمایہ کاری کرے۔ اس سے مالیاتی شعبے کا ربط حقیقی معیشت سے مضبوط رہتا ہے، بلبلا سازی کا امکان کم ہوتا ہے اور سرمایہ پیداواری سرگرمیوں میں لگتا ہے۔

4۔ **کرایہ داری (اجارہ):** اجارہ میں بینک کسی اثاثے (مثلاً مشینری، گاڑی یا عمارت) کو خرید کر گاہک کو معینہ مدت کے لیے کرایہ پر دیتا ہے۔ قسطوں کی ادائیگی دوران استعمال کرایہ کے طور پر ہوتی ہے اور آخر میں اثاثے کی ملکیت کی شرط مختلف معاہدوں کے مطابق طے کی جا سکتی ہے۔ اجارہ سودی قرضے کی جگہ ایک شفاف کرایہ دارانہ معاہدہ پیش کرتا ہے جس میں قیمت اور مدت پہلے سے واضح ہوتی ہیں۔

5۔ **مرابحہ (خرید و فروخت پر مبنی فنانسنگ):** مرابحہ میں بینک کسی شے کو گاہک کی درخواست پر خریدتا ہے اور پھر اسے طے شدہ منافع کے ساتھ بیچ دیتا ہے قیمت اور منافع معاہدے میں واضح ہوتے ہیں۔ یہ قسطی فروخت کی ایک شکل ہے جس میں سود کی بجائے منافع شامل ہوتا ہے، اور شفافیت برقرار رکھنے کے لیے بینک کو خریداری کی قیمت اور منافع ظاہر کرنا ہوتا ہے۔ مرابحہ عام طور پر گھریلو یا تجارتی سامان کی خریداری میں استعمال ہوتا ہے۔

6۔ **بیع مؤجل (قسطی فروخت):** قسطی فروخت میں مال کی فروخت فوراً ہو جاتی ہے جبکہ

...یکی مؤخر (قسطوں میں) کی جاتی ہے؛ قیمت اور قسطوں کا شیڈول پہلے سے واضح ہوتا ہے۔ اس طریقہ کار میں سود کا عنصر نہیں ہوتا، بلکہ بیچنے والا اپنی فروخت پر منافع شامل کرتا ہے جو کہ معاہدے کا حصہ ہوتا ہے۔ اس سے صارفین کو روایتی کریڈٹ کے بغیر قسطوں میں خریداری کی سہولت ملتی ہے مگر شفافیت لازمی ہے تاکہ غیر منصفانہ شرائط سے بچا جا سکے۔

7۔ زکوٰۃ، صدقات اور سماجی ذمہ داری: اسلامی بینکاری میں مالی معاملات کو سماجی مفاد سے جوڑا جاتا ہے: بینکوں اور فلاحی اداروں کے ذریعہ زکوٰۃ، صدقات اور وقف کے نظام کو مربوط رکھنے کی حوصلہ افزائی کی جاتی ہے۔ اس کا مقصد وہ دولت جو مخصوص طبقات یا ضرورت مند افراد کی طرف جائے، یقینی بنانا ہے یوں دولت کا بہاؤ توازن میں رہتا ہے اور معاشرتی فلاح کو تقویت ملتی ہے۔ کئی اسلامی بینک اپنے منافع کا ایک حصہ سماجی پروگرامز، مائیکرو فنانسنگ اور غربت کش منصوبوں میں مختص کرتے ہیں۔

8۔ انصاف، شفافیت اور گارنٹی برائے اخلاقیات: اسلامی بینکاری میں غرر (انتہائی غیر یقینی) اور میسر (جوئے) کی ممانعت کے سبب معاہدات میں تمام شرائط واضح اور معقول رکھی جاتی ہیں۔ شفاف معاہدے، شریعہ کمیٹیاں (Shariah boards) کی نگرانی، اور واضح قیمتوں کا تقاضا اس بات کو یقینی بناتا ہے کہ کسٹمر اور بینک دونوں حقوق سے آگاہ ہوں۔ اس طرزِ کار سے دھوکہ دہی، مبہم شرائط اور غیر متوقع دعوؤں کے امکانات کم ہو جاتے ہیں۔

9۔ سماجی فلاح اور طویل مدتی اقتصادی استحکام: اسلامی بینکاری کا ہدف محض مختصر مدتی منافع نہیں بلکہ معاشرے کی مجموعی فلاح ہے روزگار میں اضافہ، چھوٹے کاروباروں کی ترویج، اور مالی شمولیت (financial inclusion) اس کا حصہ ہیں۔ چونکہ یہ نظام پیداواری پروجیکٹس اور شراکت داریوں کو ترجیح دیتا ہے، لہٰذا معیشت میں بنیادی استحکام اور پائیدار نمو کے امکان بڑھ جاتے ہیں۔ اس کے علاوہ، اس نوعِ فنانسنگ سے معاشرتی ہم آہنگی اور اعتماد کی فضا پروان چڑھتی ہے۔

سوال :4 تجارتی بدعنوانیوں کا سدباب کیسے ممکن ہے؟ مدلل نوٹ کریں۔

سوال :5 درج ذیل میں سے تین پر لکھیں۔ 1۔ اسلامی حکومت کے ذرائع آمدن 2۔ انشورنس 3۔ سود کے نقصانات 4۔ شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ کے اقتصادی افکار

جواب : **1۔ اسلامی حکومت کے ذرائع آمدن:** اس سوال کا جواب 2025 کے سالانہ پرچہ میں دیکھیں۔

الحدیث واصولہ للطلبہ 1446ھ/2025 (سالانہ)

حصہ انشائیہ: کل نمبر 70

نوٹ: حصہ انشائیہ الحدیث سے کوئی سے تین سوال حل کریں۔ ہر سوال کے 14 نمبر ہیں۔

الحدیث

سوال :1 باب الْوَعِيدِ الشَّدِيدِ لِمَنْ عَذَّبَ النَّاسَ بِغَيْرِ حَقٍّ. حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ حَدَّثَنَا حَفْصُ بْنُ غِيَاثٍ عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ عَنْ أَبِيهِ عَنْ هِشَامِ بْنِ حَكِيمِ بْنِ حِزَامٍ قَالَ مَرَّ بِالشَّامِ عَلَى أُنَاسٍ وَقَدْ أُقِيمُوا فِي الشَّمْسِ وَصُبَّ عَلَى رُءُوسِهِمُ الزَّيْتُ فَقَالَ مَا هَذَا قِيلَ يُعَذَّبُونَ فِي الْخَرَاجِ. فَقَالَ أَمَا إِنِّي سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ يَقُولُ "إِنَّ اللّٰهَ يُعَذِّبُ الَّذِينَ يُعَذِّبُونَ فِي الدُّنْيَا."

درج بالا باب اور حدیث کا ترجمہ کرتے ہوئے درج ذیل سوالات کے مختصر جوابات تحریر کریں۔ 1۔خط کشیدہ کی نحوی وصرفی توجیہ کریں۔ 2۔ حدیث کی کتاب البر والصلہ سے مناسبت ذکر کریں۔ 3۔ امام مسلم رحمہ اللہ کے شیخ کا مختصر تعارف لکھیں۔ 4۔ غصہ کے وقت کیا پڑھنا چاہیے۔ 5۔خراج کیا ہے اور اس کا شرعی حکم کیا ہے؟

جواب **ترجمہ باب:** لوگوں کو ناحق تکلیف دینے والے کے لیے سخت وعید کا بیان۔

ترجمہ حدیث: حضرت ہشام بن حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: وہ شام میں کچھ لوگوں پر گزرے جنہیں دھوپ میں کھڑا کیا گیا تھا اور ان کے سروں پر تیل ڈالا گیا تھا۔ انہوں نے پوچھا: ''یہ کیا ہے؟'' کہا گیا: ''انہیں خراج (ٹیکس) کے معاملے میں سزا دی جا رہی ہے۔'' تو حضرت ہشام رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے: بے شک اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو عذاب دے گا جو دنیا میں دوسروں کو عذاب دیتے ہیں۔''

سوالات اور جوابات:

سوال :1 خط کشیدہ کی نحوی وصرفی توجیہ کریں۔

جواب 1۔ وَقَدْ أُقِيمُوا فِي الشَّمْسِ: وَ حرف عطف۔ قَدْ حرف تحقیق، فعل کے ساتھ آتا ہے

تا کہ وقوع کو مؤکد کرے۔ أُقِيمُوا فعل ماضی مجہول، صیغہ جمع مذکر غائب۔ مادہ: (ق و م) "أقام" (باب اِفعال) واو: نائب فاعل (یعنی وہ لوگ)۔ فِي حرف جر۔ الشَّمْسِ اسم مجرور، متعلق بالفعل "أُقِيمُوا".

2۔ " إِنَّ اللّٰهَ يُعَذِّبُ: إِنَّ حرف توکید ونصب۔ اللّٰهَ اسم "إن" منصوب (علامت نصب: فتحہ)۔ يُعَذِّبُ فعل مضارع مرفوع، صیغہ واحد مذکر غائب، باب تفعیل (عذّب يعذّب تعذيباً)۔ یہ "إن" کی خبر ہے (جملہ فعلیہ خبریہ کے طور پر)۔

سوال:2 کتاب البر والصلہ سے مناسبت:

جواب: کتاب البر والصلہ کا موضوع لوگوں کے ساتھ حسن سلوک، رحمت اور عدل پر مشتمل ہے۔ یہ حدیث اسی ذیل میں ہے کہ بندوں کو ناحق ایذا دینا ظلم ہے اور اس ظلم کا بدلہ اللہ تعالیٰ دنیا و آخرت میں سخت عذاب سے دے گا۔

سوال:3 امام مسلم رحمہ اللہ کے شیخ (أبو بكر بن أبي شيبة) کا مختصر تعارف:

جواب: نام: ابو بکر عبداللہ بن محمد بن ابراہیم بن عثمان العبسی الکوفی رحمہ اللہ (م 235ھ)۔ مشہور محدث، ثقہ، صاحبِ "المصنف"۔ امام مسلم رحمہ اللہ، امام احمد رحمہ اللہ اور دوسرے ائمہ نے ان سے روایت لی۔ محدثین کے ہاں جلیل القدر ثقہ امام شمار ہوتے ہیں۔

سوال:4 غصہ کے وقت کیا پڑھنا چاہیے؟

جواب: 1۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "أعوذ بالله من الشيطان الرجيم" پڑھنا چاہیے۔ (صحیح بخاری) 2۔ اگر کھڑا ہو تو بیٹھ جائے، بیٹھا ہو تو لیٹ جائے۔ 3۔ وضو کر لینا چاہیے کیونکہ غصہ آگ سے ہے اور آگ کو پانی بجھاتا ہے۔

سوال:5 خراج کیا ہے اور اُس کا شرعی حکم کیا ہے؟

جواب: خراج: اسلامی ریاست کی طرف سے زمین پر لیا جانے والا ٹیکس/محصول ہے جو غیر مسلم مفتوحہ علاقوں کی زمینوں پر عائد کیا جاتا تھا۔

شرعی حکم: 1۔ خراج لینا جائز ہے اور اسلامی مالیات کا مستقل باب ہے۔ 2۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عراق و شام کی زمینوں پر خراج عائد کیا۔ 3۔ یہ ظلم نہیں ہونا چاہیے، بلکہ عدل کے ساتھ مقرر کیا جائے۔

سوال 2: مندرجہ ذیل احادیث کا ترجمہ کریں اعراب لگائیں اور ہر ایک سے دو دو فقہی مسائل کا استنباط کریں۔

(الف) مَنْ صَلَّى الصُّبْحَ فَهُوَ فِي ذِمَّةِ اللّٰهِ فَلاَ يَطْلُبَنَّكُمُ اللّٰهُ مِنْ ذِمَّتِهِ بِشَيْءٍ فَيُدْرِكَهُ فَيَكُبَّهُ فِي نَارِ جَهَنَّمَ

جواب ترجمہ: ''جو شخص فجر کی نماز پڑھ لیتا ہے، وہ اللہ کی ذمہ داری میں ہوتا ہے۔ لہٰذا اللہ کے ذمہ سے متعلق (یعنی اس کی پناہ میں آنے والے) کے بارے میں کوئی کوتاہی نہ کرو، ورنہ اللہ اسے پکڑ لے گا اور جہنم کی آگ میں الٹا پھینک دے گا۔''

فقہی مسائل: 1۔ فجر کی نماز کی ادائیگی انسان کو اللہ کی خاص حفاظت اور ضمانت میں لے آتی ہے۔

2۔ کسی شخص کو جو اللہ کے ذمہ (پناہ) میں ہو، نقصان پہنچانا یا اس پر ظلم کرنا حرام ہے۔

(ب) اَلْوَلَدُ لِلْفِرَاشِ وَلِلْعَاهِرِ الْحَجَرُ وَاحْتَجِبِي مِنْهُ يَا سَوْدَةُ بِنْتَ زَمْعَةَ .'' قَالَتْ فَلَمْ يَرَ سَوْدَةَ قَطُّ

جواب: ترجمہ: ''بچہ بستر (یعنی شوہر) کا ہوتا ہے، اور زناکار کے لیے پتھر (یعنی کچھ نہیں) ہے۔ اے سودہ بنت زمعۃ! تم اس سے پردہ کرو۔'' راوی کہتے ہیں: اس کے بعد اس نے (وہ شخص) سودہ کو کبھی نہیں دیکھا۔

فقہی مسائل: 1۔ نسب کا تعلق نکاح اور بستر سے ہے، زناکار کا بچہ اس سے ثابت نہیں ہوتا۔

2۔ عورت کو پردے کا حکم دینا ثابت ہے، خصوصاً اجنبی مرد سے پردہ لازم ہے۔

(ج) لاَ تَسْأَلِ الإِمَارَةَ فَإِنَّكَ إِنْ أُعْطِيتَهَا عَنْ مَسْأَلَةٍ وُكِلْتَ إِلَيْهَا وَإِنْ أُعْطِيتَهَا عَنْ غَيْرِ مَسْأَلَةٍ أُعِنْتَ عَلَيْهَا

جواب: ترجمہ: ''امارت (حکومت یا قیادت) کا سوال نہ کرو۔ کیونکہ اگر تم اسے سوال کے ذریعہ حاصل کرو گے تو اس کے (بوجھ) کے حوالے کر دیے جاؤ گے، اور اگر بغیر سوال کے تمہیں دی جائے تو اس پر تمہاری مدد کی جائے گی۔''

فقہی مسائل: حکومت یا قیادت کے حصول کے لیے حرص اور خواہش رکھنا مذموم ہے۔ اگر قیادت بغیر سوال و لالچ کے ملے تو اللہ کی طرف سے اس پر اعانت اور توفیق شامل ہوتی ہے۔

سوال 3: درج ذیل ابواب میں سے تین کا ترجمہ کریں اور صحیح مسلم کی روشنی میں ان مسائل کی وضاحت کریں۔

(1) بَاب صِحَّة الِاحْتِجَاج بِالْحَدِيثِ الْمُعَنْعَن إِذَا أَمْكَنَ لِقَاءُ وَلَمْ يَكُنْ فِيهِمْ مُدَلِّسٌ

جواب : **ترجمہ:** وہ باب جس میں معنعن حدیث کے حجت ہونے کی صحت بیان کی گئی ہے، بشرطیکہ راویوں کا آپس میں ملاقات ممکن ہو اور ان میں سے کوئی مدلس نہ ہو۔

وضاحت: صحیح مسلم میں امام مسلم نے وضاحت کی ہے کہ اگر کوئی راوی یہ کہے: "عن فلان" اور یہ ثابت ہو کہ دونوں کی ملاقات ممکن تھی اور وہ تدلیس کے عادی نہ تھے تو ایسی روایت حجت ہے۔ اس سے حدیث کے قبول و رد کے اصول سامنے آتے ہیں۔ پہلا مسئلہ: روایت بالعن (یعنی "عن" کے ساتھ روایت کرنا) فی نفسہ قابلِ قبول ہے بشرطیکہ اتصال ثابت ہو۔ دوسرا مسئلہ: اگر راوی مدلس ہے تو پھر عنعنہ قبول نہیں ہوگی جب تک سماع صریح (مثلاً "حدثنا" یا "اخبرنا") ثابت نہ ہو۔

(2) باب مَا يُفْعَلُ بِالْهَدْيِ إِذَا عَطِبَ فِي الطَّرِيقِ.

جواب : **ترجمہ:** وہ باب جس میں بیان کیا گیا ہے کہ قربانی کا جانور اگر راستے میں مر جائے یا زخمی ہو کر قابلِ استعمال نہ رہے تو کیا کیا جائے۔

وضاحت: صحیح مسلم میں ہے کہ اگر ہدی (قربانی کا جانور جو حرم کی طرف لے جایا جا رہا ہے) راستے میں ہلاک ہو جائے تو اس کی کھال اور جوتی وغیرہ صدقہ کر دی جائیں، اس سے ذاتی فائدہ نہ اٹھایا جائے۔ پہلا مسئلہ: قربانی اللہ کے لیے خاص ہے، لہٰذا جب وہ مقصد پورا نہ ہو سکے تو اس سے ذاتی نفع اٹھانا جائز نہیں۔ دوسرا مسئلہ: اگر قربانی راستے میں فوت ہو جائے تو اس کا حکم عام قربانی سے مختلف ہے؛ کیونکہ وہ نذر یا عبادت کے ساتھ مخصوص ہے۔

(3) باب قَدْرِ أَسْوَاطِ التَّعْزِيرِ

جواب : **ترجمہ:** وہ باب جس میں تعزیری سزا کے کوڑوں کی مقدار بیان کی گئی ہے۔

وضاحت: صحیح مسلم اور دیگر احادیث میں آیا ہے کہ تعزیر کی سزا مقررہ حدود سے کم ہونی چاہیے۔ حدود مثلاً زنا کی حد سو کوڑے ہے، تو تعزیری کوڑوں کی تعداد اس سے کم ہوگی۔ پہلا مسئلہ: تعزیر کا مقصد اصلاح ہے، اس لیے مقدار کا تعین قاضی کی صوابدید پر ہے لیکن وہ حد سے زیادہ نہیں ہو سکتا۔ دوسرا مسئلہ: امام

مالک، شافعی رحمہ اللہ اور دیگر ائمہ کے نزدیک تعزیر میں سب سے بڑی حد کے قریب پہنچنا بھی مکروہ ہے، یعنی سختی سے زیادہ اصل مقصود سدِّ جرم ہے۔

(4)باب فِي إِغْمَاضِ الْمَيِّتِ وَالدُّعَاءِ لَهُ إِذَا حُضِرَ۔

جواب: ترجمہ: وہ باب جس میں مردے کی آنکھیں بند کرنے اور اس کے لیے دعا کرنے کا ذکر ہے جب وہ فوت ہو جائے۔

وضاحت: صحیح مسلم میں حضرت اُم سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ابوسلمہ رضی اللہ عنہ کا انتقال ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی آنکھیں بند کر دیں اور دعا کی: "اللهم اغفر لأبي سلمة..." پہلا مسئلہ: میت کی آنکھیں بند کرنا سنت ہے تاکہ بدن کو سکون اور دیکھنے والوں کو سکون حاصل ہو۔ دوسرا مسئلہ: میت کے لیے مغفرت اور بلندیِ درجات کی دعا کرنا سنت ہے اور اس سے ایصالِ ثواب بھی ثابت ہوتا ہے۔

(5)باب مَثَلُ الْمُؤْمِنِ كَالزَّرْعِ وَمَثَلُ الْكَافِرِ كَشَجَرِ الأَرْزِ

جواب: ترجمہ: وہ باب جس میں بیان ہوا کہ مؤمن کی مثال کھیتی کی طرح ہے اور کافر کی مثال صنوبر کے درخت کی طرح ہے۔

وضاحت: صحیح مسلم میں حدیث ہے کہ مؤمن مصیبتوں اور آزمائشوں میں کبھی جھک جاتا ہے اور کبھی سیدھا ہو جاتا ہے، بالکل کھیت کے درختوں کی طرح جنہیں ہوا جھکا دیتی ہے۔ جبکہ کافر کی مثال صنوبر کے درخت کی طرح ہے جو سیدھا کھڑا رہتا ہے لیکن ایک بار میں اکھاڑ کر گرایا جاتا ہے۔ پہلا مسئلہ: مؤمن مصائب پر صبر کرتا ہے اور مسلسل آزمائشیں اس کے گناہوں کا کفارہ بنتی ہیں۔ دوسرا مسئلہ: کافر بظاہر مضبوط دکھائی دیتا ہے لیکن انجام کار اچانک ہلاک کر دیا جاتا ہے۔

سوال:4 درج ذیل حدیث کا ترجمہ اور تشریح کریں نیز بتائیں مال ضمار کسے کہتے ہیں اور اس کی زکوۃ کا کیا حکم ہے؟

قال الامام مالك عن أيوب بن أبي تميمة السختياني أن عمر بن عبد العزيز: كتب في مال قبضه بعض الولاة ظلما يأمر برده إلى أهله ويؤخذ زكاته لما مضى من السنين ثم عقب بعد ذلك بكتاب أن لا يؤخذ منه إلا زكاة واحدة لأنه كان ضمارا

جواب: **ترجمہ:** امام مالک رحمہ اللہ، ایوب بن ابی تمیمہ سختیانی رحمہ اللہ سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ نے اس مال کے بارے میں، جسے کچھ حکام نے ظلماً (ناحق) وصول کرلیا تھا، یہ حکم لکھا کہ اسے اس کے مالکوں کو واپس کر دیا جائے اور گزرے ہوئے سالوں کی زکوٰۃ اس سے وصول کی جائے۔ پھر اس کے بعد آپ نے ایک دوسرا خط لکھا کہ اس میں سے صرف ایک ہی زکوٰۃ لی جائے، کیونکہ وہ مال ''ضمار'' تھا۔

حدیث کی تشریح و توضیح: یہ روایت ایک انتہائی اہم قانونی اور فقہی اصول کی جانب اشارہ کرتی ہے، جو کہ ظلم و زیادتی سے چھینے گئے مال کی واپسی اور اس پر زکوٰۃ کے احکام سے متعلق ہے۔

1. پہلا حکم (عرض الحال): حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کا ابتدائی حکم انتہائی انصاف پر مبنی تھا۔ جب کوئی حاکم یا والی کسی کا مال ناحق ضبط کر لے، تو عدل کا تقاضا یہی ہے کہ: اصل مال اس کے حقدار کو واپس کر دیا جائے۔ ساتھ ہی، جس مدت سے وہ مال ظالمانہ طور پر والی کے پاس رہا، اس پوری مدت کی زکوٰۃ بھی اس میں سے ادا کی جائے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ والی کے پاس یہ مال ''قبضہ'' میں تھا اور شرعی اعتبار سے قابض (مالک نہیں ہونے کے باوجود) پر زکوٰۃ واجب ہوتی ہے اگر مال اس کی ملکیت میں سمجھا جائے یا وہ اس کا منتظم ہو۔

2. دوسرا حکم (حتمی فیصلہ): تاہم، آپ نے غور و فکر کے بعد ایک نرمی اور رعایت پر مبنی دوسرا حکم جاری فرمایا۔ آپ نے کہا کہ مظلوم شخص سے صرف ایک سال کی زکوٰۃ لی جائے، گزرے ہوئے تمام سالوں کی نہیں۔ اس فیصلے کی بنیاد یہ تھی کہ یہ مال ''ضمار'' تھا۔

مالِ ضمار کسے کہتے ہیں؟ مالِ ضمار اس مال کو کہا جاتا ہے جو کسی وجہ سے اپنے مالک کی دسترس اور قبضے سے باہر ہو، جس تک اس کی پہنچ نہ ہو، اور وہ اسے نہ دیکھ سکتا ہو نہ اس پر تصرف کر سکتا ہو۔ یہ حالت کئی وجوہات سے بن سکتی ہے، مثلاً: مال کا ڈاکوؤں یا ظالم حکمرانوں کے ہاتھوں لوٹا جانا۔ مال کا زمین دوز ہو جانا یا کھو جانا۔ مال کا کسی ایسی جگہ ہونا جہاں سے اسے نکالنا ممکن نہ ہو۔ کسی کے ذمہ واجب الادا قرضہ جسے وہ ادا نہ کر رہا ہو اور وصولی مشکل ہو۔ وغیرہ

مالِ ضمار کی زکوٰۃ کا حکم: مالِ ضمار کی زکوٰۃ کے بارے میں فقہاء کا اہم اصول یہ ہے:

- زکوٰۃ واجب نہیں ہوتی: جب تک مال مالک کے قبضے میں نہ آئے، اس پر زکوٰۃ واجب نہیں ہوتی۔ کیونکہ زکوٰۃ کا وجوب مال کی ملکیت اور اس پر مکمل قبضے کے ساتھ مشروط ہے۔

قبضہ آنے کے بعد صرف ایک زکوٰۃ: جب یہ ضمار یا لاپتہ مال آخرکار مالک کے قبضے میں واپس آجائے، تو اس پر صرف ایک سال کی زکوٰۃ واجب ہوگی، چاہے وہ کتنی ہی طویل مدت (چند سال یا چند دہائیاں) باہر کیوں نہ رہا ہو

اصول الحدیث

نوٹ: حصہ انشائیہ اصول الحدیث سے کوئی سے دو سوال حل کریں۔ ہر سوال کے 14 نمبر ہیں۔

سوال 5: درج ذیل عبارت کا ترجمہ وتشریح کریں۔

فالسقط: إما أن يكون من مبادئ السند من مصنف، أومن آخره بعد التابعي، أوغير ذلك.فالأول: المعلق.والثاني هو المرسل.والثالث إن كان باثنين نصاعدا مع التوالي، فهو المعضل، وإلا فالمنقطع، ثم قد يكون واضحا أو خفيا.فالأول: يدرك بعدم التلاقي، ومن ثم احتيج إلى التأريخ.

جواب: ترجمہ: ''پس سند میں سقط (راوی کا ساقط ہونا) کبھی سند کے آغاز میں ہوتا ہے جو کہ مصنف کی طرف منسوب ہوتا ہے، یا کبھی سند کے آخر میں تابعی کے بعد ہوتا ہے، یا کبھی کسی اور جگہ۔ پہلا (یعنی آغاز میں سقط) معلّق کہلاتا ہے۔ دوسرا (یعنی آخر میں تابعی کے بعد سقط) مرسل ہے۔ اور تیسرا (یعنی درمیان میں سقط) اگر دو یا اس سے زیادہ راوی پے در پے ساقط ہوں تو مُعضَل کہلاتا ہے، ورنہ منقطع۔ پھر یہ سقط کبھی ظاہر (واضح) ہوتا ہے اور کبھی خفی (پوشیدہ)۔ ظاہر سقط وہ ہے جو راویوں کی آپس میں ملاقات نہ ہونے سے پہچانا جاتا ہے، اور اسی لیے علمِ تاریخ (یعنی رواۃ کی ولادت و وفات کا علم) کی ضرورت پیش آتی ہے۔''

تشریح: یہ عبارت سند میں راوی کے ''گرنے'' (سقط) کی فقہی و اصولی اقسام کو واضح کرتی ہے، جو فنِ حدیث کے بنیادی مباحث میں شمار ہوتی ہیں:

1. سند کے آغاز میں سقط معلّق: اگر مصنف (مثلاً امام بخاری یا امام مالک رحمہما اللہ) اپنی سند کے شروع سے ایک یا زیادہ راوی ذکر نہ کرے اور براہِ راست کسی بڑے راوی یا تابعی کا ذکر کر دے، تو یہ روایت معلّق کہلاتی ہے۔ جیسے امام بخاری رحمہ اللہ کی بعض معلقات۔

2. سند کے آخر میں تابعی کے بعد سقط مرسل: اگر تابعی کسی حدیث کو براہِ راست رسول اللہ ﷺ سے روایت کرے اور درمیان میں صحابی کا ذکر نہ کرے تو یہ مرسل حدیث ہے۔

3. سند کے درمیان سقط: اگر دو یا دو سے زیادہ راوی مسلسل ساقط ہوں تو یہ مُعضَل کہلاتی ہے۔ اگر ایک راوی گرا ہوا ہو یا دو لیکن پے در پے نہ ہوں تو یہ منقطع کہلاتی ہے۔

4. سقط کی دو صورتیں: واضح (جلی): جب سقط ظاہر ہو، جیسے معلوم ہو کہ فلاں نے فلاں سے نہیں سنا۔ یہ ''عدمِ تلاقی'' سے پہچانا جاتا ہے، اسی لیے محدثین نے رواۃ کے سنینِ ولادت و وفات اور ملاقاتوں کا علم جمع کیا تا کہ پتہ چل سکے کہ کون کس سے مل سکتا ہے یا نہیں۔ خفی (پوشیدہ): جب سقط فوراً ظاہر نہ ہو بلکہ تحقیق و دقتِ نظر سے معلوم ہو، جیسے تدلیس یا ارسالِ خفی وغیرہ۔

سوال :6 کن صورتوں میں تعدیل اور کن صورتوں میں جرح مقدم ہوتی ہے نیز اسماء وکنی کی معرفت پر کسی ایک کتاب کا نام مع مؤلف لکھیں۔

جواب: تعدیل و جرح کی تقدیم کے اصول: امام حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ نے ''نخبۃ الفکر'' اور اس کی شرح ''نزھۃ النظر'' میں راویوں کے حالات کے بیان (جرح وتعدیل) کے چند اہم اور بنیادی اصول ذکر فرمائے ہیں۔ جن صورتوں میں جرح مقدم ہوتی ہے اور جن میں تعدیل، ان کا خلاصہ درج ذیل ہے:

وہ صورتیں جن میں جرح مقدم ہوتی ہے: جرح (یعنی راوی کی کمزوری بیان کرنا) درج ذیل حالات میں تعدیل (یعنی تعریف کرنے) پر مقدم کی جاتی ہے: 1۔ جب جرح مفسر (واضح) ہو: یعنی اگر جرح کرنے والا راوی کی عین کمزوری بیان کر دے، جیسے کہے کہ ''یہ روایات میں بہت غلطیاں کرتا ہے''، ''یہ ضعیف ہے''، ''اس کی حفظ میں خرابی ہے''۔ جبکہ تعدیل مجرّد (بلا وجہ) ہو، یعنی مُعدِّل (تعریف کرنے والا) صرف یہ کہے کہ ''یہ ثقہ ہے'' یا ''قابل اعتماد ہے'' بغیر اس کی کوئی وجہ بتائے۔ وجہ: جرح مفسر ہونے کی وجہ سے تعدیل کے مقابلے میں زیادہ تفصیل اور وزن رکھتی ہے، کیونکہ مُجرِّح (جرح کرنے والا) کوئی اضافی معلومات دے رہا ہوتا ہے جس سے تعدیل کرنے والا واقف نہیں ہو سکتا۔ 2۔ جب مُجرِّح (جرح کرنے والا) حافظہ اور تحقیق کے اعتبار سے مُعدِّل (تعریف کرنے والا) سے زیادہ ماہر ہو: یعنی اگر جرح کرنے والا اصولِ حدیث اور رجال کی پہچان میں تعدیل کرنے والے سے بڑا عالم ہو۔ 3۔ جب جرح کرنے والے کی تعداد زیادہ ہو: اگر ایک آدمی تعدیل کرے لیکن چند لوگ واضح وجوہات کے ساتھ جرح کریں تو کثرت کی بنا پر جرح کو ترجیح دی جائے گی۔ 4۔ جب راوی کی بدعت (عقیدے کی خرابی) کی وجہ سے جرح کی گئی ہو: کیونکہ بدعتی راوی اپنے فاسد عقیدے کی تبلیغ کے لیے حدیثیں گھڑ سکتا ہے یا تحریف کر سکتا ہے۔ لہٰذا اس صورت میں جرح ہی معتبر ہے۔

وہ صورتیں جن میں تعدیل مقدم ہوتی ہے: تعدیل (یعنی راوی کی توثیق) درج ذیل حالات میں جرح پر مقدم ہوتی ہے: 1۔ جب جرح غیر مفسر (بے دلیل) ہو: یعنی اگر مجرح صرف یہ کہے کہ "یہ راوی قابل اعتماد نہیں ہے" یا "اس میں کچھ خلل ہے"، لیکن اس خلل یا کمزوری کی نوعیت واضح نہ کرے۔ جبکہ دوسری طرف تعدیل واضح اور پرزور ہو۔ وجہ: اصل اصول یہ ہے کہ ہر راوی قابل اعتماد ہے جب تک اس میں کوئی واضح عیب ثابت نہ ہو جائے۔ بے دلیل جرح اس اصل کو متاثر نہیں کر سکتی۔ 2۔ جب مُعَدِّل (تعریف کرنے والا) حافظہ اور تحقیق کے اعتبار سے مُجَرِّح (جرح کرنے والا) سے زیادہ ماہر ہو۔ 3۔ اگر جرح کی کوئی معقول وجہ نہ ہو: مثلاً اگر جرح محض کسی ذاتی اختلاف یا تعصب کی بنا پر کی گئی ہو، جبکہ تعدیل غیر جانبدارانہ ہو۔ 4۔ جب جرح ایسی چیز پر ہو جس سے عدالت متاثر نہ ہوتی ہو: مثلاً اگر کسی راوی پر صرف "سوء الحفظ" (حافظہ کی خرابی) کی جرح ہو، لیکن وہ راوی ثقہ اور متقن ہونے کے باوقار صفات کا حامل ہو، تو تعدیل کو ترجیح دی جا سکتی ہے۔

خلاصہ: جرح و تعدیل میں ترجیح کا انحصار دلیل، وضاحت، ماہرین کے درجے اور تعداد پر ہے۔ واضح اور دلیل والی جرح، بے دلیل تعدیل پر غالب آ جاتی ہے، اور واضح اور مضبوط تعدیل، بے دلیل جرح پر ترجیح پاتی ہے۔

اسماء و کُنیٰ (ناموں اور کنیتوں) کی معرفت پر ایک کتاب کا نام مع مؤلف: "الكنى والأسماء"
المؤلّف: الإمام مُحَمَّد بن إسماعيل البخاري رحمہ اللہ (صاحب الصحيح)

سوال 7: اصطلاحات کی تعریف کریں المتفق والمفترق، المؤتلف والمختلف، الوحدان، المدرج۔

جواب: المتفق والمفترق: یہ وہ اصطلاح ہے جس میں مختلف راویوں کے نام یا کنی ایک جیسے ہوں لیکن حقیقت میں وہ الگ الگ اشخاص ہوں۔ مثال: نام "محمد بن جعفر" کئی راویوں کا ہے، لیکن ہر ایک الگ شخصیت ہے۔ فائدہ: اس اصطلاح کی معرفت سے یہ فرق معلوم ہوتا ہے کہ بظاہر ایک جیسے نام رکھنے والے کئی افراد کو خلط ملط نہ کیا جائے۔

المؤتلف والمختلف: یہ ایسے رواۃ ہیں جن کے نام یا القاب کی کتابت ایک جیسی ہو لیکن ان کے تلفظ میں فرق ہو۔ مثال: "سلام" اور "سَلّام" یا "حِبّان" اور "حُبّان"۔ فائدہ: اس اصطلاح کی معرفت سے یہ احتیاط کی جاتی ہے کہ کتابت کے اشتباہ سے راوی کو غلط نہ پڑھا جائے اور اس کی

شناخت درست رہے۔

3. الوحدان: اس سے مراد وہ رواۃ ہیں جن سے صرف ایک ہی راوی نے روایت کی ہو۔ مثال: بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہ ایسے ہیں جن کی احادیث صرف ایک ہی تابعی سے مروی ہیں۔ فائدہ: اس اصطلاح کے ذریعے معلوم ہوتا ہے کہ کسی راوی کی روایت کتنے طرق سے پہنچی ہے، اور اگر صرف ایک ہی راوی سے روایت ہو تو وہ زیادہ محتاط تحقیق کا متقاضی ہے۔

المدرج: مدرج اس روایت کو کہتے ہیں جس مین اصل حدیث کے متن یا سند میں کوئی زائد بات راوی کی طرف سے داخل ہو جائے اور بظاہر وہ حدیث کا حصہ لگے۔ مثال: کسی حدیث کی تشریح یا راوی کا اپنا تبصرہ متن کے ساتھ ملا کر بیان کیا جائے اور بعد میں یہ فرق واضح نہ رہے۔ فائدہ: مدرج کی پہچان نہ ہونے پر شرح و متن میں خلط ہو سکتا ہے، اس لیے محدثین نے تحقیق کے ذریعے اصل حدیث اور راوی کے کلمات کو الگ کیا۔

حصہ معروضی کل نمبر 30

نوٹ: حصہ معروضی کے تمام سوال لازمی ہیں۔

الحدیث

10 نمبر

سوال:8 درج ذیل کے مختصر جواب دیں۔

سوال:1 صحیح مسلم کی کسی ایک جامع ترین عربی شرح کا نام مع مؤلف تحریر کریں۔

جواب: شرح: "المنهاج شرح صحيح مسلم بن الحجاج" مؤلف: امام نووی (محدث عبداللہ بن شرف الدین النووی، متوفی 676ھ)۔ یہ شرح صحیح مسلم کی سب سے مشہور اور جامع عربی شروح میں سے ہے۔

سوال:2 مؤطا کی وجہ تسمیہ کیا ہے؟

جواب: وجہ تسمیہ: "مؤطا" کا لفظ "واطأ" (ہموار کرنا) سے ماخوذ ہے، جس کا مطلب ہے "ہموار کردہ راستہ"۔ امام مالک رحمہ اللہ نے اس کتاب میں احادیث، آثار اور فقہی مسائل کو اس طرح مرتب کیا کہ یہ امت کے لیے ہموار اور آسان راستہ بن گئی۔ نیز اسے "مؤطا" اس لیے بھی کہا جاتا ہے کہ امام مالک نے اسے لوگوں کے سامنے پیش کیا اور انہوں نے اسے "مطا" (قبول) کیا۔

سوال:3 معنعن کی روایت کے صحیح ہونے کے لیے امام مسلم نے کون سی دو شروط کا تذکرہ کیا ہے۔

جواب: امام مسلم کے نزدیک اس کے صحیح ہونے کی دوشرطیں ہیں: 1۔ثبوت ملاقات: راوی کا اپنے شیخ سے ملاقات ثابت ہو (خواہ ایک بار ہی کیوں نہ ہو)۔2۔عدم تدلیس: راوی مدلس نہ ہو (یعنی وہ جان بوجھ کر "عن" کہہ کرایسی روایت نہ کرے جسے اس نے نہ سنا ہو)۔اگر یہ شرطیں پائی جائیں تو "عن" والی روایت متصل اور قابل احتجاج مانی جاتی ہے۔

سوال:4 دل میں اگر یہ باطل خیال آئے کہ اللہ تعالی کوکس نے پیدا کیا تو کیا پڑھنا چاہیے؟

جواب: "آمَنْتُ بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ" (میں اللہ اور اس کے رسولوں پر ایمان لایا)۔اس کے ساتھ أعوذ باللّٰہ من الشیطان الرجیم (شیطان مردود سے اللہ کی پناہ مانگنا) بھی مستحب ہے۔

سوال:5 "النهى عن التضيق على الناس فى الصدقة" کہ امام مالک نے کیا صورت بیان فرمائی ہے؟

جواب: امام مالک ؒنے موطا میں ذکر کیا کہ صدقہ (زکوۃ) لیتے وقت عاملین کو سختی اور تنگی نہیں کرنی چاہیے، مثلاً جانوروں کو زکوۃ میں لیتے وقت بہترین جانور یا دودھ دینے والی ماں کے جانور کو زبردستی لینا منع ہے، بلکہ اوسط درجے کا لیا جائے۔

سوال:9 درج ذیل میں سے صحیح پر (✓) اور غلط پر (✗) کا نشان لگائیں۔ 10نمبر

1۔صحیح مسلم کی آخری کتاب کتاب التوحید ہے۔ (✗)

2۔عمل صالح کا توسل قطعا جائز نہیں۔ (✗)

3۔رخصتی سے قبل خاوند کی وفات ہو جائے تو عورت عدت گزارے گی۔ (✓)

4۔راجح قول کے مطابق ابن صیاد ہی دجال ہے۔ (✗)

5۔جنگ میں شریک عورتوں کو مال غنیمت سے باقاعدہ حصہ دیا جائے گا۔ (✗)

6۔مرضعہ سے وطی کرنے کو غیلہ کہتے ہیں اور یہ جائز ہے۔ (✓)

7۔نماز سے سلام پھیر کر رسول اللہ ﷺ اکثر بیشتر بائیں جانب رخ کرتے تھے۔ (✗)

8۔بچی اور بچے دونوں کے پیشاب پر چھینٹیں مارنا کافی ہے۔ (✗)

9۔دل کے کسی بھی طرح کے ارادے پر مواخذہ نہیں ہے۔ (✓)

10۔نماز میں عطاس اور اس کا جواب دونوں جائز ہیں۔ (✗)

9۔امام ابن حزم پیدا ہوئے 384 ہجری میں۔ (✓)

10۔بیمہ کی ابتداء اٹلی کے تاجروں نے 1400 عیسوی میں کی تھی۔ (✓)

سوال 8: مجوزہ جوابات میں سے درست جواب کا انتخاب کریں۔

1۔علامہ ابن خلدون کا وطن تھا۔

حجاز — اندلس (✓) — کیروان

2۔زراعت کے موضوع پر الگ تصنیف کی ہے۔

شاہ ولی اللہ — الاشبیلی (✓) — ابن مسکویہ

3۔شرعی احکام وراثت کی خلاف ورزی کا باعث ہے۔

غصب — ہوس زر — دونوں (✓)

4۔زکوۃ وعشر آرڈیننس کا اعلان ہوا:

1973 — 1980(✓) — 1985

5۔زکوۃ صرف کرنا ناجائز ہے۔

خاوند پر — والدین پر — مسجد پر (✓)

6۔سب سے پہلے بجٹ کا تصور پیش کرنے والے مسلم مفکر ہیں؟

امام غزالی — علامہ ابن خلدون — قاضی ابو یوسف (✓)

7۔احیاء علوم الدین کے مولف کا نام ہے۔

امام ابو حنیفہ — امام غزالی (✓) — شاہ ولی اللہ

8۔سود سے احساس پیدا ہوتا ہے۔

اسراف — باہمی تعاون — سستی (✓)



صورت جائز ہے۔

سوال :2 وقف سے کیا مراد ہے؟

جواب : وقف سے مراد کسی جائیداد یا مال کو اللہ کی رضا کے لیے مخصوص کر دینا ہے، تاکہ اس کا نفع عامۃ الناس یا کسی نیک مقصد کے لیے ہمیشہ استعمال ہو۔

سوال :3 ربا النسیہ سے کیا مراد ہے؟ اس کی حرمت واضح کریں۔

جواب : ربا النسیہ وہ سود ہے جو وقت بڑھانے یا مہلت دینے کے بدلے میں لیا جائے۔ یہ جاہلیت کا مشہور سود تھا۔ قرآن مجید میں اس کی سخت ممانعت آئی ہے: ﴿وَ اَحَلَّ اللّٰهُ الْبَیْعَ وَ حَرَّمَ الرِّبٰوا﴾ (البقرہ: 275)۔

سوال :4 قرآن مجید نے درجات معیشت میں تفاوت کی حکمتیں بیان کی ہیں دو حکمتیں تحریر کریں۔

جواب : 1۔ تاکہ لوگ ایک دوسرے سے مختلف کاموں میں خدمت لے سکیں۔ 2۔ آزمائش کے لیے کہ کون صبر اور شکر کا حق ادا کرتا ہے۔ (النحل: 71)

سوال :5 اسلامی ریاست کی دو اہم ذمہ داریاں بیان کریں۔

جواب : 1۔ عدل و انصاف کا قیام اور عوام کے حقوق کی حفاظت۔ 2۔ بیت المال کی صحیح تقسیم اور عوام کی بنیادی ضروریات (روزی، تعلیم، سلامتی) کی کفالت۔

سوال :7 درج ذیل میں سے صحیح پر (✔) اور غلط پر (✖) کا نشان لگائیں۔ 10 نمبر

1۔ عشر اور عشور ہم معنی مترادف کلمات ہیں۔ (✖)

2۔ ابن حزم اور شاہ ولی اللہ ہم عصر شخصیات ہیں۔ (✖)

3۔ زکوۃ کی ادائیگی ٹیکس کی جگہ ادا کی جاسکتی ہے۔ (✖)

4۔ بھائی، چچا، بیٹا ذوی الارحام میں شمار ہوتے ہیں۔ (✖)

5۔ ھبہ اور عاریہ دو الگ الگ اصطلاحیں ہیں۔ (✔)

6۔ مساقات اور مضارات مترادف اصطلاحیں نہیں ہیں۔ (✔)

7۔ زمانہ جاہلیت میں متبنی وراثت کا حقدار سمجھا جاتا تھا۔ (✔)

8۔ بلاسود بینکاری ممکن ہے۔ (✔)

کرتی ہے۔ کرنسی کے باب میں وہ سونے چاندی کی معیاریت اور سکہ سازی میں خیانت کے مفاسد پر تنبیہ کرتے ہیں۔ مجموعی طور پر ابنِ خلدون کی تھیوری ''عصبیت بی عدل بی محصول بی پیداوار'' کے باہمی ربط سے ترقی وزوال کے معاشی ادوار کی توضیح کرتی ہے۔

4۔ زمین کی تقسیم و ملکیت: اسلامی اقتصادیات کا تناظر

اسلامی قانون میں زمین کی ملکیت کو فردی، ریاستی اور اجتماعی/عوامی زمروں میں سمجھا جاتا ہے۔ فردی ملکیت میں مالک کو کاشت وتصرف کا حق ہے مگر ضررِ عام سے منع کیا گیا ہے؛ ریاستی ملکیت میں خراجی اراضی، فَی اور سوادی زمینیں آتی ہیں جن پر خراج کی وصولی نظمِ مالیات کا ستون ہے؛ جبکہ اجتماعی ملکیت میں چراگاہیں، پانی کے بڑے ذخائر، راستے اور عام منافع کی چیزیں شامل ہیں جن میں ارتکاز یا اجارہ جائز نہیں۔ غیر آباد زمین کی آبادکاری کے اصول بی احیائے موات بی کے تحت جو شخص قابلِ کاشت بنائے اسے ترجیحی حق دیا جاتا ہے، تاکہ زرعی توسیع اور غذائی تحفظ میسر آئے۔ تقسیمِ زمین میں ''اقطاعِ استغلال'' (بغرضِ آبادکاری عارضی الاٹمنٹ) اور ''اقطاعِ تملیک'' (مستقل ملکیت) دونوں کے ذریعے پیداوار بڑھانے کی گنجائش رکھی گئی ہے، بشرطیکہ عرف ومصلحتِ عامہ کی رعایت ہو۔ کاشت کاری کے عقود بی مزارعہ و مساقاہ بی محنت اور سرمایہ/زمین کے عادلانہ امتزاج کو ممکن بناتے ہیں، جہاں حصہ داری پہلے سے واضح اور رسک کی تقسیم منصفانہ ہو۔ محصول کے ڈھانچے میں عشری اور خراجی زمینوں کی تفریق تاریخی طور پر رائج رہی ہے؛ عشری زمین پر عشر/نصاب کے قواعد اور خراجی زمین پر معاہدہ شدہ محصول معیشت کی پائیدار آمدنی بنتے ہیں، جبکہ ظالمانہ محصولات اور جبری بیگار کو ممنوع قرار دیا گیا ہے۔ اس سارے نظم کا مقصد زمین کو کارآمد بنانا، ارتکازِ اراضی اور جاگیردارانہ ناانصافی سے بچنا، اور زرعی پیداوار کے ثمرات کو کاشتکار، صارف اور ریاست کے بیچ عادلانہ طور پر بانٹنا ہے۔

حصہ معروضی کل نمبر 28

نوٹ: حصہ معروضی کے تمام سوال لازمی ہیں۔

سوال 6: درج ذیل کے مختصر جواب دیں۔ 10 نمبر

سوال 1: انشورنس سے متعلق اسلام کا حکم تحریر کریں۔

جواب: روایتی انشورنس میں سود (ربا)، غرر (غیر یقینی) اور قمار (جوا) کے عناصر پائے جاتے ہیں اس لیے جمہور فقہاء نے اسے ناجائز قرار دیا ہے۔ البتہ ''تکافل'' کے نام سے باہمی تعاون پر مبنی انشورنس کی

مالیات کا بنیادی ماخذ ہے۔ وہ معیشت کو ریاستی امانت سمجھتے ہیں اور بیت المال کو دو بڑے ابواب اموالِ صدقات اور اموالِ فیء/خراج میں منقسم کر کے آمدن و خرچ کے واضح قواعد بیان کرتے ہیں۔ ان کے نزدیک زکوٰۃ، عشر، خراج، جزیہ، خمسِ غنیمت اور فیء ریاست کی مشروع آمدنی ہیں، مگر ان کی تحصیل میں عدل، عدمِ جبر، اور شرعی نصاب و مصارف کی رعایت ضروری ہے۔ خرچ کے باب میں وہ ترجیحات طے کرتے ہیں: امن و عدل کا قیام، بنیادی ڈھانچے (سڑک، نہر، منڈی) کی تعمیر، محروم طبقات کی کفالت، اور اہلِ خدمت کی اعانت؛ اس کے بعد عمومی تعمیر و ترقی۔ ماوردی بازار کی اصلاح کے لیے محتسب کے ادارے کو لازم گردانتے ہیں جو ناپ تول، مصنوعی قلت، جھوٹی تشہیر اور ملاوٹ جیسے جرائم کی روک تھام کرے۔ اراضی و زرعی معیشت میں وہ خراج کی دو صورتوں بی مقاسمہ (پیداوار کا حصہ) اور وضع (مقررہ محصول) بی کا تذکرہ کرتے ہیں، نیز غیر آباد زمین کی آبادکاری کے لیے احیائے موات اور ''اقطاع'' کے ذریعے پیداوار بڑھانے کی پالیسی کی وکالت کرتے ہیں۔ ان کے نزدیک مالیاتی نظم کا مقصود دولت کے ارتکاز کو توڑنا، گردشِ دولت کو وسیع کرنا اور ریاستی طاقت کو رفاہِ عامہ سے جوڑنا ہے، تاکہ معاشی استحکام کے ساتھ معاشرتی انصاف بھی قائم رہے۔

3۔ علامہ ابنِ خلدون (732ھ-808ھ) کی اقتصادی بصیرت

ابنِ خلدون رحمہ اللہ تیونس میں پیدا ہوئے اور ''المقدمہ'' کے ذریعے عمرانیات و اقتصادیات میں کلاسیکی بنیادیں فراہم کیں۔ ان کا نظریۂ محنت واضح کرتا ہے کہ پیداوار کی قدر میں محنتِ انسانی مرکزی عنصر ہے اور تقسیمِ کار (division of labor) معاشی زائد پیداوار کو ممکن بناتی ہے؛ شہروں کی ترقی حرفت و صنعت کے اسی انبساط کی مرہونِ منت ہے جبکہ دیہات غذائی و خام وسائل مہیا کرتے ہیں یوں دیہی و شہری معیشت باہمی انحصار میں بندھی ہے۔ ٹیکس پالیسی پر ان کی آرا غیر معمولی ہیں: حکومت کے اوائل میں کم محصولات سے کاروبار پھیلتا، روزگار بڑھتا اور محصولی آمدن خود بخود زیادہ ہو جاتی ہے؛ لیکن جب ریاست عیش و تنعم میں ڈوب کر محصولات بڑھاتی اور اختیارات کو جبراً استعمال کرتی ہے تو تجارت سکڑتی، ہنر برباد ہوتے اور بالآخر آمدن کم ہو جاتی ہے یہی وہ بصیرت ہے جسے جدید معیشت ''کم محصول بی زیادہ بنیادِ محصول'' کے اصول سے تعبیر کرتی ہے۔ ابنِ خلدون حکومتی اخراجات کے حقیقی معیشت پر اثرات بھی بیان کرتے ہیں: اگر صرفہ عدل و امن، عدالتی نظام، سڑک و نہر، اور تعلیم و ہنر پر ہو تو کثیر رُخ معاشی فعالیت جنم لیتی ہے؛ مگر جب خرچ شاہانہ نمود و نمائش پر چلا جائے تو یہ ''کھپتِ غیرِ مولّد'' بن کر معیشت کو کمزور

کی تعلیم۔ 3۔معاشرتی دباؤ ملاوٹ کرنے والوں کا بائیکاٹ۔ 4۔شفافیت سودے کے ہر پہلو کو واضح رکھنا۔ 5۔اسلامی مالیاتی ادارے سودی نظام کے بجائے مضاربہ ومشارکہ کی بنیاد

خلاصہ: اسلامی تجارت کے اصول ایمان، عدل، خیرخواہی اور شفافیت پر مبنی ہیں۔ جھوٹی قسم، ملاوٹ، ذخیرہ اندوزی اور دھوکہ دہی بدعنوانیاں ہیں جنھیں شریعت نے سختی سے منع کیا ہے۔ اگر ریاستی کنٹرول، معاشرتی دباؤ اور اسلامی اصولوں پر عمل درآمد کیا جائے تو تجارت نہ صرف پاکیزہ ہوگی بلکہ معاشرے میں خوشحالی اور عدل قائم ہوگا۔

سوال 5: درج ذیل میں سے تین پر نوٹ لکھیں۔ 1۔شیخ الاسلام ابن تیمیہ۔ 2۔امام ماوردی۔ 3۔علامہ ابن خلدون۔ 4۔زمین کی تقسیم وملکیت۔

جواب: 1۔ **شیخ الاسلام ابنِ تیمیہ (661ھ-728ھ) اور معاشی فکر**

ابنِ تیمیہ رحمہ اللہ دمشق میں پیدا ہوئے اور حدیث، فقہ، تفسیر اور سیاستِ شرعیہ پر گہری دسترس رکھتے تھے۔ اقتصادیات کے باب میں ان کی فکر کی اساس عدل واحسان اور مقاصدِ شریعت کی رعایت ہے۔ وہ بیان کرتے ہیں کہ قیمتیں بالعموم طلب اور رسد کے فطری قانون سے بنتی ہیں، اس لیے جب مہنگائی موسمی کمی یا قدرتی اسباب سے ہو تو جبری نرخ بندی درست نہیں؛ لیکن اگر بازار میں ظلم، گٹھ جوڑ، ذخیرہ اندوزی یا اجارہ داری ہو تو حکمران پر لازم ہے کہ "تسعیرِ عادل" کے ذریعے ظلم کو روکے اور عامۃ الناس کا مفاد محفوظ کرے۔ ان کی کتاب "الحسبة فی الاسلام" میں بازار کی نگرانی، ناپ تول کی درستگی، ملاوٹ کے انسداد اور مصارف کی خیرخواہی کو حکومتی ذمہ داری قرار دیا گیا ہے، جبکہ "السیاسة الشرعیة" میں بیت المال کے مصرف، احتسابِ حکام اور معاشی نظم میں شفافیت پر زور ملتا ہے۔ سود، غرر اور قمار کو وہ معاشی تباہی کی جڑ سمجھتے ہیں، اور محنت واجرت کے باب میں یہ اصول قائم کرتے ہیں کہ اجرت معروف اور زمانی عرف کے مطابق "أوفوا بالعقود" کے تحت پوری دی جائے۔ کرنسی وسکّہ کے بگاڑ، نقود کی ملاوٹ اور حکومتی بدعنوانی کو وہ قیمتوں کے عدم استحکام اور غربت کے بڑھنے کا سبب بتاتے ہیں۔ خلاصہ یہ کہ ابنِ تیمیہ کی معاشی فکر آزاد منڈی کی روح کو برقرار رکھتے ہوئے ظلم اور اجارہ داری پر ریاستی تادیب کے امتزاج سے "بازارِ عادل" کی تشکیل کرتی ہے۔

2۔ **امام ماوردی (364ھ-450ھ) اور ریاستی معیشت**

امام ماوردی رحمہ اللہ بغداد کے جلیل القدر قاضی اور فقیہ ہیں جن کی "الاحکام السلطانیہ" اسلامی حکمرانی اور

اصول یہ ہیں:

1. **حلال و جائز ذرائع:** صرف حلال اشیاء کی تجارت کی جائے، حرام چیزوں (شراب، مردار، سودی کاروبار) سے اجتناب کیا جائے۔ قرآن: ﴿وَ اَحَلَّ اللّٰهُ الْبَیْعَ وَ حَرَّمَ الرِّبٰوا﴾ (البقرہ: 275)

2. **ایمانداری اور دیانت:** سچائی اور دیانت دارانہ رویہ تجارت کا بنیادی وصف ہے۔ حدیث: "التاجر الصدوق الأمين مع النبيين والصديقين والشهداء" (ترمذی)

3. **عدل و انصاف:** خرید و فروخت میں ناپ تول اور قیمت کے معاملے میں انصاف کیا جائے۔ قرآن: ﴿وَ اَوْفُوا الْكَیْلَ وَ الْمِیْزَانَ بِالْقِسْطِ﴾ (الانعام: 152)

4. **گاہک کی خیر خواہی:** خریدار کو صحیح معلومات دی جائیں، عیب دار چیز کو ظاہر کیا جائے، اور خریدار کے فائدے کا خیال رکھا جائے۔ حدیث: "رحم الله رجلاً سمحاً إذا باع، وإذا اشترى، وإذا اقتضى" (بخاری) اللہ اس شخص پر رحم کرے جو بیچنے، خریدنے اور لین دین میں نرمی اور خیر خواہی اختیار کرے۔

5. **جھوٹی قسم سے اجتناب:** بیع و شراء میں جھوٹی قسم کھانا سخت گناہ ہے۔ حدیث: "الحَلِفُ مَنفَقَةٌ لِلسِّلْعَةِ مَمحَقَةٌ لِلبَرَكَةِ" (بخاری ومسلم) قسم چیز کو تو بیچ دیتی ہے مگر برکت کو ختم کر دیتی ہے۔

6. **دھوکہ دھی اور ملاوٹ سے اجتناب:** حدیث: "من غش فليس منا" (مسلم) جو دھوکہ دے وہ ہم میں سے نہیں۔

7. **ضرر سے بچنا:** دوسرے کو نقصان پہنچانا یا ناجائز فائدہ اٹھانا ممنوع ہے۔ قاعدہ فقہیہ: "لا ضرر ولا ضرار"

8. **تحریر اور گواهی:** بڑے تجارتی معاملات کو تحریر کرنا اور گواہ رکھنا ضروری ہے۔ قرآن: ﴿وَ اَشْهِدُوْۤا اِذَا تَبَایَعْتُمْ﴾ (البقرہ: 282)

تجارتی بدعنوانیاں اور ان پر قابو پانے کے طریقے:

الف) تجارتی بدعنوانیاں: 1۔سود اور ناجائز منافع خوری۔ 2۔ناپ تول میں کمی۔ 3۔ذخیرہ اندوزی۔ 4۔ملاوٹ اور دھوکہ دہی۔ 5۔جھوٹی قسم اور جھوٹے دعوے۔ 6۔رشوت اور ناجائز کمیشن۔

(ب) قابو پانے کے طریقے:

1۔ریاستی کنٹرول: مارکیٹ کی نگرانی اور احتساب۔ 2۔شرعی تعلیمات کی ترویج: تاجروں کو اسلامی اخلاقیات

محض دنیاوی معاملہ نہیں بلکہ دینی فریضہ ہے۔ اس طرح ورثاء کے حقوق متعین اور محفوظ کر دیے گئے، تا کہ طاقتور کمزور کا حق نہ کھا سکے۔

2۔ عورت کی وراثت میں حیثیت:

(الف) اسلام سے پہلے عورت کی محرومی:

1۔ عرب جاہلیت میں عورت خود مالِ وراثت سمجھی جاتی تھی، وارث نہیں۔ 2۔ یہودیت میں عورت کو وراثت کا حق نہیں ملتا تھا، کیونکہ وہ مرد کے زیرِ کفالت سمجھی جاتی تھی۔ 3۔ عیسائیت میں بھی وراثت کا بنیادی تصور کلیسا کے پاس تھا، عورت اور اکثر رشتہ دار اس سے محروم رہتے تھے۔ 4۔ ہندومت میں عورت کو وراثت میں حصہ نہ تھا؛ صرف بیٹے وارث بنتے تھے؛ بیٹی اور بیوی کو خارج کر دیا جاتا تھا۔

(ب) اسلام میں عورت کے حقوقِ وراثت:

اسلام نے پہلی بار عورت کو وراثت کا باقاعدہ حصہ دیا۔ 1۔ بیوی: اولاد ہو تو آٹھواں حصہ، اولاد نہ ہو تو چوتھائی۔ 2۔ بیٹی: اکیلی ہو تو نصف، زیادہ ہوں تو دو تہائی۔ 3۔ ماں: بعض اوقات چھٹا حصہ، بعض میں تہائی۔ 4۔ بہن: نصف یا مشترکہ صورت میں دو تہائی۔

(ج) اعتراض اور جواب: اعتراض: بیٹے کو بیٹی کے مقابلے میں دوگنا کیوں ملتا ہے؟

جواب: ذمہ داریوں کا فرق: 1۔ مرد پر مہر، نان و نفقہ، گھر کا خرچ، بچوں کی پرورش اور والدین کی خدمت لازم ہے۔ عورت پر ایسی کوئی ذمہ داری نہیں۔ لہٰذا بیٹے کا زیادہ حصہ دراصل ذمہ داری کی وجہ سے ہے۔ 2۔ ہمیشہ آدھا نہیں: عورت کو ہمیشہ نصف نہیں ملتا؛ بعض صورتوں میں وہ مرد کے برابر یا زیادہ بھی پاتی ہے۔ مثلاً: بیٹی اکیلی ہو تو نصف، جبکہ باپ کو صرف چھٹا حصہ ملتا ہے۔ بعض صورتوں میں عورت ہی سارا ترکہ پاتی ہے (اگر قریب کے مرد وارث نہ ہوں)۔ 3۔ دیگر ادیان کے مقابلے میں فضیلت: جہاں دوسرے مذاہب عورت کو کلیتاً محروم رکھتے تھے، اسلام نے اسے حق دار بنایا۔ یہ دراصل عورت کی عزت افزائی اور اس کے انسانی مقام کا اعتراف ہے۔ خلاصہ: اسلامی قانونِ وراثت اپنی جامعیت، عدل، فریق کے خاتمے، محبت و مودت کے فروغ اور حقوق کی واضح حد بندی کے اعتبار سے منفرد ہے۔ اسلام نے عورت کو وراثت کا حق دے کر اسے وہ مقام عطا کیا جو دنیا کا کوئی اور مذہب یا قانون نہ دے سکا۔

سوال:4 تجارت کے بنیادی اصول بیان کریں نیز واضح کریں تجارتی بدعنوانیوں پر کیسے قابو پایا جا سکتا ہے؟

جواب: تجارت کے بنیادی اصول: اسلامی تعلیمات کے مطابق تجارت کے چند نمایاں

معاشرے کے لیے نقصان دہ نہ ہو۔ (الحدید: 7)

2. زکوٰۃ و انفاق کے ذریعے تقسیم: دولت کو غریبوں، مسکینوں اور دیگر مستحقین تک پہنچایا جاتا ہے۔ (التوبہ: 60)

3. ارتکازِ دولت کی ممانعت: اسلام دولت کو صرف مالداروں کے درمیان محدود رکھنے کو منع کرتا ہے۔ (الحشر: 7)

4. محنت کی حفاظت: مزدور کو اس کی مزدوری بروقت اور پوری دی جائے۔ (ابن ماجہ)

5. فلاحِ عامہ: بیت المال اور وقف کے ذریعے تعلیم، صحت اور دیگر ضروریات پر خرچ ہوتا ہے۔

سوال:3 اسلامی قانون وراثت کی خصوصیات اور خصوصاً عورت کی وراثت پر نوٹ لکھتے ہوئے اعتراضات کا جواب تحریر کریں۔

جواب: **1۔ اسلامی قانونِ وراثت کی خصوصیات: (الف) الہامی اور آفاقی نظام:** اسلامی قانونِ وراثت انسان کے بنائے ہوئے قواعد نہیں بلکہ براہِ راست اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ احکام ہیں: ﴿يُوْصِيْكُمُ اللّٰهُ فِيْٓ اَوْلَادِكُمْ۔۔۔﴾ (النساء: 11 یہ اللہ کے مقرر کردہ حصے ہیں جن میں ترمیم کسی کے اختیار میں نہیں۔

(ب) عدل اور مساوات: اسلام نے وراثت میں ہر فرد کا حق اس کے تعلق اور ذمہ داری کے مطابق مقرر کیا۔ یہ نہ صرف عدل کا مظہر ہے بلکہ مساوات کو بھی یقینی بناتا ہے۔

(ج) تفصیل اور وضاحت: قرآن کریم نے وراثت کے حصے وضاحت سے بیان کیے تاکہ معاشرتی نزاعات ختم ہوں۔ دنیا کا کوئی اور مذہب یا قانون اس قدر صراحت سے وراثت کی تقسیم بیان نہیں کرتا۔

(د) تفریق کا خاتمہ اور باہمی محبت و مودت: اسلام نے بڑے اور چھوٹے، مرد اور عورت، امیر اور غریب کی تفریق کو ختم کر کے سب کو وارث بنایا۔ پہلے صرف طاقتور وارث بنتے تھے، مگر قرآن نے حکم دیا: ﴿لِلرِّجَالِ نَصِيْبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدٰنِ وَالْاَقْرَبُوْنَ ۠ وَلِلنِّسَآءِ نَصِيْبٌ﴾ (النساء: 7) اس مساویانہ تقسیم سے خاندان کے افراد میں باہمی محبت و مودت پیدا ہوتی ہے، حسد و کینہ ختم ہوتا ہے اور ہر فرد اپنے حق پر مطمئن رہتا ہے۔

(ہ) حقوق کی حد بندی: اسلام نے وراثت کو ﴿حُدُوْدُ اللّٰهِ﴾ قرار دیا (النساء: 13-14)۔ یعنی یہ

4۔ **جزیہ: معنی ومفہوم:** ''جزیہ'' کے لغوی معنی معاوضہ کے ہیں۔شرعی اصطلاح میں غیر مسلم رعایا (اہل ذمہ) پر عائد ہونے والا ٹیکس ہے جو وہ اسلامی ریاست کے تحفظ اور سہولتوں کے عوض ادا کرتے ہیں۔قرآن: ﴿حَتّٰى يُعْطُوا الْجِزْيَةَ عَنْ يَّدٍ وَّهُمْ صٰغِرُوْنَ﴾ یہ ٹیکس صرف غیر مسلم مردوں پر لگتا ہے، عورتوں، بچوں، بوڑھوں اور مذہبی رہنماؤں پر نہیں۔اس کے عوض ان پر فوجی خدمت لازم نہیں ہوتی۔

5۔ **غنیمت اور فی: معنی و مفہوم:** ''غنیمت'' اس مال کو کہتے ہیں جو مسلمانوں کو جنگ کے ذریعے حاصل ہو۔''فیء'' اس مال کو کہتے ہیں جو بغیر جنگ کے کفار سے حاصل ہو۔ غنیمت: ﴿وَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِّنْ شَيْءٍ فَاَنَّ لِلّٰهِ خُمُسَهٗ﴾ ''۔فئے: ﴿مَآ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ مِنْ اَهْلِ الْقُرٰى...﴾ (غنیمت کا چار حصے مجاہدین کو ملتے ہیں اور ایک حصہ بیت المال میں جمع ہوتا ہے، جبکہ فیء مکمل طور پر بیت المال کی ملکیت ہوتا ہے۔

6۔ **عُشور** (Custom Duties): **معنی و مفہوم:** ''عُشر'' کا مطلب دسواں حصہ ہے۔ اصطلاحی طور پر یہ تجارتی اشیاء پر لگایا جانے والا محصول ہے۔اسلامی ریاست کے تاجر اگر کسی غیر مسلم ملک میں عشر ادا کریں تو وہاں کے تاجر سے بھی اسی شرح کے مطابق عشر وصول کیا جاتا ہے۔ یہ باہمی عدل و انصاف پر مبنی ہے۔

7۔ **کراء الارض (زمین کا کرایہ):** وہ زمینیں جو بیت المال یا ریاستی ملکیت ہوں اور انہیں کاشتکاروں یا رعایا کو کرایہ پر دیا جائے تو اس کا کرایہ بیت المال کی آمدن شمار ہوتا ہے۔

8۔ **ضرائب (عارضی ٹیکسز):** اسلامی ریاست کو ضرورت کے وقت، مثلاً جنگ یا قحط میں، عارضی ٹیکس لگانے کی اجازت ہے۔ یہ مستقل نہیں بلکہ وقتی نوعیت کے ہوتے ہیں۔امام شافعی رحمہ اللہ، امام مالک رحمہ اللہ اور دیگر فقہاء نے ایسے ٹیکس کی اجازت دی ہے بشرطیکہ ریاستی ضرورت حقیقی ہو۔

9۔ **صدقات و کفارات:** نذر و نیاز، صدقہ فطر، کفارات اور دیگر رضا کارانہ عطیات بھی بیت المال کی آمدنی میں شامل ہیں۔

10۔ **ریاستی تجارت و صنعت:** ریاست اپنی تجارت، صنعت، معدنیات اور چراگاہوں سے بھی آمدنی حاصل کر سکتی ہے۔

(ب) اسلام میں دولت کی تقسیم کا عادلانہ نظام:

1۔ **ملکیت کا تصور:** اسلام نجی ملکیت کو تسلیم کرتا ہے لیکن اس پر حدود و قیود لگاتا ہے تاکہ یہ

o اسلام میں اخلاقیات، دیانت داری، اور تقویٰ معیشت کے بنیادی اصول ہیں، جبکہ لادینی نظام ان سے خالی ہے۔

4. اسلام کا متوازن رویہ:

o سرمایہ داری فردی مفاد کو بڑھا چڑھا کر پیش کرتی ہے اور اشتراکیت اجتماع کو۔

o اسلام فرد اور اجتماع دونوں کے حقوق میں توازن قائم کرتا ہے۔

سوال :2 اسلامی حکومت کے ذرائع آمدن اور اسلام میں دولت کی تقسیم کا عادلانہ نظام تحریر کریں۔

جواب: **(الف) اسلامی حکومت کے ذرائع آمدن:**

1۔ زکوٰۃ: معنی و مفہوم: زکوٰۃ لغوی اعتبار سے ''پاکیزگی'' اور ''نشوونما'' کے معنی میں آتی ہے۔ (لسان العرب، مادہ: زکا) شرعی اصطلاح میں: ''مال کے اس مخصوص حصے کو کہتے ہیں جو شرائط پوری ہونے پر اللہ کی رضا کے لیے مخصوص مصارف میں خرچ کیا جائے۔'' قرآن: ﴿خُذْ مِنْ أَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيهِمْ بِهَا﴾ حدیث: نبی ﷺ نے فرمایا: "إن الله فرض عليهم صدقة تؤخذ من أغنيائهم فترد في فقرائهم۔"

زکوٰۃ اسلامی ریاست کی سب سے بڑی اور لازمی آمدنی ہے۔ اس کے ذریعے معاشرے کے آٹھ طبقات کی مدد کی جاتی ہے: فقیر، مسکین، عاملین، مؤلفۃ القلوب، رقاب، غارمین، فی سبیل اللہ اور مسافر (التوبہ: 60)۔ یہ اسلام میں فلاحی ریاست کی بنیاد ہے۔

2۔ عشر: معنی و مفہوم: ''عشر'' کے لغوی معنی دسواں حصہ کے ہیں۔ شرعی اصطلاح میں زرعی پیداوار پر ایک مخصوص شرح کے مطابق واجب ہونے والی مالی ادائیگی ہے۔ حدیث: "فِيمَا سَقَتِ السَّمَاءُ وَالعُيُونُ أَوْ كَانَ عَثَرِيًّا العُشْرُ، وَفِيمَا سُقِيَ بِالنَّضْحِ نِصْفُ العُشْرِ۔"

بارانی زمین پر دسواں حصہ اور آبپاشی والی زمین پر بیسواں حصہ ریاست کے لیے وصول کیا جاتا ہے۔ یہ بھی بیت المال کی بڑی آمدنی ہے۔

3۔ خراج: معنی و مفہوم: ''خراج'' کے لغوی معنی محصول یا کرایہ کے ہیں۔ شرعی اصطلاح میں یہ وہ ٹیکس ہے جو مفتوحہ زمینوں پر عائد کیا جاتا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عراق اور شام کی زمینوں پر خراج نافذ کیا تاکہ بیت المال کی آمدنی کا مستقل ذریعہ بنے۔ (ابو یوسف، کتاب الخراج) خراج کی رقم زمین کی پیداوار یا رقبہ کے حساب سے وصول کی جاتی ہے۔

5. **بلاسود مالیاتی ڈھانچہ:** اسلامی مالیاتی نظام سود کو کلیتاً حرام قرار دیتا ہے اور اس کے متبادل کے طور پر مضاربہ، مشارکہ، اجارہ، سلم اور مرابحہ جیسے اصول فراہم کرتا ہے۔ یہ شراکت پر مبنی ماڈل شفافیت اور انصاف کو یقینی بناتا ہے۔قرآن: ﴿يَمْحَقُ اللّٰهُ الرِّبٰوا وَيُرْبِي الصَّدَقٰتِ﴾

6. **فلاحِ عامہ اور معاشرتی ذمہ داری:** اسلام کی معیشت محض انفرادی مفاد تک محدود نہیں بلکہ اجتماعی فلاح پر بھی زور دیتی ہے۔ بیت المال اور اجتماعی منصوبوں کا تصور اسی مقصد کے لیے قائم کیا گیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: "اگر فرات کے کنارے کوئی کتا بھی بھوکا مر گیا تو عمر اس کا ذمہ دار ہے۔" (تاریخ ابن کثیر)

7. **اخلاقی اور روحانی بنیادیں:** اسلام معیشت کو محض مادیات تک محدود نہیں رکھتا بلکہ آخرت میں جواب دہی کا تصور معیشت کو پاکیزگی اور اخلاقی حدود میں باندھ دیتا ہے۔قرآن: ﴿فَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَّرَهٗ ۝ وَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَّرَهٗ ۝﴾ (الزلزال: 7-8)

دیگر نظاموں سے امتیازات

1. **سرمایہ دارانہ نظام (Capitalism) سے فرق:**

- سرمایہ داری میں دولت چند افراد اور کارپوریشنز کے ہاتھوں میں مرتکز ہو جاتی ہے جبکہ اسلام ارتکازِ دولت کو منع کرتا ہے۔
- سرمایہ داری صرف نفع کو دیکھتی ہے، اسلام نفع کے ساتھ اخلاقیات، انصاف اور حلال و حرام کی قید عائد کرتا ہے۔
- سرمایہ داری میں سودی نظام رائج ہے، اسلام میں سود حرام اور منصفانہ شراکت داری لازمی ہے۔

2. **اشتراکی یا سوشلسٹ نظام (Socialism) سے فرق:**

- سوشلسٹ نظام نجی ملکیت کو ختم کر دیتا ہے جبکہ اسلام محدود دائرے میں نجی ملکیت کو جائز قرار دیتا ہے۔
- سوشلسٹ معیشت جبر پر قائم ہے جبکہ اسلام انفاق اور زکوٰۃ کے ذریعے رضاکارانہ اور منصفانہ تقسیم کرتا ہے۔
- سوشلسٹ نظام مادہ پرستی پر مبنی ہے جبکہ اسلام معیشت کو روحانی اقدار کے ساتھ جوڑتا ہے۔

3. **لادینی (Secular) معیشت سے فرق:**

- مغربی نظامِ معیشت مذہب کو الگ کر دیتا ہے، جبکہ اسلام میں معیشت عبادت کا حصہ ہے۔

الاقتصاد الاسلامی 1446ھ/2025ء (سالانہ)

حصہ انشائیہ: کل نمبر 72

نوٹ: حصہ انشائیہ سے کوئی سے چار سوال حل کریں۔ ہر سوال کے 18 نمبر ہیں۔

سوال :1 اسلام کے نظام معیشت کی خوبیاں اور دیگر اقتصادی نظاموں سے اس کے امتیازات قلم بند کریں۔

جواب : اسلامی نظام معیشت کی خوبیاں:

1. **عدل و انصاف پر مبنی نظام:** اسلام کے معاشی اصول عدل اور انصاف پر قائم ہیں۔ یہ دولت کے ارتکاز کو روکتا ہے اور اسے پورے معاشرے میں تقسیم کرنے پر زور دیتا ہے۔

جیسا کہ فرمایا: ﴿كَیْ لَا یَكُوْنَ دُوْلَةًۢ بَیْنَ الْاَغْنِیَآءِ مِنْكُمْ﴾ امام غزالی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''ملک اور معیشت عدل کے بغیر قائم نہیں رہ سکتے۔'' (احیاء العلوم، ج 2)

2. **حلال و حرام کی تمیز:** اسلام معاشی سرگرمیوں کو اخلاقی بنیاد فراہم کرتا ہے۔ آمدنی کے ذرائع میں حرام وحلال کی تفریق کرتا ہے اور ناجائز ذرائع جیسے سود، جوا، قمار اور رشوت کو ممنوع قرار دیتا ہے۔

جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَ اَحَلَّ اللّٰهُ الْبَیْعَ وَ حَرَّمَ الرِّبٰوا﴾ نبی ﷺ نے فرمایا: "إن الله طيب لا يقبل إلا طيبا"

3. **محنت و مشقت کی ترغیب اور حقوق العباد کی حفاظت:** اسلام میں محنت کا مقام بلند ہے اور مزدور کو اس کی اجرت جلد دینے کی تاکید کی گئی ہے۔ حدیث میں آتا ہے: "أَعْطُوا الأجيرَ أجرَهُ قبلَ أن يَجِفَّ عَرَقُهُ" یہ اصول مزدور کے استحصال کو ختم کرتا اور عدل پر مبنی لیبر سسٹم فراہم کرتا ہے۔

4. **زکوٰۃ و انفاق کا نظام:** اسلام نے لازمی مالی عبادت یعنی زکوٰۃ کو فرض کیا تاکہ دولت کا بہاؤ صرف دولت مندوں کے پاس نہ رہے بلکہ غریبوں اور ضرورت مندوں تک بھی پہنچے۔ قرآن میں آتا ہے: ﴿خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَ تُزَكِّیْهِمْ بِهَا﴾۔ اس کے علاوہ صدقہ، خیرات، کفارات اور وقف کا نظام بھی اسلامی معیشت کی خاصیت ہے جو فلاحِ عامہ کو یقینی بناتا ہے۔

2۔اقوام متحدہ کی ناکامی کا سبب۔

فنڈ کی کمی قوت نافذہ کی کمی (✔) باہمی مشوروں کی کمی

3۔زیادہ طویل مدت خلافت تھی۔

سیدنا عمر سیدنا علی سیدنا عثمان (✔)

4۔جنگ عظیم اول برپا ہوئی:

1947 1915(✔) 1965

5۔سوشلزم کا موضوع تھا۔

اصلاح اخلاق اصلاح معاش (✔) مذہبی رواداری

6۔کارل مارکس حامی تھا:

جمہوریت بادشاہت دونوں نہیں (✔)

7۔عورت قاضی بن سکتی ہے:

احناف شوافع (✔) دونوں کے ہاں

8۔انسانیت کے لیے بہتر نظام ہے:

کیپٹلزم کیموزنم دونوں نہیں (✔)



آہنگی، اخلاقِ حسنہ اپنانا، اور گناہوں سے اجتناب۔ ﴿قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰىهَا......﴾ (سورہ الشمس: 9)

سوال 4: جہاد اور قتال میں فرق ذکر کریں۔

جواب: جہاد کا مطلب ہے دین کے غلبہ اور رضائے الٰہی کے لیے ہر جائز جدوجہد (علم، قلم، زبان، مال اور قوت سے)۔ قتال جہاد کی ایک صورت ہے جو دشمن کے ساتھ مسلح مقابلے کو کہا جاتا ہے، لیکن یہ صرف ظلم و جارحیت کے خلاف اور شریعت کے اصولوں کے تحت جائز ہے۔

سوال 5: مبلغ کے اوصاف نوٹ کریں۔

جواب: مبلغ میں اخلاص، علم دین کی سمجھ، حکمت و نرمی، صبر، بہترین کردار، عملی نمونہ بننے کی صلاحیت، اور حالات و ماحول کے مطابق گفتگو کرنے کی اہلیت ہونی چاہیے۔ ﴿اُدْعُ اِلٰى سَبِيْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ...﴾ (سورہ النحل: 125)

سوال 7: درج ذیل میں سے صحیح پر (✔) اور غلط پر (✖) کا نشان لگائیں۔ 10 نمبر

1۔ افلاطون روسو کے خیالات سے متاثر تھا۔ (✖)

2۔ ارسطو تمام انسانوں کے مساوی حقوق کا علمبردار تھا۔ (✖)

3۔ خلفاء اربعہ کا انتخاب مشاورت سے ہوا۔ (✔)

4۔ ضروریات خمسہ سے مراد اسلام کے پانچ ارکان ہیں۔ (✖)

5۔ اسلام معاشی مسائل میں سرمایہ داری نظام کا حامی ہے۔ (✖)

6۔ مقننہ کی ذمہ داری قانون سازی ہے۔ (✔)

7۔ اقوام متحدہ کا قیام بلا ضرورت ہوا تھا۔ (✖)

8۔ جمہوریت خوبیوں اور خامیوں کا مرقع ہے۔ (✔)

9۔ کیپٹلزم دہائیوں سے چین میں نافذ العمل نظام ہے۔ (✖)

10۔ احتساب کا اختیار انتظامیہ کو حاصل ہے۔ (✖)

سوال 8: مجوزہ جوابات میں سے درست جواب کا انتخاب کریں۔

1۔ اسلام کا سیاسی نظام ہے۔

جمہوریت　　بادشاہت　　شورائیت (✔)

اسلام نے بھی اس پہلو کو نظر انداز نہیں کیا بلکہ اہلِ کتاب کو دعوت دی کہ آؤ ہم سب ایک ایسی بات پر متفق ہو جائیں جو ہمارے درمیان مشترک ہے، یعنی اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں: ﴿قُلْ يَا أَهْلَ الْكِتَابِ تَعَالَوْا إِلَىٰ كَلِمَةٍ سَوَاءٍ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ أَلَّا نَعْبُدَ إِلَّا اللَّهَ﴾ (آل عمران: 64)۔ نبی اکرم ﷺ نے مدینہ کی ریاست میں مختلف مذاہب کے پیروکاروں کو ایک معاہدے کے تحت ساتھ رکھا تاکہ امن اور انصاف قائم رہے۔

تاہم اسلام یہ بھی واضح کرتا ہے کہ دینِ حق اور نجات کا واحد راستہ صرف اسلام ہے: ﴿إِنَّ الدِّينَ عِنْدَ اللَّهِ الْإِسْلَامُ﴾ (آل عمران: 19)۔ اس لیے مشترکہ مذہب کا مطلب یہ نہیں کہ سب مذاہب کو یکساں برحق تسلیم کیا جائے، بلکہ مقصد یہ ہے کہ دنیاوی معاملات میں تعاون، رواداری اور امن قائم ہو جبکہ عقیدے کے اعتبار سے اسلام ہی حتمی اور کامل دین ہے۔ اس طرح مشترکہ مذہب کا تصور انسانیت کی فلاح اور معاشرتی ہم آہنگی کے لیے مفید ہے لیکن عقیدے کی سطح پر ہر مسلمان کو اپنی انفرادیت اور حقانیت پر قائم رہنا ضروری ہے۔

حصہ معروضی کل نمبر 28

نوٹ: حصہ معروضی کے تمام سوال لازمی ہیں۔

10 نمبر

سوال :6 درج ذیل کے مختصر جواب دیں۔

سوال :1 اقلیتوں کے حقوق کی حفاظت بیان کریں۔

جواب : اسلام میں غیر مسلم اقلیتوں کو جان، مال، عزت، مذہب اور عبادت گاہوں کی مکمل حفاظت حاصل ہے۔ انہیں جبراً مذہب تبدیل کرنے پر مجبور نہیں کیا جا سکتا (القرآن 2:256)۔ ذمیوں کو تعلیم، کاروبار اور انصاف میں برابر حقوق حاصل ہیں۔

سوال :2 اسلامی قانون کی خصوصیات نوٹ کریں۔

جواب : اسلامی قانون (شریعت) کی خصوصیات میں ماخذ، جامعیت (عبادات سے معاملات تک)، آفاقیت، عدل و مساوات، تبدیلیٔ حالات کے ساتھ اجتہاد کی گنجائش، اور انسانی فطرت کے مطابق ہونا شامل ہے۔

سوال :3 اصلاح نفس کے اصول قلم بند کریں۔

جواب : تزکیۂ نفس کے اصول ہیں: نیت کی درستگی، توبہ و استغفار، ذکر و عبادت کی کثرت، علم و عمل کی ہم

یوں توحید محض ایک عقیدہ نہیں بلکہ ایک مکمل عملی نظام ہے جو بندے کی زندگی کو اللہ کی بندگی کے رنگ میں رنگ دیتا ہے۔ یہ انسان کو آزاد کرتا ہے، اسے اللہ کے سوا سب کے سامنے جھکنے سے بچاتا ہے اور اس کی شخصیت کو استقامت اور بلندی عطا کرتا ہے۔

3۔ **سوشلزم کا تعارف:** سوشلزم انیسویں صدی کے یورپ میں ابھرنے والا ایک معاشی و سیاسی نظریہ ہے جس کا مقصد سرمایہ دارانہ نظام کے ظلم اور طبقاتی فرق کو ختم کرنا تھا۔ اس نظریے کے مطابق ذرائع پیداوار اور صنعت پر ریاست یا عوام کی اجتماعی ملکیت ہونی چاہیے تاکہ دولت چند سرمایہ داروں تک محدود نہ رہے۔ کارل مارکس اور فریڈرک اینگلز کو اس فکر کے بانی کہا جاتا ہے جنہوں نے ''کمیونسٹ مینی فیسٹو'' میں اس کی وضاحت کی۔ سوشلزم میں بنیادی اصول یہ ہیں کہ محنت کش طبقے کو انصاف دیا جائے، دولت سب میں مساوی تقسیم ہو اور ریاست معیشت پر کنٹرول رکھے۔

اس کے فوائد میں یہ بات کہی جاتی ہے کہ سوشلزم غربت اور طبقاتی ناانصافی کو ختم کرتا ہے، مزدور کو استحصال سے بچاتا ہے اور تعلیم وصحت جیسی بنیادی سہولیات سب کو یکساں فراہم کرتا ہے۔ تاہم اس کے نقصانات بھی نمایاں ہیں، مثلاً نجی ملکیت کی آزادی ختم ہو جاتی ہے، محنت کرنے کا جذبہ کمزور پڑ جاتا ہے اور ریاستی کنٹرول کے سبب معیشت جمود کا شکار ہو جاتی ہے۔

اسلامی نقطہ نظر سے دیکھا جائے تو سوشلزم کی وہ خصوصیات جو مساوات اور عدل سے متعلق ہیں، اسلام کے اصولوں سے ملتی جلتی ہیں، لیکن اسلام سوشلزم کی طرح مکمل ریاستی ملکیت کا قائل نہیں۔ اسلام نجی ملکیت کو جائز قرار دیتا ہے لیکن ساتھ ہی اس پر زکوٰۃ، عشر، صدقات اور دیگر شرعی فرائض عائد کرتا ہے تاکہ دولت کا ارتکاز چند ہاتھوں میں نہ رہے: ﴿كَيْ لَا يَكُونَ دُولَةً بَيْنَ الْأَغْنِيَاءِ مِنْكُمْ﴾ (الحشر: 7)۔ اسلام سوشلزم کی طرح مادہ پرستی نہیں بلکہ روحانیت اور اخلاقی اقدار کے ساتھ ایک معتدل معاشی نظام پیش کرتا ہے جو انسانی فطرت کے قریب تر ہے۔

4۔ **مشترکہ مذہب:** مشترکہ مذہب سے مراد وہ تصور ہے جس میں مختلف مذاہب کے درمیان ایسے اصول اور نکات تلاش کیے جائیں جو سب کو متحد کر سکیں اور باہمی تعاون وہم آہنگی کو فروغ دیں۔ جدید دور میں ''بین المذاہب مکالمہ'' اسی سوچ کی ایک عملی شکل ہے۔ اس تصور کے مطابق تمام مذاہب میں اخلاقیات، انسان دوستی، امن ورواداری اور خیر خواہی جیسے اصول مشترک ہیں جن کی بنیاد پر مختلف مذاہب کے ماننے والے ایک ساتھ پرامن معاشرہ قائم کر سکتے ہیں۔

نہ ہی بالکل غفلت برتے۔ نبی ﷺ نے بعض صحابہ کو تنبیہ فرمائی جو رات بھر عبادت اور دن بھر روزے رکھنے کا ارادہ رکھتے تھے کہ "میں نماز بھی پڑھتا ہوں اور سوتا بھی ہوں، روزہ بھی رکھتا ہوں اور افطار بھی کرتا ہوں، اور نکاح بھی کرتا ہوں، پس جو میری سنت سے روگردانی کرے وہ مجھ سے نہیں۔" (بخاری: 5063)۔ اسی طرح معیشت میں اسلام بخل اور اسراف دونوں سے منع کرتا ہے، جیسا کہ قرآن میں ارشاد ہے: ﴿وَالَّذِيْنَ اِذَآ اَنْفَقُوْا لَمْ يُسْرِفُوْا وَلَمْ يَقْتُرُوْا وَكَانَ بَيْنَ ذٰلِكَ قَوَامًا﴾ (الفرقان: 67)۔

اخلاقی رویے میں بھی اسلام اعتدال پر زور دیتا ہے کہ انسان نہ تو انتہا درجے کا غصہ کرے اور نہ ہی بالکل بزدل اور بے غیرت بن جائے۔ اسی طرح سیاست اور حکومت میں بھی اعتدال کی اہمیت ہے کہ نہ تو ظلم کیا جائے اور نہ ہی انصاف سے انحراف۔ الغرض اعتدال انسان کی روحانی وجسمانی ترقی، معاشرتی سکون اور معاشی توازن کی بنیاد ہے۔ یہی وہ خصوصیت ہے جس نے اسلام کو ایک عالمگیر اور ہمہ گیر دین بنایا ہے۔

2۔ **توحید کے تقاضے:** اسلامی عقیدہ کی اساس اور بنیاد توحید ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی ذات، صفات، افعال اور عبادت میں یکتا اور بے مثال ہے۔ توحید کا تقاضا سب سے پہلے یہ ہے کہ انسان اپنی پوری زندگی میں صرف اللہ کو معبود مانے، اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرے اور اپنے ہر عمل کو خالص اسی کی رضا کے لیے انجام دے۔ قرآن مجید میں فرمایا گیا: ﴿وَمَآ اُمِرُوْٓا اِلَّا لِيَعْبُدُوا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ﴾ (البینہ: 5)۔ توحید کے تقاضے کئی جہتوں میں سامنے آتے ہیں مثلاً:

1۔ **عبادت میں اخلاص:** ہر قسم کی عبادت جیسے نماز، روزہ، قربانی، دعا اور عبادت کے دیگر اعمال صرف اللہ کے لیے کیے جائیں۔ نبی ﷺ نے فرمایا: "الدُّعَاءُ هُوَ الْعِبَادَةُ" (ترمذی: 2969) یعنی دعا ہی عبادت ہے۔

2۔ **اطاعت واتباع:** زندگی کے ہر معاملے میں اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے احکام کو مقدم رکھنا اور اپنی رائے یا کسی دوسرے قانون کو اس پر ترجیح نہ دینا۔ قرآن میں حکم ہے: ﴿فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ﴾ (النساء: 65)۔

3۔ **محبت اور خوف:** توحید کا تقاضا یہ بھی ہے کہ سب سے بڑھ کر محبت اللہ سے کی جائے اور حقیقی خوف بھی اسی سے ہو۔ کوئی مشکل یا حاجت ہو تو صرف اسی کے حضور رجوع کیا جائے۔

4۔ **شرک سے اجتناب:** توحید کا لازمی تقاضا ہے کہ شرک کی ہر قسم سے بچا جائے کیونکہ قرآن نے شرک کو سب سے بڑا ظلم قرار دیا ہے: ﴿اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ﴾ (لقمان: 13)۔

شکست ہوئی جو یہ سبق دیتی ہے کہ اخلاقی برتری ہی اصل کامیابی ہے۔

4۔اتحاد و اتفاق: اسلامی جہاد میں اتحاد بنیادی شرط ہے۔قرآن کہتا ہے: ﴿وَ اعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِیْعًا وَّ لَا تَفَرَّقُوْا﴾ غزوہ خندق اور یرموک کی کامیابی اسی اتحاد کا نتیجہ تھی۔

5۔حکمتِ عملی اور تیاری: رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: "تم میں سے ہر شخص دشمن کے مقابلے کے لیے قوت تیار کرے۔" (الأنفال:60)۔مسلمانوں نے جنگِ خندق میں دفاعی حکمتِ عملی، اور جنگِ موتہ میں بروقت حکمتِ عملی سے اپنی بقا قائم رکھی۔

6۔صبر و استقامت: قرآن نے بارہا صبر کو کامیابی کی کنجی قرار دیا ہے۔طائف کے محاصرے میں اور ہجرت کے کٹھن مراحل میں صبر ہی نے مسلمانوں کو فتح کے قابل بنایا۔

7۔قیادت کی اطاعت: رسول اللہ ﷺ اور بعد کے خلفاء کی اطاعت نے لشکروں کو کامیاب بنایا۔ یرموک میں حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کی قیادت کی اطاعت سے رومی سلطنت کو شکست ہوئی۔

نتیجہ: اسلام نے جنگ کو ظلم و فساد کا ذریعہ نہیں بلکہ انسانی اقدار کے تحفظ کا راستہ بنایا۔اس نے ایسی اخلاقی تعلیمات دیں جو آج بھی عالمی سطح پر امن، انسانی حقوق اور عدل کے ضامن ہیں۔جہاد میں کامیابی کے اصول ایمان، اخلاص، تقویٰ، اتحاد اور حکمتِ عملی پر مبنی ہیں، جو ہر دور میں مسلمانوں کی رہنمائی کرتے ہیں۔یوں اسلام کا تصورِ جہاد انسانی تاریخ کا سب سے متوازن اور اخلاقی تصور ہے۔

سوال 5: درج ذیل میں سے تین پر مختصر مگر جامع نوٹ لکھیں۔1۔اسلام میں اعتدال کی اہمیت 2۔توحید کے تقاضے 3۔سوشلزم کا تعارف 4۔مشترکہ مذہب

جواب: **1۔اسلام میں اعتدال کی اہمیت:**

اسلام کی ایک نمایاں خصوصیت اعتدال اور توازن ہے جو اسے دیگر تمام مذاہب اور نظام ہائے حیات سے منفرد بناتا ہے۔اعتدال کا مطلب یہ ہے کہ انسان اپنی زندگی میں نہ تو افراط کا شکار ہو اور نہ ہی تفریط کا، بلکہ میانہ روی اختیار کرے۔قرآن مجید نے امتِ مسلمہ کو "اُمّتِ وسط" قرار دیا ہے تاکہ وہ دوسروں کے لیے عملی نمونہ بنے: ﴿وَ كَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا﴾ (البقرۃ: 143)۔ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: "اِيَّاكُمْ وَالْغُلُوَّ فِي الدِّيْنِ" (سنن نسائی: 3059) یعنی دین میں غلو سے بچو۔اس سے واضح ہے کہ اسلام عبادات، اخلاق، معیشت، معاشرت اور سیاست کے ہر پہلو میں توازن چاہتا ہے۔

اعتدال کی اہمیت عبادات میں یہ ہے کہ نہ تو انسان اتنی مشقت اختیار کرے کہ جسم و جان تھک جائیں اور

ابو بکر رضی اللہ عنہ نے شام جانے والے لشکر کو ہدایت دیتے ہوئے فرمایا:
"کسی بچے کو قتل نہ کرنا، کسی عورت کو ہاتھ نہ لگانا، کسی بوڑھے کو نقصان نہ دینا، اور درختوں کو مت کاٹنا۔" یہ اصول آج کے عالمی قوانین سے کئی صدیاں پہلے دیے گئے۔

2۔**اسیرانِ جنگ کے ساتھ حسنِ سلوک:** اسلامی جنگی اخلاقیات کی سب سے روشن مثال قیدیوں کے ساتھ حسنِ سلوک ہے۔ قرآن مجید میں ہے: ﴿وَ يُطْعِمُوْنَ الطَّعَامَ عَلٰى حُبِّهٖ مِسْكِيْنًا وَّ يَتِيْمًا وَّ اَسِيْرًا﴾

صحابہ رضی اللہ عنہم نے قیدیوں کو اپنے کھانے پر ترجیح دی۔ فتح مکہ کے موقع پر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے تمام دشمنوں کو معاف کر کے تاریخ کی بے مثال مثال قائم کی: "اذهبوا فانتم الطلقاء"۔

3۔**عہد و پیمان کی پاسداری:** اسلامی فوجوں کو تاکید کی گئی کہ کسی معاہدے کو توڑنا یا دھوکا دینا ممنوع ہے۔ قرآن کہتا ہے: ﴿وَ اَوْفُوْا بِالْعَهْدِ ۚ اِنَّ الْعَهْدَ كَانَ مَسْـُٔوْلًا﴾ یہی وجہ ہے کہ اسلامی تاریخ میں مسلمانوں نے دشمنوں کے ساتھ کیے گئے معاہدوں کی مکمل پابندی کی، جیسا کہ صلح حدیبیہ میں ہوا۔

4۔**مظالم اور زیادتی سے اجتناب:** اسلام نے لوٹ مار، عورتوں کی بے حرمتی، بستیوں کو جلا دینا اور لاشوں کی بے حرمتی کو حرام قرار دیا۔ دشمن کے ساتھ بھی عدل و انصاف کا رویہ اپنانے کی تاکید کی گئی۔
رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اللہ عدل کرنے والوں کو پسند کرتا ہے" (الحجرات:9)۔

5۔**اموالِ عامہ اور فطرت کا تحفظ:** جنگی ماحول میں بھی کھیت، باغات اور پانی کے ذخائر کو نقصان نہ پہنچانے کا حکم دیا گیا۔ یہ اسلامی تصور ماحولیات کی حفاظت کو بھی ظاہر کرتا ہے۔

(ب) جہاد میں کامیابی کے اصول

1۔**ایمان و یقین:** قرآن نے وعدہ کیا کہ اگر مسلمانوں کا ایمان مضبوط ہو تو قلیل لشکر بھی غالب آ سکتا ہے۔ غزوہ بدر میں مسلمان تعداد اور وسائل میں کم تھے مگر ایمان اور یقین کی قوت نے انہیں فتح عطا کی۔

2۔**اخلاصِ نیت:** جہاد صرف اللہ کی رضا کے لیے ہونا چاہیے، نہ کہ دنیاوی غلبے یا مالِ غنیمت کے لیے۔ حدیث میں آیا ہے: "اعمال کا دار و مدار نیتوں پر ہے"۔ ریاکاری اور شہرت طلبی جہاد کی روح کو ختم کر دیتی ہے۔

3۔**تقویٰ اور اخلاقی برتری:** قرآن نے تقویٰ کو کامیابی کی اصل بنیاد بتایا: ﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِنْ تَنْصُرُوا اللّٰهَ يَنْصُرْكُمْ وَ يُثَبِّتْ اَقْدَامَكُمْ﴾ اُحد میں نافرمانی اور دنیا طلبی کی وجہ سے مسلمانوں کو وقتی

دی جاتی، حتیٰ کہ خلیفہ کے خلاف بھی قاضی فیصلہ دے سکتا تھا۔

(ج) اہلیت و شرائط: 1۔ بالغ، عاقل اور آزاد ہونا (الماوردی، الاحکام السلطانیہ، ص: 75)۔ 2۔ مسلمان ہونا، کیونکہ قاضی کو شریعت کے مطابق فیصلے کرنے ہوتے ہیں (النساء: 58) ﴿اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰٓى اَهْلِهَا﴾ 3۔ عادل و متقی ہونا، یعنی گناہ کبیرہ سے اجتناب اور صغیرہ پر اصرار نہ کرنا (المائدہ: 8) ﴿كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ لِلّٰهِ شُهَدَآءَ بِالْقِسْطِ﴾۔ 4۔ علمِ قرآن و سنت اور فقہ میں مہارت۔ 5۔ غیر جانبداری اور جراتِ فیصل (حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا فرمان: ''قاضی وہ ہے جو نہ لالچ میں فیصلہ کرے نہ خوف میں'' البدایہ والنہایہ، ابن کثیر، ج 7، ص: 101)۔

(د) جدید ریاستوں میں تقرر: 1۔ پاکستان: تقرر ''جوڈیشل کمیشن آف پاکستان'' کے ذریعے ہوتا ہے، پھر پارلیمانی کمیٹی اس کی منظوری دیتی ہے۔ 2۔ تقرر میں اہلیت، تجربہ اور دیانت بنیادی معیار ہیں۔ 3۔ امریکہ: صدر جج کو نامزد کرتا ہے۔ 4۔ سینیٹ اس کی منظوری دیتی ہے۔ 4۔ جج تاحیات خدمات انجام دیتا ہے تاکہ سیاسی دباؤ سے آزاد رہے۔ 5۔ برطانیہ: Judicial Appointments Commission امیدوار تجویز کرتی ہے۔ وزیراعظم کے ذریعے بادشاہ سے رسمی منظوری لی جاتی ہے۔

سوال 4: اسلام میں جنگوں کی اخلاقی اقدار اور جہاد میں کامیابی کے اصول قلم بند کریں۔

جواب: **(الف) اسلام میں جنگوں کی اخلاقی اقدار**

(1) تعارف: اسلام نے جنگ کو کبھی مقصد نہیں بنایا بلکہ اسے صرف ایک ناگزیر ضرورت کے طور پر تسلیم کیا ہے۔ قرآن و سنت میں واضح ہے کہ جہاد ظلم کے خاتمے، دینِ حق کی حفاظت، اور مظلوموں کی مدد کے لیے مشروع ہے، نہ کہ لوٹ مار یا طاقت کے اظہار کے لیے۔ اسلام نے دنیا کے دوسرے نظاموں سے بالکل مختلف اور اعلیٰ اخلاقی اقدار پیش کیں جنہوں نے انسانی تاریخ میں جنگ کے اصول بدل دیے۔ اس کے ساتھ ساتھ جہاد کی کامیابی کے کچھ بنیادی اصول بھی مقرر کیے گئے تاکہ مسلمان صرف مادی تیاری پر ہی نہیں بلکہ ایمانی اور اخلاقی قوت پر بھی اعتماد کریں۔

(2) جنگوں کی اخلاقی اقدار:

1۔ غیر مقاتلین کا تحفظ: اسلام نے عورتوں، بچوں، بوڑھوں، بیماروں، غلاموں اور راہبوں کو قتل کرنے کی سختی سے ممانعت کی۔ رسول اکرم ﷺ نے بارہا لشکروں کو تاکید فرمائی کہ عبادت گاہوں میں بیٹھے ہوئے راہبوں کو نقصان نہ پہنچاؤ، کھیت نہ جلاؤ، اور جانوروں کو فضول میں ہلاک نہ کرو۔ حضرت

عوام کو ظلم سے بچاتی ہے۔

4۔عوامی اعتماد کا قیام: جب عدلیہ فیصلے بلا خوف و دباؤ کرے تو عوام کا عدالتی نظام پر اعتماد بڑھتا ہے، اور یہ اعتماد ریاست کے استحکام کا ضامن ہے۔

5۔جمھوری و آئینی نظام کی بقا: جمہوریت کی کامیابی عدلیہ کی آزادی سے مشروط ہے کیونکہ وہ حکومت کو آئینی حدود میں رکھتی ہے اور اختیارات کے ناجائز استعمال کو روکتی ہے۔

6۔اسلامی تعلیمات کے مطابق عدل کا قیام: اسلامی ریاست میں عدلیہ ہی وہ ادارہ ہے جو قرآن وسنت کی روشنی میں عدل قائم کرتی ہے۔ خلفائے راشدین نے کبھی بھی قاضی کے فیصلوں میں مداخلت نہیں کی، جو عدلیہ کی آزادی کی بہترین مثال ہے۔

(ج) عدلیہ کی آزادی نہ ہونے کے نقصانات: 1۔ طاقتور طبقہ قانون کو اپنے حق میں استعمال کرنے لگتا ہے۔ 2۔عام شہری عدل و انصاف سے محروم ہو جاتے ہیں۔ 3۔کرپشن، بدعنوانی اور اقربا پروری بڑھتی ہے۔ 4۔ریاستی اداروں پر عوام کا اعتماد ختم ہو جاتا ہے۔ 5۔بالآخر معاشرے میں انتشار، بے چینی اور بغاوت جنم لیتی ہے۔

دید دور میں: ترقی یافتہ ممالک مثلاً برطانیہ، امریکہ اور یورپ میں عدلیہ کی آزادی نے جمہوری نظام کو مستحکم کیا ہے، جبکہ جن ممالک میں عدلیہ کمزور ہے وہاں کرپشن اور آمریت عام ہے۔

2۔قاضی وجج کے تقرر کا طریقہ کار۔

(الف)تعارف: ریاست کے عدالتی نظام کی کامیابی کا انحصار اس بات پر ہے کہ جج حضرات اہل، عادل اور دیانتدار ہوں۔اس لیے ان کے تقرر کا طریقہ شفاف اور غیر جانبدار ہونا ضروری ہے۔ اسلام اور جدید ریاستوں دونوں میں اس حوالے سے مخصوص اصول اور طریقے رائج ہیں۔

(ب)اسلامی نظام میں تقرر کا طریقہ:

1۔خلیفہ کا اختیار: **خلیفہ** یا امیر المؤمنین براہِ راست قاضی کو مقرر کرتا تھا۔

2۔قاضی القضاہ: بعض ادوار (خصوصاً عباسی خلافت میں) ایک ''قاضی القضاۃ'' مقرر ہوتا جو ماتحت قاضیوں کی تقرری کا ذمہ دار ہوتا۔

3۔اختیار کی حد بندی: خلیفہ قاضی کے اختیارات اور دائرۂ کار متعین کرتا (مثلاً نکاح و طلاق، حدود وتعزیرات، مالی معاملات وغیرہ)۔ 4۔عدالتی آزادی: تقرر کے بعد قاضی کو فیصلوں میں مکمل آزادی

4۔آئینی بادشاہت (Constitutional Monarchy):
آئینی بادشاہت میں بادشاہ ریاست کا علامتی سربراہ ہوتا ہے جبکہ حکومت منتخب وزیر اعظم اور پارلیمان کے ذریعے چلتی ہے۔ اس کے خدوخال یہ ہیں کہ بادشاہ کے اختیارات آئین کے ذریعے محدود ہوتے ہیں، پارلیمان اصل قانون ساز ادارہ ہوتا ہے، حکومت کابینہ کے ذریعے امورِ سلطنت چلاتی ہے اور عدلیہ آزاد حیثیت میں کام کرتی ہے۔ اس نظام کی خوبی یہ ہے کہ اس میں روایت اور عوامی نمائندگی دونوں کا امتزاج پایا جاتا ہے، جبکہ اس پر تنقید یہ ہے کہ شاہی خاندان پر قومی وسائل خرچ ہوتے ہیں۔ برطانیہ، اسپین، سویڈن، ناروے، جاپان اور ملائیشیا اس کی نمایاں مثالیں ہیں۔
خلاصہ: مملکتِ دستوریہ میں آئین کی بالادستی سب پر غالب ہوتی ہے، وفاقی حکومت میں اختیارات مرکز اور اکائیوں میں تقسیم کیے جاتے ہیں، بادشاہتِ مطلقہ میں بادشاہ ہی اصل حکمران ہوتا ہے، جبکہ آئینی بادشاہت میں بادشاہت محدود ہو کر صرف علامتی رہ جاتی ہے اور حقیقی اقتدار عوامی نمائندہ حکومت کو حاصل ہوتا ہے۔

سوال :3 عدلیہ کی آزادی اور قاضی و جج کے تقرر کا طریقہ کار پر جامع مدلل نوٹ لکھیں۔

جواب : **1۔عدلیہ کی آزادی**

(الف) عدلیہ کی آزادی کا تصور: عدلیہ کی آزادی سے مراد یہ ہے کہ عدالتیں آئین و قانون کی روشنی میں فیصلے کریں اور کسی فرد، جماعت یا ادارے کے دباؤ کے بغیر انصاف مہیا کریں۔ قرآنِ کریم میں عدل کے قیام کا حکم دیا گیا ہے: ﴿وَ اِذَا حَكَمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ اَنْ تَحْكُمُوْا بِالْعَدْلِ﴾ (النساء: 58)۔
اس کی عملی تصویر اسلامی تاریخ میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور میں ملتی ہے آپ نے قاضی شریح کو مکمل آزادی دی کہ وہ حتیٰ کہ خلیفہ وقت کے خلاف بھی فیصلہ دے سکیں۔

(ب) عدلیہ کی آزادی کی ضرورت و اہمیت:

1۔قانون کی بالادستی قائم رکھنا: آزاد عدلیہ ہی اس بات کو یقینی بناتی ہے کہ ریاست میں کوئی بھی فرد یا ادارہ قانون سے بالاتر نہ ہو۔

2۔بنیادی حقوق کا تحفظ: شہریوں کی جان، مال، عزت اور آزادی کا تحفظ صرف اسی صورت میں ممکن ہے جب عدلیہ حکومت و طاقتور طبقے سے آزاد ہو۔

3۔ظلم و جبر کی روک تھام: آزاد عدلیہ انتظامیہ اور حکمرانوں کے ناجائز اقدامات کو محدود کر کے

سوال: 2 مملکت کی اقسام دستوریہ، وفاقی حکومت، بادشاہت، آئینی بادشاہت میں تنظیمی ڈھانچہ کے خد وخال پر نوٹ لکھیں نیز بتائیں ایسی حکومتیں کہاں کہاں قائم ہیں؟

جواب: 1۔ **مملکتِ دستوریہ** (Constitutional State):

یہ وہ ریاست ہے جس میں آئین کو سب سے زیادہ بالادستی حاصل ہوتی ہے اور تمام ادارے اسی کے ماتحت کام کرتے ہیں۔ اس کے خدوخال یہ ہیں کہ اختیارات کی تقسیم، انتظامیہ اور عدلیہ کے درمیان کی جاتی ہے، بنیادی حقوق کی ضمانت فراہم کی جاتی ہے اور عدلیہ کو عدالتی نظرِ ثانی کا اختیار حاصل ہوتا ہے۔ آئین مدوّن (جیسے پاکستان اور بھارت) یا غیر مدوّن (جیسے برطانیہ) بھی ہوسکتا ہے۔ اس نظام کی خوبی قانون کی بالادستی اور شہری آزادیوں کا تحفظ ہے، تاہم بار بار ترامیم اور آئینی بحران اس کی کمزوری شمار ہوتے ہیں۔ امریکہ، بھارت، پاکستان اور برطانیہ اس کی نمایاں مثالیں ہیں۔

2۔ **وفاقی حکومت** (Federal Government):

وفاقی نظام میں اختیارات آئینی طور پر وفاق اور اس کی اکائیوں (ریاستوں/صوبوں) میں تقسیم ہوتے ہیں۔ اس کے خدوخال یہ ہیں کہ مرکز اور صوبے دونوں براہِ راست عوام سے اختیار لیتے ہیں، پارلیمان عموماً دوایوانی ہوتی ہے تاکہ بالا ایوان میں ریاستوں کو مساوی نمائندگی مل سکے، اور وفاقی عدالت آئینی تنازعات کو حل کرتی ہے۔ اس نظام کی خوبی یہ ہے کہ مختلف زبانوں، قومیتوں اور ثقافتوں کو اپنے دائرے میں خودمختاری حاصل رہتی ہے لیکن اتحاد بھی قائم رہتا ہے، جبکہ خامی یہ ہے کہ کبھی کبھار مرکز اور صوبوں میں کشمکش پیدا ہو جاتی ہے۔ امریکہ، بھارت، پاکستان، جرمنی اور سوئٹزرلینڈ اس کی نمایاں مثالیں ہیں۔

3۔ **بادشاہتِ مطلقہ** (Absolute Monarchy):

اس طرزِ حکومت میں تمام تر اختیارات براہِ راست بادشاہ کے ہاتھ میں ہوتے ہیں۔ اس کے خدوخال یہ ہیں کہ بادشاہ ہی ریاست کا سربراہ اور حکومت کا اصل حکمران ہوتا ہے، مقننہ اور عدلیہ اس کے ماتحت یا اس کی مرضی سے چلتے ہیں، اور عوامی نمائندگی یا تو برائے نام ہوتی ہے یا سرے سے موجود نہیں۔ اس نظام کی خوبی یہ ہے کہ فیصلے تیزی اور یکسانیت کے ساتھ نافذ ہوتے ہیں، مگر اس کی سب سے بڑی کمزوری یہ ہے کہ عوامی رائے اور مشاورت کو نظر انداز کیا جاتا ہے اور شخصی آمریت کو فروغ ملتا ہے۔ سعودی عرب، عمان، برونائی اور سوا تینی اس کی نمایاں مثالیں ہیں۔

خلافتِ راشدہ کے امتیازات:

1. **شورائیت اور مشاورت:** خلیفہ کا انتخاب مشاورت سے ہوتا تھا، نہ وراثت سے اور نہ ہی جبر سے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا انتخاب چھ رکنی شوریٰ کے ذریعے عمل میں آیا۔ قرآن میں بھی ارشاد ہے: ﴿وَأَمْرُهُمْ شُوْرٰى بَيْنَهُمْ﴾ (الشوریٰ: 38)۔ یہ اصول جمہوریت کی اصل روح ہے لیکن قرآن وسنت کے تابع رہ کر۔

2. **عدل و مساوات:** خلیفہ وقت بھی عدالت میں پیش ہوسکتا تھا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ایک یہودی کے ساتھ مقدمہ قاضی شریح کے سامنے پیش ہوا اور فیصلہ یہودی کے حق میں ہوا (البدایہ والنہایہ)۔ یہ وہ عدل تھا جو دنیا کے کسی اور نظام میں نظر نہیں آتا۔

3. **سادگی اور خدمت کا جذبہ:** خلفائے راشدین نے مال و دولت کے انبار جمع نہیں کیے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اکثر راتوں کو گشت کرتے اور عوام کے حالات معلوم کرتے تھے۔ ان کا قول مشہور ہے: ''اگر دجلہ کے کنارے ایک کتا بھی پیاسا مر گیا تو عمر رضی اللہ عنہ سے باز پرس ہوگی'' (حلیۃ الاولیاء)۔

4. **مالی دیانت داری:** بیت المال کے نظام میں مکمل شفافیت تھی۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے وفات سے قبل اپنی ذاتی زندگی میں استعمال ہونے والی اشیاء واپس بیت المال میں جمع کرا دیں (تاریخ الخلفاء)۔

5. **احتساب:** خلفائے راشدین خود کو عوام کے سامنے جواب دہ سمجھتے تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے جب کپڑے کے بارے میں سوال ہوا کہ آپ کا کپڑا دوسروں سے زیادہ لمبا کیوں ہے؟ تو انہوں نے وضاحت دی کہ ان کے بیٹے عبداللہ رضی اللہ عنہ نے اپنا حصہ انہیں دیا تھا (طبقات ابن سعد)۔

6. **تقابلی برتری:** یہ نظام جمہوریت اور بادشاہت دونوں سے برتر تھا۔ جمہوریت میں فیصلے اکثریت کی بنیاد پر ہوتے ہیں خواہ وہ شریعت کے خلاف ہوں، جبکہ خلافت میں فیصلے قرآن وسنت کے تابع تھے۔ بادشاہت میں حکمران کا اختیار مطلق اور موروثی ہوتا ہے، لیکن خلافت میں حکمران کا انتخاب مشاورت سے ہوتا اور وہ قانون کے تابع ہوتا تھا۔

خلافتِ راشدہ کی فضیلت:

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''میری خلافت تیس سال تک رہے گی، اس کے بعد ملوکیت ہوگی'' (ابوداؤد، ترمذی)۔ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ خلافتِ راشدہ کو نبوی سنت کا تسلسل قرار دیا گیا ہے اور یہی نظام بعد کے ادوار میں اسلامی طرزِ حکومت کے لیے معیار سمجھا گیا۔

السیاسۃ الشرعیۃ 1446ھ/2025ء (سالانہ)

حصہ انشائیہ: کل نمبر 72

نوٹ: حصہ انشائیہ سے کوئی سے چار سوال حل کریں۔ ہر سوال کے 18 نمبر ہیں۔

سوال :1 خلافت راشدہ کا نظام حکومت اور اس کے امتیازات تحریر کریں۔

جواب: خلافت کے نظام کی ضرورت واہمیت:

اسلام صرف عبادات یا انفرادی اخلاقیات تک محدود نہیں بلکہ ایک مکمل ضابطۂ حیات ہے، جو سیاست، معیشت، عدل اور اجتماعی معاملات پر بھی راہنمائی فراہم کرتا ہے۔ اس کے لیے ایک منظم حکومتی ڈھانچہ ناگزیر تھا۔ رسول اکرم ﷺ کے وصال کے بعد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے سب سے پہلا فریضہ خلیفہ کے انتخاب کو قرار دیا تاکہ امت کی وحدت قائم رہے۔ قرآن مجید میں ارشاد ہے: ﴿یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اَطِیْعُوا اللّٰهَ وَ اَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَ اُولِی الْاَمْرِ مِنْكُمْ﴾ (النساء: 59)۔ اس آیت سے قیادت اور نظامِ حکومت کی ضرورت واضح ہوتی ہے۔

خلافتِ راشدہ کا نظامِ حکومت:

خلافتِ راشدہ کی بنیاد شریعتِ اسلامی پر رکھی گئی تھی۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا خطبۂ افتتاحیہ اس کی بہترین مثال ہے جس میں انہوں نے فرمایا: ''تم میں سب سے زیادہ نیک شخص ہی خلیفہ نہیں بلکہ تمہارا ایک خادم ہوں، اگر میں درست رہوں تو میرا ساتھ دینا اور اگر میں غلطی کروں تو مجھے سیدھا کرنا'' (تاریخ طبری)۔ خلفائے راشدین کا طرزِ حکومت شورائیت، عدل، مساوات اور خدمت پر مبنی تھا، جس میں کسی کو قانون سے بالاتر حیثیت حاصل نہ تھی۔

خلافتِ راشدہ: ''اللہ اور رسول ﷺ کی شریعت کی حکومت'' 1۔ خلافت میں اصل حاکم اللہ تعالیٰ ہوتا ہے: ﴿اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ﴾ (یوسف: 40) (حکم تو صرف اللہ ہی کا ہے۔) 2۔ خلیفہ کا کام اللہ کی شریعت کو نافذ کرنا اور عوام کے معاملات کو عدل و انصاف کے ساتھ چلانا ہے۔ 3۔ خلیفہ کا انتخاب اہلِ حل العقد (اہل رائے ومشورہ) کے ذریعے ہوتا ہے، یعنی وہ لوگ جو دیانت، علم اور قیادت کی صلاحیت رکھتے ہوں۔ 4۔ عوام بیعت کے ذریعے خلیفہ کو قبول کرتے ہیں، لیکن وہ صرف امین ہوتا ہے، حاکمِ مطلق نہیں۔

سوال 5: سحبان وائل خطیب العرب کا سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ کیا واقعہ پیش آیا تھا؟ مختصر نوٹ کریں۔

جواب: وہ واقعہ یہ ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس خراسان کا ایک وفد آیا، حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے سحبان یا صحبان کو طلب کیا وہ آ گیا، حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ تم تقریر کرو۔ اس نے کہا: پہلے مجھے لاٹھی لا کر دو۔ لوگوں نے پوچھا لاٹھی کا کیا کرو گے؟ اس نے کہا جو حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنے رب سے باتیں کرتے وقت اپنے لاٹھی کے ساتھ کرتے تھے میں بھی وہ کروں گا چنانچہ اسے لاٹھی لا کر دیا گیا، اس نے اسے واپس کر دیا، پسند نہ کیا، پھر اسے اس کا اپنا لاٹھی لا کر دیا گیا تو وہ تقریر کرنے لگا۔ ظہر سے عصر تک تقریر کرتا رہا حتیٰ کہ نماز کا وقت ہو گیا حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اسے ہاتھ سے اشارہ کیا کہ نماز کا وقت ہے تو کہنے لگا کہ ہم وعظ اور وعید میں مشغول ہیں الغرض اس نے طویل تقریر کی اور حاضرین پر اپنی خطابت کا رعب اور دبدبہ ڈال دیا۔

سوال 10: درج ذیل میں سے صحیح پر (✓) اور غلط پر (✗) انشان لگائیں۔ 4 نمبر

1. عربی شعر کی پہلی تصویر سجع نثر تھی۔ (✗)
2. امرء القیس عمر بھر اپنے والد کی آغوش میں رہے۔ (✓)
3. طرفہ بن عبد کو الغلام القتیل بھی کہتے ہیں۔ (✗)
4. جریر کو فرزدق پر خاندانی برتری حاصل تھی۔ (✗)



سوال :8 درج ذیل میں سے صحیح پر (✓) اور غلط پر (✗) کا نشان لگائیں۔ 4 نمبر

1۔"لقد فتح المكتبة دارالسلام فرعا لها اليوم في لاهور" (✓)

2۔قیام پاکستان کے بعد قائداعظم نے سب سے اہم عہدہ علامہ محمد اقبال کو سونپا تھا۔ (✗)

3۔قاضی ابو یوسف نے اکثر کتب اپنے والدگرامی سے ہی پڑھی تھیں۔ (✓)

4۔"شكوت الى وكيع سوء حفظي" اشعار میں "شکوت" فاعل کا اشارہ امام شافعی کی طرف ہے۔ (✓)

5۔"ان البقره تشابه علينا" آیت مبارکہ میں البقر مفرد ہے۔ (✗)

تاریخ ادب العربی

سوال :9 درج ذیل سوالات کے مختصر جواب دیں۔ 10 نمبر

سوال :1 لغت عربی کے چار خصائص و امتیازات بیان کریں۔

جواب : 1۔وسعتِ الفاظ (کسی ایک معنی کے لیے کئی الفاظ) 2۔فصاحت و بلاغت (لفظ و معنی میں وضاحت) 3۔اشتقاق کی قوت (اصل مادہ سے متعدد الفاظ بننے کی صلاحیت) 4۔ایجاز و اختصار (کم الفاظ میں زیادہ معنی ادا کرنا)

سوال :2 "وَافَقَ شَنٌّ طبقة" امثال العرب سے ہے۔اس کی وضاحت کریں۔

جواب : یہ مثال اس وقت بولی جاتی ہے جب دولوگ ایک جیسے مزاج اور فکر والے ہوں۔شانّ اور طبقہ دو ہم خیال شخص تھے،ان کی مناسبت سے یہ مثال مشہور ہوئی۔

سوال :3 قس بن ساعدہ الایادی کے خطابات کا اسلوب تحریر کریں۔

جواب : 1۔خطبات نہایت فصیح اور بلیغ تھے۔2۔جملے مختصر، پر اثر اور سجع آرا تھے۔3۔موضوعات میں توحید،موت، قیامت اور عبرت شامل ہوتی تھی۔

سوال :4 عنترہ العبسی کی شہرت کا سبب تحریر کریں۔

جواب : 1۔وہ شجاع، دلیر اور نامور شاعر تھا۔2۔اس کا معلقہ مشہور ہے جس میں بہادری، محبت اور فخر کا رنگ نمایاں ہے۔3۔اپنی محبوبہ عبلۃ کے اشعار نے بھی اسے شہرت دی۔4۔چونکہ اس نے غلامی میں آنکھ کھولی اور اسی منظر میں شاعری کرتا اور سماں باندھ دیتا تھا یہ بھی وجہ مشہوری ہے۔

سمندر سے پانی نکالتا ہو۔ یعنی ہجو میں فرزدق بہت کڑوا اور سخت ہے۔ وصف (چیزوں کی تصویری کیفیت بیان کرنا) میں نہایت کامیاب ہے۔ مدح (تعریف) میں صرف درمیانے درجے کا ہے۔ اور رثاء (مرثیہ) میں بالکل کامیاب نہیں۔ گویا یہ عبارت فنِ شعر میں مختلف اسالیب کی خوبیوں اور کمزوریوں پر ایک تنقیدی تبصرہ ہے۔

حصہ معروضی کل نمبر 28

نوٹ: حصہ معروضی کے تمام سوال لازمی ہیں۔

مفتاح الانشاء

سوال :7 درج ذیل اجزاء میں سے پانچ کے مختصر جواب دیں۔ 10 نمبر

سوال :1 دو مفعولوں کی طرف متعدی فعل کی دو مثالیں تحریر کریں۔

جواب : 1۔أعطيتُ زيدًا كتابًا 2۔ منحتُ الطالبَ جائزةً

سوال :2 یہ علامات کب استعمال ہوتی ہیں (!)(؛)

جواب : (!) تعجب، خوشی، غصہ یا حیرت ظاہر کرنے کے لیے۔ (؛) ایک ہی جملے کے اندر قریبی مفہوم رکھنے والے دو حصے جدا کرنے کے لیے۔

سوال :3 حرف جر سے متعدی ہونے والے افعال کی دو مثالیں تحریر کریں۔

جواب : 1۔ ذهبتُ إلى المدرسةِ 2۔مررتُ بزيدٍ

سوال :4 ترجمہ کریں۔ خياط، حذاء

جواب :"خیاط (درزی) حذاء (جوتا بنانے والا/موچی)"

سوال :5 عربی میں جواب دیں۔ "لماذا كانت امة الاسلام خير امة"

جواب : لأنها تأمر بالمعروف وتنهى عن المنكر وتؤمن بالله.

سوال :6 شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کی زندگی میں علماء کے لیے کیا کیا نصائح ہیں؟ دو قلمبند کریں۔

جواب : 1۔اخلاص اور اتباعِ سنت: ابن تیمیہ رحمہ اللہ ہمیشہ علماء کو نصیحت کرتے تھے کہ علم دین صرف اللہ کی رضا کے لیے حاصل کریں اور قول وفعل میں رسول اللہ ﷺ کی سنت کو لازم پکڑیں۔ 2۔عمل کے ساتھ علم: وہ فرمایا کرتے تھے کہ علم بغیر عمل کے وبال ہے، لہٰذا عالم کو چاہیے کہ سب سے پہلے خود اپنی زندگی کو قرآن وسنت کے مطابق بنائے۔

مسلم اور عبدالملک کی نظر میں ان کا مرتبہ بلند ہو گیا۔ پھر انہوں نے حجاج کو عراق کا گورنر بنا دیا جہاں شیعی فتنوں کے باعث ابتری کا دور دورہ تھا اور اندر ہی اندر خوارج کی بغاوت کا مواد پک رہا تھا چنانچہ وہ عراقیوں کے ساتھ نہایت سختی سے پیش آیا، اس نے ان کی گردنوں کو جھکا دیا، ان کی فتنہ انگیزیوں کو دبا دیا اور بالآخر ان کو جماعت کے دائرہ میں اس طرح لے آیا کہ وہ ان کی لاشوں کو ٹھکرا رہا تھا اور ان کے خون میں غوطے مار رہا تھا پھر وہ بقیہ تمام عمر عراق میں عبدالملک اور اس کے بیٹے ولید کی حکومت کا بنیادی ستون بنا رہا۔

حجاج بن یوسف کا عربی ادب میں مقام: حجاج بن یوسف کو اللہ تعالیٰ نے زور بیان اور قوت قلب کا وافر حصہ عطا فرمایا تھا وہ بڑا خوش بیان اور قوی الحجت تھا، اس کے ہم عصروں میں کوئی اس کی برابری نہ کرسکتا تھا۔ مالک بن دینار کہتے ہیں میں نے حجاج سے زیادہ اثر انگیز و خوش بیان مقرر نہیں دیکھا جب وہ ممبر پر کھڑے ہو کر عراقیوں کے ساتھ اپنے احسانات وعفو کا ذکر چھیڑتا اور اس کے مقابلہ میں عراقیوں کی زیادتیاں اور بدسلوکیاں بیان کرتا تو میں اسے سچا اور انہیں جھوٹا سمجھنے لگتا حالانکہ اس نے ان میں سے ایک لاکھ بیس ہزار کو قید میں بند کر کے مار ڈالا تھا اور جب وہ مرا تو اس کے قید خانوں میں 50 ہزار مرد اور 30 ہزار عورتیں قید تھیں۔

سوال 6: درج ذیل عبارت پر اعراب لگائیں ترجمہ کریں اور مفہوم واضح کریں۔

جواب: قَالَ الأخطَلُ: الفَرَزْدَقُ يَنْحَتُ مِنْ صَخْرٍ، وَجَرِيْرٌ يَغْرِفُ مِنْ بَحْرٍ، وَالفَرَزْدَقُ بَعْدَ ذٰلِكَ فِي الهِجاءِ مُقْزِعٌ، وَفِي الوَصْفِ مُبْدِعٌ، وَفِي المَدْحِ وَسَطٌ وَفِي الرِّثاءِ غَيْرُ مَجِيدٍ.

ترجمہ: اخطل (شاعر) نے کہا:

''فرزدق سخت پتھر سے تراشتا ہے، اور جریر سمندر سے (آسانی سے) نکالتا ہے۔ اور فرزدق اس کے بعد ہجو میں سخت اور تلخ ہے، وصف میں باذوق اور تخلیقی ہے، مدح میں اوسط درجے کا ہے، اور رثاء (مرثیہ گوئی) میں غیر کامیاب ہے۔

مفہوم: یہ قول الأخطل (ایک مشہور نصرانی شاعر) کا ہے جس نے اپنے دور کے دو بڑے شعرا الفَرَزْدَق اور جَرِیر کا تقابل کیا ہے: **الفَرَزْدَق:** اس کی شاعری سخت اور مشکل (یعنی گہری اور ثقیل) ہے، جیسے کوئی سخت پتھر کو تراش کر الفاظ نکالتا ہو۔ **جَرِیر:** اس کی شاعری رواں اور آسان ہے، جیسے کوئی

بیان میں اختصار و اعجاز، ان کی نثر کی خصوصیات ہیں۔ کبھی ان کی عبارتوں میں امثال اور مقولوں کا ایسا لگا تار سلسلہ بھی ملتا ہے جو بے ربط اور اپنی جگہ کے اعتبار سے غیر مناسب معلوم ہوتا ہے۔

سوال 5: درج ذیل اجزاء میں سے کسی ایک کا جواب دیں۔

(الف) اشعار کا ترجمہ کریں اور خط کشیدہ کے صیغے حل کریں۔

جواب: وكم من لئيم وَدَّ أني شتمته۔۔۔ وان كان شتمي فيه صاب وعلقم۔۔۔

وللكف عن شتم اللئيم تكرما۔۔۔ أضر له من شتمه حين يشتم

کتنے ہی کمینے ہیں جو یہ چاہیں کہ میں انہیں گالی دوں۔۔۔۔۔۔اگرچہ میری گالی دینا ان کے لیے صبر کے پھل اور علقم (انتہائی کڑوا زہر) کی طرح سخت اور تلخ ہے۔

لیکن کمینے کو گالی دینے سے باز رہنا، محض بزرگی اور عزتِ نفس کی خاطر۔۔۔۔۔۔یہ اس کے لیے زیادہ نقصان دہ ہے بہ نسبت اس کے کہ میں اسے گالی دوں جب وہ گالی دے۔

خط کشیدہ کے صیغے: 1۔وَدَّ: صیغہ واحد مذکر غائب، فعل ماضی، باب وَدَّ يَوَدُّ بروزن فتح یفتح، حروف اصلی و د د، ہفت اقسام مضاعف۔

2۔شَتَمْتُ: صیغہ واحد متکلم، فعل ماضی، باب شتم یشتم بروزن ضرب یضرب حروف اصلی ش ت م، ہفت اقسام صحیح۔

3۔أَضَرُّ: صیغہ واحد، اسم تفضیل، باب ضر یضر بروزن نصر ینصر حروف اصلی ض ر ر، ہفت اقسام مضاعف۔

(ب) حجاج بن یوسف کے حالات زندگی اور اس کا عربی ادب میں مقام بیان کریں۔

جواب: حجاج بن یوسف کے حالات زندگی: ابو محمد حجاج بن یوسف ثقفی 41 ہجری میں ناداری و گمنامی میں پیدا ہوا، بچپن کی تعلیم اپنے باپ کے ساتھ رہ کر طائف میں حاصل کی لیکن اس کے پرشوق و بلند ہمت نفس نے اسے پستی سے بالاتر رکھا، اس کی ذکاوت وزیر کی کو دیکھ کر روح بن زنباع نے جو عبدالملک بن مروان کا مددگار تھا اسے اپنے سپاہیوں میں بھرتی کر لیا، خلیفہ نے اپنے لشکر میں ابتری دیکھی تو روح بن زنباع سے اس امر کی شکایت کی، اس وقت انہوں نے خلیفہ کو حجاج کا نام بتایا اور خلیفہ نے اسے اپنی فوج کا افسر مقرر کر دیا، اس نے تمام فوج کو منظم کیا اور اسے پوری طرح قابو میں لا کر مطیع کر لیا۔ پھر عبداللہ بن زبیر سے لڑنے والی فوجوں کی قیادت کے باعث اس کی شہرت عام ہو گئی۔ اس نے عبداللہ بن زبیر کو مکہ کا محاصرہ کر کے شہید کیا اور ان کی حکومت ختم کر دی جس کی وجہ سے ان کی قابلیت

تاثیر، دیہاتی سادگی، یہی وہ عوامل ہیں جن کے اثر نے جاہلیت کی شاعری کو ایک خاص رنگ میں رنگ کر اس میں امتیازی شان پیدا کر دی ہے۔

1۔ اس شاعری کی پہلی خصوصیت راستی اور سچائی ہے یعنی کسی جذبہ کی بے کم و کاست پوری اور سچی عکاسی، فطرت کی صحیح ترجمانی، آورد ظاہری ٹیپ ٹاپ اور تکلفات سے یہ شاعری آپ کو بالکل خالی نظر آئے گی اور یہی وجہ ہے کہ اس میں اختصار زیادہ، مجاز کم اور مبالغہ تو بالکل ہی نادر ہے۔

2۔ دوسری خصوصیت اس شاعری کی یہ ہے کہ اس میں منطقی طریقوں اور طبعی تقاضوں کے مطابق ترتیب و تسلسل افکار پر بہت کم توجہ دی گئی ہے چنانچہ معنی و مضامین کا باہمی ربط بہت کمزور ہوتا ہے، شعروں کی ترتیب بے جوڑ اور ڈھیلی ہوتی ہے، حتی کہ اگر شعروں کی ترتیب میں تاخیر و تقدیم کر دی جائے یا بعض شعروں کو بالکل حذف کر دیا جائے تو بھی کوئی کمی یا خامی معلوم نہیں ہوتی۔ اس کی وجہ یہی ہے کہ دیہاتی فطرتاً فلسفیانہ نظر نہیں رکھتے، ان کی نظر میں تمام اشیاء و حوادث ایک دوسرے سے الگ اور بے تعلق ہوتے ہیں جنہیں کوئی رشتہ باہم نہیں ملاتا، یہی سبب ہے کہ غریب ادیبوں کے نزدیک شاعری کو پرکھنے کا معیار ایک ایک شعر ہوتا ہے نہ کہ پورا قصیدہ۔

3۔ جاہلی شاعری کی دیگر خصوصیات غریب و ناموس الفاظ کا استعمال، تراکیب میں متانت اور الفاظ میں شوکت ہیں۔ یہ ان کے طبعی اور اجتماعی نظام میں قوت و درشتی کی غمازی کر رہی ہے۔

4۔ ان کی شاعری کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ اس کا آغاز کھنڈرات اور مکانات کے ذکر سے ہوتا ہے اس لیے کہ وہ خانہ بدوش زندگی گزارتے تھے آج یہاں خیمے نصب کر لیے کل وہاں، جہاں کچھ سرسبزی اور پانی نظر آیا وہاں کا رخ کر لیا۔

نثر کی تعریف: نثر کسی زبان میں تبادلہ خیالات کرنے کے لیے کلام کی سب سے پہلی وجود پذیر ہونے والی قسم ہے۔ اس لیے کہ وہ آسان و بے قید ہونے کے ساتھ ساتھ سب کی ضرورت کی چیز ہے۔ نثر کی دو قسمیں ہیں: 1۔ ایک تو مسجع جس کے ہر دو فقروں کے آخری کلمات کو موزون و مقفی لانے کا التزام کیا جائے۔ 2۔ دوسری مرسل جس میں سادگی اختیار کی جائے، تک بندی اور قافیہ کی قید ملحوظ نہ رکھی جائے۔

جاھلی نثر کے امتیازات: زمانہ جاہلیت کی نثر نہایت سادہ اور طبعی ہے، نہ اس میں تکلف کو دخل ہے نہ بناوٹ اور تصنع کا شائبہ، نہ مبالغہ آمیزی کا وجود۔ وہ دیہاتی اخلاق اور بدویانہ ماحول کی صحیح ترجمانی کرتی ہے، صاف شستہ الفاظ، عمدہ ترکیبیں، سلجھے ہوئے خیالات، چھوٹے چھوٹے جملے، استعاروں کی کمی،

فرّقتهم الديار.

(2)امام: كان الإمامُ العادلُ في الأمة كالأبِ الرؤوف، يسوسُ الناسَ بالحق، ويهديهم إلى الصراط المستقيم.

(3)جبان: لا يرفعُ اللّٰهُ شأنَ الجبان، لأنّه يفرّ عند الشدائد، ويتركُ قومه في مواطن الحاجة.

(4)حادثة: وقعت حادثةٌ عظيمةٌ في البلدة، فاعتبر الناسُ بها، وعلموا أنّ الدنيا دارُ فناءٍ لا بقاءَ فيها.

(5)سنة: مضت سنةٌ كاملةٌ ونحن نترقّبُ الفرجَ من اللّٰه تعالى، فجاء الخيرُ بعد الصبر.

(6)شمال: هبّت رياحُ الشَّمالِ ببرودتها، فاستبشر الناسُ بمجيء المطر.

(7)احد الطلاب: قام أحدُ الطلابِ في مجلس الدرس، فألقى كلمةً بليغةً أدهشت الحاضرين.

(8)لا بد: لا بدّ للمسلم من الإخلاص في عمله، فإنّ اللّٰه لا يقبل إلا ما كان خالصاً له.

(9)من جديد: نهضت الأمة من جديد بعد أن عرفت قدر دينها، وأيقنت أنّ عزّها في التمسك بشرع اللّٰه.

تاریخ ادب العربی

نوٹ: حصہ انشائیہ تاریخ ادب العربی سے کوئی سے دوسوال حل کریں۔ ہر سوال کے 18 نمبر ہیں۔

سوال 4: شعراور نثر کی تعریفات لکھیں نیز جاہلی شعراور جاہلی نثر کے امتیازات تحریر کریں۔

جواب: **شعر کی تعریف:** شعر اس موزوں ومقفی کلام کو کہتے ہیں جو نادر افکار، طرفہ خیالات اور پراثر یا خیز مناظر وحالات کی صحیح ترجمانی وعکاسی کرے، شعر کبھی نثر میں ہوتا ہے اور کبھی نظم میں، احساس تعلق اور طبیعت سے لگاؤ کی بنا پر، نیز عقلی وتمدنی ترقی اور علمی گہرائی اور تحقیقی کاوشوں کی ضرورت نہ ہونے کے باعث شاعری کو ادبی آثار میں قدیم ترین مقام حاصل ہے۔

جاہلی شعر کے امتیازات: صحرائی درشتی وسنگلاخی کھری اور روکھی زندگی، آزادی فکر، آب دہوا کی

والدعاء والكلمة الصادقة، وأن نُظهر قضيتَهم في كل محفلٍ، فهم يدافعون عن المسجد الأقصى وأرض الإسلام.

سوال :4 ما هي الصفات التي يجب ان يتحلى بها كل طالب؟

جواب : يجب أن يتحلّى كل طالبٍ بالصدق في طلب العلم، وبالصبر والمثابرة، وبالأدب مع أساتذته، وبالإخلاص للّٰه تعالى، وأن يجعل العلم وسيلةً للعمل الصالح وخدمة الأمة.

سوال :5 ما اول عمل قام به ابو بكر الصديق رضي الله عنه في خلافته؟

جواب : أولُ عملٍ قام به أبو بكر الصديق رضي الله عنه بعد تولّيه الخلافة هو قتالُ مانعي الزكاة، لأنهم فرّقوا بين الصلاة والزكاة، وقال كلمتَه المشهورة: "واللّٰه لو منعوني عِقالاً كانوا يؤدّونه إلى رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم لقاتلتُهم عليه." وبذلك حفظ وحدة المسلمين وثبّت أركان الدولة الإسلامية.

(ب) درج ذیل جملوں کا عربی میں ترجمہ کریں۔ 10

(1) ہمارے گاؤں کی آبادی کا اندازہ چار ہزار لگایا جاتا ہے۔

يُقدَّر عددُ سُكّانِ قريتنا بأربعةِ آلافٍ.

(2) میں عموماً پانچ بجے نیند سے اٹھ جاتا ہوں۔

أستيقظُ من النومِ عادةً عند الساعةِ الخامسة.

(3) یہ ہمارا فرض ہے کہ ہم ڈاکٹر کے مشورے پر عمل کریں۔

من واجبِنا أن نعملَ بمشورةِ الطّبيب.

(4) وہ اپنی محنت پر خوش ہے۔

هو مسرورٌ بتعبِه وجهده.

(5) یہ جوتا آپ کے لیے موزوں ہے۔

هذا الحِذاءُ مناسبٌ لك.

سوال :3 درج ذیل الفاظ کو کتاب کے اسلوب پر عربی جملوں میں استعمال کریں۔

جواب : (1)اخوة: المسلمون إخوةٌ يجمعهم دينٌ واحد، ومحبّةٌ صادقة، ولو

و"درء تعارض العقل والنقل"، و"الفتاوى الكبرى"، و"الرد على البكري"، وغيرها من التصانيف التي تدل على سعة علمه وقوة حجته. وكان قلمه ولسانه سيفين مسلطين على أهل البدع والباطل.وكان رحمه الله عابداً زاهداً، كثير الذكر والعبادة، صبوراً على البلاء، راضياً بقضاء الله. وقد قضى آخر عمره في سجن القلعة بدمشق، حيث توفي سنة (728هـ) رحمه الله تعالى، فشيّعه خلق عظيم، وامتلأت الطرقات بالمشيعين، حتى قيل إن جنازته كانت من أعظم الجنائز في تاريخ الإسلام.وخلاصة القول: إن الإمام ابن تيمية رحمه الله كان إماماً مجدداً، وعالماً عاملاً، ومجاهداً صابراً، ترك أثراً عظيماً في الأمة، وما زالت كتبه وفتاواه نبراساً للباحثين، ومناراً للسالكين، وحجة على المخالفين.نسأل الله تعالى أن يجزيه عن الإسلام والمسلمين خير الجزاء، وأن يرفع درجته في عليين، وأن يهيء لهذه الأمة من يجدد لها أمر دينها كما جدد لها ابن تيمية رحمه الله.

وصلى الله على سيدنا محمد وعلى آله وصحبه وسلم تسليماً كثيراً.

سوال :2 (الف) درج سوالات میں سے چار کے عربی میں جواب دیں۔ 08

سوال :1 لماذا تحب اللغة العربية؟

جواب : أحبُّ اللغةَ العربيةَ لأنّها لغةُ القرآن الكريم، ولغةُ النبيّ ﷺ، وهي بحرٌ زاخرٌ بالفصاحة والبلاغة، ولأنّها وسيلةٌ لفهم الشريعة الإسلامية والعلوم الشرعية.

سوال :2 كيف وصفت عائشة رضي الله عنها رسول الله ﷺ؟

جواب : قالت عائشة رضي الله عنها: "كان خُلُقُه القرآن"، أي أنّه كان يطبّق القرآن في أقواله وأفعاله وأخلاقه، وكان صلى الله عليه وسلم رحمةً للعالمين، متواضعاً، صادقاً، أميناً، كريماً.

سوال :3 ماذا يجب علينا تجاه المجاهدين الفلسطينيين-

جواب : يجب علينا أن ندعوَ لهم بالنصر والتثبيت، وأن نناصرَهم بالمال

الدين، وضمان لسياسة الدنيا، وما لم يجتمع المسلمون على إمام يطبق شرع الله، فإن الفوضى ستبقى سائدة، والذل ملازماً لهم.نسأل الله العظيم أن يهيء للأمة أمر رشد، يُعزّ فيه أهل الطاعة، ويُذلّ فيه أهل المعصية، ويُؤمر فيه بالمعروف ويُنهى فيه عن المنكر، ويجتمع فيه الشمل، وتتوحد الكلمة.

وصلى الله على سيدنا محمد وعلى آله وصحبه وسلم تسليماً كثيراً.

(3)الإمام ابن تيمية رحمه الله

الحمد لله الذي رفع بالعلم درجات العلماء، وجعلهم ورثة الأنبياء، وجعل في كل عصر من يقوم بنصرة الحق، ويذب عن حياض الشريعة، ويقيم الحجة على العالمين، نحمده سبحانه حمداً كثيراً طيباً مباركاً فيه، ونصلي ونسلّم على سيدنا محمد سيد المرسلين، وعلى آله وصحبه أجمعين.أما بعد، فإن الكلام في سيرة الإمام شيخ الإسلام أحمد بن عبد الحليم بن عبد السلام بن تيمية الحرّاني الدمشقي رحمه الله تعالى من أرفع المباحث، لأنه كان علماً من أعلام الأمة، وجبلاً من جبال العلم، وأحد المجددين الذين قيّضهم الله تعالى لنصرة دينه وإحياء سنته.ولد رحمه الله سنة (661هـ) بمدينة حرّان، ونشأ في بيت علم وفضل، فحفظ القرآن صغيراً، ودرس الفقه والحديث والتفسير والأصول، حتى فاق أقرانه، واشتهر أمره في صغره. وكان ذا ذهن وقّاد، وحافظة قوية، وهمة عالية.اشتغل رحمه الله بالعلم والتدريس، وأقبل الناس على دروسه في دمشق، فانتفع به خلق كثير. وكان بحر علم لا ساحل له، إماماً في التفسير، بارعاً في الفقه، متمكناً في الحديث، متكلماً في العقائد، عارفاً بأقوال السلف، بصيراً بمذاهب الفلاسفة والمتكلمين.ومن أعظم صفاته: شجاعته في الحق، وصراحته في نصرة السنة، وإنكاره للبدع والخرافات، فكان لا يخاف في الله لومة لائم، يجهر بالحق أمام السلاطين والعلماء، حتى أوذي في سبيل ذلك، وسجن مرات عديدة، ومع ذلك ثبت ثبات الجبال الرواسي.وقد ألّف كتباً عظيمة، منها: "منهاج السنة النبوية"،

أعظم المباحث، وأشرف المقاصد، لأنها نظام شامل لحياة الأمة، وحصن حصين لحفظ الدين والدنيا. وقد أجمع العلماء على أن إقامة الخليفة فرض على الكفاية، إذ لا تستقيم شؤون الأمة إلا به، ولا تحفظ البيضة إلا بقيادته. والخلافة في اللغة من الخَلْف، أي النيابة، وفي الاصطلاح: نيابة عن صاحب الشرع في حراسة الدين وسياسة الدنيا. وهي رئاسة عامة في أمور الدين والدنيا، تجب طاعة الإمام فيها ما لم يأمر بمعصية، لقوله صلى الله عليه وسلم: "من أطاعني فقد أطاع الله، ومن عصاني فقد عصى الله، ومن يطع الأمير فقد أطاعني." وقد أقام الصحابة رضي الله عنهم الخلافة بعد انتقال الرسول صلى الله عليه وسلم، فبايعوا أبا بكر الصديق رضي الله عنه، ثم عمر الفاروق، ثم عثمان الشهيد، ثم علي المرتضى، رضي الله عنهم أجمعين. فكانوا خير قدوة في إقامة العدل، ونشر العلم، وحفظ الدين، وجمع الأمة. والخلافة الإسلامية ليست ملكاً شخصياً، ولا رياسة دنيوية محضة، بل هي أمانة عظيمة، ومسؤولية جسيمة، يُسأل الخليفة عنها يوم القيامة، كما قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "كلكم راع وكلكم مسؤول عن رعيته." وفي تاريخ المسلمين، لمّا كانت الخلافة قائمة على العدل والشورى، ارتفعت راية الإسلام، وانتشرت الدعوة، وأظلّ نور الهداية المشارق والمغارب، ودانت الأمم المختلفة للحق والعدل، وكانت بغداد ودمشق وقرطبة والقاهرة منارات للعلم والحضارة. غير أنّ المسلمين لما قصّروا في القيام بحقوقها، وتفرّقوا شيعاً وأحزاباً، ضعفت شوكتهم، وسقطت خلافتهم، فطمع فيهم الأعداء، وتسلط عليهم المستعمرون، وضاعت كثير من ديارهم، وتبددت هيبتهم بين الأمم. فالواجب على المسلمين اليوم أن يدركوا قيمة الخلافة، وأن يسعوا لوحدة صفهم، وجمع كلمتهم، والرجوع إلى شرع ربهم، فإن في ذلك عزهم وكرامتهم. قال تعالى: ﴿وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللهِ جَمِيعًا وَّلَا تَفَرَّقُوا﴾. وخلاصة القول: إن الخلافة الإسلامية تاج على رؤوس الأمة، وركن ركين لحفظ

يشعر الزائر أنه جزء من الأمة الإسلامية الكبرى التي تجتمع من مشارق الأرض ومغاربها على توحيد الله واتباع رسوله ﷺ. ومن فضائل العمرة أنها تكفّر الخطايا والذنوب، فقد قال النبي ﷺ: "العمرة إلى العمرة كفارة لما بينهما، والحجّ المبرور ليس له جزاء إلا الجنة." فهي سبب لمغفرة الذنوب ورفعة الدرجات وزيادة الحسنات.وللعمرة آداب وأحكام، منها: الإخلاص لله في النية، وترك الرفث والفسوق، والتحلي بالصبر والسكينة، وتجنّب إيذاء المسلمين، والإكثار من الدعاء والذكر عند الطواف والسعي، والإلحاح في الدعاء عند الملتزم والمقام، فإنها مواطن مستجابة.ولا شك أن أداء العمرة يبعث في النفس راحةً وطمأنينة، ويزيد الإيمان، ويطهّر القلب من الغفلة والذنوب، كما أنّ فيه تربية روحية عظيمة، وربطاً مباشراً بين العبد وربه، حيث يقف العبد في أقدس بقاع الأرض متجرداً من الدنيا وشواغلها، متوجهاً بكليته إلى خالقه.وخلاصة القول: إن زيارة بيت الله الحرام لأداء العمرة من أجلّ العبادات، وأعظم القربات، فعلى المسلم أن يحرص على أدائها إذا تيسرت له السبيل، وأن يشكر الله على هذه النعمة العظيمة، ويسأله القبول وحسن الختام. وصلى الله على سيدنا محمد وعلى آله وأصحابه أجمعين.

(2)الخلافة الاسلامية:

الحمد لله الذي جعل في الأرض خلفاء يرثون الكتاب، ويقيمون العدل، ويحكمون بما أنزل الله، وجعل طاعة أولي الأمر من طاعته، ومعصيتهم من معصيته، نحمده سبحانه على نعمائه، ونشكره على آلائه، ونستعينه على طاعته ورضاه.

والصلاة والسلام على سيدنا محمد المصطفى، الذي أسس قواعد الدولة الإسلامية، وبعثه الله رحمة للعالمين، وعلى آله وصحبه أجمعين، ومن تبعهم بإحسان إلى يوم الدين.أما بعد، فإن الكلام في الخلافة الإسلامية من

الترجمة والانشاء للطلبة 1446ھ/2025 (سالانہ)

حصہ انشائیہ: کل نمبر 72

نوٹ: حصہ انشائیہ مفتاح الانشاء سے کوئی سے دو سوال حل کریں۔ ہر سوال کے 18 نمبر ہیں۔

مفتاح الانشاء

سوال 1: درج ذیل عنوانات میں سے کسی ایک پر کتاب کی روشنی میں عربی میں مضمون لکھیں جو 30 سطروں سے کم نہ ہو۔

(1)زيارة بيت الله للعمرة (2)الخلافة الاسلامية (3)الامام ابن تيمية رحمه الله

جواب: (1)زيارة بيت الله للعمرة:

الحمد لله الذي جعل بيته الحرام مثابةً للناس وأمناً، وشرّف مكة المكرمة فجعلها حرماً آمناً مباركاً، وأمر عباده بزيارته في مواسم الحج والعمرة، والصلاة والسلام على سيدنا محمد النبي الأمي، الذي علّمنا مناسك ديننا وبيّن لنا شرائع ربنا، وعلى آله وصحبه أجمعين.أما بعد، فإن زيارة بيت الله الحرام لأداء العمرة من أعظم القربات، وأجلّ الطاعات، وهي عبادة جليلة دلّ عليها الكتاب والسنة، ورغّب فيها العلماء والأئمة. قال الله تعالى: ﴿وَأَتِمُّوا الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ لِلَّهِ﴾، ففي هذه الآية الكريمة أمرٌ واضح بأداء هذه العبادة على الوجه الأكمل خالصةً لوجه الله.العمرة في اللغة هي الزيارة، وفي الاصطلاح الشرعي قصد بيت الله الحرام للإتيان بالطواف والسعي والحلق أو التقصير على وجه مخصوص. وقد اتفق العلماء على مشروعيتها، واختلفوا هل هي واجبة مرة في العمر أو سنة مؤكدة، والأرجح أنها واجبة على المستطيع مرة واحدة، وما زاد فهو تطوّع وفضل.وزيارة بيت الله الحرام تذكّر المسلم بمقام إبراهيم عليه السلام، وبناء الكعبة المشرفة، وتوحيد الله تعالى، وتذكره بدعوة الخليل وابنه: ﴿ربّنا تقبّل منا﴾، كما

سوال 11: درج ذیل میں سے صحیح پر (✓) اور غلط پر (✗) کا نشان لگائیں۔ 5 نمبر

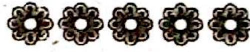
1۔ اباحت حکم وضعی کی قسم ہے۔ (✗)

2۔ جہالت کا تعلق عوارض مکتسبہ سے ہے۔ (✓)

3۔ جب بندہ عاقل ہو جائے تو اسے اہلیت اداء کاملہ کہتے ہیں۔ (✗)

4۔ حد قذف میں حق العبد غالب ہوتا ہے۔ (✓)

5۔ رخصت اور اباحت ایک ہی چیز کے دو اصطلاحی نام ہیں۔ (✗)





جواب: عوارض سماویہ سے مراد وہ عوارض ہیں جو صاحب شرع کی جانب سے ثابت ہوتے ہیں ان میں انسان کا اختیار نہیں ہوتا اسی وجہ سے ان کی نسبت آسمان کی طرف جاتی ہے۔اس لیے کہ جن امور میں انسان کو اختیار نہ ہو ان کو آسمان کی طرف منسوب کرنا اسی معنی میں ہوتا ہے کہ یہ انسان کی قدرت سے خارج ہیں۔مثلاً جنون، بیماری اور موت وغیرہ۔

سوال 3: اجماع حجت ہے دلیل واستدلال سے واضح کریں۔

جواب: ﴿وَ مَنْ یُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنْۢ بَعْدِ مَا تَبَیَّنَ لَهُ الْهُدٰى وَ یَتَّبِعْ غَیْرَ سَبِیْلِ الْمُؤْمِنِیْنَ نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى وَ نُصْلِهٖ جَهَنَّمَ ؕ وَ سَآءَتْ مَصِیْرًا﴾

استدلال: آیت کریمہ اس طرح دلالت کرتی ہے کہ اللہ پاک نے مسلمانوں کے راستہ کی مخالفت کرنے والوں کے لیے وعید نازل فرمائی تو مسلمانوں کا راستہ ہی حق ہے جس کی اتباع واجب ہے اور اس کے علاوہ راستہ باطل ہے جس کا ترک کرنا ضروری ہے اور جس بات پر مسلمان متفق ہو جائیں وہی ان کا قطعی راستہ ہوگا پس وہ یقیناً حق ہوگا اور اس کی اتباع حتماً ضروری ہوگی اور اجماع کا یہی معنی ہے اور یہی مطلوب ہے۔

سوال 4: قانون دستوری سے کیا مراد ہے؟ وضاحت کریں۔

جواب: قانون دستوری یا آئینی قانون سے مراد کسی ملک کا وہ بنیادی دستور یا آئین ہے جو حکومت کے اختیارات کو محدود اور متعین کرتا ہے، عدالتی اور انتظامی امور کا دائرہ کار طے کرتا ہے، اور عوام کے بنیادی حقوق وفرائض بیان کرتا ہے۔ یہ قوانین کا وہ مجموعہ ہوتا ہے جو حکومت کی تشکیل اور اس کے کام کرنے کے طریقہ کار کی بنیاد فراہم کرتا ہے، اور جس کے تحت دیگر تمام قوانین بنائے جاتے ہیں۔

سوال 5: ادلہ کی کتنی قسمیں ہیں؟ نام لکھیں۔

جواب: تقسیم اول کے اعتبار سے ادلہ کی تین انواع ہیں: نوع اول: وہ ادلہ جن پر آئمہ مسلمین کا اتفاق ہے اور یہ نوع کتاب اللہ اور سنت رسول ﷺ کو شامل ہے۔نوع ثانی: وہ ادلہ جن پر جمہور مسلمانوں کا اتفاق ہے اور وہ اجماع اور قیاس ہے۔نوع ثالث: وہ ادلہ جن میں علماء کے درمیان اختلاف ہے یہاں تک کہ وہ جمہور علماء جو قیاس کے قائل ہیں ان کا بھی اختلاف ہے اور اس نوع میں یہ ادلہ آتے ہیں۔ عرف، استصحاب، استحسان، مصالح مرسلہ، ماقبل کی شریعتیں، کسی صحابی کا مسلک۔

یعنی "میں نے تمہیں اختیار دیا ہے (کہ چاہو تو میرے ساتھ رہو یا علیحدگی اختیار کرلو)"۔
یہ الفاظ کنایہ طلاق میں شمار ہوتے ہیں، کیونکہ ان میں صریح لفظِ طلاق نہیں آتا۔
عورت کے علیحدگی اختیار کرنے کا حکم: اگر عورت شوہر کے دیے گئے اختیار کے بعد فوراً علیحدگی کو اختیار کر لیتی ہے (یعنی کہہ دیتی ہے: "میں نے اپنے آپ کو اختیار کیا" یا "میں نے طلاق لی") تو: جمہور فقہاء (مالکیہ، شافعیہ، حنابلہ) کے نزدیک: اس سے ایک طلاق بائن واقع ہو جاتی ہے۔اس کی دلیل ہے: عن عائشة رضی اللہ عنہا قالت: خيّرنا رسول الله ﷺ فاخترناه فلم يعده شيئاً
(بخاری، مسلم) یعنی رسول اللہ ﷺ نے ازواج مطہرات کو اختیار دیا تھا، تو ہم نے آپ ہی کو اختیار کیا اور آپ ﷺ نے اسے طلاق شمار نہ فرمایا۔اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر بیوی علیحدگی اختیار کر لیتی تو طلاق واقع ہو جاتی۔

احناف کے نزدیک: تخییر کے الفاظ کنایہ ہیں، ان پر طلاق کی نیت معتبر ہوگی۔اگر شوہر کی نیت طلاق کی ہو، تو عورت کے اختیار کرنے سے طلاق بائن واقع ہوگی۔اگر نیت نہ ہو تو محض یہ الفاظ خود بخود طلاق نہیں لائیں گے۔الوجیز فی اصول الفقہ میں اصولی قاعدہ یہ ذکر ہے کہ: کنایہ کے الفاظ نیت پر موقوف ہوتے ہیں، اور "التخيير" اسی میں داخل ہے"

سوال:9 درج ذیل میں سے صحیح پر (✔) اور غلط پر (✖) کا نشان لگائیں۔ 10 نمبر

1۔اگر عدالت خلع کی ڈگری کر دے تو شریعت اس کو تسلیم نہیں کرتی۔ (✖)
2۔حمل کی حالت میں تین طلاقیں ایک ہی شمار ہوں گی۔ (✔)
3۔مطلقہ غیر مدخولہ کی کوئی عدت نہیں ہوتی۔ (✔)
4۔جس کا خاوند گم ہو جائے اس عورت کو نیا نکاح کرنے کی اجازت نہیں۔ (✖)
5۔موانع النکاح سے مراد شروط صحت نکاح کا مفقود ہونا ہے۔ (✖)

اصول الفقہ

سوال:10 درج ذیل سوالات کے مختصر جواب دیں۔ 5 نمبر

سوال:1 مندوب کے کم از کم چار عدد نام تحریر کریں۔

جواب: السنة، النافلة، المستحب، التطوع، الاحسان

سوال:2 "العوارض السماویہ" سے کیا مراد ہے؟

(اگر چہ نیچے کی نسل میں ہوں، یعنی پوتے، پڑپوتے) کو حق ولایت حاصل ہے۔اس کے بعد باپ کو۔پھر سگے بھائی جو ماں اور باپ دونوں کی طرف سے ہوں۔پھر وہ بھائی جو صرف باپ کی طرف سے ہوں۔اس کے بعد ان بھائیوں کے بیٹے یعنی بھتیجے۔پھر دادا اوپر کی نسل میں جتنے بھی ہوں)۔اور مغیرہ کا قول ہے کہ: دادا اور اس کا باپ، بھائی اور بھائی کے بیٹے سے زیادہ مقدم ہیں، کیونکہ وہ اصل (یعنی نسب کے اصول) میں سے ہیں۔اس کے بعد: چچا (اسی ترتیب پر جیسے بھائیوں میں ہے، یعنی سگے، پھر صرف باپ کی طرف سے)۔پھر مولا (آزاد کرنے والا مالک)۔پھر سلطان/قاضی۔امام مالک رحمہ اللہ کے نزدیک اعلیٰ درجہ کا مولا (قریبی آزاد کرنے والا) کم درجے کے مولا پر مقدم ہے۔اسی طرح ان کے نزدیک باپ کا وصی (یعنی ولی بنا ہوا سرپرست) نسبی ولی پر مقدم ہے۔

سوال :2 باب الطلاق میں کنایات ظاہرہ کون کون سے ہیں؟ تحریر کریں۔

جواب: 1۔حبلك على غاربك (تیری رسی تیرے کندھے پر ہے) 2۔البتة (طلاق بتہ) 3۔انت خلية (تو رہا کی ہوئی) 4۔انت برية (تو آزاد ہے)

سوال :3 "انت علی حرام" کہنے سے کیا بیوی کو طلاق ہو جاتی ہے۔راجح قول ذکر کریں۔

جواب: اس مسئلہ کی بنیاد اس بات پر ہے کہ آیا یہ کنایہ ہے (تو نیت پر موقوف ہوگا)؟ یا قسم ہے (تو کفارہ لازم ہوگا)؟ یا نہ قسم ہے نہ کنایہ (تو کوئی اثر نہیں)؟ بہت سے محققین (ابن عباس رضی اللہ عنہ، ابن مسعود رضی اللہ عنہ، اور جمہور متأخرین اہلِ علم) کے نزدیک راجح یہی ہے کہ: "أنت علی حرام" محض قسم ہے، اس پر کفارہ لازم آتا ہے، طلاق واقع نہیں ہوتی۔دلیل: آیت ﴿يَاأَيُّهَا النَّبِيُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَا أَحَلَّ اللَّهُ لَكَ﴾ (التحریم:1) اور ابن عباس رضی اللہ عنہ کا قول: لقد كان لكم في رسول الله أسوة حسنة (صحیح بخاری و مسلم)۔

سوال :4 نکاح کی شروط صحت کون سی ہیں؟ قلمبند کریں۔

جواب: شرائطِ صحتِ نکاح یہ ہیں: 1۔ایجاب وقبول (ایک ہی مجلس میں) 2۔ولی کی موجودگی (جمہور کے نزدیک) 3۔گواہان کی موجودگی (دو عادل مسلمان) 4۔موانع نکاح کا نہ ہونا (نسب، رضاعت، صُھرت، عدت وغیرہ) 5۔عاقدین کی اہلیت (عقل وتمیز)

سوال :5 تخییر کے مسئلہ میں اگر عورت علیحدگی کو اختیار کر لے تو کیا حکم ہے؟ بادلیل لکھیں۔

جواب: تخییر کا مفہوم: تخییر یہ ہے کہ شوہر اپنی بیوی سے کہے: "خَيَّرْتُكِ" یا "اختاری نفسك"

2۔ وہ احکام جو انسانوں کے مالی معاملات سے متعلقہ ہیں جیسے خرید وفروخت، رہن اور باقی معاملات اور یہ ان احکامات میں داخل ہیں جن کو قوانین کہا جاتا ہے۔

3۔ وہ احکام جن کا تعلق قضا، شہادت اور یمین سے ہے اور ان کا مقصد عدالتی فیصلوں کو نافذ کرنا تاکہ لوگوں کے درمیان عدل و انصاف کیا جا سکے اور یہ ان احکامات میں شامل ہیں جن کو موجودہ زمانہ میں قانون مرافعات یا قانون عدل کہا جاتا ہے۔

4۔ وہ احکام جو جرائم اور سزاؤں سے متعلق ہیں یہ اسلامی فوجداری قانون کہلاتے ہیں ان کی تقریبا 30 آیات ہیں اور ان کا مقصد لوگوں کی جان مال عزت آبرو کی حفاظت کرنا اور معاشرہ میں اطمینان اور سکون اور پرامن ماحول قائم کرنا ہے۔

5۔ وہ احکام جو نظام حکومت سے متعلق ہیں اور حاکم ومحکوم کے درمیان تعلق کی حد اور ان حاکم ومحکومین میں سے ہر ایک کے حقوق وفرائض کو بیان کرنے سے متعلق ہیں۔

6۔ وہ احکامات جن کا تعلق سلطنت اسلامیہ کا دوسری سلطنتوں کے ساتھ معاملہ کرنے اور ان کی آپس میں تعلقات کی حد اور حالت امن و جنگ میں ان تعلقات کی نوعیت اور اس پر مرتب ہونے والے احکامات کے ساتھ ہیں اور اسی طرح اسلامی سلطنت سے امن وپناہ چاہنے کے لیے آنے والے لوگوں کے اعمال احکامات سے متعلق ہیں۔

7۔ احکامات اقتصادیہ یعنی معاشی امور سے متعلق احکام یہ وہ احکام ہیں جو سلطنت وحکومت کی آمدنی اور اس کے اخراجات اور مالداروں کے اموال میں دوسرے لوگوں کے حقوق سے متعلق ہیں اور ان احکامات کی تقریبا 10 آیتیں ہیں۔

حصہ معروضی کل نمبر 30

نوٹ: حصہ معروضی کے تمام سوال لازمی ہیں۔

الفقہ

سوال :8 درج ذیل کے مختصر جواب دیں۔ 10 نمبر

سوال :1 امام مالک رحمہ اللہ کے نزدیک ولایت کی ترتیب کیسے ہوگی؟ تحریر کریں۔

جواب: امام مالک رحمہ اللہ کے نزدیک نکاح میں ولایت کا اصول عصبت (قریبی مرد رشتہ دار) پر مبنی ہے، سوائے بیٹے کے، کیونکہ بیٹا اگرچہ عصبات میں سے نہیں لیکن وہ سب سے مقدم ہے۔ سب سے پہلے بیٹے

نصاب اس کے مالدار ہونے کا گمان نہیں دیتا بس اس نصاب میں وہ وجہ نہیں کہ جس کی وجہ سے وہ زکوۃ کا سبب ہے لہذا نصاب ایسا سبب نہ ہوگا جو مسبب تک پہنچا دے اور وہ زکوۃ کا وجوب ہے۔ اسی طرح وارث کا اپنے مورث کو قتل کرنا یہ بھی مانع السبب ہے اور سبب قرابت وغیرہ ہے کہ وہ اپنا کام پورا کرے اور مسبب تک پہنچائے اور مسبب میراث ہے۔ کیونکہ اس مانع میں ایک ایسی وجہ ہے جو اس بنیاد کو ہی منہدم کر دیتی ہے کہ جس پر میراث کھڑی تھی اور وہ بنیاد وارث کو مورث کا خلیفہ ماننا ہے اور ان دونوں میں جو دائمی موالات تھی اس کا اعتبار کرنا ہے۔ یہ وجوہات کسی صورت بھی جنایت قتل کے ساتھ متفق نہیں ہو سکتیں کہ جو ان وجوہات کو ختم کرتا ہے۔ اسی طرح اختلاف دین اور اختلاف دار دونوں مانع السبب ہیں۔

سوال 7: احکام القران کی اقسام کتنی ہیں مع امثلہ تحریر کریں۔

جواب: قرآن پاک بہت سے مختلف انواع کے احکام پر مشتمل ہے جن کو تین اقسام میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔

قسم اول: وہ احکام جو عقیدہ سے متعلق ہوں جیسے اللہ پاک، اس کے فرشتے، اس کی کتابیں، اس کے رسول اور آخرت کے دن پر ایمان لانا، اور یہ احکام اعتقادیہ ہیں اور ان کا محل موضوع علم توحید ہے۔

قسم ثانی: وہ احکام جن کا تعلق نفس کو مہذب کرنے اور اس کو اعلیٰ کردار پر نافذ کرنے سے ہے اور یہ احکام اخلاقیہ ہیں اور ان سے متعلق جانکاری علم اخلاق یا علم تصوف میں ہوتی ہے۔

قسم ثالث: وہ احکام عملیہ جن کا تعلق مکلف انسان کے افعال و اقوال کے ساتھ ہے اور یہی فقہ سے مقصود ہے اور ان کی پہچان اور ان تک پہنچنا ہی علم فقہ، علم اصول فقہ کا ہدف ہے اور ان احکام کی دو قسمیں ہیں۔

نوع اول: عبادات جیسے نماز روزہ وغیرہ ان سے مقصود بندے کا اپنے اللہ تعالیٰ کے ساتھ تعلق قائم کرنا ہے۔

نوع ثانی: عبادات کے علاوہ جن کو فقہاء کی اصطلاح میں معاملات کہا جاتا ہے اور یہ نوع ان احکام کو شامل ہے جو خاص قانون اور عام قانون کے زمرہ میں آتے ہیں۔ جدید قانون کی اصطلاح کے موافق اور ان احکامات سے مقصود فرد کا فرد کے ساتھ یا فرد کا جماعت کے ساتھ یا جماعت کا جماعت کے ساتھ تعلق اور مناسبت قائم کرنا ہوتا ہے۔ اور یہ احکام مندرجہ ذیل ہیں۔

1۔ وہ احکام جو کسی خاندان سے متعلق ہوں یعنی عائلی قوانین اور یہ ان احکامات کے دائرہ میں آتے ہیں جن کو عائلی یا شخصی قوانین کہا جاتا ہے جیسے نکاح و طلاق اولاد، نسب، ولادت وغیرہ۔

حکم معلوم ہو تو اس وقت تک اس کا حکم اباحت ہی ہوگا، عبادت اصلیہ کا اعتبار کرتے ہوئے۔ اس کے ساتھ ساتھ مباح کا حکم یہ ہے کہ اس میں نہ تو ثواب ہے اور نہ ہی عقاب لیکن نیت اور غرض کے اعتبار سے ثواب ہوگا جیسے کوئی آدمی اپنے جسم کو مضبوط کرنے کے لیے بدنی ریاضت کے کسی قسم کی مشق کرے تاکہ دشمن کے خلاف اس کا جسم قوی ہو۔

سوال :6 مانع کسے کہا جاتا ہے نیز مانع کی اقسام مع امثلہ تحریر کریں۔

جواب : مانع سے مراد: مانع وہ ہے جس کے وجود پر شارع حکم کے عدم وجود یا عدم سبب یعنی بطلان کو مرتب کرے۔

مانع کی اقسام: اس کی دو قسمیں ہیں۔1۔معنی الحکم 2۔مانع السبب۔

1۔**مانع الحکم:** وہ ہے کہ جس کے وجود پر حکم کا عدم وجود مرتب ہو چاہے اس کے سبب کے وجود کے لیے مکمل شرائط پائی جارہی ہوں۔ مانع دراصل حکم کے وجود میں حائل ہوتا ہے کیونکہ اس میں ایک ایسا معنی ہوتا ہے کہ جو حکم کی حکمت کے ساتھ متفق نہیں ہوسکتا یعنی حکم سے جو غرض مقصود ہوتی ہے اسے وہ متحقق نہیں کرسکتا۔ جیسے ابوۃ قصاص سے مانع ہے۔ باپ نے جب اپنے بیٹے کو جان بوجھ کر قتل کیا ہو تو اسے قصاص میں قتل نہیں کیا جائے گا اگرچہ دیت لازم ہو جائے گی کیونکہ قصاص کی حکمت روکنا اور زجر و توبیخ کرنا ہے اور ابوۃ میں جو شفقت اور مہربانی ہے اپنے بیٹے پر وہ اس کی زجر و توبیخ اور روکنے کے لیے کافی ہے چنانچہ باپ پر قصاص لازم کرنے سے قصاص کی حکمت اور مقصود حاصل نہیں ہوسکتے جو کہ زجر و توبیخ اور روکنا ہے چونکہ باپ اپنے بیٹے کو جان بوجھ کر قتل کرنے کے لیے اقدام نہیں اٹھاتا سوائے شاد و نادر ہی اور یہ شاذ قصاص کا مطالبہ نہیں کرتا بلکہ استثنا کا مطالبہ کرتا ہے جس طرح باپ بیٹے کی حیات کا سبب ہے تو بیٹا باپ کی موت کا سبب نہیں ہوسکتا۔

2۔**مانع السبب:** جو سبب میں اس طور پر مؤثر ہو کہ اس کا عمل باطل ہو جائے اور مسبب کے تقاضے کے درمیان حائل ہو جائے کیونکہ مانع میں ایک ایسی وجہ ہوتی ہے جو سبب کی حکمت کے مخالف ہوتی ہے۔ اس کی مثال زکوۃ میں ایسا قرض جو نصاب زکوۃ کو کم کردے اور نصاب زکوۃ کے وجوب کا سبب ہے کیونکہ نصاب کے مالک ہونے کا تصور مالدار ہی میں ہوسکتا ہے اور غنی ہی ضرورت مندوں کی مدد کرسکتا ہے۔ لیکن قرض زکوۃ کے سبب میں جو وجہ ملحوظ ہے اس کے معارض ہے، جو کہ غنی ہے اور یہ مانع اس کو منہدم کر دیتا ہے کیونکہ قرض کے مقابل جو نصاب کے مالک کا مال ہے وہ درحقیقت اس کی ملکیت نہیں لہذا ملکیت

شرط کے پورا ہونے پر۔ مالک رحمہ اللہ کا موقف اکثر مواقع پر طلاق کو فوری (ناجز) قرار دینا ہے، خاص طور پر جب شرط کا وقوع یقینی یا غالب ہو۔ ابو حنیفہ رحمہ اللہ و شافعی رحمہ اللہ زیادہ تر اسے شرط پر موقوف رکھتے ہیں۔ ابن حزم رحمہ اللہ کا قول مرجوح ہے کیونکہ عملِ صحابہ و فقہاء کے خلاف ہے۔

راجح یہی ہے کہ طلاق مقید (معلق) واقع ہوتی ہے، البتہ اس کے وقوع کا وقت شرط کے تحقق پر موقوف ہوگا (قول احناف و شوافع زیادہ قوی ہے)، جبکہ مالک رحمہ اللہ کا قول بعض جگہ محلِ نظر ہے۔

اصول الفقہ

نوٹ: حصہ انشائیہ اصول تفسیر سے کوئی سے دوسوال حل کریں۔ ہر سوال کے 14 نمبر ہیں۔

سوال 5: حکم تکلیفی کی قسم المباح کی تعریف کریں اور اس کی معرفت کے ذرائع مع امثلہ تحریر کریں۔

جواب: مباح: وہ ہے جس کے سلسلے میں شارع مکلف کو کرنے اور نہ کرنے کا اختیار دے۔ کرنے اور نہ کرنے پر نہ تو مدح ہو اور نہ ہی مذمت۔ اسے حلال کہا جاتا ہے۔

مباح کی پہچان چند امور سے ہوتی ہے:

(1) کسی چیز کے حلال ہونے کے بارے میں شارع کی طرف سے تصریح موجود ہو۔ مثلاً اللہ پاک کا ارشاد: ﴿اَلْيَوْمَ اُحِلَّ لَكُمُ الطَّيِّبٰتُ ۭ وَطَعَامُ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ حِلٌّ لَّكُمْ﴾ (المائدۃ: 5)

(2) شارع کی طرف سے گناہ یا جناح یا حرج کی نفی ثابت ہو۔ پہلی مثال: اللہ پاک کا ارشاد: ﴿فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ فَلَآ اِثْمَ عَلَيْهِ﴾ البقرۃ: 173 دوسری مثال: اللہ پاک کا ارشاد: ﴿لَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيْمَا عَرَّضْتُمْ بِهٖ مِنْ خِطْبَةِ النِّسَآءِ اَوْ اَكْنَنْتُمْ فِيْٓ اَنْفُسِكُمْ﴾ البقرۃ: 235

تیسری مثال: ﴿لَيْسَ عَلَى الْاَعْمٰى حَرَجٌ وَّلَا عَلَى الْاَعْرَجِ حَرَجٌ وَّلَا عَلَى الْمَرِيْضِ حَرَجٌ وَّلَا عَلٰٓي اَنْفُسِكُمْ اَنْ تَاْكُلُوْا مِنْۢ بُيُوْتِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ اٰبَاۗىِٕكُمْ﴾

(3) کسی امر کی تعبیر صیغہ امر سے ہو، جبکہ وجوب سے اباحت کی طرف پھیرنے والا قرینہ بھی موجود ہو، جیسے اللہ پاک کا ارشاد:

﴿وَاِذَا حَلَلْتُمْ فَاصْطَادُوْا﴾ (المائدۃ: 2) یعنی جب تم احرام سے حلال ہو جاؤ تو شکار کرنا جائز ہے۔

(4) اشیاء کی اباحت اصلیہ کا اعتبار کرتے ہوئے کہ اشیاء میں اصل اباحت ہے۔

اس قانون کی رو سے عقود و تصرفات افعال میں سے اور اشیاء میں سے حیوانات، جمادات اور نباتات ان کے اندر اصل اباحت ہے۔ پس جب تک شرع کی طرف سے کوئی دلیل نہ آجائے کہ جس سے کوئی واضح

تفصیل: الطلاق المقید بالشرط: ابن رشد رحمہ اللہ اس کو مزید شاخوں میں تقسیم کرتے ہیں:

(الف) شرط = مشیئت: مشیئت اللہ پر تعلیق: مالک رحمہ اللہ: طلاق واقع ہو گی، استثناء مؤثر نہیں۔ ابو حنیفہ رحمہ اللہ و شافعی رحمہ اللہ: استثناء مؤثر ہے، طلاق واقع نہیں ہوتی۔

سببِ اختلاف: کیا طلاق (جو فعل حال ہے) پر استثناء جاری ہوتا ہے یا نہیں؟

• مشیئت مخلوق پر تعلیق: سب کے نزدیک طلاق اس کے اختیار پر موقوف ہے۔ لیکن اگر مشیئت کسی ایسے کی ہو جو مشیئت کا اہل نہ ہو (بچہ/مجنون) تو مالکیہ کے اندر اختلاف ہے: بعض نے وقوع کہا، بعض نے عدمِ وقوع۔

(ب) شرط = فعل مستقبل: اگر فعل ممکن ہے (مثلاً گھر میں داخل ہونا): سب کے نزدیک طلاق شرط پر موقوف ہے۔ اگر فعل لازم الوقوع ہے مثلاً سورج کا کل نکلنا: مالک رحمہ اللہ: طلاق فوراً واقع ہو جاتی ہے۔ ابو حنیفہ رحمہ اللہ و شافعی رحمہ اللہ: شرط پوری ہونے تک موقوف رہتی ہے۔ اگر فعل غالباً واقع ہوتا ہے (جیسے حمل کا وضع ہونا): مالک رحمہ اللہ سے دونوں روایتیں ہیں: کبھی ناجز، کبھی موقوف۔ احناف و شوافع: موقوف

(ج) شرط = امر مجہول: اگر شرط ایسی ہو جسے جاننا ممکن ہی نہ ہو (مثلاً: اگر اللہ نے آج سمندر میں فلاں صفت والی مچھلی پیدا کی ہو): مالکیہ کے نزدیک طلاق واقع ہو گی۔ اگر شرط ایسی ہے جسے جاننا ممکن ہے (مثلاً: اگر لڑکی پیدا ہوئی) تو طلاق اس کے ظاہر ہونے پر موقوف ہے۔

3. الطلاق المقید بالاستثناء: یہ زیادہ تر عددِ طلاق میں آتا ہے: اگر کہا: ''تین طلاق مگر ایک'' سب کے نزدیک دو واقع ہوں گی۔ اگر کہا: ''تین طلاق مگر تین'' مالک رحمہ اللہ نے کہا: تین واقع ہوں گی، کیونکہ اسے دھوکے کا شبہ ہے۔ لیکن اگر واقعی عدمِ امکان مراد ہے تو پھر کوئی طلاق نہیں۔ استثناء زیادہ سے کم ہو تو جمہور کے نزدیک صحیح ہے۔

4. اقوالِ شاذ: ابن حزم رحمہ اللہ: مشروط طلاق سرے سے واقع ہی نہیں ہوتی، کیونکہ طلاق محض اسی وقت واقع ہو سکتی ہے جب مطلق صراحتاً ایقاع کرے۔ شرط سے معلق طلاق قرآن وسنت یا اجماع سے ثابت نہیں۔

5. نتیجہ و راجح قول: جمہور (مالک رحمہ اللہ، ابو حنیفہ رحمہ اللہ، شافعی رحمہ اللہ، احمد رحمہ اللہ) سب اس بات پر متفق ہیں کہ طلاقِ معلق (مقید بالشرط) واقع ہو جاتی ہے، البتہ تفصیلات میں اختلاف ہے کہ فوراً ہو گی یا

"يقتضي أن ينقل اشتراط الولاية عنهﷺ تواترا أو قريبا من التواتر" اگر واقعی نکاح کی صحت میں ولی کی شرط ہوتی، تو اتنا عام مسئلہ ہونے کی وجہ سے یہ شرط رسول اللہ ﷺ سے تواتر یا قریب بہ تواتر سے امت کو منتقل ہونی چاہیے تھی (یعنی اتنے زیادہ طریقوں سے بیان و روایت ہوتی کہ شک باقی نہ رہتا)۔

"ثم لم ينقل" مگر حقیقت یہ ہے کہ اس شرط (ولی کا نکاح میں شرط ہونا) کا ذکر تواتر یا قریب بہ تواتر سے امت کو نہیں ملا۔

"فقد يجب أن يعتقد أحد أمرين": اس بنا پر لازماً دو میں سے ایک بات ماننی پڑے گی:

1۔"إما أنه ليست الولاية شرطا في صحة النكاح وإنما للأولياء الحسبة في ذلك" یا تو یہ کہا جائے کہ ولی کا ہونا نکاح کی صحت کے لیے شرط ہی نہیں ہے، بلکہ اولیاء کو صرف نگرانی اور حسبہ (سماجی ذمہ داری) کا حق ہے۔ 2۔"وأما إن كان شرطا فليس من صحتها تمييز صفات الولي وأصنافهم" اور اگر یہ مانا بھی جائے کہ ولی شرط ہے تو کم از کم یہ ضرور کہنا پڑے گا کہ نکاح کی صحت کے لیے ولی کی قسمیں (مثلاً قریب ترین کون ہے، دور والا کون ہے) یا اس کی صفات (جیسے عدل وغیرہ) کا تعین شرط نہیں ہے۔ یعنی ولی مطلقاً معتبر ہے، صفات کی تفصیل صحتِ نکاح پر اثرانداز نہیں۔

نتیجہ: (خلاصہ) چونکہ نکاح کا مسئلہ ایسا ہے کہ امت میں روزمرہ کی ضرورت ہے، اس لیے اگر نکاح کی صحت کے لیے ولی کا ہونا لازمی شرط ہوتا، تو یہ بات امت تک تواتر سے پہنچی ہوتی۔ چونکہ ایسا نہیں ہے، اس لیے یا تو یہ مانا جائے کہ: 1۔ولی نکاح کی شرط نہیں ہے، نکاح خود بخود صحیح ہے؛ ولی کا حق صرف سماجی نگرانی تک محدود ہے۔ 2۔یا پھر یہ مانا جائے کہ اگر ولی شرط ہے بھی، تو اس کی تفصیلات (کون ولی مقدم ہے، کون مؤخر، وغیرہ) نکاح کے باطل ہونے کی بنیاد نہیں بنتیں۔

سوال 4: طلاق مقید کسے کہتے ہیں؟ اقسام اور شروط نوٹ کریں۔ نیز طلاق مقید کے حکم میں راجح قول قلم بند کریں۔

جواب: تعریف: الطلاق المقید ابن رشد رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ طلاق مقید (مشروط یا مستثنیٰ) کی دو قسمیں ہیں: 1۔تقیید بالشرط (تعلیق): یعنی طلاق کو کسی شرط پر معلق کرنا۔ جیسے: "اگر تم فلاں گھر میں داخل ہو تو طلاق"۔ 2۔تقیید بالاستثناء: یعنی طلاق کے عدد سے کچھ مستثنیٰ کر دینا۔ جیسے: "تمہیں تین طلاق مگر ایک مستثنیٰ"۔

کے بعد اس کے لیے حلال نہ ہوگی حتی کہ وہ اس کے سوا اور خاوند سے نکاح کر لے۔ تو اگر فدیہ بھی طلاق ہوتا تو وہ طلاق جس میں عورت طلاق دہندہ شخص کے لیے اس وقت تک حلال نہیں ہوتی جب تک کہ وہ کسی دوسرے شخص سے نکاح نہ کر لے تو یہ طلاق چوتھی طلاق ہوتی۔ ان علماء کے نزدیک فسخ کی تمام صورتیں باہمی رضامندی سے ہوتی ہیں اور یہ حضرات نکاح کے فسخ کو بیع کے فسخ یعنی اقالہ (سودے کی واپسی) پر قیاس کرتے ہیں جبکہ اس موقف کی مخالفت کرنے والوں کے نزدیک یہ آیت فدیہ دینے کے حکم پر اس طرح مشتمل ہے کہ یہ فدیہ ایسی چیز ہے جسے طلاق کی سبھی قسموں کے ساتھ ملایا جا سکتا ہے۔ یہ آیت اس مفہوم پر مشتمل نہیں کہ فدیہ یعنی خلع طلاق کے علاوہ کوئی چیز ہے۔

سبب اختلاف: اس اختلاف کا سبب یہ ہے کہ کیا اس علیحدگی کے ساتھ عوض کو ملانا اسے طلاق والی علیحدگی کے قسم سے فسخ نکاح والی علیحدگی کی طرف نکال دیتا ہے یا نہیں نکالتا۔

راجح مؤقف: راجح مؤقف یہی معلوم ہوتا ہے کہ خلع فسخ نکاح ہے جیسا کہ امام شافعی امام احمد امام داؤد ظاہری اور صحابہ میں سے ابن عباس اسی کے قائل ہیں۔

سوال :3 درج ذیل عبارت کی مکمل وضاحت اور نتیجہ اخذ کریں۔

فإذا كان لا يجوز عليه عليه الصلاة والسلام تأخير البيان عن وقت الحاجة وكان عموم البلوى في هذه المسألة يقتضي أن ينقل اشتراط الولاية عنه صلى الله عليه وسلم تواترا أو قريبا من التواتر ثم لم ينقل فقد يجب أن يعتقد أحد أمرين: إما أنه ليست الولاية شرطا في صحة النكاح وإنما للأولياء الحسبة في ذلك وأما إن كان شرطا فليس من صحتها تمييز صفات الولي وأصنافهم

جواب: وضاحت "فإذا كان لا يجوز عليه عليه الصلاة والسلام تأخير البيان عن وقت الحاجة" رسول اللہ ﷺ پر یہ جائز نہیں کہ جب کسی مسئلے میں امت کو ضرورت پڑے تو آپ اس کا حکم بیان کرنے میں تاخیر کریں۔ یعنی شریعت کے کسی اہم اور عام مسئلے کو آپ ﷺ بیان کیے بغیر نہ چھوڑ سکتے تھے۔

"وكان عموم البلوى في هذه المسألة" یہ مسئلہ (نکاح میں ولی کی شرط) ایسا ہے جس میں سب لوگ مبتلا ہوتے ہیں، ہر جگہ اس کی ضرورت پیش آتی ہے۔ یعنی یہ عمومِ بلوی کا مسئلہ ہے۔

ممکن) یا نہیں (تو رضا شرط)۔ پس مختار یہ کہ اصلاً عدمِ جبر (خصوصاً جب غلام کی واضح کراہت ہو) راجح ہے۔ البتہ اگر کسی مصلحتِ قویہ وعرفِ معتبر میں فقہاءِ احناف و مالکیہ کے فہم پر عمل کیا جائے تو جواز کی صورت نکل آتی ہے، مگر افضل واحوط یہی ہے کہ رضامندی حاصل کی جائے۔

سوال 2: خلع کسے کہتے ہیں؟ نیز خلع سے پیدا ہونے والی فرقت طلاق ہوگی یا فسخ نکاح؟ علماء کے اقوال و دلائل قلم بند کریں۔

جواب: خلع سے مراد: خلع، فدیہ، صلح اور مبارات سبھی الفاظ کا معنی ایک ہی ہے اور وہ یہ کہ عورت کا اپنی طلاق لینے کے عوض کوئی معاوضہ خرچ کرنا۔ البتہ فقہاء کے نظریہ کے مطابق خلع کا لفظ عورت کا تمام وہ مال خرچ کرنا جو اسے اس کے خاوند نے دیا ہو، صلح اس کے دیے ہوئے کچھ مال کو خرچ کرنے، فدیہ اس کے دیے ہوئے مال سے زیادہ خرچ کرنے اور مبارات عورت کا اپنے خاوند کے ذمہ عائد ہونے والا اپنا حق ساقط کرنے کے ساتھ خاص ہے۔

خلع سے پیدا ہونے والی فرقت طلاق ہوگی یا فسخ نکاح؟: جمہور علماء کا موقف ہے کہ خلع طلاق ہے۔ امام مالک اسی کے قائل ہیں جبکہ امام ابوحنیفہ نے خلع کو طلاق اور فسخ کے درمیان برابر قرار دیا ہے۔ امام شافعی کا قول ہے کہ خلع فسخ نکاح ہے۔ امام احمد، داؤد ظاہری اور صحابہ میں سے ابن عباس اسی کے قائل ہیں۔ امام شافعی سے ایک روایت یہ بھی ہے کہ خلع کنایہ ہے۔ اگر تو اس سے آدمی کا ارادہ طلاق کا ہو تو طلاق ہو جاتی ہے ورنہ یہ فسخ نکاح ہوگا۔ امام شافعی سے ان کا جدید قول یہ بیان کیا جاتا ہے کہ یہ طلاق ہے۔ اس فرق کا فائدہ یہ ہوگا کہ کیا اسے طلاق میں شمار کیا جائے گا یا نہیں اور جن جمہور علماء کی رائے میں یہ طلاق ہیں وہ اس سے طلاق بائن قرار دیتے ہیں۔ کیونکہ خلع کی عدت کے دوران اگر شوہر کو اس سے رجوع کا اختیار ہوتا تو اس عورت کا فدیہ ادا کرنے کا کوئی مقصد ہی نہ رہا امام ابوثور فرماتے ہیں کہ اگر خلع لفظ طلاق کے ساتھ نہ ہو تو مرد کو عورت سے رجوع کا اختیار نہ ہوگا اور اگر خلع لفظ طلاق سے ہو تو مرد کو عورت سے رجوع کا اختیار ہوگا۔ جو فقہا خلع کو طلاق قرار دیتے ہیں ان کی دلیل یہ ہے کہ فسخ کی تمام صورتیں اکثر علیحدگی کا تقاضا کرتی ہیں جن میں شوہر کے لیے رجوع کا اختیار نہیں ہوتا جبکہ یہ صورت ایسی ہے جس کا تعلق مرد کے اختیار رجوع کے ساتھ ہے لہٰذا یہ فسخ نہیں اور جو حضرات اُسے طلاق نہیں سمجھتے ان کی دلیل یہ ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے جب اپنی کتاب میں طلاق کا ذکر کیا تو فرمایا ''الطلاق مرتان'' طلاق (رجعی) دو بار ہے۔ پھر فدیہ یعنی خلع کا ذکر کیا پھر فرمایا پھر اگر وہ اسے طلاق دے دے تو وہ اس

الفقہ واصولہ 1446ھ/2025 (سالانہ)

حصہ انشائیہ: کل نمبر 70

نوٹ: حصہ انشائیہ الفقہ سے کوئی سے تین سوال حل کریں۔ ہر سوال کے 14 نمبر ہیں۔

الفقہ

سوال 1: کیا آقا اپنے غلام کو نکاح پر مجبور کر سکتا ہے یا نہیں؟ علماء کے اقوال، دلائل اور راجح قول نقل کریں۔

جواب: امام مالک رحمہ اللہ: آقا اپنے غلام (مرد) کو نکاح پر مجبور کر سکتا ہے۔امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ: مالکی قول کی طرح جبر کا اختیار مانتے ہیں۔امام شافعی رحمہ اللہ: غلام کو نکاح پر مجبور نہیں کیا جا سکتا۔امام احمد رحمہ اللہ: اس میں دو روایتیں ہیں؛ مشہور روایت عدمِ جبر کے موافق ہے۔ابن رشد رحمہ اللہ سببِ اختلاف یوں بتاتے ہیں: کیا نکاح آقا کے ان حقوق میں سے ہے جو وہ اپنے غلام پر بالجبر نافذ کر سکتا ہے یا نہیں؟" (مفهوماً: هل النكاح من حقوق السيد أم ليس من حقوقه؟

دلائل و استدلال: جوازِ جبر کے دلائل (مالکیہ و احناف) نصِ قرآنی ﴿وَ اَنْكِحُوا الْاَيَامٰى مِنْكُمْ وَ الصّٰلِحِيْنَ مِنْ عِبَادِكُمْ وَ اِمَآىِٕكُمْ﴾ النور: 32

آیت میں خطاب اولیاء و سادات کو ہے: اپنے آزاد کنواروں کے ساتھ ساتھ اپنے غلاموں اور کنیزوں کا بھی نکاح کراؤ۔ اسے وہ ولایتِ سیدی مالکانہ ولایت پر دلالت سمجھتے ہیں جس میں اِجبار بھی داخل ہے۔خصوصاً جبکہ غلام کا مال شرعاً مالک ہی کا شمار ہوتا ہے، مہر و نفقہ کی ذمہ داری بھی عملاً آقا پر آتی ہے، تو مصرفِ مال اور مصلحتِ مملوک دونوں اعتبار سے مالک کا اختیار قوی ہے۔

عدمِ جبر کے دلائل (شافعیہ؛ حنبلی روایتِ مشہور) اصل رضا: نکاح ایک ایسا عقد ہے جس میں بدن و معاشرت کے حقوق و فرائض لازم آتے ہیں؛ بے رغبتی میں عقد کے مقاصد فوت ہوتے ہیں۔عمومی قواعد: الضرر يزال، لا يُكلّفُ اللهُ نفسًا إلا وُسعها — اس سے اکراہ کا ابطال مستفاد ہوتا ہے۔

ابن رشد رحمہ اللہ اس باب میں عام طور پر نقول و تعلیل ذکر کرتے ہیں اور جہاں قطعی ترجیح ہو اسے اشارۃً لاتے ہیں؛ یہاں انہوں نے سببِ اختلاف واضح کیا کہ آیا غلام کا نکاح حقوقِ سید میں داخل ہے (تو جبر

2۔ "التقارب فی السن والاسناد" طبقہ کی تعریف ہے۔ (✔)

3۔ تعدیل کا ارفع صیغہ "افعل" ہے۔ (✔)

4۔ حدیث کے صحیح ہونے کے لیے اس کا عزیز ہونا ابوعلی جبائی کے ہاں شرط ہے۔ (✔)

5۔ المحدث الفاصل کے مؤلف کا نام امام رامہرمزی ہے۔ (✔)



اصول الحدیث

سوال:10 درج ذیل سوالات کے مختصر جواب دیں۔ 5 نمبر

سوال:1 نخبۃ الفکر کے مؤلف کا نام اور سبب تالیف تحریر کریں۔

جواب: امام حافظ ابن حجر عسقلانی (متوفی 852ھ)۔ سبب تالیف: یہ کتاب اصول حدیث اور اصطلاحات محدثین کو مختصر اور جامع انداز میں پیش کرنے کے لیے لکھی گئی، تاکہ طلباء کے لیے اس علم کو سمجھنا آسان ہو۔ بعد میں امام ابن حجر نے ہی اس کی شرح "نزہۃ النظر"

سوال:2 محدثین کی اصطلاح میں حکم کسے کہتے ہیں؟

جواب: کسی حدیث کے بارے میں ماہر محدثین کی جانب سے تصدیق (قبولیت) یا تردید (رد) کا فیصلہ۔ مثلاً یہ کہنا کہ "یہ حدیث صحیح ہے" یا "ضعیف ہے"۔

سوال:3 طعن کسے کہتے ہیں؟ اور اس کی دو اقسام کون سی ہیں۔

جواب: راوی میں کوئی ایسا عیب (قابل اعتراض نقطہ) بیان کرنا جو اس کی عدالت یا ضبط پر اثر انداز ہو، جیسے کذب (جھوٹ)، فسق، یا غلطیوں کی کثرت۔

اقسام: 1۔ طعن فی العدالۃ عدالت میں عیب، مثلاً فسق یا کذب۔ 2۔ طعن فی الضبط ضبط میں عیب، مثلاً زیادہ غلطیاں کرنا۔

سوال:4 المتصل اور المسند میں کیا فرق ہے؟

جواب: المتصل: وہ روایت جس کی سند شروع سے آخر تک بلا انقطاع متصل ہو۔ المسند: وہ حدیث جو صحابی تک سند کے ساتھ مرفوعاً رسول اللہ ﷺ کی طرف منسوب ہو۔ یعنی ہر مسند متصل ہوتی ہے، لیکن ہر متصل لازمی طور پر مسند نہیں۔

سوال:5 علم مصطلح پر سب سے پہلی تالیف کا نام ذکر کریں۔

جواب: علم مصطلح الحدیث پر سب سے پہلی مستقل کتاب "المحدث الفاصل بین الراوی والواعی" امام رامہرمزی (م 360ھ) کی ہے۔

سوال:11 درج ذیل میں سے صحیح پر (✓) اور غلط پر (✗) کا نشان لگائیں۔ 5 نمبر

1۔ عدم طلاقی سے تدلیس کا ادراک ہوتا ہے۔

(✗)